واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
انا اعطینک الکوثر
فقد اتینا ال ابرھیم الکتب والحکمة واتینھم ملکا عظیما (القرآن)
انی قد اعطیت مالم یعط احد من الانبیاء (الحدیث)
ھل یتصور کون المعجزة مقدورة للنبی ام لا
کی تحقیق اور اقوالِ متکلمین میں تطبیق پر اردو میں پہلی تالیف
ھدیة الاحباب
فی التصرفات مافوق الاسباب
معروف بہ
نورِ ھدایت
تالیف لطیف
پیر طریقت ابو الخیر پیر علامہ سید حسین الدین شاہ صاحب چشتی قادری دام لطفہ
بانی و مہتمم جامعہ رضویہ ضیا العلوم راولپنڈی
بزم ارشاد
جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ

فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا (القرآن)

اِنِّیْ قَدْ اُعْطِیْتُ مَالَمْ یُعْطَ اَحَدٌ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ (الحدیث)

هَلْ یُتَصَوَّرُ كَوْنُ الْمُعْجِزَةِ مَقْدُوْرَةً لِلنَّبِیِّ اَمْ لَا

کی تحقیق اور اقوالِ متکلمین میں تطبیق پر اردو میں پہلی تالیف

ھدیۃ الاحباب فی التصرفات مافوق الاسباب

معروف بہ

نورِ ھدایت

تالیف لطیف

پیرِ طریقت ابو الخیر پیر علامہ سید حسین الدین شاہ صاحب چشتی قادری دام لطفہ

بانی و مہتمم جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی

ضیاء العلوم پبلی کیشنز راولپنڈی

نام کتاب.................هدیۃ الاحباب فی التصرفات مافوق الاسباب

المعروف بہ ''نورہدایت''

مصنف ....شیخ الحدیث ابوالخیر پیر سید حسین الدین شاہ مدظلہ

نظر ثانی...................مولانا حافظ محمد اسحاق ظفر مولانا سردار احمد حسن

کمپوزنگ.................. ضیاء العلوم کمپوزنگ سنٹر راولپنڈی

کمپوزرز .... قاضی محمد یعقوب چشتی

پیرابندی .... مولانا حافظ محمد اسحاق ظفر

پروف ریڈنگ.......... مولانا محمد صدیق گولڑوی، مولانا سید امتیاز حسین شاہ

ضخامت ....16 / 36 x 23 = 656 صفحات

بارطبع ....دوسرا ایڈیشن مارچ 2012ء

ناشر ....ضیاء العلوم پبلیکشنز راولپنڈی

مقام اشاعت...................ضیاءالعلوم راولپنڈی

قیمت .... روپے

ملنے کے پتے

ہر اچھے بک سٹال سے طلب فرمائیں

عرض ناشر

اظہار و بیان کی صفت وہ کمال ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات انسان کو بہرہ مند فرما کر ''خلق الانسان علمه البیان'' سے اس کمال کی عظمتوں کو بیان فرمایا تقریر و خطاب لسانی اپنے اندر بڑی خوبی رکھتے ہیں مگر اس کے اثرات اتنے دیرپا اور دُوررس نہیں ہوتے۔ جبکہ بیان بالقلم کے اثرات کا دائرہ اپنی وسعت اور دیرپا ہونے کے لحاظ سے اشرف و اعلیٰ ہے۔ ''اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم'' کی آیات مبارکہ سے اس کی اہمیت کو اجاگر فرمایا گیا ہے۔

مکتبہ ضیائیہ کا قیام: مولانا مفتی عبدالقیوم ہزارویؒ کی دوررس نگاہ اور دردِ ملت تھا کہ جب بھی جامعہ رضویہ راولپنڈی میں تشریف لاتے تو شیخ الحدیث پیر سید غلام محی الدین شاہ صاحبؒ سے کہتے کہ راولپنڈی میں اہل سنت کا کوئی مکتبہ نہیں، لہٰذا کتب خانہ قائم کریں، چاہے مدرسہ کے کمرہ میں ہی ہو۔ جامعہ نظامیہ لاہور میں قائم مکتبہ قادریہ کی مثال دیتے۔ اس اصرار میں حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری رحمہ اللہ بھی شامل تھے۔

1979ء میں عرس داتا گنج بخش پر قبلہ شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لے گئے۔ میں بھی آپکے ہمراہ تھا۔ بزرگوں کی آرزوئیں رنگ لائیں کہ قبلہ شیخ الحدیث قدس سرہ نے کتابیں خرید کر میرے سپرد کیں، اسطرح مکتبہ ضیائیہ کا قیام عمل میں آیا۔

تھوڑے ہی عرصہ میں مکتبہ ضیائیہ کی بہتر کارکردگی اور کام کے پھیلاؤ کی وجہ سے بیرون جامعہ دکان لے کر منتقل کیا گیا۔ عربی، اردو کی نصابی و غیر نصابی درجنوں کتب کی اشاعت کا سہرا ابھی مکتبہ ضیائیہ کے سر سجتا ہے۔

قبلہ شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے بیماری کے آخری ایام میں اپنے پاس بٹھا کر مجھ سے میری مصروفیات (مکتبہ ضیائیہ) اور ادارتی امور کی انجام دہی بارے تبادلہ خیال کیا۔ جامعہ کے انتظامی امور کو ترجیح دیتے ہوئے ''مکتبہ ضیائیہ'' کو فروخت کر دیا گیا تاہم

ضرورت کے پیش نظر صرف طباعتی کام ''ضیاء العلوم پبلی کیشنز'' کے نام جاری ہے۔

خدائے بزرگ و برتر کے فضل وکرم سے ''ساداتِ سلطان پور'' کے ایک علمی، دینی خاندان کا فرد ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ میں اس پر جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔ ہمارے بزرگوں نے ہماری تعلیم وتربیت اسلامی نہج پر کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔اسی تربیت کا اثر ہے کہ خاندان کے تمام افراد دینی امور کو انجام دینے میں مصروف عمل ہیں۔

دادا جان قبلہ سید حسن شاہؒ نانا جان قبلہ پیر سید ضیاء الدین شاہ۔ ماموں حضرت پیر سید غلام محی الدین شاہؒ، پیر سید عبد الرحمٰن شاہؒ، پیر سید حسین الدین شاہ مدظلہ اور قبلہ والدِ گرامی سید علاؤ الدین شاہؒ کی زندگیاں دینی خدمات میں گذریں۔ درس وتدریس کیساتھ ساتھ تحریر کے میدان کو بھی زینت بخشی۔ حضرت پیر سید غلام محی الدین شاہؒ نے ''معیار الحق لدعوۃ الحق'' اور پیر سید حسین الدین شاہ صاحب مدظلہ نے ''نورِ ھدایت'' کا عظیم شاہکار امت مسلمہ کو دیا۔ الحمد للہ العظیم ''نور ہدایت'' طبع جدید تمام تر طباعتی حسن کے ساتھ چھپوانے کا اعزاز بھی ہمیں مل رہا ہے۔ موضوع کے لحاظ سے یہ ایک منفرد تحریر ہے۔

''تحریر'' کو معنوی وصوری حسن کے ساتھ صفحہ قرطاس پر لانا بھی ایک فن ہے۔ عبارات کی پیرابندی اور اقتباسات کو انکے خدوخال کے ساتھ لکھنا، علم وہنر کے بغیر مشکل ہے۔ نئے ایڈیشن کو کتابت و کیلی گرافی کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کیلئے ''ضیاء العلوم کمپوزنگ سنٹر'' کے قاضی محمد یعقوب چشتی، سلمہ اللہ خصوصاً مولانا حافظ محمد اسحاق ظفر زید مجدہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ان کی شبانہ روز محنت، انتہائی لگن اور خلوص نے اس کتاب کی دلکشی اور جاذبیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ صاحب ذوق اور فن کی باریکیوں کی نظر رکھنے والے حضرات یقیناً محظوظ ہونگے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ رب العزت اہل سنت کے اس اشاعتی ادارے کو مزید ترقی عطا فرمائے۔ آمین

10 مارچ 2012ء آپکی دعاؤں کا طلبگار سید شہاب الدین شاہ

عرض ناشر

﴿پیشِ لفظ طبعِ دوم﴾

تمام تعریفیں اس خالق و مالک جل وعلا کیلئے جس کی مشیت وارادے کے بغیر کوئی پتہ تک نہیں ہلتا ...... جسے چاہے، جب چاہے، جو چاہے، جتنا چاہے عطا فرماتا ہے...... فعال لما یرید ہے......اور ہمہ انواع و اقسام درود وسلام اس ذات والا صفات پر جو باعث تخلیق کائنات ہیں......جنہیں ساری کائنات سے بڑھ کر کمالات سے نوازا گیا ......انکے تصرفات کرۂ ارض تک محدود نہیں، بلکہ مدار فلک اور شمس وقمر پر بھی حاوی ہیں۔

صلی اللہ علی حبیبه و آله و اصحابه اجمعین.

قارئین کرام! یہ سطور لکھتے ہوئے جتنی مسرّت محسوس کررہا ہوں وہ حروف و الفاظ کے دائرۂ بیان سے باہر ہے۔سالہا سال سے مجھ جیسے سینکڑوں، ہزاروں متعلقین و متوسلین اور آسمان علم وحکمت پر چمکنے والے ستاروں نے جس چاند کے طلوع ہونے کا مدتوں انتظار کیا تھا وہ اب گلستانِ مہر علی ''جامعه رضویه ضیاء العلوم'' کی پچاسویں بہار کے موقع پر طلوع کررہا ہے۔

پس منظر سلطان پور۔احسن ابدال میں فقیہ العصر علامہ سید ضیاء الدین شاہ رحمہ اللہ تعالی کے گھر جس چاند نے 1934ء میں طلوع کیا تھا۔فراست مومنانہ نے کام کیا، مستقبل میں جھانکنے کی صلاحیت رکھنے والی نگاہوں نے شاید اپنے نور چشم کی جبین پہ لکھے نوشتہ کو پڑھ لیا تھا کہ نام ''شاہ حسین الدین'' تجویز ہوا۔نومولود نے گھوارۂ علم وحکمت میں آنکھ کھولی تھی۔ ابھی لڑکپن ہی تھا کہ پرائمری کی تعلیم کے ساتھ ساتھ **تحفیظ القرآن**، فارسی ادب اور ابتدائی صرف ونحو کے اسباق نوک زبان ہو چکے تھے۔عم مکرم اور حضرت فقیہ العصر کو افتاء نویسی کیلئے کتب خانہ سے کتابیں لاکر دینے اور ورق گردانی کے باعث، پڑھے بغیر بھی کتب کے نام اوران کے فنون سے واقفیت ہو چلی تھی۔

ابتدائی ومتوسط درجات کے فنون اپنے والد گرامی، اعمام مکرم اور برادر اکبر علامہ سید غلام محی الدین شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کیے۔ منتہی علوم وفنون کی تکمیل کیلئے حضرت شیخ الجامعہ علامہ محبّ النبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس بھوئی گاڑ، گولڑہ شریف اور دار العلوم عزیزیہ بھیرہ شریف و دیگر مقامات پر تشریف لے گئے۔

محبت رسول کی جوت جگانے، عشق مصطفیٰ سے دل کی شمع کو فروزاں کرنے اور عملی تربیت علی منہاج النبوت پانے کیلئے وارثِ علوم و فیضانِ اعلیٰ حضرت، ناشر علوم نبوت، رئیس المتکلمین حضرت محدث اعظم پاکستان علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد قادری چشتی رضوی قدس سرہ العزیز کے پاس بھیجا گیا۔ اب تربیت مکمل ہو چکی تھی۔ قمر ضیاء الدین اپنے ہلالی حسن و جمال سے نکل کر دین متین کے حسن کا سہرا سجائے ''بدر کامل'' کے روپ میں آسمان علم وحکمت پر جلوہ گر ہونے کیلئے تیار تھا۔

جمعۃ المبارک ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۷۴ھ بمطابق 15 اپریل 1955ء کی بابرکت ساعتوں میں جامعہ رضویہ مظہر الاسلام لائل پور (فیصل آباد) کا سالانہ جشن تقسیم اسناد ہوا۔ مقتدر شیوخ، علماء وفضلاء کی موجودگی میں حضرت محدث اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تلمیذ ارشد کو رسول اللہ ﷺ کے پیام حق کو عام کرنے کیلئے روایت حدیث کی زبانی اور تحریری سند عطا فرمائی اور آپ کے سر پر علم وفضل کی دستار فضیلت سجائی گئی۔

نوٹ: دستار فضیلت کو استاد جی قبلہ نے اب تک بطور ''تبرک'' سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔

عملی زندگی میں قدم رکھتے ہوئے برادر اکبر خطیب العصر علامہ سید عبد الرحمٰن شاہ سلطانپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ ادارے دار العلوم رفیع الاسلام ملکوال میں تدریسی فرائض سرانجام دیئے۔ اسی دوران ''مسجد ٹھیکیداراں گکھڑ منڈی'' کے منتظمین آپ کے وعظ وارشاد اور سلسلہ درس سے متاثر ہوئے تو اپنے ہاں گکھڑ منڈی آنے کی گذارش کی، اور فقیہ العصر، استاذ الاساتذہ حضرت قبلہ عالم پیر سید ضیاء الدین شاہ چشتی

سلطانپوری نوراللہ مرقدہ کے پاس اپنی درخواست لے کر سلطانپور حاضر ہو گئے۔ حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اجازت دیدی اور دعوات صالحہ سے روانہ فرمایا۔

غالباً یہ 1956 کی بات ہے۔ جامع مسجد ٹھیکیداراں گکھڑ منڈی میں رمضان شریف کے پہلے جمعہ سے خطابت کے فرائض سنبھالے۔ یہاں آپ نے تقریباً تین سال تبلیغی خدمات سرانجام دیں۔ گکھڑ منڈی کا ماحول مسلکی ،اختلافی مسائل پر بحث مباحثہ کیلئے بہت پُر جوش تھا۔ مرکز اہلسنت ''جامع مسجد ٹھیکیداراں'' اور مشہور دیوبندی عالم سرفراز خان صفدر سرحدی گکھڑوی کی مسجد قریب قریب واقع تھیں، لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی صورت میں ایک دوسرے کی مسجد میں آوازیں سنی جاسکتی تھیں۔ اختلافی مسائل پر خوب سیر حاصل بحث ہوتی۔

جمعہ کے خطبہ کے علاوہ درس قرآن کا سلسلہ شروع فرمایا جو اتنا مقبول ہوا کہ دور و نزدیک کے سینکڑوں اہل محبت اس سے مستفید ہوتے، بسا اوقات حزب مخالف کے درس میں بیان کئے ہوئے دلائل کو زیر بحث لایا جاتا۔ آپ فرمایا کرتے ہیں کہ:

''ان دروس قرآن کی برکت سے مجھے بہت علمی فائدہ ہوا، خصوصاً تفسیر کبیر کا بڑا حصہ میرے زیر مطالعہ آیا''

آپ درس قرآن کیلئے اپنے خاندانی کتب خانہ سلطانپور شریف سے تفسیر کبیر لے گئے اور اسی سے استفادہ کر کے درس قرآن دیا کرتے تھے، اہل علم، امام رازیؒ کے طرز تفسیر، انداز استدلال اور سوال وجواب کی کیفیت سے آشنا ہیں، چونکہ آپ کے درس قرآن یا دیگر اجتماعات وتقاریب کے خطابات میں تفسیر کبیر کے اسلوبِ تحریر کی جھلک نظر آتی ہے شاید اسی وجہ سے خانصاحب گکھڑوی نے طنزاً لکھا کہ......مؤلف ''نور ہدایت'' کو منطقی ہونے کا دعوی ہے۔

اسی دوران گکھڑ کے احباب کی خواہش بالخصوص انجمن خدام الصوفیہ کے اراکین

کے اصرار پر آپ نے ''هدية الاحباب فی التصرفات مافوق الاسباب'' المعروف بہ ''نور ہدایت'' لکھی۔

انجمن خدام الصوفیہ نے چھپوانے کی ذمہ داری کا بیڑا اٹھایا۔ آپ نے کتاب کا مسودہ ان کے حوالے کر دیا۔

نور ہدایت کا طبع اول:

نور ہدایت کا مسودہ کاتب کے سپرد تھا کہ آپ راولپنڈی تشریف لے آئے۔ آپ کی عدم موجودگی میں ہی کتابت وطباعت کا مرحلہ ہوا، پروف ریڈنگ نہ ہونے کی وجہ سے کتابت کی غلطیاں رہ گئیں۔ مزید براں اس وقت چھپائی ''لیتھو پرنٹنگ'' ہوا کرتی تھی جس کی وجہ سے اعلیٰ معیار طباعت نہ ہوتا تھا۔ بدیں وجہ طبع اول میں کتابت کی کئی کمزوریاں موجود ہیں۔

راولپنڈی میں آمد:

''مشک آں باشد کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' کے مصداق آپ کے علم وفضل اور جوہر بیان سے جب بھی کسی کی سماعت بہرہ مند ہوئی وہ دلداہ ہو گیا۔ جامعہ غوثیہ مظہر الاسلام راولپنڈی میں آپ کے استاد و برادر اکبر حضرت مولانا سید غلام محی الدین شاہ سلطانپوری رحمہ اللہ تعالیٰ بطور صدر المدرسین خدمات انجام دے رہے تھے۔ بدیں وجہ جامعہ غوثیہ مظہر الاسلام کے سالانہ جلسہ میں آپ تشریف لائے ہوئے تھے۔ بعض اہل محبت نے آپ کی تقریر سننے کی خواہش ظاہر کی۔ احباب کے اصرار پر آپ نے اکابر علماء کی موجودگی میں خطاب فرمایا۔

خطاب کیا تھا مسلک حقہ اہل سنت وجماعت کے نظریات ومعتقدات کو قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کے معطر ومعنبر کلمات سے یوں مزین کیا کہ سامعین عش عش کر اٹھے۔ حضرت محدث اعظم پاکستان کے پروردہ نوجوان عالم دین نے احادیث مبارکہ کی

درست تلفظ و کامل اعراب سے یوں تلاوت کی کہ سلک مسلسل کا سیل رواں لگتی تھی۔عوام تو عوام،علماء ومشائخ بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔

یہی وہ پہلی تقریر تھی جسے سن کر اہل راولپنڈی اس ''ضیائی شاہزادے'' کے گرویدہ ہو گئے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید غلام محی الدین شاہصاحب اور استاذ العلماء مولانا حافظ عبدالغفور چشتی گولڑوی نور اللہ مرقدہما سے پیہم اصرار کرنے لگے کہ آپکوراولپنڈی میں لایاجائے اورآپکے علمی وتنظیمی جوہر سے اہل سنت کوتقویت بخشی جائے۔

دلوں کو دلوں سے راہ ہوتی ہے۔اہالیان راولپنڈی خاندان ضیائیہ کی عظمتوں سے پہلے ہی آشنا تھے،حضرت شیخ الحدیث علامہ سید غلام محی الدین شاہ صاحب کی تدریس اورعلامہ سید عبدالرحمٰن شاہ صاحب سلطانپوری کے جوہر خطابت سے اچھی طرح آشنا تھے۔ دوسری طرف آپ فنون کی بعض ادق اور منتہی کتب سبقا پڑھنے کے خواہاں تھے، لہٰذا آپ نے گکھڑمنڈی کے احباب سے اپنی علمی تشنگی بجھانے کا تذکرہ کرکے اجازت طلب کی،مگر گکھڑمنڈی والے بھی تواس عطر بیز زباں کے دلدادہ ہو چکے تھے۔معززین کا ایک وفد آپ کے والد گرامی حضرت فقیہ العصر کے پاس آ گیا،اوراہلیان گکھڑمنڈی کی قلبی کیفیت کا تذکرہ کیا۔آخرالامر طے ہوا کہ آپ جمعہ پڑھانے گکھڑمنڈی جایا کریں گے،بقیہ ایام میں آپ بیشک راولپنڈی میں قیام کریں۔

دارالعلوم غوثیہ مہریہ درگاہ عالیہ گولڑہ شریف میں ان دنوں ہزارہا علماء ومدرسین کے استاذ، جامع المنقول والمعقول، بحر العلوم، شیخ الجامعہ،حضرت مولانا محبّ النبی قریشی چشتیؒ اور استاذ الکل حضرت علامہ مولانا محمود شاہ صاحب تدریسی فرائض انجام دیتے تھے۔آپ نے جامعہ غوثیہ مظہر الاسلام راولپنڈی میں رہائش پذیر ہوکر روزانہ گولڑہ شریف جا کر درس لینا شروع کیا،ساتھ ہی اہلیانِ راولپنڈی کو عشق ومحبت مصطفیٰ کریم ﷺ کی جوت جگانے کیلئے مسجد میاں فضل الٰہی (سبزی منڈی) میں بعداز نماز فجر درس قرآن

کا سلسلہ شروع فرمایا، جو بعد میں آپ کی مستقل خطابت پر منتج ہوا۔ یاد رہے! یہی وہ بابرکت وفضل الٰہی کا مظہر مسجد ہے جہاں سے ۱۴ شعبان ۱۳۸۳ ھ کی بابرکت شبِ براءت میں اکابرین و مخلصین کی دعاء سے ''جامعہ رضویہ ضیاء العلوم'' کا آغاز ہوا تھا۔

عزم جواں اور جہد مسلسل کے خوگر نے بیک وقت کئی ذمہ داریوں سے کماحقہ عہدہ برآ ہونے کا مصمم ارادہ کیا۔ روازانہ گولڑہ شریف اسباق میں حاضری، بعد نماز فجر مسجد سبزی منڈی راولپنڈی میں درس قرآن اور جمعۃ المبارک پڑھانے گکھڑ منڈی جانا۔ کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا مگر مستقبل کی منصوبہ بندی اس کی متقاضی ہوئی کہ راولپنڈی میں ہی مستقل قیام کیا جائے، بنابریں گکھڑ منڈی والے محبین سے معذرت کر لی گئی۔

قبلہ شاہ صاحب کی آمد کے بعد بہت جلد ہی مسجد سبزی منڈی اہل سنت کا امتیازی نشان بن کر ابھری۔ دو دو، تین تین روزہ سالانہ عظیم الشان بڑی کانفرنسیں منعقد ہونے لگیں۔ نوجوانان اہل سنت کا ایک جم غفیر حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے متوالوں میں شامل ہو چکا تھا۔ انجمن تبلیغ اہل سنت کی داغ بیل ڈالی گئی، ہر ماہ تبلیغی و اصلاحی عناوین پر مشتمل چھوٹے رسالے شائع کر کے مفت تقسیم کئے جاتے تھے۔ بایں ہمہ ایک معیاری دارالعلوم کا خواب آپ کا مطمع حیات بنا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت شامل ہوئی کہ انجمن تبلیغ اہل سنت کے پلیٹ فارم سے ایسی ٹیم میسر آ گئی جو بہت جلد ایک عظیم الشان دارالعلوم کے قیام کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

ادارے کے قیام کی وجہ سے تدریسی وانتظامی مصروفیات کا اتنا انبوہ ہو گیا کہ تحریر وتصنیف کی طرف توجہ نہ ہو سکتی تھی۔ تاہم جامعہ کے فاضل مدرسین نے اس کمی کو پورا کرنے کی بھرپور سعی فرمائی جس کی بدولت سینکڑوں معیاری مطبوعات منصۂ شہود پر آئیں۔

نورہدایت کا طبع جدید:

مکتبہ ضیائیہ اور ضیاء العلوم پبلی کیشنز کی متعدد مطبوعات میں ''نورہدایت'' کا

تذکرہ ہوتا تھا، بنا بریں ہر طرف سے اس اہم ترین مگر ادق موضوع پر لکھی جانیوالی اس کتاب کی مانگ بڑھ جاتی۔ ادھر استاد جی قبلہ کی حساس طبیعت اور مصروفیات کا بارگران اس کے طبع جدید میں رکاوٹ بنا رہا۔

راولپنڈی آمد و مصروفیات:۔

راولپنڈی میں سکونت اختیار کرنے کے بعد آپ نے شدت کیساتھ محسوس کیا کہ اہل سنت و جماعت کا کوئی معیاری دار العلوم نہیں۔ عقائد اہل سنت کے تحفظ انکی اشاعت اور دوسرے فرقوں کے حملوں سے بچانے کیلیے سب سے ضروری اور مفید کام دار العلوم کا قیام ہے۔ آباء واجداد کے طرز حیات، حسبۃً للہ تدریسی، تعلیمی خدمات، تعلیم وتعلم کے ذوق کا تقاضا بھی یہی تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی کہ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم جیسے ضیاپاش ادارہ کو قیام کی سعادت ملی۔ **الحمدلله علی ذلک**

یہاں ادارہ کی تفصیلات بتانا مقصود نہیں بلکہ آپکی مصروفیات، قلبی رجحانات اور علمی مشاغل کی نشاندہی کرنا ہے۔ آپ بیک وقت تدریس بھی فرماتے اور ادارے کے انتظامات بھی۔ معاونین کیساتھ رابطے میں بھی رہتے اور تبلیغ وارشاد کے پروگرام بھی ترتیب دیتے۔ خود بھی تبلیغی دوروں پر اندرون وبیرون ملک تشریف لے جاتے رہے۔

مزید براں لوگوں کے معاشرتی معاملات، انکی مجالس میں شرکت، اہل سنت کی مذہبی وملی تنظیموں میں عملی حصہ، بلکہ ہر ملی تحریک میں عمدہ کارگردگی کا مظاہرہ آپ کی حیات کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ان ہمہ جہتی معمولات اور کثرت مصروفیات کے باعث تحریر وتصنیف کے شعبہ سے کٹ کر رہ گئے۔

اس پر مستزاد یہ کہ طبیعت کا میلان اس طرف ہوگیا کہ: بحث ومباحثہ میں وقت لگانے کی بجائے مثبت، اثر انگیز اور دیرپا امور پر توجہ دی جائے، نیز آپ کے دل میں اُمنگ پیدا ہوئی کہ دوسروں کی بہ نسبت خود اپنے ہم مسلک احباب میں جو عملی کمزوریاں نفوذ

کر رہی ہیں ان کی اصلاح پر دھیان دینا چاہیے۔ زمانہ شاہد ہے کہ آپ کے خطابات ومجالس میں کسی دوسرے فرقے کو للکارنے یا نامناسب انداز تخاطب اختیار کرنے کی بجائے دردمندانہ اصلاح اور اپنے لوگوں کی تربیت پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔

کچھ طبع جدید کے متعلق!

یاد رہے کہ ''نور ہدایت'' میں ابحاث جدیدہ ومفیدہ کا اضافہ کسی ایک مجلس میں پر سکون بیٹھ کر نہیں کیا گیا، بلکہ اس کا بہت سا حصہ تو مختلف اوقات میں گاڑی یا ہوائی جہاز کے سفر کے دوران بھی لکھوایا گیا۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا حافظ محمد صدیق گولڑوی فاضل جامعہ رضویہ، حال لاہور کی ''استقامت'' کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ محترم حافظ صاحب اکثر آپ مدظلہ کے ہم سفر رہتے ہیں۔ خصوصاً غیر ملکی اسفار میں آپکے ہمراہ ہوتے ہیں۔ عقیدت اور جذبہ خدمت کے علاوہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حافظ صاحب برٹش پاسپورٹ ہولڈر ہیں، کسی بھی ملک کا ویزا حاصل کرنے میں آپ کیلئے آسانی ہے۔

دوران سفر جونہی حافظ صاحب کو مناسب موقع محسوس ہوتا، استاد جی کی طبیعت کا خیال کرتے ہوئے کوئی سوال پیش کرتے، اور ارشاد فرمودہ کو رقم فرمالیتے۔ بعض اوقات استاد جی خود ہی کوئی مضمون املاء کروادیتے اور اس سے متعلق حوالہ کی نشاندہی فرمادیتے، جسے حافظ صاحب بڑی عرق ریزی سے تلاش کرتے اور متعلقہ مقام پر درج کردیتے۔

حافظ صاحب قبلہ آرمی کے ریٹائرڈ خطیب ہیں، نظم وضبط اور ڈسپلن اُن کی گھٹی میں شامل ہے۔ بکھری معلومات کو ترتیب دینے، ''اضغاث احلام'' کی درست تعبیر تک رسائی حاصل کرنے اور تابناک ماضی کے دریچوں میں جھانکتے ہوئے روشن مستقبل کی منصوبہ بندی کرنے میں اپنا مثیل نہیں رکھتے۔

جامعہ کی پچیس سالہ دینی خدمات کی روئیداد کی ترتیب کے دوران اُن کی شفقتیں اور محبتیں، مجھے کبھی نہ بھولیں گی۔ معاصرین کی ثروت ورنگینی کو دیکھتے ہوئے کون متاثر نہیں

ہوتا ؟ مگر اُن کے مصلحانہ انداز مشاورت اور برمحل استشہاد...... '' قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ '' ...... سے مجھ جیسے کوتاہ بین بھی شادکام رہتے ہیں۔

کل امر مرھون باوقاتہ :

اضافات جدیدہ مفیدہ کا بہت سا حصہ کئی سال پہلے تیار ہو چکا تھا مگر بے ترتیب تھا، بحث کے کس حصہ کو کہاں پر ترتیب دینا ہے؟ یہ ایک مشکل مرحلہ تھا۔ کہ بکھری معلومات کو ترتیب وتہذیب کے مراحل سے گزارا جائے۔ جہاں نورِ ہدایت کی طبع جدید کا محرک ہونے کا اعزاز اس ناچیز کو حاصل ہے، وہیں اس کی آخری نوک پلک سنوارنے کی سعادت بھی نصیب ہو رہی ہے۔ مگر...... ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

﴿پچاس سالہ تقریبات تشکر گولڈن جوبلی﴾

گلستان مہر علی جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی کی 50 سالہ تقریبات تشکر (گولڈن جوبلی) نے نور ہدایت کی ''طبع جدید'' کیلئے مہمیز کا کام کیا، کہ جہاں اور بہت سارے تابناک ماضی کے کارناموں کو منصۂ شہود پر لانے کی سعی ہو رہی ہے، وہیں اس علمی مرقع کو بھی افادۂ عام کیلئے شائع کیا جائے۔ اس سلسلہ حضرت صاحبزادہ والا شان علامہ سید حبیب الحق شاہ ضیائی دامت برکاتہ العالیہ کی تحریک قابل ستائش ہے جس کی بدولت اچھوتے اور ادق موضوع کی تحقیقات انیقہ پر مشتمل تالیف لطیف ''نور ہدایت'' مع اضافات جدیدہ مفیدہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ہدیہ سپاس:

طبع جدید کیلئے جن بزرگوں اور احباب کی کوششیں شامل رہیں ان میں مفسر قرآن، صاحب تصانیف کثیرہ، حضرت استاذنا الکریم کے دیرینہ وفادار ساتھی حضرت علامہ مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ صاحب سیالوی مدظلہ کا پیہم اصرار اور حضرت مولانا سید شہاب الدین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا عزم صمیم کارگر ہوا۔ جیسا پہلے ذکر

ہوا کہ حافظ محمد صدیق گولڑوی کی استقامت کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔ عزیزم مولانا محمد یعقوب چشتی سینئر آپریٹر ضیاء العلوم کمپیوٹر سیکشن کی جہد و استقامت کا تذکرہ نہ کرنا، ناسپاسی ہوگی کہ دن ہو یا رات جس وقت بھی انہیں طلب کیا گیا، حاضر ہوگئے، کبھی استاد جی کے پاس حجرہ میں اور کبھی کمپیوٹر سیکشن میں۔ متحرک انداز میں کمپوزنگ کرتے رہے۔ ایک دو مرتبہ نہیں بکھری معلومات کو بارہا کمپوز کیا اور پھر حذف کیا، کبھی ایک جگہ پیسٹ کیا کبھی دوسری جگہ، مگر کیا مجال کہ اس حذف و تنسیخ میں ملول خاطر ہوئے ہوں۔ علامہ ڈاکٹر عبدالناصر لطیف صاحب نے عربی عبارات پر تشکیل کا کام کیا۔ مختلف اوقات میں دیگر احباب و متعلقین نے نظر ثانی و پروف ریڈنگ کی ذمہ داری نبھائی اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا، جن میں جامعہ کے سینئر مدرس حضرت علامہ سردار احمد حسن سعیدی، مولانا خان محمد قادری، مولانا سید امتیاز حسین شاہ کاظمی شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو فلاح دارین سے نوازے۔ آمین۔

اعزازِ و افتخارِ ما:

یوں تو راقم پر قبلہ استاذی المکرّم دامت برکاتہم القدسیہ کی بے شمار عنایات ہیں جن کے تشکر سے عاجز ہوں، تاہم اس عظیم علمی شاہکار کو آخری مرتبہ پڑھنے کی ذمہ داری مجھ ناچیز کے حصے میں آئی۔ جیسا کہ تذکرہ ہو چکا کہ اضافات جدیدہ کسی ایک نشست یا متعدد نشستوں کے پُرسکون ماحول میں نہیں لکھے گئے، بلکہ متعدد اسفار کے دوران یہ رشحات قلم ضبط تحریر میں لائے گئے۔ اس وجہ سے ترتیب وتہذیب میں کہیں سقم نظر آئے تو اسے ہم جیسے خادموں کی کوتاہی پر محمول کیا جائے۔ قبلہ استاذی المکرّم نے تو حسب موقع اپنے ملفوظات برمحل و درست ہی ارشاد فرمائے تھے۔

قارئین کرام! تالیف ہذا خالصتاً علمی بحث ہے، مجھ جیسا علم دین کی تدریسی خدمت انجام دینے والا شخص بھی بعض مقامات کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ قبلہ گاہی سے جب

عرض کیا تو شاد کام کرنے کیلئے فرمایا: ''اگر کہیں بات سمجھ نہ آئے تو استفسار کر کے پوچھ لو، سمجھ لو، کل جواب تم لوگوں نے ہی دینا ہے''۔

علمی وفنی اصطلاحات وصناعات کا استعمال واستخدام دیکھ کر حیرت واستعجاب میں ڈوبے ہوئے دل باغ باغ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور مصطفیٰ کریم ﷺ کی عنایات کا صدقہ ہمارے اکابرین علم وفضل کی کس اوج کمال پر فائز ہیں؟

اضافات جدیدہ:

خیال رہے کہ خانصاحب گکھڑوی کے سوالات اوران کے جوابات کوالگ کتابی شکل میں تالیف نہیں کیا گیا بلکہ نور ہدایت طبع اول کواصل ترتیب پر باقی رکھتے ہوئے موقع محل کی مناسبت سے اضافہ کیا گیا۔

بواعث التکرار: کتاب کا مطالعہ کرتے وقت کئی حوالہ جات یا ابحاث ومسائل کا تکرار محسوس کیا جائے گا اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ خانصاحب گکھڑوی نے ایک ہی مسئلہ کو کئی مقامات پر درج کیا، اسی مناسبت سے جواب میں بھی اعادہ کا خیال رکھا گیا۔ مثلاً مافوق الاسباب کے مفاہیم...... معجزہ کے مقدور نبی ہونے یا نہ ہونے...... معجزہ کے مافوق الاسباب (خرق عادت) نہ ہونے بلکہ اسبابی امور یا ماتحت الاسباب امر ہونے کا دعویٰ ...... معجزہ میں خرق عادت ہونے کی شرط کا نہ ہونا وغیرہا۔

خانصاحب کا ایسا طرز تکرار، ابحاث کے تکرار کا باعث ہوا۔ نیز کبھی قارئین کے فائدہ کیلئے محسوس کیا گیا کہ فلاں بحث یا فلاں حوالہ کا دوبارہ ذکر فائدہ بخش ہوگا تاکہ قاری کتاب کو فہم مطالب میں آسانی ہو۔ اس لئے کہ اکثر احباب پوری کتاب کا مطالعہ نہیں کرتے، کسی خاص مقام کو زیر نظر لاتے ہیں، ان کا خیال کرتے ہوئے تکرار کو گوارہ کیا گیا۔

بزم ارشاد کا ناز واعزاز:

جامعہ رضویہ ضیاء العلوم کے طلبہ کی انجمن ''بزم ارشاد'' اہل سنت کے پلیٹ فارم

سے اٹھنے والی ہر تحریک کا ہراول دستہ ہوتی ہے۔اسی کے تربیتی گہوارے سے تربیت پا کر آج پوری دنیا میں ''علماء وفضلائے ضیاء العلوم'' ترویج واشاعت دین کا فریضہ بطریق احسن انجام دے رہے ہیں۔تحریر کا میدان ہو یا تقریر کا،کوئی ملی و مذہبی تحریک ہو یا تنظیم و تربیت امور۔ہر میدان کا شہسوار بنانے کیلئے ''بزم ارشاد'' بہترین پلیٹ فارم ہے۔

ناچیز بھی اسی بزم کی تربیت گاہ کا مربہ ہے۔بچپنے کی یادوں کو تازہ رکھنے والے اپنے محسنوں کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں،نقوش صغرسنی انمٹ ہوتے ہیں،وہ اس بات کو ہمیشہ دھیان میں رکھتے ہیں کہ مجھے کس نے، کب،کیا فیضان دیا ہے؟ بزم ارشاد نے مجھ جیسے کئی بیکاروں کو کارآمد بنا کر میدان عمل میں اتارا ہے۔

بزم ارشاد کی بزم آرائیوں سے خوش ہو کر اس کے مستقبل کو تابناک بنانے کیلئے حضرت استاذنا الکریم نے ''نور ہدایت'' شائع کرنے کی اجازت دیتے وقت آئندہ آنے والے عزیز طلبہ وطالبات پر کمال شفقت کی اور ہدایت فرمائی ہے کہ:

''اس کتاب کی اشاعت سے حاصل ہونے والے تمام منافع ہمیشہ ''بزم ارشاد'' جامعہ رضویہ ضیاء العلوم اور جامعہ آمنہ ضیاء البنات کی بہبود کیلئے وقف ہیں''

جامعہ کے نونہالوں، مستقبل کے معماروں کیلئے یہ کم اعزاز نہیں کہ ان کے مربیوں نے ان کے روشن مستقبل کیا کیا منصوبہ بندیاں کی ہیں۔مبروک الف مبروک۔

قبلہ بڑے استاد جیؒ کی اس دعا پر ختم کرتا ہوں:

بادِ صرصر سے رہے مامون گلستاں مہر علی تا ابد قائم رہے یہ گلستان مہر علی

یکے از خوشہ چینانِ گلستان مہر علی، دریوزہ گر علم وہنر

9 مارچ 2012 حافظ محمد اسحاق ظفر

پیشِ لفظ طبع دوم

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمده و نصلی و نسلم علی حبیبه الکریم علیه التحیته و التسلیم

سخن اولیں

از قلم: محقق اہل سنت حضرت علامہ سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی مُدّ ظلہ العالی

بانی و مہتمم جامعۃ الزہراء مصریال روڈ راولپنڈی کینٹ

1951ء کا نصف ثانی شروع تھا کہ مجھے داخلہ کیلئے جامعہ عزیزیہ حزب الانصار جامع مسجد بھیرہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ میں کمرے میں بیٹھا تھا کہ ایک شخصیت نے دروازے کے سامنے کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر مجھے دیکھا۔ میرا انہیں دیکھنے کے بعد پہلا تاثر یہ تھا کہ ان کے چہرے پر طالب علمانہ وجاہت کے ساتھ ساتھ محنت اور علمی استغناء کی نورانیت کی جھلک بھی عیاں تھی۔ کسی کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ صاحب یہاں کے صدر المدرسین استاذ الاساتذہ علامہ سید غلام محی الدین شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں اور منتہی طلبہ میں شامل ہیں۔

جب تدریس شروع ہوئی تو میں ان کا ہم سبق تھا۔ ہم نے مل کر یہ کتب پڑھیں: بیضاوی، ہدایہ، قاضی مبارک، حماسہ، متنبّی، المطول، شمس بازغہ اور صدرا وغیرہ۔ میرے یہ عظیم ساتھی اسباق کا اچھی طرح مطالعہ کر کے آتے تھے۔ ہماری قدرِ مشترک یہ تھی کہ ہم دونوں آنے والے سبق کا حواشی و شروح سمیت اچھی طرح مطالعہ کر کے آتے تھے۔ آپ کثرت مطالعہ کی وجہ سے کم آمیز تھے۔ شام کو ہم دونوں کھیل میں شریک ہوتے تھے یا سیر کیلئے نکلتے تھے مگر مل کر ہم سیر نہیں کرتے تھے۔ اس عرصے میں میں نے دیکھا کہ میرا پہلا تاثر بھی صحیح تھا۔ وہ وجاہت علمی اور فکری استغناء کا مجسمہ تھے۔ ہفتہ وار علمی محفل کی وہ رونق ہوتے۔ قرآن حکیم کی تلاوت کا پُرسوز حصہ انہیں خالقِ ازل نے عطا فرمایا تھا اور ان کا خطاب بڑا ہی مدلل ہوتا تھا۔

یہ تھے میرے لیے سراپا نازش رفیق علمی سید پیر شاہ حسین الدین صاحب

جو مستقبل کے عظیم محدث، مفسر، مناظر، مایہ ءصد افتخار ہمہ جہتی مدرس اور عدیم المثال مصنف کا تاج فرقِ اقدس پر سجانے والے تھے۔

فراغتِ علمی کے بعد فقیر ایک سال جامعہ عزیزیہ میں پڑھانے بیٹھ گیا اور شاہ صاحب گکھڑ منڈی میں بطور خطیب تشریف لے گئے۔ وہاں مشہور دیوبندی عالم علامہ محمد سرفراز خان صاحب سے علمی نوک جھونک شروع ہوئی جو علمی شاہکار کتاب ''نورِ ہدایت'' کی تخلیق کا باعث ہوئی۔

بھیرہ سے فارغ ہو کر میں ہائی سکول سے ہوتا ہوا کالج میں پہنچا، تو محترم المقام شاہ صاحب مجھے کچھ رضا اور کچھ جبر سے اپنے اصلی مقام ''خدمتِ علوم اسلامیہ'' کی طرف جامعہ رضویہ ضیاء العلوم سبزی منڈی راولپنڈی کی طرف کھینچ لائے۔ راولپنڈی میں اہلسنت کے مدارس تو تھے مگر علمی مرکزیت نہیں تھی۔

حضرت شاہ صاحب کے برادر ذیشان علامہ ءزماں، محدث دوراں پیر سید غلام محی الدین شاہؒ نے اپنے چھوٹے بھائی کی ہر انداز سے سرپرستی فرمائی اور سبزی منڈی راولپنڈی میں حاجی اینڈ کمپنی اور دیگر رفقاء کی معاونت سے جامعہ رضویہ ضیاء العلوم کی بنیاد رکھی۔ یہ ادارہ اللہ کریم کے فضل عمیم اور رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہِ لطف و کرم سے مختصر عرصے میں ملت کا مرکز بن گیا اور اس میں صرف پاکستان سے ہی نہیں بلکہ ساؤتھ افریقہ، سینیگال اور کینیا وغیرہ سے طلبہ آ گئے۔

اس تدریسی عرصہ میں شاہ صاحب نے قلم مجھے پکڑایا اور ''جامع کرامات الاولیا'' کا ترجمہ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ کتاب کی پہلی جلد جلد ہی چھپ گئی، جس کا پیش لفظ شاہ صاحب نے ہی سپردِ قلم فرمایا۔ فقیر تو ان کی اس عطا سے دو سو پانچ کتابیں لکھ چکا ہے، مگر شاہ صاحب کی بے پایاں مصروفیات، انہیں تالیف و تصنیف کی دنیا سے دور رکھ رہی تھیں۔ فقیر نے کئی دفعہ توجہ دلائی، بسا اوقات بھرپور مجمع میں بھی اس میدان میں اترنے کی درخواست کی اور مجمع کے حاضرین سے التجا کرائی، مگر! کل امر مرھون باوقاتہ کا مسئلہ حائل رہا۔

اللہ کریم نے میرے ساتھ سب دوستوں کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور شاہصاحب نے قلم پکڑلیا۔اب اس قلم کی جولانیاں رنگ دکھانے لگ گئیں اور شاہ صاحب قبلہ تحقیق اور تدقیق کے وسیع سمندر سے لولوئے تابدار اور ستارہ ہائے چمکدار نکال لائے۔معاندین کی آنکھیں دلائل کی لمعانیوں سے چندھیا جائیں گی اور اہل سنت کے دل ایمانی شعاعوں سے جگمگا اٹھیں گے اور میرے ساتھ علماء وفضلاء کا نعرہ مستانہ ہوگا کہ

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

جو حضرات فقیر کو جانتے ہیں، انہیں معلوم ہے اور جو نہیں جانتے ان کے سامنے مذکور ہے کہ: علم وادب کی خدمت کرتے پچاس سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔میں نے اتنی مدلل، اتنی جامع اور علوم وفنون سے اتنی بھرپور اور قرآن وسنت کے انوار سے اتنی معمور کتاب اردو لٹریچر میں نہیں دیکھی۔حضرت شاہ صاحب نے بھرپور اور پرُنور انداز سے قرضہ اتار دیا ہے۔قلم کا حق ادا کر دیا ہے۔تحقیق کا ہمالہ کھڑا کر دیا ہے،جس کی چوٹی کو دیکھ کر صحرانشینوں اور نجد کے مکینوں کے سروں سے پگڑیاں گریں گی۔اور طلباء،علماء،وکلاء اور مشائخ کی رجز خوانیوں سے باطل چکرا کر گرے گا۔

شاہ صاحب کی خدمت میں میرے ساتھ ساری ملت عرض کرے گی کہ: نقشِ اول کے ساتھ نقشِ ثانی کی آمد کا انتظار رہے گا۔اللہ تعالیٰ آپ کے قلم کے گلستاں کے سدابہار پھول کھلاتا رہے اور ملت کی جان اِن کی راحت افزا مہک سے معطر ہوتی رہے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

میں کتاب کے حسن میں کھو گیا ہوں۔پوری کتاب پر تبصرہ تو ایک نئی کتاب کی صورت میں ہی ہوسکتا ہے۔صرف چند پہلوؤں کی تابانی ولمعانی میں اپنے قارئین کو شریک کررہا ہوں۔کتاب پڑھنے سے پہلے اس کے خلاصہ کے مطالعہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اوراس سے مجھے لمبا تبصرہ لکھنے سے استغنا کی دولت مل گئی ہے۔

دور حاضر کے کچھ علماء نے جن میں علامہ سرفراز اوران کے ہمنوا بھی شامل ہیں،

محض الجھاؤ پیدا کرنے کے شوق میں کچھ نئی اصطلاحات وضع کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ان کا ''مافوق الاسباب وماتحت الاسباب'' اصطلاح وضع کرنے کا سبب بھی یہی لیلائے نجد کے وصال کیلئے ہے۔برادر مکرم شاہ صاحب نے اس کا علمی وفکری تجزیہ فرماتے ہوئے گندگی کے ڈھیر پر پیدا ہونے والے اس دھتورہ کو اکھاڑ کے تحقیق کی دنیا سے باہر پھینک دیا ہے۔مگر وہ ایک دو اصطلاحات کا مزید اضافہ کرلیں تو محققین کے تفنن طبع کا سامان پیدا ہوسکتا ہے۔یہ حضرات گاندھی کو امرتسر کی مسجد میں منبر پر جلوہ افروز کرنے کی سعادت غیر مترقبہ پا چکے ہیں۔اس کے لیے غوث اور نہرو کے لیے قطب کی اصطلاح وضع کرنے میں کیا حرج ہے؟

مفکر ملت حضرت شاہ صاحب اور ژولیدہ فکر علامہ سرفراز کی علمی پنہائیوں کا موازنہ کرنے کے لیے قارئین کرام کی خدمت میں مفکر پاکستان علامہ اقبال کا ایک شعر پیش ہے

ے ہے پرواز دونوں کی اس ایک فضا میں
گرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

یعنی ممولے شہباز سے لڑتے اچھے نہیں لگتے۔

علامہ سرفراز کے استاد علامہ حسین علی بھچروی کی تفسیر **بُلْغَۃُ الحَیران** بقول علامہ خدا بخش دہلوی شیخ الحدیث جامعہ عزیزیہ بھیرہ، دراصل **بلُغّتِہ الحیران** ہے۔شاہ صاحب مدظلہ العالی نے اس کی عبارات پر بھی خوب خوب علمی گرفت فرمائی ہے۔ فقیر کے ساتھ مولوی عبدالرؤف آف بوچھال کلاں مؤلف رؤفی کے ساتھ ایک گاؤں قمر میں مسئلہ علم الغیب پر مناظرہ ہوا۔علامہ بھچروی کی علم خداوندی پر مشتمل ایک عبارت پیش کی تو کہنے لگے: اگر آپ میرے پیر کی عبارت پیش کریں گے تو میں آپ کے پیروں کی ایسی عبارات پیش کروں گا۔میں نے کہا: میرے کسی پیر کی ایسی عبارت پیش کریں میں اس پیر کی پیری کو چھوڑ کے الگ ہو جاؤں گا۔آپ بھی علامہ حسین علی سے براءت کا اعلان کریں۔علامہ سرفراز نے بھی اگر تحقیق کے نشے کی افیون نہیں کھائی ہوئی تھی تو وہ بھی علامہ حسین علی کو چھوڑ دیتے۔جن کا ارشاد یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کو بندوں کے عمل کرنے کے بعد علم ہوتا ہے۔

برادر محتشم شاہ صاحب نے بلغة الحیران پر تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے اور علامہ سرفراز کو بھچروی کے دفاع میں سر بزیر کیا ہے۔علمائے دیوبند کی اس کتاب کے بارے میں آراء کا تفصیل سے تذکرہ فرمایا ہے۔ابن تیمیہ اور ان کے شاگردوں کا بھی تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔علامہ سرفراز براستہ بلغة الحیران معتزلہ کی قدم بوسی تک پہنچتے ہیں اور حضرت شاہ صاحب کی گولیاں صحیح نشانوں پر لگ کر ان کے دل وجگر چیرتی نکلی ہیں۔

شاہ صاحب قبلہ کی کتاب مستطاب لاجواب کا پہلا حصہ 164 صفحات پر مشتمل ہے جس پر انتہائی مختصر تبصرہ آپ حضرات ملاحظہ فرما چکے ہیں۔اب دوسرا حصہ ملاحظہ ہو۔پہلے حصہ کے مقصد دوم میں مافوق الاسباب و ماتحت الاسباب کی معجزہ وکرامت پر کچھ گفتگو ہو چکی تھی۔کتاب کا دوسرا حصہ مقصد سوم سے شروع ہوتا ہے اور یہ حصہ صفحہ 358 پر ختم ہوتا ہے۔اس کی مرکزی علمی بحثیں یہ ہیں: معجزہ کیا ہے اور کرامات کی حقیقت کیا ہے؟ کیا اسے نبی اور ولی کا مقدور کہہ سکتے ہیں؟

قبلہ اخی الکریم نے اس موضوع پر علامہ الامات گکھڑوی کی ھکڑوی تحقیقات پر عظماء ملت کے اسلحہ خانہ کے بنائے ہوئے بموں سے حملہ فرما کر انہیں ''ھباء منبثا'' فرما دیا ہے۔چند عظماء کے اسمائے گرامی سے ہی عظمت وتحقیق کے دریا موجزن ہیں۔ملاحظہ ہو۔☆ امام غزالی، ☆امام رازی، ☆ علامہ تفتازانی،

☆علامہ ابن حجر عسقلانی، ☆علامہ زرقانی، ☆ علامہ مناوی،

☆ علامہ سبکی، علامہ قسطلانی، ☆علامہ شعرانی، ☆علامہ علی القاری،

☆ شاہ عبدالحق محدث دہلوی، ☆ شاہ عبدالعزیز، ☆ قاضی ثناءاللہ پانی پتی،

☆ علامہ نانوتوی بانی دیوبند، ☆ علامہ شاہ اسماعیل دہلوی۔

آخری دو علماء گکھڑوی کے گھر کے عظماء ہیں۔ان عظماء سے علامہ ھکڑوی اپنا اور اپنے شیخ مصنف بلغة الحیر ان کا قد ناپیں، یقیناً آپ کو لوگ بونا اور اہل علم چیونٹی کہیں گے۔علامہ شاہصاحب نے شرح مواقف، شرح عقائد، بیضاوی وغیرہ کے

استدلالات سے بھی حقیقت کا بطور احسن دفاع فرمایا ہے۔

محترم المقام شاہ صاحب نے بانی دیوبند کی ایک عبارت کی توجیہہ فرماتے ہوئے اِن کی کئی عبارات کی توضیح بھی فرمائی ہے۔ یہ حصہ قابل مطالعہ ہے۔اسی طرح اس دوسرے حصے کا آخری حصہ بھی قابلِ مطالعہ ہے کہ دیوبندی علماء سرفراز صاحب کے نظریات کے خلاف لکھ رہے ہیں۔ حضرت حاجی امداداللہ، علامہ تھانوی، علامہ محمد قاسم، علامہ محمود الحسن اور دیگر علماء کے حوالہ جات بہت کارآمد ہیں۔ ہمارے واعظین اور خطباء ان سے بھرپور فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔

تیسرے حصے میں جو مقصد پنجم صفحہ 359 سے صفحہ 438 تک پھیلا ہوا ہے اعتقادی مسائل میں اخبارِ آحاد پر شاندار علمی محققانہ بحث فرمائی ہے۔عقائد قطعی وظنی کی علمی وفکری وضاحت فرمائی ہے۔عقائد کی کتابوں سے حوالہ جات لاکر مسئلہ کو واضح کردیا ہے۔علامہ عبدالشکور لکھنوی نے عقائد بیان کئے ہیں۔حضرت شاہ صاحب نے انکی توضیح فرماتے ہوئے حضرت ہکڑوی کی ہکڑیات پر گرفت کی ہے۔

خالص علمی بحث۔ دیوبند کے خانِ اعظم گکھڑوی صاحب نے جو عقائد بیان کئے ہیں اور سید کریم مدظلہ السامی نے ان کی حقیقت واضح فرمائی ہے۔۔عقائد وکلام کی کتب سے حوالہ جات پیش فرما کر علمی ثبوت مہیا فرمادیا ہے کہ وہ ان دونوں علوم میں وقت کے امام ہیں۔فالمدبرات امرا کی وضاحت میں بھی شاہ صاحب قبلہ نے مسئلہ کی وضاحت میں حوالہ جات کے انبار لگادیئے ہیں۔مقام سلیمانی پر تحقیق اچھوتی اورنرالی ہے۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء.

لطف کی بات یہ ہے کہ علامہ عاشق الٰہی میرٹھی، علامہ تھانوی، علامہ آلوسی، حضرت امام رازی اور کئی دیگر مفسرین بھی شاہ صاحب کے ہم تحقیق اور راہ حق کے رفیق ہیں۔ صحرائے نجد میں علامہ سرفراز اکیلے کوے کی طرح کائیں کائیں کرکے رفقائے نجد کو دعوتِ نظارہ دے رہے ہیں۔اس حصے کا آخری حصہ عقائد اہل سنت پر قرآنی حوالہ جات سے

معمور ہے۔ مرحبا صد مرحبا. جزاک اللہ احسن الجزاء

اب ہم کتاب لاجواب کے آخری چوتھے حصے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ حصہ صفحہ 439 سے کتاب کے آخری صفحہ 644 پر مشتمل ہے۔ تخلیق انسانیت پر قرآنی آیات سے عظیم الشان استدلال فرمایا ہے جس سے تخلیق انسانی پر سب مغربی و مشرقی نظریات کی دھول اڑنے لگ گئی ہے نیز حضرت گکھڑوی اوران کے ہم نواؤں کی سرتال کا بھی جنازہ اٹھ گیا ہے۔ اللہ کریم جل مجدہ وعز شانہ کے وہ عطیات ونوازشات جو انبیاء ورسل علیھم السلام کو عموماً اور سید الانبیاء والمرسلین باعثِ تخلیق کل علیہ اطیب التحیات والصلوات و التسلیمات کو عطا ہوئے اور انہیں اختیارات سے نوازا اتنے مدلل اور دل آویز آیات وسنن سے بیان فرمایا جن کی تردید کی جرأت کوئی دیوانہ ہی کرسکتا ہے۔

ترجمانِ اہلسنت نے خانصاحب کی لن ترانیوں، بدحواسیوں، بیدارخوابیوں، بہتان تراشیوں اور عبارات خراشیوں کی خوب خبرلی ہے۔ چہرۂ انور کا گھونگھٹ اچھی طرح اتارا ہے۔ شاہصاحب نے علامہ اقبال کے شعر کا ایک مصرعہ لکھا ہے دوسرا فقیر کیطرف سے قبول فرمالیں۔

؎ اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

نجدیت کے گھر کے سب انڈے ہیں گندے

شاہ ساحب نے علامہ علی القاریؒ کے حوالے سے یہ عبارت نقل فرمائی: ''ان اللہ تعالیٰ اقطعه ارض الجنة يعطى منها ما شاء لمن شاء '' ۔مرقات جلد 1 صفحہ 550،نور ہدایت صفحہ 553۔ ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے ارض جنت رسول اللہ ﷺ کو بطور جاگیر عطا فرمادی۔ جنت میں سے جتنی چاہیں جسے چاہیں عطا فرمادیں۔ سچی بات یہ ہے کہ علامہ قاری علیہ الرحمہ نے یہ فرما کر دل کی محبت کی سب تاریں ہلادیں

؎ برایں مژدہ گرجاں خشانم رواست

مرجع اہل سنت حضرت شاہصاحب نے تصرف مصطفیٰ ﷺ کی ایک جھلک بھی دکھائی ہے۔ اسے پڑھ کر دل کی دنیامیں بہار آئیگی اور عشق کے رنگارنگ پھول کھلیں گے۔

اگلا عنوان ہے دافع البلاء ﷺ اس میں اور تصرفات کا شاندار ذکر ہے جس کے جلو میں محبت کی جلوہ سامانیاں ہیں۔ ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ مشکل کشا بھی ہیں۔ مشکل کشائی کے تصرفات کے گلشن میں بھی مفکر اسلام شاہ صاحب اپنے قارئین کو لے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی جانے کتنوں کی مشکل کشائی فرمادی ہے۔

اللہ کریم نے ایک اور مخلوق بنائی ہے اور اس کی قیادت شیطان لعین کو عطا فرمائی ہے۔ الحمدللہ ''وہ'' ہمارا مشکل کشا نہیں ہے۔ ہم مصطفیٰ و مرتضیٰ علیھما السلام کی مشکل کشائی میں زندگیاں گزار رہے ہیں۔ وہ تو اُن کا مشکل کشا ہے جو اِن کی مشکل کشائی کے منکر ہیں۔ یعنی پسند اپنی اپنی، خیال اپنا اپنا۔ یہ تو دجّال و شیطان کا تصرّف نص سے دیکھ لیتے ہیں۔ سیّدِ کل اور امام ملت کے تصرفات کیلئے انہیں نہ کوئی نص آج تک ملی ہے اور نہ ہی ان کے حواریوں کو قیامت تک ملے گی۔

علم مصطفیٰ ﷺ کے منکر ''علمی خیانت'' کے علمبردار ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب نے ان کی بھی نشان دہی فرمائی ہے۔ علامہ گکھڑوی نے امام نووی اور صاحب فتح الکبیر کے حوالوں میں بھی خیانتِ عاشقانہ کی ہے۔ علامہ سرخسیؒ کی مبسوط پر اوچھا نشتر چلا کر اپنی انگلیاں زخمی فرمانے کی عشق بازی بھی فرمائی ہے۔ مفکر ملت نے اس پر بھی نمکین مرہم رکھی ہے۔

فاتح قادیانیت سیدنا الکریم پیر سید مہر علی شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن سمجھانے کی سعی فرمائی، مگر ''اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی'' والا تدبر انہیں وادیء ضلالت کے خس وخاشاک کی طرف لے گیا۔ حضرت گرامی شاہ صاحب نے پھر راہِ ہدایت واضح فرمادی۔ کاش! اے کاش......!

محققِ گرامی شاہ صاحب نے ''دعا اور عبادت میں عینیت ہے تو'' اس پر ایک تجویز گکھڑوی صاحب کو پیش فرمائی ہے۔ اگر اس پر عمل ہو جائے تو یہ گکھڑوی اور انکے ہمنواؤں کی عظمت کا علَم ہوگا۔

کتاب کے اس آخری حصے میں تصرفات مصطفوی ﷺ پر پینتالیس احادیث ارشاد فرمائی ہیں۔ ہمارے مقررین انہیں اپنے خطابات کا مرکز بنائیں۔ یہ دین کی بڑی خدمت ہو گی۔ شاہ صاحب نے حرف آخر میں بھی حقائق کے دریا بہائے ہیں۔ اہل سنت اس کتاب مستطاب کا امعانِ نظر سے مطالعہ فرمائیں؛ تاکہ دورِ حاضر کے خارجیوں کے دلائل کا علمی تجزیہ فرما سکیں۔ یہ فقیر، اہل سنت علماء، خطباء، واعظین اور طلباء کی خدمت میں اس کتاب کو پڑھنے اور عوامِ اہلسنت کو سمجھانے کی درخواست کرتا ہے۔ یہ احقاق حق کا ''تحریری مناظرہ'' ہے۔ اس میں وہ سب کچھ ہے جو تقریری مناظرہ میں نہیں ہوتا۔

فقیر نے عزیز محترم علامہ سید شہاب الدین شاہ صاحب ناظم ادارہ (اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے) کے سامنے ایک تجویز رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کرم فرمائے اس پر عمل ہو جائے۔ مجھے یقین ہے کہ برادر محترم حضرت شاہ صاحب اس کی اجازت دے دیں گے کیونکہ اب یہ کتاب لاجواب عوامی ملکیت ہو گئی ہے، لہٰذا ہم جیسے عوام اسے اپنی سوچوں میں ڈھالنے کا حق رکھتے ہیں۔

فقیر آخر میں حضرت قبلہ شاہ صاحب کے ادبی اور علمی انداز پیش کرنے کے لیے کتاب کے ہر حصے سے ایک ایک اقتباس پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

1۔ اندازِ بیاں کی رعنائی، الفاظ کا شکوہ وشان ملاحظہ ہو!

''لیجیے! کئی لوگ پہلے ہی سنبھلنے نہ پائے تھے کہ اُن کے مجدد صاحب نے نشہ آفرین، ہوشربا جام پلا کر ہوش ہی گنوا دیئے اور ان برق انگیز سطور نے رہے سہے خرمن وقار کے لباس زُور کو جلا کر خاکستر اور اپنے ہاتھوں خانہ مجددیت کو آگ لگا کر ختم کر دیا۔ ہاں ہاں! دیوبندی مجدد کے حاکمانہ انداز، شاہانہ طرز، فیصلہ کن روش کو دیکھئے کہ کس دلیری اور جرأت سے کہہ دیا کہ: ''قرآن وحدیث کے الفاظ مذہبِ معتزلہ پر منطبق ہیں''۔ یعنی معتزلہ کا مذہب قرآن وحدیث کے مطابق ہے اور دین اہل سنت کا قرآن وحدیث کے

خلاف۔معتزلہ کے ایجنٹ نے واقعی وکالت کے فرائض سرانجام دیئے اور مدعی سست گواہ چست کا عملی مظاہرہ کیا'' نورہدایت صفحہ 67

2۔ اہل علم و فضل تعلّی سے اپنی عظمت کا سکہ نہیں جماتے۔

شاہ صاحب مدظلہ السامی کی مصلحانہ عبارت ملاحظہ ہو:

''مولف راہ ہدایت کا یہ متکبرانہ دعویٰ کہ: ''خادم اہل سنت کسی ایک عبارت کا مطلب بھی صحیح نہیں سمجھا''، تعلّی اور دیوانے کی بڑ کا نمونہ تو ہے، سچائی کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔مولف مذکور اگر خود ذہن پر زور نہیں دینا چاہتے تو کسی اپنے شاگرد سے پوچھ لیں کہ: ''کسی ایک عبارت کا مطلب نہیں سمجھے'' کیساتھ ''بھی'' کو ملانے سے جو کلام کا مفاد بنتا ہے؟ اس طرح کا دعویٰ کرنا کسی عقل مند سے سرزد ہوسکتا ہے؟ کیا یہ الزام سراسر جھوٹ کے زمرے میں نہیں آتا؟ تاہم اس اعتراض کو پھیلانے کی بجائے اصل مقصد کی طرف آتا ہوں۔بتوفیق اللہ تعالیٰ اس خادم اہل سنت نے اہل علم کی عبارات کا جو مفہوم سمجھا، لکھا، وہی درست اور حق ہے۔مولف راہ ہدایت اپنی پوری کتاب میں ایک بھی حوالہ پیش نہیں کر سکے کہ خادم اہل سنت نے اہل علم کی عبارات کا غلط مطلب پیش کیا ہے۔اس کے برعکس مؤلف راہ ہدایت نے کئی مقامات سے جو سمجھا اور لکھا ہے وہ حقیقت کے خلاف ہے۔مولف راہ ہدایت کسی ایک عبارت کے مفہوم کو بھی دلائل کی روشنی میں غلط ثابت کر دیتے تو میں مشکور ہوتا جبکہ مؤلف مذکور نے کئی عبارات کا غلط مطلب کشید کیا...... یا ...... جانتے سمجھتے ہوئے دھوکہ دہی کا ارتکاب کیا''۔ نورہدایت صفحہ 232,33۔

3۔ زورِ استدلال اور عبارت کی فصاحت و روانی

''خانصاحب کی خوش فہمی۔۔۔۔خانصاحب گکھڑوی اس مسئلے میں بڑا زور دیا کرتے ہیں کہ اخبارِ آحاد عقیدہ کے باب میں قابلِ قبول نہیں اور اپنے اس دعویٰ پر امام اہل سنت، مجدد ملت اعلیٰ حضرت بریلوی ؒ کی اس عبارت...... ''عمومات آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبارِ آحاد سے استدلال کرنا محض ہرزہ بافی ہے''...... سے استدلال کرتے ہیں، مگر اس عبارت کی اس روایت سے استدلال خان صاحب کی محض خوش فہمی ہے کیونکہ آیات قطعیہ

قرآنیہ کے مقابلہ میں خبرِ واحد کا حجت نہ ہونا ہمارا مسلمہ مسئلہ ہے۔ خواہ بابِ عقیدہ میں ہو یا اثباتِ اعمال میں، فضائل میں ہو یا مناقب میں۔ اس میں صرف عقیدہ کی کیا تخصیص؟ اور پھر خبرِ واحد کی بھی کیا خصوصیت؟ آیاتِ قطعیہ قرآنیہ کے مقابلہ میں تو آیات قرآن و اخبارِ متواترہ وصحیحہ غیر قطعیۃ الدلالہ کو بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ سینہ زوری سے آحادِ صحیحہ کو آیاتِ قرآنیہ کے مقابل ثابت کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ منکرینِ حجیتِ حدیث کا شیوہ ہے تو شائد ہی کوئی حدیث قابلِ عمل ہو سکے۔ بہر حال اخبارِ آحادِ صحیحہ ضروریاتِ دین کی مثبت نہیں لیکن بطور تائید پیش کی جا سکتی ہیں اور ان سے مسائل ظنیہ کا اثبات بھی جائز ہے، جسے خود خانصاحب تسلیم کرتے ہیں، نور ہدایت حصہ سوم صفحہ 363۔

4۔ ختام المسک (کتاب کا آخری حصہ):

اب کتاب کے آخری حصہ کی طرف بڑھیں۔ بلاغت یہ ہے کہ الفاظ و معانی میں شاندار تناسب ہو۔ الفاظ کا دریا، معانی کے پیچھے رواں دواں ہو، اور معانی کی گہرائی و گیرائی دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہو۔ اس اصول کو سامنے رکھ کر ذرا یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"غزوۂ خیبر کو جاتے ہوئے راستے میں حضرت عامر بن الاکوعؓ کچھ اشعار پڑھ رہے تھے۔ مختارِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: یرحمه الله یعنی عامر پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے۔ آنحضرت ﷺ کی زبان فیض ترجمان، مظہرِ وحی رحمٰن سے یہ دعا سن کر آپ کے وزیر سیدنا فاروق اعظمؓ بول اٹھے یا رسول اللہ ﷺ! حضرت عامر کے لیے شہادت و جنت واجب ہوگئی۔ یعنی اس غزوہ میں شہید ہو جائیں گے۔ آپ انہیں زندہ چھوڑتے، عامر کی اس غزوہ میں شہادت نہ ہوتی اور ہم ان کے کلام سے متمتع ہوتے؛ کیونکہ حضرت عامر کا کلام دفعِ تکانِ سفر (سفری تھکاوٹ دور کرنے) کا بہترین علاج اور قطع مسافت میں ممد و معاون تھا۔ روایت کے بعض الفاظ یہ ہیں:

قال یرحمه الله قال رجل من القوم وجبت یا نبی الله لو لا امتعتنا به. (مسلم جلد 2/112 115، بخاری ص 603)

نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ عامر پر رحمت کرے۔ ایک مرد (فاروق اعظمؓ) نے کہا اے اللہ کے نبی! عامر کیلئے شہادت ضرور ہوگئی کیوں نہ آپ نے ہمیں ان سے مزید نفع پہنچایا

امام قسطلانیؒ نے آخری جملہ کا معنی یوں کیا ہے

هلا بقیته لنا لتمتع به آپ نے ہمارے لیے عامر کو کیوں نہ باقی (زندہ) رکھا کہ ہم اس سے متمتع ہوتے۔ مختارِ کونین ﷺ کے امورِ تکوینی میں متصرف ومختار ہونے کی کیسی روشن وصاف دلیل ہے۔ اس روایت نے تو وہابیہ کے مزعومہ شرک کا تسمہ بھی نہ لگا چھوڑا۔ قاطع شرک وکفر سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے بھرے مجمع میں محبوبِ خدا، شہہ ہر دوسرا ﷺ کے متصرف ومختار ہونے کا اعلان کر دیا اور اختیار بھی زندگی وموت میں۔ اور ہدایت کے ستاروں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے بھی کسی نے یوں نہ کہا کہ: اے فاروق اعظم! ایسی نسبت حبیب اللہ ﷺ کی طرف کیوں کرتے ہو؟ مشرک ہو جاؤ گے۔ نعوذ باللہ اور جانِ ظالم پر غضب تو یوں ٹوٹا کہ شبِ اسریٰ کے دولہا، رازدارِ ما اوحیٰ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی اعتراض نہ فرما کر فاروق اعظم کے عقیدہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اگر سرور کائنات ﷺ اس معاملہ میں مختار نہ ہوتے تو سیدنا فاروق اعظم کے کلام لو لا متعتنا به جس کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا بلکہ بے جان ہو کر رہ جاتا ہے اور خواہ مخواہ بغیر کسی معقول وجہ کے تاویلات وتحریفات سے کام لینا دیانت کے سراسر خلاف ہے۔ امام قسطلانیؒ کی تشریح هلا بقیته لنا لتتمتع به مزید راہنما ہے۔'' نور ہدایت 540-41۔

انہی اقتباسات پر ختم کر رہا ہوں۔ معزز قارئین اب کتاب سے خود لطف اندوز ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ

؎ حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

المفتقر الی اللہ العلی فقیر سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی

جامعۃ الزہراء مصریال روڈ راولپنڈی کینٹ

منگل 11 رجب المرجب 1432ھ 14 جون 2011ء

تقدیم

(جواب سے پہلے اسے پڑھیئے)

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ہر ذی روح میں ایک حد تک اختیار و تصرف کی قوت تخ
فرمائی ہے، انسان اس وصف میں ''ممتاز و اشرف المخلوقات'' ہے۔ اہل سنت و جما
کے عقیدہ ''افعال العباد اختیاریۃ'' میں اولیاء کرام، بالخصوص انبیاء کرام علیہم الصلوۃ وا
عام انسانوں سے میں ممتاز و مشرف ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء الرحمٰن سے
عادت امور میں تصرف ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہری و عادی اسباب سے
(مافوق الاسباب) تصرف و اختیار کی صفت عطا فرمائی۔

قارئین کرام! خیال رہے مافوق الاسباب اور ما تحت الاسباب
اصطلاح سلف صالحین، علماء متقدمین خصوصاً متکلمین میں کبھی رائج نہیں رہی، نہ ہی ح
مخالف کے بیان کردہ معنی اور اس کلمہ کا استعمال ثابت ہے۔ چونکہ ایک مخصوص ٹولہ ا
سہارا لیتا ہے۔ اس لئے اسے لکھا ہے۔ تفصیلی بحث ''نورِ ہدایت'' میں مشرح ہے۔

جناب سرفراز خانصاحب گکھڑوی ان کے استاد اور ان کے معدود تلانذہ اس کو بل
اصطلاح استعمال کرتے اور اس کی بنیاد پر فتویٰ بازی کرتے ہیں کہ:

> ''انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء الرحمٰن بلکہ ملائکہ کرام میں سے کسی کیلئے بھی
> مافوق الاسباب (جس میں ظاہری و عادی سبب نہ ہو) قوت و اختیار اور
> تصرف تسلیم کرنا شرک ہے۔ چاہے اللہ تعالیٰ کی عطا ہی سے یقین کرے۔''

اس کلمہ کا معنی و مفہوم بیان کرنے اور یہ کہ کسی کو مافوق الاسباب متصرف و مختار تسلیم
کرنے کا حکم شرعی کیا ہے؟ مسئلہ اختیار و تصرف کو قرآن و سنت اور اکابرین اہل سنت کے
اقوال کی روشنی میں سمجھنے کیلئے استاذی المکرّم مصلح امت، شیخ الحدیث حضرت علامہ ابوالخیر
سید حسین الدین چشتی قادری سلطانپوری مُدّظلہ العالی بالعفو والعافیۃ والصحۃ والعزۃ والو۔۔ر
مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی، سرپرست اعلیٰ تنظیم المدارس اہلسنت

پاکستان نے...... 1957ء میں جب آپ مسجد ٹھیکیداراں گکھڑمنڈی ضلع گوجرانوالہ میں خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے...... کتاب بنام ''ھدیۃ الاحباب فی التصرفات مافوق الاسباب'' المعروف بہ ''**نورہدایت**'' تصنیف فرمائی۔ جس میں فرقہ دیوبندیہ (واں بچھرویہ) کے اعتزالی و خارجی عقائد و نظریات...... مذکور درتصنیفات اکابرین دیوبند...... کا مدلل و مفصل رد کیا۔

جواب میں اہل دیوبند کے معروف عالم و مصنف جناب سرفراز خان سرحدی گکھڑوی خطیب مسجد بوہڑ والی گکھڑ منڈی نے '' ھدایۃ المرتاب الی طریق الصواب'' الموسوم بہ ''راہِ ہدایت'' کے نام سے کتاب ترتیب دی۔

خانصاحب کی کتاب کا مقصد ''نورِہدایت'' کا رَدّ کرنا ہےاوردلائل وحوالہ جات کا علمی جواب دینا ہے۔ تحقیق و استدلال میں کمزوریوں کو واضح کرنا ہے۔لہٰذا قارئین کو چاہیئے کہ ''نورہدایت'' اور''راہ ہدایت'' کا مطالعہ اسی تقابلی تناظر میں کریں۔

ان شاء اللہ تعالیٰ بنظرانصاف مطالعہ کرنیوالے قارئین اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ خانصاحب کی کتاب راہ ہدایت ''تحقیق'' نہیں ''تشکیک'' ہے۔ بحث کو دلائل سے سمجھانے کی سعی نہیں کی گئی، بلکہ الجھاؤ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

قبلہ استاذی المکرّم مدظلہ العالی نے خانصاحب کے اعتراضات کے جواب میں الگ کتاب ترتیب دینے کے بجائے نورِہدایت طبع دوئم میں ''افاداتِ جدیدہ ومفیدہ'' کے اضافہ کی صورت میں خانصاحب کی تالیف مذکورہ کا تنقیدی، علمی، تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ مؤلف ''راہِ ہدایت'' کی لفظی ومعنوی خیانتوں، قوتِ استدلال کی کمزوریوں، محلِ نزاع سے لاتعلق بحثوں کو آشکارا فرمایا ہے، جس مقام پر جتنے اعتراض کئے گئے تھے ایک ایک کا مدلل جواب رقم فرمایا۔

میرے خیال میں ''راہِ ہدایت'' نامی کتاب کے غلط استدلال کی نشاندہی اور کمزور

سوالات کے جواب میں ''نور ہدایت'' لاجواب کتاب ہے۔ تاہم اصل فیصلہ براہین وادلہ کے قدردان، منصف مزاج قارئین نے کرنا ہے۔ ضدی ومتعصب کو نہ تو حق دکھائی دیتا ہے نہ ہی وہ راہِ صواب اختیار کرتا ہے۔

مقصد تمہید وتقدیم: مفصل ومشرح کتاب کے شروع میں اس تمہید و تقدیم کا اہم مقصد یہ ہے کہ: ''نورِ ہدایت'' کے منکر، ''نور ہدایت'' کا جواب لکھنے والے سے درخواست کروں گا کہ خوشی سے شوق پورا فرمائیں۔ مگر! خدارا محلِ نزاع سے ہٹ کر غیر متعلقہ بحثوں میں وقت ضائع نہ کریں۔ لکھنے کو تو ایک ہی لفظ پر بحث کو طول دے کر کتاب لکھی جاسکتی ہے، مگر جواب لکھنے والے پر لازم ہے کہ:

ا:۔ ''راہِ ہدایت'' نامی تالیف کے جن مقامات کو بے راہ روثابت کیا گیا ہے ان کا تشفی بخش حل پیش کیا جائے۔ آسانی کیلئے ایسے 78 مقامات کی نشاندھی کردی گئی ہے۔ ہر مقام پر کئی کئی سوالات یا سوالات کے جوابات پر اشکالات ہیں۔ اس اعتبار سے دوسو سے زائد اشکال خانصاحب کی تالیف پر وارد کئے گئے، اسی ترتیب سے ایک ایک کا جواب رقم فرمایا جائے۔

۲:۔ جن سوالات کا جواب نہ دے سکیں، ''اعتراف حق'' کرنے کو کمزوری محسوس نہ کریں، کہ ''رجوع الی الحق'' میں عظمت ہے۔ مقامات حسب ذیل ہیں:

(1)

اہل سنت وجماعت کے متفقہ مؤقف " افعال العباد اختیارية " کی روشنی میں مسئلہ اختیار وعدم اختیار، جبر واضطرار کو بیان کیا جائے کہ انسان (مخلوق) کے مختار وغیر مختار کا فرق کیسے کیا جاتا ہے؟ انسان سے صادر ہونے والے افعال میں اختیاری، غیر اختیاری فعل ہونے میں ''مابہ الامتیاز'' کیا ہے؟

(2) مسئلہ جبر واختیار پر ''نورِ ہدایت'' میں جو روشنی ڈالی گئی ہے اس کے خلاصہ سے

اختلاف ہو، تو اس کی نشاندہی کی جائے۔

(3) اہل سنت و جماعت کا عقیدہ "افعال العباد اختیارية"......اور......
مؤلف "راہِ ہدایت" کا قول: "اللہ تعالیٰ جیسے صفت خلق میں منفرد ہے اسی طرح مختار ہونے کی صفت میں بھی منفرد ہے"۔

الف: دونوں مسلک کیسے درست ہو سکتے ہیں؟

ب: مؤلف "راہِ ہدایت" کی رائے اور جبریہ کے نظریہ میں کیا فرق ہے؟

(4) "نورِ ہدایت"، طبع دوم میں اضافہ کئے گئے افاداتِ جدیدہ کا مقصد "راہِ ہدایت" نامی کتاب میں "نورِ ہدایت" پر اٹھائے گئے سوالات کا جواب دینا، خانصاحب کے اعتراضات کی کمزوری کو آشکارا کرنا، ان کے دلائل کا سُقم بتانا اور ان پر اشکالات پیش کرنا ہے، اس لئے بحث کو انہی تک اسی ترتیب کے ساتھ محدود رکھا جائے، تاکہ بنظر انصاف مطالعہ کرنے والا قاری ان مسائل میں منزل حق تک پہنچ سکے۔

(5) حرفِ اوّل:

اختلافات اور سوال و جواب کا آغاز "بلغة الحيران" کی ایک عبارت پر تنقیدی تبصرہ سے ہوتا ہے۔ گویا یہ بحث نقش اوّل ہے۔ مؤلف "راہِ ہدایت" خانصاحب گکھڑوی کے پیر و مرشد اور استاد کی کتاب "بلغة الحیران" نامی تفسیر کے مفسر کو زبدة المحققین، عمدة المحدثین ظاہر کر کے شائع کی ہوئی۔ اس تفسیر قرآن میں چونکہ کئی عبارات انتہائی غلط تھیں، خود دیوبندی مسلک کے عقائد کے خلاف تھیں۔ اس لئے ان کے ہم مسلک گروہ بشمول تھانوی صاحب وغیرہ نے اس تفسیر کو ہدفِ تنقید بنایا۔ کئی علماء دیوبند اور علماء اہل سنت و جماعت ان عبارات کو انتہائی گمراہ کن قرار دیتے رہے۔ مناظر اور مقرر حضرات عوامی جلسوں میں بھی اسے موضوعِ سخن بناتے رہے۔ مگر کئی عشروں تک جناب حسین علی صاحب یا ان کے کسی فاضل شاگرد خصوصاً جناب سرفراز خان صاحب گکھڑوی کو جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی، نہ ہی

اُن گمراہ کن عبارات سے برأت کی توفیق نصیب ہوئی۔

مرشد کریم مدظلہ، نے ''نورِ ہدایت'' میں جب بلغة الحیران کی عبارات کا تحقیقی، مدلل جائزہ لیا، تو خانصاحب کو غصہ آیا ''نورِ ہدایت'' کا انکار سوالات کے انداز میں جواب تحریر کیا، جسے اپنی تالیف ''راہِ ہدایت'' کا خاصہ اور مُسکِتْ جواب ہونے کا دعویٰ کیا۔ ''نورِ ہدایت'' کے ''افاداتِ جدیدہ'' میں اُن سوالات کا حسین انداز میں مُنہ توڑ جواب تحریر کیا گیا ہے۔

نور ہدایت کی روشنی میں مطالعہ کرنیوالے پر یقیناً حق آشکارا ہوجائے گا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ خانصاحب اور حضرت قبلہ شاہ صاحب کے درمیان سوال و جواب کا آغاز ''بلغة الحیران'' کی عبارت سے ہوتا ہے۔ دیگر دلائل کے علاوہ ''نورِ ہدایت'' کی تائید میں خود اُن کے گھر والوں کے براهین قاطعه زیب قرطاس کئے گئے ہیں۔ لہٰذا مجیب صاحب ان سے چشم پوشی ہرگز ہرگز نہ کریں۔

اس مخصوص عبارت پر بحث کے ساتھ افادات جدیدہ میں بلغۃ الحیران کی کئی اور عبارات کی بھی نشاندہی کی گئی جو اہل سنت وجماعت کے عقائد کے خلاف ہیں۔ نیز صاحب تفسیر کی مدح سرائی میں ''مبشرات'' درج کئے گئے اُن سے مفہوم ہونیوالے مسائل کی اجمالاً نشاندہی کر دی گئی ہے۔ غرضیکہ اس پوری بحث کا تفصیلی اور مدلل جواب خانصاحب اوران کی علمی ذریت پر قرض ہے۔

(6) ''بلغۃ الحیران اہل دیوبند کی نظر میں'' کے تحت ایسے براہین قاطعہ پیش کئے گئے جن کا انکار اہل دیوبند کیلئے ناممکن ہے۔ اسلئے ان حوالہ جات کے درست...... یا ...... غلط ہونے کا فیصلہ بھی ہونا چاہیئے۔

(7) ''عجائباتِ بلغۃ الحیران کے عنوان'' کے تحت صاحب کتاب کے کئی اور گمراہ عقیدوں کو باحوالہ درج کردیا گیا ہے، ان سے بھی تسامح کی گنجائش نہیں۔

(8) ''بلغة الحیران'' تفسیر اور صاحب تفسیر کے مرتبہ ومقام کے اظہار کیلئے ''مبشرات''

کے عنوان سے جو کچھ لکھا گیا ہے ان کی تشریح بھی ضروری ہے۔

(9) ''مافوق الاسباب، ماتحت الاسباب''جن نصوص میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے اسلافِ کرام نے ان میں تطبیق وتوفیق کیلئے جو اسلوب اختیار کیا، اس ''اصولِ تطبیق'' سے گریزاں مخصوص ٹولہ نے مافوق الاسباب ، ماتحت الاسباب کی نئی اصطلاح اختراع کی۔ اِس اصطلاح پر بحث ''نورِ ہدایت'' کا دِلچسپ موضوع ہے، شاید ہی اتنی وضاحت سے اس سے پہلے کسی اور کتاب میں روشنی ڈالی گئی ہو۔ چونکہ اسی اصطلاح پر حزب مخالف کے فتوی شرک کی دیوار استوار ہے لہٰذا اس نئی اصطلاح کی لغوی ومعنوی تحقیق اور دیگر پہلوؤں سے اس کا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔ مزید براں اس ضمن میں حزبِ مخالف کی تضاد بیانی کو بھی آشکارا کیا گیا۔

''نورِ ہدایت'' طبع اول میں اس بارے میں اٹھائے گئے اعتراضات کے جوابات سے دامن بچاتے ہوئے خانصاحب نے غیر متعلقہ بحثوں میں وقت گذاری سے کام لیا۔ اس بحث کے دوران ناظرین کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ ''محل نزاع'' سے کس نے انصاف کیا اور ''خروج عن المبحث ، خلط مبحث'' کرتے ہوئے ظلم کی راہ کس نے اختیار کی؟

(10) خانصاحب گکھڑوی نے اپنی کئی کتابوں میں سالہا سال تک جو مافوق الاسباب، ماتحت الاسباب کا معنی لکھا جس کے سہارے اہل سنت و جماعت پر مشغلہ اختیار کیا، اسی معنی کو ''راہِ ہدایت'' نامی تصنیف میں بھی پہلے پہل اختیار کیا۔ پھر شاید ''نورِ ہدایت'' کی روشنی میں انہیں محسوس ہوا کہ مافوق الاسباب کے اس مفہوم ومعنی پر فتویٰ شرک وکفر کی بنیاد رکھنا خطرناک ہے؛ کیونکہ دیوبندی اکابر کے دامن کو بھی اس اعتبار سے نہیں بچایا جاسکتا۔ تا آنکہ خانصاحب نے مافوق الاسباب کا بالکل نیا معنی گھڑا، اس نئے معنی پر گیارہ سوالات وارد کئے گئے ہیں۔ جواب کا انتظار رہے گا۔

(11) ''نورِ ہدایت'' میں معجزہ وکرامت کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے بتایا گیا کہ معجزہ

خرقِ عادت امر ہوتا ہے۔ اس کے ظہور میں ظاہری و عادی اسباب نہیں پائے جاتے حزبِ مخالف نے مافوق الاسباب کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ معجزہ کے معنی پر صادق آتا ہے اس معنی کے اعتبار سے معجزہ کو مافوق الاسباب امر کہہ سکتے ہیں۔ ''جادو'' چونکہ اسباب عادیہ کے تحت صادر ہوتا ہے وہ خرقِ عادت نہیں۔

خانصاحب نے نہ تو ان حوالہ جات کا حل پیش کیا اور نہ ہی ان کا ردّ، اُلٹا فتویٰ داغ دیا کہ: ''معجزات اُمور اسبابی ہیں۔ انہیں مافوق الاسباب اُمور متصور کرنا جہالت و باطل دعویٰ ہے۔''

(12) ''راہِ ہدایت'' کے مؤلف حقیقت معجزہ کے بیان میں تذبذب کا شکار ہیں ان کی تحقیق میں:

الف: معجزہ میں خرقِ عادت (خلاف عادت) ہونا شرط ہے۔

ب: معجزہ میں خرقِ عادت ہونا بھی شرط نہیں۔

ج: معجزہ کو مافوق الاسباب (ظاہری اور عادی اسباب سے بالاتر) امر سمجھنا سراسر جہالت اور باطل خیال ہے۔

د: معجزہ اسبابی امر ہے

ھ: معجزہ ماتحت الاسباب امر ہے۔

و: معجزہ کے صُدور میں نبی کے قصد و اختیار کا کچھ بھی تعلق نہیں۔

نوٹ: ''نورِ ہدایت'' کے مقصد دوئم، سوئم اور چہارم میں خانصاحب کے ان خیالات پر بحث کی گئی ہے۔

(13) ''جواھر القرآن'' کی ایک عبارت پر مؤاخذہ کا جواب بھی مؤلف ''راہِ ہدایت'' پی گئے۔

(14) خانصاحب گکھڑوی نے بلاوجہ حافظ ابن قیم اور ابن تیمیہ کی توہین و گستاخی کا الزام

دے کران کا ذکر چھیڑا جس کے جواب میں ''حافظ ابن قیم اور ابن تیمیہ علماء دیوبند کی نظر میں'' کے تحت کچھ عبارات کی نشاندہی بھی کر دی گئی، یقیناً آپ کے لئے تلخ گھونٹ ہوگا۔

(15) ''نورِ ہدایت'' کے مقصد چہارم ''کیا کرامت و معجزات کو ولی اور نبی کا مقدور کہہ سکتے ہیں؟'' انتہائی مفید اور اہم حصہ ہے۔ موضوع کتاب کے ساتھ اس مقصد کا بہت گہرا تعلق ہے۔

میں اپنے علم کے حوالہ سے دعویٰ کرسکتا ہوں کہ معجزہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی معجزہ کے مقدور نبی ہونے یا نہ ہونے اور اس حوالہ سے کتبِ کلام میں بظاہر جو تعارض دکھائی دیتا ہے اس میں حسنِ تطبیق کے لحاظ سے اردو زبان میں اسے پہلا مقالہ کہا جاسکتا ہے۔ میری نظر سے اس سے قبل کوئی تصنیف نہیں گذری جس میں اس انداز سے بحث کی گئی ہو اگرچہ کلام مختصر ہے، مگر جامع اور مدلل ہے۔ مزید برآں خانصاحب گکھڑوی نے اپنی تالیف ''راہِ ہدایت'' میں ''نورِ ہدایت'' کے مقصد چہارم میں تحریر کردہ حوالہ جات اور استدلال پر مؤلف مذکور کے سوالات کے جوابات اور ان پر سوالات نے اس حصہ کو مزید دلچسپ بنا دیا ہے۔ مقصد چہارم کو مستقل رسالہ کی صورت میں شائع کر دیا جائے تو مستقل مفید کتاب ہوگی۔

(16) مقصد چہارم میں دعویٰ کے اثبات کیلئے مواقف اور اس کی شرح سید شریف سے استدلال پیش کیا گیا۔ خانصاحب نے اس پر جو ایراد پیش کئے، انہیں پانچ سوالات کی شکل میں تحریر کر کے ہر ایک کا مفصل و مدلل جواب دیا گیا۔ اور ایرادات (سوالات) کی کمزوری کو بھی واضح کیا گیا۔

(17) ''معجزہ کو مقدور نبی کہہ سکتے ہیں'' خانصاحب بزعم خویش اس کا رد بلیغ بھی کرتے ہیں، نہایت گمراہ عقیدہ سمجھتے ہیں۔ شرکیہ خیال بھی تصور کرتے ہیں۔ مگر

بایں ہمہ یہ بھی تسلیم فرماتے ہیں:

''یہ خارق للعادۃ (فعل وحرکت) اللہ کی پیدا کردہ ہے، اگر چہ مقدور نبی ہے، یہی صحیح تر قول ہے۔'' (معجزانہ طور پر ہوا میں صعود کی حرکت پانی پر چلنے کی قوت)

''اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی وجہ سے نبی کی قدرت میں داخل ہے۔''

''ایک قوم نے معجزہ میں یہ شرط لگائی کہ معجزہ ایسے امر میں نہ ہو جو (عادۃً) نبی کی قدرت کے تحت ہے، مگر یہ شرط کوئی حقیقت نہیں رکھتی کیونکہ نبی کا قادر ہونا درآنحالیکہ دوسرے لوگ اس پر عادۃً قادر نہیں ہوسکے یہ بھی معجزہ ہے۔''

الحمد للہ! یہ عبارات اُس موقف کی تائید کرتی ہیں جسے ''نورِ ہدایت'' میں اختیار کیا گیا ہے۔ سچ ہے: **الفضل ما شهدت به الاعداء.**

(18) خانصاحب نے مشکل سے بچنے کیلئے نئی راہ نکالی، اور فرمایا:

''معجزہ کا مقدور نبی ہونا اور چیز ہے اور مقدور نبی میں معجزہ کا تحقق اور چیز ہے'' وبينهما بونٌ بعيد'' ...... اور کبھی ...... ''اسے مقدورات نبی میں معجزہ'' سے ذکر کیا، اپنے اس دعویٰ کو درست ثابت کرنے کیلئے خانصاحب نے ''خرط قتاد'' کرتے ہوئے: قال الذی هل يتصور كون المعجزه مقدورة للنبی ام لا، میں معنوی تحریف کی۔ جسے کئی مثالوں اور شواہد کے ذریعے بے نقاب کیا گیا ہے۔

(19) ''شرح مواقف کا مفہوم متکلمین کی نظر میں''

(۱) شرح عقائد کی شرح نبراس کے تحت (۲) علامہ برخوردار ملتانی کے حاشیہ نبراس (۳) امام حسام الدین حنفی کے حاشیۃ القونوی علی البیضاوی، خصوصاً مفتیانِ مسلک دیوبند کی عبارات سے ثابت کیا گیا کہ مواقف وشرح مواقف کی عبارت کا جو مفہوم نورِ ہدایت میں بیان کیا وہی حق ہے۔

(20) علامہ سعدالدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیقات انیقہ سے مزین حوالوں سے ثابت کیا گیا معجزات وکرامات انبیاء کرام اور اولیاء کے قصد واختیارات سے ''بھی'' ان کے ہاتھ پر صادر ہوتے ہیں۔

(21) ''نورِ ہدایت'' میں معجزہ کا اصطلاحی معنی بتانے کیلئے صرف معجزہ کی تعریف نقل کی گئی اس سے کسی عقیدہ کا اثبات اور نہ ہی کسی فائدہ کا استنباط کیا گیا۔ مگر خانصاحب گکھڑوی کو وہم ہوا کہ اس عبارت سے فلاں فلاں مسئلہ کو ثابت کرنا مقصد ہے، **توجیه القول بما لایرضی به قائله** کے مصداق **بنا فاسد علی الفاسد** کرتے ہوئے اپنے موہومہ مطالب پر سوالات کی عبارت تعمیر کر کے اپنی مشکلات میں اضافہ کیا۔ مرضِ وہم سے پیدا ہونے والے ان سوالات کا۔ **''جاہلانہ سوالات اور ان کا تجزیہ''** کے عنوان سے رد بلیغ کیا گیا۔

(22) مؤلف ''راہِ ہدایت'' نے علامہ تفتازانی کے کلام ...... **'' اظهر الله تعالیٰ المعجزه ''**......کو بطور دلیل نقل کیا۔ حضرت استاذنا الکریم نے استدلال کی کمزوری کو روشن وعیاں کیا ہے اس میں بھی کئی سوالات وجوابات اور متعدد ابحاث ہیں۔

(23) **''معجزات وکرامات امام رازی کی نظر میں''** کے تحت امام رازی کی تالیف **المباحث المشرقیه** کا درج کردہ حوالہ پر خانصاحب کے سوالات اور ان کے جوابات بمع سوالات ''مقصد چہارم'' کا اہم ترین مقام ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزانہ تصرفات کے متعلق امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف وعقیدہ بیان کرتے ہوئے ان کی تصنیف ''**المباحث المشرقیه**'' سے حوالہ نقل کیا گیا۔ مؤلف راہِ ہدایت نے اس استدلال پر دور از کار اشکالات رقم فرمائے۔ ان کے مطالعہ سے مترشح ہوتا ہے کہ بحث کرتے وقت تک خانصاحب نے اس مقام کو سمجھنا تو دور کی بات ہے۔ اصل کتاب کی شکل بھی نہ دیکھ پائے۔ خانصاحب کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے اوپر قیاس کرتے ہوئے تصور کرلیا کہ:

''حضرت شاہ صاحب (مصنف ''نور ہدایت'') نے بھی اصل کتاب دیکھے، پڑھے بغیر کسی کتاب سے حوالہ درج کردیا۔'' اس وہم کی بنیاد پر جو سوالات اٹھائے یقیناً ان کیلئے شرمندگی کا باعث بنے۔

(24) مؤلف ''راہ ہدایت'' کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اپنے دعویٰ کو دلیل سے ثابت کریں۔

(25) مؤلف راہِ ہدایت نے امام رازی کے مسلک کو فلاسفہ، ابالسہ کا عقیدہ قرار دیا۔

(26) الحمد للہ العظیم ''نورِ ہدایت'' میں ثابت کیا گیا کہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک ابلیس صفت فلسفیوں کا نہیں، اہل سنت کے اکابر کا ہے۔ امام رازی سے پہلے آپ کے دادا استاد حضرت امام غزالی بھی انہی خیالات کا اظہار فرما چکے ہیں۔ ہر دو بزرگوں کی تحریرات کو موازنہ کے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

(27) حضرت امام رازی کے قول کی تائید میں شرح عقائد، مواقف اور شرح مواقف کے حوالے درج کئے گئے ہیں۔

(28) امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزید ارشادات سے بھی ان کے نظریات و عقائد کو مشرح کیا گیا ہے۔

(29) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی توثیق کیلئے تفسیر کبیر کی عبارت کو بطورِ دلیل پیش کیا گیا تھا۔ مگر اس کا جواب دینے کی کوشش کرنے کی زحمت گوارہ نہ کی گئی۔

(30) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ اولیاء کرام کو اتنی قدرت و تصرف حاصل ہوتا ہے کہ جس پر ان کا غیر قادر نہیں ہوتا۔

(31) امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سلیمان علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کا مفہوم بیان کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں کہ: اللہ مجھے ایسے افعال بجالانے کی توفیق عطا فرما کہ جس پر میرا غیر قادر نہ ہو۔ میری یہ قدرت اختیار میری نبوت کی صحت پر

معجزہ اور برھان ہو۔

(32) ''امام غزالی اور خصوصیات نبوت'' کے عنوان سے امام غزالی کی ایک عبارت درج ہے جس میں خصائص نبوت کا ذکر جمیل ہے اُنہی میں سے انبیاء کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ جیسے عام انسانوں میں ایک صفت (قدرت) پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کے اختیاری افعال تمام ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام کو بھی خرقِ عادت افعال کو بھی بجالانے کی صفت (قدرت) عطا کی گئی ہے۔

(33) مستند حوالوں سے ثابت کیا گیا کہ انبیاء کرام کے تصرفات سے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری، امام محمد بن عبدالباقی، امام زرقانی، شارح المواھب اللدنیہ اور محدث عبدالرؤف مناوی کا بھی وہی عقیدہ ہے جو حضرت امام غزالی کا ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

(34) ابوزکریا امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی کرامات کو اولیاء کرام کے قصد و اختیار اور طلب سے صادر ہونے کے قائل ہیں۔

(35) ابن حجرؒ کے حوالہ سے مباحثہ: ''نورِ ہدایت'' میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کی شرح بخاری کی ایک عبارت سے استدلال کیا گیا تھا اس پر جناب سرفراز خانصاحب گکھڑوی نے بزعم خویش مدلل اور مسکت گرفت کی۔ مگر خانصاحب کی اس کمزوری کو...... ''مؤاخذہ کا تجزیہ، جوابات کا پوسٹ مارٹم'' کے تحت...... ''راہِ ہدایت'' میں اٹھائے گئے سوالات کے نہ صرف کئی جواب دیئے گئے، بلکہ جوابات میں ہی حزبِ مخالف کیلئے پُرخار سوالات کا تحفہ بھی پوشیدہ ہے۔ ان کا جواب دینا بھی مؤلف اور ان کے وارثان علم ونظریہ پر قرض ہے۔

(36) جناب خانصاحب گکھڑوی نے اپنے اس دعویٰ:...... ''انبیاء کرام اور اولیاء الرحمٰن کے ہاتھ پر صادر ہونے والے معجزات و کرامات سے ان کے قصد و اختیار کا کوئی تعلق نہیں''...... کو ثابت کرنے کی بجائے امام تاج الدین السبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ کی کتاب ''طبقات الشافعیہ الکبریٰ'' کے مطالعہ کی دعوت دی۔ یہ دعوت بھی شاید نیم خوابی کی حالت میں دے گئے ؛ کیونکہ امام سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوارقِ عادت امور کے اظہار پر جو تحقیق فرمائی اس کا خلاصہ ''امام السبکی اور تصرفات ولی'' کے عنوان سے نور ہدایت طبع ثانی کی زینت بنا دیا گیا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ خانصاحب نے امام سبکی کا حوالہ قارئین کتاب کو غلط فہمی میں ڈالنے کیلئے ذکر کیا، وگرنہ امام سبکی کا وہی عقیدہ ہے جس کا ''نور ہدایت'' طبع اول میں ذکر کیا گیا۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی کئی عبارات درج ہیں جن میں سے ہر ایک ''نورِ ہدایت'' میں اہل سنت کے ذکر کردہ عقیدہ کی حقانیت پر دلیل ہے۔

(37) مؤلف ''راہِ ہدایت'' نے اپنے دعویٰ کے اثبات کیلئے امام شعرانی کا نام بھی ذکر کیا ''امام شعرانی اور کرامات'' کے تحت یہ ثابت کیا گیا کہ امام شعرانی کے عقیدہ میں انبیاء و اولیاء، خوارقِ عادات افعال ''معجزات وکرامات'' پر قادر ہیں۔ مثلاً آپ کا عقیدہ ہے۔

'' فالکامل من قدر علی الکرامۃ و کتمھا ''

امام شعرانی قدس سرہ النورانی کا رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں مؤقف ہے۔ '' کان ماذونا له' فی اظھار المعجزات ''

آپؒ کا یہ بھی مؤقف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو ''کلمہ کن'' کے ساتھ تصرف کا اختیار دیا ہے مگر ادباً وہ ایسا نہیں کرتے۔

(38) ''ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور تصرفات'' کے عنوان سے ملا علی القاریؒ کی یہ عبارت نقل فرمائی: ''ان اللہ تعالیٰ اقطعه ارض الجنة یعطی منھا ما شاء لمن شاء ''۔ مرقات جلد 1 صفحہ 550، نور ہدایت صفحہ 553۔ ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے ارض جنت رسول اللہ ﷺ کو بطور جاگیر عطا فرما دی۔ جنت میں سے جتنی چاہیں، جسے چاہیں عطا فرما دیں۔ سچی بات یہ ہے کہ علامہ قاری علیہ الرحمہ نے یہ فرما کر دل کی محبت کی سب تاریں ہلا دیں۔

؎ برایں مژدہ گرجاں خشانم رواست

(39) خانصاحب نےشیخ محقق، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت سے استدلال کیا کہ معجزات کے اظہار پر نبی کو کسی قسم کا اختیار نہیں دیا گیا اس مسئلہ کی وضاحت کیلئے ''شیخ محقق اور تصرفات'' کے عنوان سے حضرت شیخ کی کئی عبارات سے ان کے صاف و شفاف عقیدہ کو تحریر کردیا گیا ہے۔ شیخ محققؒ کے کلام میں جو بظاہر تعارض نظر آتا ہے جس کی وجہ سے خان صاحب نے بھی طرفہ استدلال کرنے کی ناکام سعی فرمائی، اس غلط فہمی کا ازالہ کردیا گیا ہے۔ حضرت شیخ محققؒ نے اختیارات، تصرفات، اظہار خوارق کے سلسلہ میں جو لکھا ہے، اس سے بھی صرف نظر نہ کیا جائے۔

(40) شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان کے بعض افراد سے منسوب کچھ باتوں کی وجہ سے غلط تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ خاندانِ ولی اللٰہی کا مؤقف تصرفات و اختیارات کے بارے میں کیا تھا؟ اس کی تحقیق و تنقیح کیلئے ''شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور تصرفات و اختیارات'' کے ضمن میں ملاحظہ کیا جائے۔

(41) جناب خان صاحب گکھڑوی کے خیال میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اولیاء کرام کو متصرف نہیں مانتے تھے۔ ''قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور تصرفات'' کے تحت اس سُوءِ فہمی کو بھی دور کردیا گیا ہے۔

(42) برصغیر کے مسلمان، جمہور اہل اسلام، سلف صالحین، اہل سنت و جماعت کے عقائد پر اعتماد کرتے تھے، تا آنکہ جناب شاہ اسماعیل دہلوی نے ''تقویۃ الایمان'' نامی کتاب لکھ کر نئے عقائد کا پرچار کیا اور مسلمانوں میں فتنہ وفساد برپا کردیا گیا۔ چونکہ حزب مخالفشاہ اسماعیل کے نظریات پر ہیں اور ان کو اپنا مقتداء سمجھتے ہیں، اس لئے ان کی چند عبارات بطورِ خاص ذِکر دی گئی ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حق وہی ہے جو اہلسنت و جماعت کا مسلک ہے، اسے **''شاہ اسماعیل دہلوی اور کرامات''** کے

باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(43) **دلچسپ بحث:** ''نورِ ہدایت'' میں دارالعلوم دیوبند کے بانی و مہتمم جناب محمد قاسم نانوتوی کی ایک عبارت کا حوالہ دے کر لکھا گیا۔ ''بحمداللہ تعالیٰ ائمہ اہل سنت اور خود حزب مخالف کے اکابرین کی زبانی ثابت ہو گیا کہ معجزات اور کرامات انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے قصد واختیار سے بھی صادر ہوتے ہیں۔ یہی ہمارا دعوی اور مقصد اس بحث کا تھا جسے دلائل واضحہ سے مبرہن کیا گیا اگرچہ طویل ہے لیکن ازبس اہم ومفید بھی ہے۔

'' **اللهم اهدنا الصرط المستقیم بجاه النبی الکریم** ﷺ ''

مدلل جواب سے اپنے آپ کو عاجز پاکر خانصاحب نے جو سوالات اٹھائے۔ وہ ''لو آپ اپنے دام میں صَیاد آ گیا'' کا نمونہ ہیں۔ یہ تنقیدی، تحقیقی بحث تقریباً 26 صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ حزب مخالف کی ذمہ داری ہے کہ ہر ایک اشکال کا مدلل حل پیش کرے۔

(44) استاذی المکرّم حضرت قبلہ شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے نانوتوی صاحب کی نہایت مشکل اور خطرناک عبارت کی توجیہہ تحریر فرما کر'' **دیوبندی امت**'' پر احسان فرمایا ہے۔ آپ کی انصاف پسند غیر متشدد طبیعت نے اس توجیہہ پر آمادہ کیا۔

(45) خانصاحب گکھڑوی نے طنزاً لکھا تھا کہ: ''نانوتوی صاحب کی دقیق، علمی مباحث کا سمجھنا مؤلف ''نورِ ہدایت'' کے بس کی بات نہیں۔'' گذشتہ ابحاث میں اس طنز کا پول کھولتے ہوئے نانوتوی صاحب کی چند عبارات درج کی گئیں جن پر کئی اعتراضات ہوتے ہیں۔ ان کا جواب بھی طلب کیا گیا ہے۔

(46) اگرچہ مشارٌ الیہ عبارات میں بھی عقیدہ کا بیان ہے، تاہم'' فائدہ'' کے تحت نانوتوی صاحب کا ایک عقیدہ درج ہے۔ اگر وہ درست ہے تو پھر اختلاف کیا؟ اگر وہ باطل

ہے تو نانوتوی صاحب کیلئے کیا حکم ہے؟

(47) امام العارفین مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عقیدہ خانصاحب گکھڑوی کی نگاہ میں مشرکانہ ہے اس کا کیا فیصلہ ہے؟

(48) ''تھانوی صاحب اور خرقِ عادت تصرفات'' کے تحت اہل دیوبند کے حکیم الامت جناب اشرف علی صاحب تھانوی کی چند عبارات بطورِ استدلال پیش کی گئی ہیں اگر یہ درست ہیں تو ''نورِ ہدایت'' کا مؤقف ان کے خیال میں بھی درست ثابت ہوا اور اگر یہ غلط اور باطل ہیں تو تھانوی صاحب کیلئے کیا حکم ہے؟ اَصل عبارات نقل کر کے جواب تحریر کیا جائے تا کہ قارئین کتاب کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

(49) تصرفات اولیاء کرام کے حوالے سے ''کراماتِ امدادیہ'' اور ''تذکرۃ الرشید'' کی تحریریں بھی پیش نظر رہنی چاہئیں۔

(50) ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک وتصرف محمود الحسن دیوبندی کی نظر میں'' کے تحت جناب محمود الحسن صاحب دیوبندی کی کچھ عبارات پیش کی گئی ہیں۔ حزب مخالف کے عقیدہ میں یہ درست ہیں تو صرف اہل سنت وجماعت کے خلاف شرک کا فتویٰ داغنے کا کیا جواب ہے؟ اگر محمود الحسن صاحب کے یہ عقائد باطل ہیں تو ان کے اور ان کے پیروکاروں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(51) جواب لکھنے والے کو اس کا بھی جواب دینا ہوگا کہ ''انور شاہ صاحب کاشمیری اور معجزہ'' کے تحت ان کی شرح بخاری سے جو عبارت نقل کی گئی ہے یہ صحیح ہے یا غلط اور ایسے عقیدہ والوں کے لئے حکم شرعی کیا ہے؟

(52) ''راہِ ہدایت'' نامی کتاب میں کھلا چیلنج دیا گیا تھا جسے منظور کر لیا گیا۔ چیلنج کے جواب میں جو تحریر ہوا اس کا تفصیلی جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

(53) خانصاحب اوران کے ہمنواؤں کو چیلنج دیا گیا ہے جس کا قبول کرنا ان کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔

(54) **عقائد دو قسم ہیں قطعی، ظنی :** ''نورِ ہدایت'' میں ایک ضابطہ تحریر ہوا کہ عقائد کی دو قسمیں ہیں: قطعی و ظنی، پھران کے مراتب کا ذکر ہوا اس پر دیگر دلائل کے علاوہ نانوتوی صاحب اور خانصاحب کے ایک فتویٰ کو نقل کیا بعض عبارات میں جو تعارض سمجھا جا سکتا تھا اس کو پیش کیا مصنف ''راہِ ہدایت'' خانصاحب گکھڑوی کی ذمہ داری تھی کہ ان حوالوں کا جواب دیتے، تطبیق کی وجہ بیان کرتے، ان حوالوں کو بآسانی ہضم کرتے ہوئے کئی صفحات میں متعدد اعتراض وارد کئے۔ خانصاحب کی تنقیدی تحریر کو بھی سوالات کی صورت میں پیش کر کے ہر ایک اعتراض کا مُسکِت جواب دیا گیا۔

مثلاً پہلا سوال عقائد سب قطعی وضروریاتِ دین سے ہوتے ہیں کسی بھی عقیدہ کو ظنی کہنا، سمجھنا جہالت ہے۔ اس سوال کے بیس جواب دیئے گئے یونہی باقی انیس سوالات کے بھی درج جوابات کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

(55) اس بحث کو سمیٹتے ہوئے مطالبہ کیا گیا ہے کہ محلِ نزاع سے متعلق تحقیقی جوابات دیئے جائیں۔ طعن وتشنیع یا الزام سے جوابات کا سہارا نہ لیا جائے۔

(56) **ما به النزاع :** حزب مخالف کے مخصوص عقائد جو ان کی عبارات سے آشکارا ہوتے ہیں ان عبارات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ''نورِ ہدایت'' میں اہل سنت کے عقیدوں پر مفصل اظہار کیا گیا۔ مقصد ہفتم میں حزب مخالف کے نظریات اور اہل سنت وجماعت کے مسلک وموقف کو تحریر کر دیا گیا۔ بحث کرتے ہوئے ان سے چشم پوشی علمی مباحث میں گوارا نہیں۔

(57) اللہ تعالیٰ مدبر اَمر ہے، حقیقتاً بالذات وہی مدبر اَمر ہے، اس نے اپنی مخلوق میں بھی کسی قدر تدبیر امر کی قوت وطاقت عطا فرمائی ہے۔ اس اعتبار سے مخلوق کو بھی مدبر اَمر

کہہ سکتے ہیں۔ سورۃ النازعات کی آیۃ مبارکہ " فَالْمدبرات امرا " سے استدلال کیا گیا ملائکہ کرام کی ایک جماعت کو اللہ تعالیٰ نے مدبرات امر بنایا ہے۔ تفاسیر کے حوالہ سے ملائکہ کرام کے تدبیری فرائض کا بیان ہوا۔ مفسرین کے حوالہ سے یہ بھی ثابت کیا گیا کہ ان مفسرین کے عقیدہ ومسلک میں اولیاء کاملین کی روحیں بھی باذن اللہ تعالیٰ امورِ کونیہ میں تصرف وتدبیر فرماتی ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے ان کو بھی مدبرات امر کہنا سمجھنا درست ہے۔

جناب خانصاحب گکھڑوی کے مخصوص عقیدہ میں مخلوق میں سے کسی کو بھی مدبر امر نہیں بنایا، مخلوق میں سے کسی پر مدبر امر کا اطلاق ہرگز درست نہیں۔

عقل ودانش نیز کسی کے دعویٰ کو رد کرنے کا تقاضا ہے کہ دوسرے کے دلائل کا مدلل جواب دیا جائے نہ کہ کوئی ایک جملہ لے کر صفحات سیاہ کر دیئے جائیں خانصاحب نے نورِ ہدایت کا جواب لکھتے وقت نہ تو آیت کریمہ کا مفہوم ومعنی بیان کیا جو صراحۃً سمجھا جارہا ہے اور نہ ہی مفسرین کرام کے حوالہ جات کا کوئی جواب دیا۔ سلسلہ کلام کو اور طرف لے جا کر بزعم خویش تحقیق کے دریا بہا دیئے، خانصاحب کے چھ سوالات میں سے ہر ایک کا مدلل جواب دیا گیا اور ان کے کلام پر کئی ایرادات پیش کئے گئے۔ ان سے بھی صرفِ نظر کر جانا قرین انصاف نہیں ہوگا۔

(58) کلماتِ مبارکہ "وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی "(سورۃ الانفال)

سے استدلال اور مفسرین کرام خصوصاً جناب اشرف علی صاحب تھانوی کی صاف شفاف تحریر سے عقیدہ اہل سنت کا اثبات اور توثیق واضح ہے۔

(59) معجزہ مقدور نبی ہوتا ہے اور بعض معجزات کو مقدور نبی کہہ سکتے ہیں اس پر ایک دلیل نص قرآنی کہ جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات، تصرفات وسلطنت کا ذکر آیا ہے درج کی گئی۔ اس کی تنویر کیلئے مفسرین کرام اور معروف دیوبندی عالم

عاشق الٰہی میرٹھی کی عبارات پیش کی گئیں۔ کئی کتب کی تفسیر کے حوالہ جات خصوصی طور پر جناب تھانوی صاحب کی تفسیر کا حوالہ دیا گیا۔

خانصاحب گکھڑوی نے ''راہِ ہدایت'' میں اس مقام پر جوتنقید سپرد قلم فرمائی اسے کئی حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ کی استدلالی کمزوری کو بیان کیا گیا۔

(60) قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس سوال کا تذکرہ ہے کہ اہل مجلس سے کوئی ملکہ صبا کا تحت لا سکتا ہے۔ جواب میں سرکش دیو کی قوت وطاقت اور سرعت رفتاری کا دعویٰ اور ایک صاحب علم ولی حضرت آصف بن برخیا کا چشم زدن تحت ملکہ پیش کرنے کا اعلان اور اسی وقت حاضر کر دینے کا ذکر آتا ہے۔ ''راہِ ہدایت'' میں اس پر اعتراض کئے گئے ان اعتراضات کا شافی، وافی جوابات کے ساتھ مصنف ''راہِ ہدایت'' پر اعتراضات بھی کئے گئے۔

(61) سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کا حوالہ دے کر آپ کا متصرف اور مجاز ہونا ثابت کیا گیا۔ خانصاحب گکھڑوی نے اس حوالہ پر جو اعتراضات کئے ان کا تنقیدی جائزہ لیا گیا۔

(62) خانصاحب نے ایک ضابطہ گھڑا جس فعل، امر پر ''باذن اللہ'' جیسے کلمات وارد ہوں ایسا فعل بندے کے اختیار میں نہیں غیر اختیاری طور پر اس کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تصرفات کے متعلق لکھا ''یہ سارے کام انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اِذن سے کئے تھے، باختیار خود کچھ بھی نہیں کیا'' اس مصنوعی ضابطہ کا غلط ہونا آیاتِ قرآنیہ سے ثابت کیا گیا۔ نیز خانصاحب کے کلام میں واقع ''کچھ بھی نہیں کیا'' کو توضیح کے وقت نذرانداز نہ کیا جائے۔

(63) خرقِ عادت افعال (معجزات وکرامات) مقربین .... اختیاری طور پر بھی صادر ہوتے ہیں اور ان کے اختیاری افعال بھی ہوتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام

کے واقعہ سے اس پر استدلال اور مفسرین کرام کے تفسیری حوالے تنویر و توضیح کیلئے پیش کئے گئے۔ جو کہ اقوالِ سلف کے متعلق ہے۔ ہر ایک حوالہ مستقل و مفصل ہے خاص طور پر خانصاحب حکیم الامت تھانوی کا تفسیری کلام۔

(64) اللہ تعالیٰ نے ''مافی الارحام'' میں تصرف کیلئے فرشتہ مقرر فرمایا ہے۔ جسے انسان کی عمر، موت، روزی کی مقدار اور سعادت و شقاوت کا علم اللہ نے عطا فرمایا فرشتہ اس کے مطابق تصرفاتِ تکوینیہ فرماتا ہے۔ حزب مخالف ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' ماتحت الاسباب تصرفات کا سہارا لے کر جان چھڑاتا ہے۔ ان تصرفات کو ماتحت الاسباب امور دلیل سے ثابت کیا جائے۔

(65) اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم نبی اکرم ﷺ کو مختار فرمایا تھا کہ جب تک جتنا عرصہ چاہیں اس دنیا میں رہیں اور اصلاح خلق فرمائیں اور جب چاہیں دارِ آخرت کو اعزاز بخشیں اس اعزاز کا احادیث صحیحہ صریحہ میں ذکر موجود ہے۔ اسکے جواب میں خانصاحب نے جس طعن و مزاح کا سہارا لیا ہے، اس کی خوب خبر لی گئی۔

(66) خانصاحب نے ''بخاری شریف'' میں مروی ایک دعا کا نام سہارا لیا جسے کئی دلائل سے ''ھباءً مَّنثورا'' کر دیا گیا۔ خود اس مقام کو دیکھ کر تسلی کر لیں۔

(67) تمام انبیاء کرام علیہم السلام مخیّر تھے (اختیار دیئے ہوئے) حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی شان، اختیار و تصرف، قوت کا بیان آپ نے طمانچہ مار کر حضرت ملک الموت علیہ السلام کی آنکھ پھوڑ دی۔ اس صریح صحیح روایت کے مفہوم کا جس انداز سے خانصاحب گکھڑوی نے انکار کیا اس کا نو طریقوں سے رَدّ کیا گیا جس سے ثابت ہے کہ مؤلف مذکور قوتِ استدلال و بیان میں کمزور ہیں یا تحریف معنوی میں شہ زور۔

(68) حدیث مذکورہ کی شرح میں دیوبند کے شیخ الحدیث، محقق مدرس انور شاہ کاشمیری صاحب کی تحقیق سے استدلال کیا .... ''جادو وہ ہے جو سر پر چڑھ کر بولے''

مرقوم ہے.........اس جادو کا اتارنا بھی ضروری ہے۔

(69) ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی روایات...... کہ رسول اللہ ﷺ نے حالتِ نماز میں دست مبارک دراز فرما کر جنت کا پھل توڑ کر لانے کا قصد فرمایا مگر کسی حکمت کے تحت ایسا نہ کیا...... پر بحث کرتے ہوئے ثابت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ ظاہری عادی اسباب سے بالا مافوق الاسباب اَمر ہے۔ یہ معجزانہ تصرف آپ کا اختیاری فعل ہے جو احادیث سے ثابت ہے۔

(70) سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ سے فرمایا "سَلْ" جس پر آپ نے عرض کی "اسئلک مرافقتک فی الجنة" نبی مکرم شفیع محتشم ﷺ کے مختار ہونے پر نص ہے۔ اس حدیث مبارکہ کی تشریح پر علامہ ملا علی قاری شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کی صاف و شفاف عبارات اثباتِ دعویٰ پر پیش کی گئیں۔ مگر "نورِ ہدایت" کا جواب لکھتے وقت مؤلف "راہِ ہدایت" نے ان کا جواب نہ دینے میں عافیت سمجھی۔

خانصاحب نے حدیث کے جواب میں جو محققانہ کلام رقم فرمایا اس پر "خانصاحب کی لن ترانی" خانصاحب کی محدثانہ اپچ، خانصاحب کی بدحواسی کے عنوانات کے تحت ان کی عبارت کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ان اعتراضات کا جواب بھی صاحب "راہِ ہدایت" گول کر گئے۔

(71) رسول اللہ ﷺ کے ارشاد "انما انا قاسم و اللہ یعطی" سے استدلال پر حزب مخالف سوالات کے جوابات حزب مخالف پر سوالات مزید جوابات جو کئی مستقل دلائل ہیں۔

(72) مفسد صوم رمضان کی روایت کے ضمن میں فائدہ میں لکھا گیا کہ علماء میں اختلاف

ہے کہ ان صاحب سے کفارہ ساقط کیا گیا تھا یا مؤخر؟ ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ ''معاف ہوگیا'' ساتھ ہی خانصاحب کے استدلالات، مثلاً قول زہری، فتح القدیر کے حوالہ (میں خیانت)، قول امام نووی پر مؤاخذہ تشنہء جواب رہا۔

(73) اعلاء کلمۃ اللہ پر سوالات اور ان کا جواب پھر ان پر کئی سوالات اور ان کے جوابات مؤلف راہ ہدایت کی کئی کمزوریوں پر مشتمل ہیں۔

(74) حمل منطقی کی تعریف اور اس پر اعتراض اور اس پر جواب دلچسپ بحث ہے۔

(75) الدعاء ھو العبادۃ سے استدلال کا جواب اور حرفِ آخر ''تصور الہ'' حضرت شاہ ولی اللہ کی ایک کامل عبارت کی تحقیق حسن خاتمہ پر شاہد عدل ہے۔

امیدوار رحمت رب العالمین
خادم ابوالخیر پیر سید حسین الدین
یکے از خوشہ چینان گلستانِ مہر علی سید امتیاز حسین شاہ کاظمی
خادم التدریس جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی

۶ر مارچ ۲۰۱۲ء

پیشِ لفظ

برادرانِ اسلام!

حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی کے اس زمانہ میں جب کہ چراغ مصطفوی صلی اللہ علی حبیبہ وسلم سے شرارِ بولہبی ستیزہ کار ہے اور دورِ حاضر کے فراعنہ، نمارده اور ملاحدہ گمراہی وضلالت کو عام کرنے اور حقانیت وہدایت کو مٹانے کیلئے ہمہ تن مصروف ہیں۔ دینِ قیّم کے صاف وشفاف چشمہ کو عملی ونظریاتی گندگیوں سے مکدّر کرنیکی پیہم مساعی مذمومہ جاری ہیں۔ کفر والحاد اور فسق وفجور کی ظلمات، نورِ ایمان کو اپنے آغوش میں چھپانا چاہتی ہیں۔ بے راہ روی و بدعقیدگی کی آندھیاں شمعِ صداقت کو گل کرنے کے درپے ہیں۔

کہیں شرک وبدعت کے درس دیئے جاتے ہیں تو کہیں تکفیر المسلمین کا سبق اَزبر کرایا جاتا ہے۔ دین سے استہزاء، قرآن سے بیزاری، سنت نبوی سے تمسخر ایک عام مشغلہ ہوگیا ہے۔ توہینِ رسالت، تنقیصِ شانِ نبوّت، اہانتِ اہل بیت عظام، سبُّ وتشنیع صحابہ کرام، دینی امر سمجھا جاتا ہے۔

نئے نئے فرقے، نووارد عقائد واعمال سے مسلمانوں میں اختلاف، ملک میں انتشار پیدا کرنے، جمعیت ووحدت کو مٹانے میں کوشاں ہیں۔ قصرِ اسلامی اور ملّی بنیان مرصوص میں شگاف ڈالنے کی منحوس کوشش میں مشغول ہیں۔ اور ملّتِ اسلامیہ کی اساس وبنیاد، نظم واتحاد کو انشقاق وافتراق سے پاش پاش کرنا چاہتے ہیں۔

الامان والحفیظ

غرضیکہ بدتمیزی کا ایک طوفان برپا ہے، اور یہ زمیں طغیان وسرکشی، فسق وفجور کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے اور ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ کا مفہوم واضح ہو رہا ہے۔ عقیدۂ توحید، اطاعتِ رسول، عظمتِ قرآن، محبتِ اہل بیت اور مدحِ صحابہ جیسے مقدس وپاکیزہ الفاظ کی آڑ لے کر انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی توہین، مستحسنات کی تقبیح، سنت سَنیّہ کا انکار، صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تشنیع، اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص، اولیائے عظام کی تذلیل کا ارتکاب کیا جا رہا ہے...... (العیاذ باللہ)

ویسے تو ان خطرناک عناصر ومحرکات کی اتنی کثیر تعداد ہے کہ ان کی فہرست تیار کرنا قریب قریب ناممکن ہے، تاہم ان میں سے بعض اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے والے فرقوں کا طرۂ امتیاز اور خصوصی علامت، مقبولانِ بارگاہ ایزدی کی توہین کرنا، ان کے ذکر سے ٹوکنا اور فضل سے انکار کرنا ہے۔

بقول امام اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمہ اللہ تعالیٰ:

ذکر روکے فضل کاٹے، نقص کا جویاں رہے

پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ ﷺ کی

ان کے عقیدہ میں انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے کمالات مثلاً وسعتِ علمی، تصرفات ما فوق الاسباب اور اختیار وغیرہا کا اقرار، توحید کے منافی ہے...... واقعی عقیدۂ توحید ایک غیر متبدل بنیادی اور ضروری عقیدہ ہے جس پر تمام اعمال کا دارومدار ہے، اگر یہ عقیدہ ٹھیک ہے تب ہی کوئی عمل صالح قابل قبول ہوسکتا ہے وگرنہ کسی عمل کا کوئی اعتبار نہیں۔ مگر اس بات کو بھی نہ بھولئے گا کہ توحید اصل میں وہی توحید ہے جسے زبانِ رسالت نے آشکارا کیا ہو۔ وگرنہ اِلحاد ہے۔

ایمان بالتوحید کے ساتھ ساتھ عظمتِ شانِ رسالت، محبت نبی ﷺ موجود ہے

توز ہے قسمت ونصیب...... اور اگر توحید کو توہینِ نبوت اور تنقیصِ رسالت کے گندے عقیدہ سے ملوث کرلیا ہو تو وہ توحید نہیں بلکہ صریح کفر ہے...... جس طرح توحید میں ذرا سی کمی سے ایمان نہیں رہتا، اسی طرح "توھینِ رسالت" کے ساتھ سچی توحید جمع نہیں ہوسکتی، بلکہ ذرا سی گستاخی واہانت پر......

﴿ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴾

...... کی وعید موجود ہے۔ ان نفوس قدسیہ کی توہین اللہ تعالیٰ کی توہین ہے...... نعوذ باللہ منہ......؛ کیونکہ ان کو سب کمالات اسی مالک الملک جل جلالہ نے عطاء فرمائے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے جس کو چاہے، جتنا چاہے، عطاء فرمائے۔ اسی اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو اختیارات وتصرفات عطا کئے اور سب سے زیادہ سلطنت ومملکت، تصرفات و اختیارات حبیبِ خدا، شہ ہر دوسرا، امام الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو ملے۔ اور آپ ﷺ اپنے منصب کے مطابق مختارِ کُل اور متصرف فی الامور ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر اِتمامِ نعمت فرما دیا ہے۔

مگر توہین رسالت سے ملی ہوئی توحید کے متوالے، اہانت اہل اللہ کے شیدائی، اسے شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ کہ اگر امام النبیّین، رحمةٌ للعالمین ﷺ...... جن کو ﴿ اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴾ سے نوازا گیا ہے...... کے متعلق یہ اعتقاد رکھا جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے قاسم اور مختار کائنات ہیں، تو ان یار لوگوں کے نزدیک توحید کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، اور ایسا اعتقاد رکھنے والوں کو کافر ومشرک کہنے میں کوئی بھی کمی نہیں چھوڑتے۔ (العیاذ باللہ)

ان خودساختہ توحید کے دیوانوں کو اس بات سے ہمدردی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے مقرب بندوں کو ایسے تصرفات واختیارات سے نوازا ہے تو پھر اس کے پاس کیا رہا؟

غرضیکہ تجربہ کر لیجئے ! ان کی زندگی کا اہم فریضہ محبوبانِ خدا کے کمالات سے انکار، اوراہم مشغلہ اہل سنت وجماعت کو بدعتی ومشرک کہنا ہے۔ یہ لوگ تکفیر المسلمین کا ایسا خطرناک مشغلہ اختیار کر چکے ہیں۔ کہ ذرا سے اختلاف پر ''شرک'' کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے۔

ع توحید کے پردے میں ہے انکارِ رسالت

چونکہ یہ لوگ ہمارے معتقدات کو ''شرک'' کہتے ہیں؛ اسلئے مجبوراً قلم اٹھانا پڑا، تاکہ اپنے دلائل کو روشن کیا جائے اور مخالفین کا الزام شرک وکفر انہیں پر لوٹتا ہوا نظر آئے۔

اگرچہ ملکی حالات اور اس پر اپنی بے بضاعتی، کم علمی، ناتجربہ کاری اور مسئلہ کی اہمیت اور کثیرالجہتی مصروفیات کچھ تحریر کرنے کی اجازت نہیں دیتیں مگر ہماری صلح پسند خاموشی سے مخالفین کے ناجائز فائدہ اٹھانے، طوفان بدتمیزی برپا کرنے پر، متوکلاً علی اللہ جل جلالہ ''مسئلہ تصرفات واختیارات'' کو قرآن وسنت اور سلف صالحین کے ارشادات کی روشنی میں حل کردیا گیا ہے۔ اس مجموعہ کا نام بعض مناسبات کی وجہ سے......

''هَدِيَّةُ الْاَحْبَابِ فِی التَّصَرُّفَاتِ مَا فَوْقَ الْاَسْبَابِ''

......تجویز کیا گیا ہے۔ اب قارئین سے اپیل کی جاتی ہے کہ تعصّبات سے یکسر خالی ہوکر نورِ انصاف کی روشنی میں اس مجموعہ کا مطالعہ کریں اور دیانت وعدالت کے میزان سے حق و باطل کا موازنہ کریں۔

میری بے ربط کلام اور ادبی معیار پر پوری نہ اترنے والی عبارت پر نظر نہ رکھیں بلکہ دلائل کی مضبوطی واِستحکام کو دیکھیں۔ حق سمجھ آجائے، تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں اور فقیر کے خاتمہ بالخیر کے لئے دعا فرمائیں۔ نیز آئندہ کیلئے لباسِ خضر میں راہزنی کرنے والوں ...... ذِیَابٌ فی ثیابٍ، لب پہ کلمہ دل میں گستاخی...... کا نمونہ دکھانے والوں سے اجتناب کریں کیونکہ :

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذر و دلقِ اویس و چادرِ زہراء

یا...... اسے یوں سمجھ لیں کہ:

بات کہنے کی نہیں، ہیں یہی شیخ وواعظ
مسجدیں بیچ کے بت خانے بنانیوالے

خبردار! ان کفر نواز خطرناک عناصر کے دامِ تزویر میں نہ آنا۔ اسلئے کہ ؎

اسلام کے حامی ہیں اصنام کے شیدائی
ہے دعوائے حریت، غیروں سے شناسائی

پھر فخر سے کہتے ہیں، ہم خون سے کھیلے ہیں
نائب تو محمد ﷺ کے ارے گاندھی کے چیلے ہیں

مسلمانو!

اپنے مذہب کی صیانت وحفاظت کیلئے اس کتاب کا بغور مطالعہ کرو۔ ان شاء اللہ الرحمٰن یہ عقیدے کی پختگی اور انشراح صدر کا باعث ہوگی۔

ارادہ تو تھا کہ علماء سلف کے عقائد اور خود حزبِ مخالف کے اقوال درج کئے جائیں۔ نیز انکے استدلال کے جوابات اور ان کا صحیح مطلب ذکر کر دیا جائے، مگر کتاب کی ضخامت کے پیش نظر اور طباعتی مسائل کی وجہ سے اس حصہ کو مؤخر کر دیا گیا ہے، اگر ناظرین نے پیش نظر حصہ کو قبولیت سے نوازا، اور فقیر کی حوصلہ افزائی فرمائی توان شاء اللہ العزیز بقیہ حصہ بھی ہدیہ قارئین کرام کیا جاوے گا۔

هو الله الموفق

ناظرین کرام! میں نے تمام حوالہ جات نہایت دیانتداری وذمہ داری سے پیش کئے

ہیں۔ تصحیح النقل میں کافی کوشش کی گئی ہے تاہم میں اپنے آپ کو غلطی وخطاء سے پاک نہیں سمجھتا۔اور......

﴿ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِی اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیْ ﴾

......کے مصداق رحمت خداوندی کا طالب ہوں۔

نیز اس پر مستزاد کتابت وطباعت کی غلطیوں کا بھی امکان موجود ہے لہٰذا اگر کوئی قابلِ اصلاح غلطی دیکھیں تو مطلع فرمادیں۔مزید براں خیال رہے کہ کئی کتابوں سے حوالہ نقل کرنے کی صورت میں پہلے اس کتاب کا نام لکھا گیا ہے جس سے الفاظ منقول ہوئے۔

آخر میں مشائخ عظام اور علمائے اہلسنت نفعنااللہ ببر کاتھم خصوصاً ان مقدس ہستیوں...... جن کے خرمنِ علمی سے بندہ نے خوشہ چینی کی ہے اور جن کے بحرِ علم سے چند قطرے حاصل کئے اور جن کی نگاہِ فیض رسا اور صحبتِ بابرکت وفیض بار نے اس نالائق کو اس قابل بنایا......کی خدماتِ عالیہ میں اس سعی ناچیز کو پیش کرتے ہوئے عرض گذار ہوں، کہ اپنی دعواتِ صالحہ میں خادم کو شامل رکھیں۔جذبہ صالحہ اور خاتمہ بالخیر کیلئے دعا فرمائیں۔

ننازم بسرمایۂ فضل خویش
بدریوزه آورده ام دست پیش

﴿حسبنااللہ و نعم الوکیل﴾

﴿نعم المولی و نعم النصیر﴾

المفتقر الی اللہ جل وعلا
ابوالخیر حسین الدین شاہ چشتی قادری عفی عنه

☆☆☆☆☆

پیش لفظ (طبع اول)

مقدمۃ الکتاب

حیرت کدہ

(عجائبات تفسیر بلغۃ الحیران)

☆ تحریراتِ بُلغَۃِ الْحَیْرَان کا پوسٹ مارٹم
☆ بلغۃ الحیران علمائے دیوبند کی نظر میں
☆ دندان شکن سوالات، منہ توڑ جوابات
☆ علمائے دیوبند کے فتاوٰی
☆ تحویل قبلہ، عظمت ورضاء مصطفٰی کا جھنڈا
☆ مبشراتِ بُلغۃ الحیران کا ماحصل

رَبِّ يَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

اَلْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْعَالَمِيْنَ ۝ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ وَاَصْحَابِهِ الْمُطَّهَّرِيْنَ

وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۝

برادرانِ اسلام !

خالقِ کائناتِ ارضی وسماوی، علوی وسفلی، صغیر وکبیر، نے اشرف المخلوقات انسان کو عرصہء نابود سے میدان بود میں لاکر طرح طرح کی نعمتوں اور مختلف عنایتوں سے نوازا۔ اسے عقل دی، تمیز بخشی، قدرت وطاقت ارزاں فرمائی اور سمیع وبصیر بنایا۔ ادراکِ کلیات اور استخراج جزئیات کی استعداد سے سرفراز کیا۔ صحیح وسقیم، طیب وخبیث، پاک وناپاک، ایمان وکفر، ہدایت وضلالت میں امتیاز کرنے کی صلاحیت بخشی۔ اپنی مشیت کے تابع رکھ کر اسے اس کی اپنی حدود میں تصرف کا اختیار بخشا۔ اسی نوع کے بعض افراد کو خلافتِ الٰہیہ کی نعمت سے سر بلند فرمایا۔ اور انہی نفوس قدسیہ کی اتباع وعصیان کو ہدایت وضلالت کا معیار قرار دیا۔ ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور نافرمانی کو اپنی نافرمانی فرمایا۔

مولائے کریم عزوجل کی رحمتوں اور عنایتوں کا کیا کہنا! کہ اسی مخلوق کے سر نبوت کا تاج رکھا اور خلافت کا حُلّہ عطا کیا۔ جسمانی وروحانی، ظاہری وباطنی اور دیگر انواع کی نِعَم (نعمتوں) سے مالا مال فرما کر دعوتِ فکر وعمل دی۔ حق وباطل میں تفریق کا مَلکہ عطا فرمایا۔ عملِ صالح پر کار بند ہونے اور عملِ قبیح سے اجتناب کرنے کو کہا اور اسے میدانِ عمل میں آزاد چھوڑ دیا۔ یعنی ہدایت وضلالت میں سے جس کو چاہے اختیار کرلے۔

یعنی نہ تو جمادات کی طرح انسان کو "مجبورِ محض" بنایا اور نہ ہی اسے ایسا

''مطلق العنان'' اور آزاد کیا کہ حیطہء قدرتِ الٰہی سے نکل جائے اور مشیّتِ ایزدی، ارادۂ ازلی سے مستغنی و بے پرواہ ہوجائے۔

اختلاف کا آغاز: انسان اپنے اعمال وافعال کا مختار ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ پر پہلی صدی ہجری ہی میں اختلافات رونما ہو گئے۔اور بعض ایسے مفسِد وفَتّان پیدا ہو گئے جنہوں نے حقیقت کو مسخ کر کے اس مسئلہ کے سمجھنے میں پیچیدگیاں پیدا کر دیں۔اپنی جہالت اور تعصب سے ملت اسلامیہ کے شیرازہ کو بکھیر کر ضلالت وبدعقیدگی کی اشاعت کی اور سچے مسلمانوں ''سوادِاعظم اہل السنۃ والجماعۃ'' کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ تفصیل وتشریح کے پیشِ نظر تو اس مسئلہ میں بحث وتمحیص کرنے والوں کے کئی گروہ قرار دیئے جاسکتے ہیں مگر تین جماعتیں مشہور ہیں۔

(۱) جبریہ، (۲) قدریہ یعنی معتزلہ (۳) اہل سنت وجماعت

نظریات ومعتقدات کا خاکہ:

فریق اول: ''جبریہ''اس چیز کے قائل ہیں کہ انسان ''مجبورِ محض'' ہے۔ اسے اپنے افعال واعمال میں کسی قسم کے تصرف کا اختیار ہی نہیں۔اس کی حرکات اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہیں۔ وہ جمادات (پتھر لوہا وغیرہ) سے مشابہ ہے۔جیسے پتھر کو کوئی ایک مقام سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دے تو اس میں ایک گونہ حرکت تو پیدا ہوئی مگر یہ اس کا اختیاری فعل نہیں۔ یہ فریق اپنے مذہب پر متعدد دلائل پیش کرتا ہے ان کے استدلالات مع جوابات کتب علم کلام میں موجود ہیں۔

یہ گروہ عقلی استدلال کے علاوہ قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں تدبر کی بجائے ظاہری مطالب سے استدلال کرتا ہے جس سے غلط فہمیاں پیدا ہوئیں، بدیں وجہ اہل علم

نے اسے ''اصعب المسائل'' سے تعبیر کیا۔ الحمد للہ تعالیٰ اہل حق نے ان دھوکہ بازوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ایک ایک حملہ کو علمی میدان میں شکست سے دوچار کیا۔

فریق ثانی: ''قَدَرِيَّه'' (معتزلہ) اس بات کے معتقد ہیں۔ کہ انسان ''خودمختار'' ہے۔ اپنے افعال کے صدور میں ایسی قدرت رکھتا ہے کہ مشیتِ ایزدی کا بھی محتاج نہیں بلکہ اپنے افعال کا خود خالق ہے، اللہ تعالی انسان کے افعال کا خالق نہیں۔

'' قَالَتِ الْمُعْتَزِلَةُ اَیْ اَکْثَرُهُمْ وَهِیَ وَاقِعَةٌ بِقُدْرَةِ الْعَبْدِ وَحْدَهَا'' اکثر معتزلہ نے کہا ہے کہ بندے کے افعال صرف بندے کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔

(شرح مواقف ص ۶۲۵ ، ۶۲۶ نولکشور) (الموقف الخامس فی الالٰهیات تحت المرصد السادس فی افعاله تعالٰی)

مُتکلمینِ اہل سنت پر یہ سوال ہوسکتا تھا کہ معتزلہ انسان کو خالق افعال اعتقاد کرتے ہیں حالانکہ صفت خلق خاصہ اُلوہیت ہے اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے کیا وجہ ہے کہ متکلمین معتزلہ کو مشرک کہنے کے بجائے انہیں اسلامی فرقوں میں شمار کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں علامہ تفتازانی لکھتے ہیں۔

(لِاَنَّهُمْ لَایجعَلُوْنَ خَالِقِيَّةَ الْعَبْدِ كَخَالِقِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰی) یعنی معتزلہ کو اسلئے مشرک نہیں کہا جائیگا کیونکہ وہ بندوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی مثل صفت خلق نہیں مانتے۔

(مبحث الافعال کلها بخلق الله تعالٰی والدلیل علیها) (شرح عقائد صـ۱۰۲ مکتبه رحمانیه اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاهور

ناظرین کرام! ایک نظر مقصد ہفتم محل نزاع ص ۴۲۵ پر ڈالیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خانصاحب گگھڑوی کا گروہ۔ علماءِ اہل سنت کی تحقیقات کو مسترد کر کے اہل اسلام، اہل توحید پر کتنی سینہ زوری سے فتویٰ شرک داغ رہے ہیں۔

فریق ثالث: سواد اعظم اہل سنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ نہ تو جبریہ کے عقیدہ کے مطابق انسان ''مجبورِ محض'' ہے اور نہ ہی قدریہ کے قول کے مطابق ''خالق

بلکہ جبریہ وقدریہ کے مسلک کے بین بین یعنی انسان اپنے افعال کا مُختار و کاسِب ہے نہ کہ مُوجِد و خالِق۔

پہلے دونوں گمراہ کن، ضلالت کیش، ایمان سوز فرقوں کے درمیان ہمارا (اہل السنّت والجماعت کا) عقیدۂ وسطیہ ہے اور یہی صراط مستقیم اور ذریعہ نجات وفلاح ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (آمین)

اہل حق اہلسنت کیساتھ خیر القرون ہی سے ایسی فتنہ پرداز فساد پرور جماعتیں ستیزہ کار ہیں۔ جبریہ کی بہ نسبت قدریہ زیادہ جوش وخروش اور پورے نظم ونسق کے ساتھ علمائے اہل سنت سے نبرد آزما رہے ہیں۔ اس گروہ کو سیاسی، عسکری اور فلسفیانہ قوتوں کی طرف سے ممکنہ سرپرستی بھی حاصل رہی تاہم ہر میدان میں رسوائی اٹھائی، ذلیل ہوئے۔ مگر اوندھی عقل اور ......

بے حیاء باش ہر چہ خواہی کن

...... کے مصداق اپنے پروپیگنڈہ ہائے ضلالت اور اشاعت بدعت میں کوئی کمی نہ آنے دی اور پھر بعض اوقات تو اس جماعت کو اس قسم کے حیاسوز، ایمان کش، کفر آمیز اور دجل افروز عقائد کی اشاعت وتبلیغ کیلئے حکومت وقت کی طرف سے مدد بھی ملتی رہی۔ اور اس حقانیت سوز عقیدہ کے اثبات کیلئے ان لوگوں نے بڑے بڑے رنگ بدلے اور مسلمہ اصول قربان کردیئے اور جس حقیقت کو اپنے راستے کی رکاوٹ سمجھا مسل دیا، اور نہ جانے بام ضلالت تک پہنچنے کیلئے کن کن بدعقیدگیوں کو زینہ بنایا۔ مسئلہ اختیارِ عبد کے اعتبار سے ان کے چند باطل نظریات ملاحظہ کیجئے!

(۱) لوح محفوظ میں سب کچھ پہلے سے لکھا ہوا نہیں۔

(۲) اللہ جل شانہ کا ارادہ قدیم نہیں بلکہ حادث ہے۔

(۳) عالم الغیب والشهادة عزاسمہ جمیع اشیاء موجودات ومعدومات کا علم نہیں

رکھتا، بلکہ صرف موجودات کا عالم ہے۔

(۴) اس عالم الغیب و الشھادۃ کو انسان کے متعلق اتنا علم نہیں کہ آئندہ کیا کریگا ؟ بلکہ انسان کے کرنے کے بعد خدا تعالیٰ کو معلوم ہوتا ہے۔

(۵) بندہ اپنے افعال کا خالق وخود مختار (مستقل با اختیار) ہے۔وغیرہ (العیاذ باللہ)

اس طرح کے دیگر عقائدِ فاسدہ سے اپنے غلط نظریہ کو ثابت کرنے اور مشکلات کو حل کرنے میں مدد لی ۔آخر اِن لوگوں کی شان وشوکت خاک میں ملائی گئی اور سوادِ اعظم کو تقویت نصیب ہوئی۔ لیکن اسکے باوجود اہل سنت کو خوش نہیں ہونا چاہئے کہ ایسی بدعقیدہ جماعت سے ہمیں مکمل نجات مل گئی ہے اور غلط پروپیگنڈہ کے اثرات سے مامون ومحفوظ ہیں۔نہیں نہیں ! یہ ہماری خوش فہمی ہے۔ ''قدریہ'' نہ سہی، ان کے ایجنٹ پروپیگنڈہ سیکرٹری اوراُن کی طرف سے وکیل خصومت ہمارے مارِ آستین بنے ہوئے ہیں ۔ہم اپنی سادہ لوحی ، حسنِ ظن ،عدمِ تجسس اور کچھ غفلت شعاری وجمود پسندی کی وجہ سے ایسے خطرناک ومہلک عناصر سے بے خبر ہیں۔

پاسبانی کن بسے در کوئے دل
زانکہ دزد انند در پہلوئے دل

جیسا کہ دیوبندی گروہ کے ذمہ دار مولوی حسین علی صاحب واں بھچروی......تلمیذ ارشد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ومولوی محمد مظہر نانوتوی ......نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف " بُلغة الحیران" میں اعتزال کے احیاء اور قدریہ کے مُردہ عقیدہ کی تجدید کی کوشش کی ہے۔

فائدہ : مولوی حسین علی کی تفسیر بلغة الحیران کا اشارہ کردہ حوالہ اوراس پر تبصرہ کرنے سے پہلے عام قاری کے فائدہ کیلئے بعض اہم باتوں کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّھَا وَ مُسْتَوْدَعَھَا کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ	اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر نہ ہو اور جانتا ہے کہ کہاں ٹھہرے گا اور کہاں سپرد ہوگا سب کچھ ایک صاف بیان کرنیوالی کتاب میں ہے۔
سورئہ ہود آیۃ6،پ 12	ترجمہ کنزالایمان

آیۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور ہمہ گیر وسعتِ علم کا ذکرِ حَسِین ہے، آیت کے آخری کلمہ مبارکہ کِتَابٌ مُّبِیْن سے لوحِ محفوظ مراد ہے جیسا کہ اہل علم نے تفاسیر میں لکھا اور اسی کے دیوبندی علماء بھی قائل ہیں جیسا کہ دیوبندی مفسر جناب شبیر احمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔﴿ کُلٌّ فِیْ کِتَاب مُبِیْنٍ ﴾یعنی ''لوح محفوظ'' میں جو صحیفہ علم الٰہی ہے ، پھر علم الٰہی میں ہر چیز کیسے موجود نہ ہوگی۔

لیکن خانصاحب کے شیخ حسین علی نے اس کے خلاف لکھا۔ تفسیر بلغۃ الحیر ان میں ہے:

'' ﴿ کُلٌّ فِیْ کِتَابٍ مُبِیْنٍ O﴾ (سورۃ ہود / آیۃ٦، پ ١٢)

یہ علیحدہ جملہ ہے ماقبل کیساتھ متعلق نہیں تا کہ یہ لازم آئے کہ تمام باتیں اولاً کتاب مبین میں لکھی ہوئی ہیں جیسا کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے بلکہ اسکا معنی یہ ہے کہ تمہارے تمام اعمال لکھ رہے ہیں فرشتے''

(بلغۃ الحیران ص/ ۱۵۷ بار اوّل واں بھچراں ضلع میانوالی طبع ثانی ناشران مکتبہ حنفیہ گوجرانوالہ مکتبہ سعیدیہ سوات)

ناظرین! غور کیجئے! دیوبندی جماعت کے مجدّد کتنے بے نقاب ہو کر معتزلہ کی طرف سے وکالت کر رہے ہیں۔ کیسے مذہبِ حق اہل سنت و جماعت کا اِبطال اور اُصولِ مسلّمہ کی تضحیک کر رہے ہیں؟ دیانتداری و غیر جانبداری سے ملاحظہ کیجئے ! کیا مذکورہ عبارت میں مذہبِ اعتزال کی تائید و اِحقاق اور مسلکِ اہلسنت کی تردید و اِبطال سے کام نہیں لیا گیا؟ ضرور ...... کھلے لفظوں میں مصنف کتاب نے کہہ دیا کہ: اس آیت کا وہ مطلب ٹھیک نہیں

جو اہل سنت و جماعت لیتے ہیں بلکہ معتزلہ جو معنی کرتے ہیں وہ درست ہے۔

اس عبارت سے حزب مخالف کے مجدد کے معتقدین ومتوسلین کا وہ عذر لنگ اور جوابِ ناصواب کہ:...... "اس عبارت میں معتزلہ کے مذہب کا ذکر ہے نہ کہ تائید" ...... کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھرتی اور اس عذرِ گناہ بدتر از گناہ کی خاک اڑتی دیکھئے! کیوں کہ اس کتاب میں شروع پارہ سے لے کر ان سطور تک معتزلہ کا ذکر تک نہیں۔ بلغۃ کی عبارت میں حزبِ مخالف کے بودے جواب کی اشارۃً بھی تائید نہیں نکل سکتی بلکہ صراحۃً رد ہے اس لئے بلغة الحیران کی اس تفسیری تحریف کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

یہ تو مولوی صاحب کے اس مسئلہ میں ابتدائی مراحل تھے اس شان کی اٹھان تھی۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

خیال یار نے تو آتے ہی گم کر دیا مجھ کو
یہی ہے ابتدا تو انتہا اسکی کہاں تک ہے

جماعت دیو بندیہ کے یہی مجدد عبارت مسطورہ سے متصلاً لکھتے ہیں۔

"حاصل مقام کا یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت قائل ہیں کہ سب کچھ پہلے لکھا ہوا ہے اور اسی کے مطابق دنیا میں امور ہو رہے ہیں لہٰذا اس مذہب پر اعتراضات قویہ معتزلہ کے آتے ہیں۔یعنی پس لازم آ گیا کہ بندہ کو عذاب دینے کی وجہ کیا ہوئی گناہوں سے اور خود مختار بھی نہ رہا۔ کیوں کہ اوپر اس تقدیر کے خود مختار ہونے کا معنی نہیں معلوم ہوتا کہ کیا ہے؟ اسی واسطے مسامرے والے نے اس کا جواب نہ دیا۔ اور کہا کہ یہ نہایت سخت اشکال ہے اور تفسیر کبیر والے نے کہا کہ اس کے واسطے بہت حیلے کئے ہیں لیکن کوئی معتدبہ جواب نہ دیا جس سے تسلی اور یقین آ جائے ۔ دوسرا یہ ہے کہ باری تعالیٰ اس تقدیر پر مختار نہ رہا کیونکہ اس تقدیر پر مرید ہونے کا معنی کیا ہے؟ بلکہ لازم آتا ہے کہ مختار نہ رہے جیسا کہ حکماء کہتے ہیں۔"

(بلغة الحیران: ص/ ۱۵۷ طبع اوّل حمایت الاسلام پریس شائع کردہ مولوی حسین علی واں بھچراں ضلع میانوالی طبع ثانی مکتبہ حنفیہ گوجرانوالہ و مکتبہ سعیدیہ سوات

قارئین باتمکین ! نہایت دیانتدارانہ طور پر بغور ان سطور کو پڑھیئے اور قیامت کے ہولناک مناظر کا خیال رکھ کر فیصلہ کیجئے !

☆ کیا اس عبارت میں مذہب مُہذّبْ اہل سنت پر کھلا حملہ نہیں کیا گیا؟

☆ کیا دلائل اہل سنت کی تسخیف اور دلائل معتزلہ کی تائید نہیں کی گئی ؟

جس مذہبِ حق کے اثبات کیلئے ائمہ مجتہدین ، علمائے ربانیین ، سلف وخلف اور صوفیائے نامدار رحمهم الله تعالی اجمعین نے خون وپسینہ ایک کر دیا تھا، مجدد دیو بندیت نے اسی مذہب حق پر کیسے ہاتھ صاف کئے اور کیسا بھر پور شب خون مارا؟

ائمہ اہل سنت نے ہر زمانہ میں مخالفین ومعترضین کو دندان شکن جواب دیئے اور انہیں مبہوت ولا جواب کر دیا۔ کتب تفاسیر ، شروح احادیث ، کتب کلامیہ اور صوفیائے کرام کی تصانیف فرقہ ءِقدریہ کے رد سے بھری پڑی ہیں مگر دیو بندی مجدد...... معتزلہ کے وکیل...... کہتے ہیں :

> ”مجھے ان سے تسلی واطمینان نصیب نہیں ہوا۔ معتزلہ غالب ہیں اور اہل سنت مغلوب۔ معتزلہ کے اعتراضات قوی ہیں اور اہل حق کے جواب کمزور، علمائے اہلسنت بڑی کوششوں کے باوجود معتزلہ کے سوالات کا کوئی معتدبہ، تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔“

اتنی صاف وصریح ضلالت آمیز اعتزال افروز عبارت دیکھنے کے بعد نہایت متعصب اور متشدد انسان ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ ”مولوی حسین علی معتزلہ کے ہم عقیدہ نہیں۔ بلکہ مذہب معتزلہ کا ذکر کر رہے ہیں“ اس بے مزہ جہالت کو کوئی مسلمان تو درکنار کوئی بھی صاحب عقل وتمیز تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوگا۔ اور کوئی مانے بھی کیسے؟ جب خود قائل علی الاعلان واضح الفاظ میں کہے کہ اہل سنت کا مذہب صحیح ماننے پر ”خدا تعالیٰ قادر نہیں رہتا“ یا انسان ”مجبور محض“ بن جاتا ہے۔ اب یونہی کوئی انکا جھولی چُک ، کاسہ لیس، خوشامدی

،حقانیت اور دیانت کی آنکھ کو ضد اور ہٹ دھرمی کی پٹی سے بند کر کے کچھ کا کچھ کہتا پھرے اور توجیه القول بمالا یرضی به قائله کا مصداق بنتا پھرے تو اس کی مرضی ۔

خوشامد جنکی عادت، کاسہ لیسی جن کی فطرت ہو کبھی وہ کر نہیں سکتے ہیں تائیدِ بیاں میری

عبارت مذکورہ کا باقی حصہ ملاحظہ کیجئے!

''اور معتزلہ کہتے ہیں کہ پہلے ذرہ بذرہ لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ جو چاہا تھا لکھا تھا سب چیز موجود کا عالم ہے اور جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسکا بھی عالم ہے اور جس چیز کا ابھی ارادہ بھی نہیں کیا اسکا عالم نہیں ہے کیونکہ اصل میں وہ شیء بھی نہیں ہے۔ اور انسان خود مختار ہے اچھے کام کرے یا نہ کرے اور اللہ کو پہلے اس سے کوئی علم بھی نہیں کہ کیا کریں گے بلکہ اللہ کو انکے کرنے کے بعد معلوم ہوگا''

معتزلہ کا عقیدہ و نظریہ لکھ کر فیصلہ دیا، لکھتے ہیں:

''اور آیات قرآنیہ جیسا کہ ولیعلم الذین وغیرہ بھی اور احادیث کے الفاظ بھی اس مذہب پر منطبق ہیں مگر بعض مقام قرآن جو ان کے مطابق نہیں بنتے، ان کا معنی صحیح کرتے ہیں اور اہل سنت جماعت والے معنی علم کا ظہور لیتے ہیں جس جگہ مخالف آجائے'' انتهی بلفظه

(بلغة الحیران / ص ۱۵۸/۱۵۷)

لیجئے! کئی لوگ پہلے ہی سنبھلنے نہ پائے تھے کہ ان کے مجدد صاحب نے اور نشہ آفرین، ہوشربا جام پلا کر ہوش ہی گنوا دیئے اور ان برق انگیز سطور نے رہے سہے خرمنِ وقار کے لباسِ زُور کو جلا کر خاکستر اور اپنے ہاتھوں خانہ مجددیت کو آگ لگا کر ختم کر دیا۔ ہاں ہاں دیوبندی مجدد کے حاکمانہ انداز، ثالثانہ طرز، فیصلہ کن روش کو دیکھئے! کہ کس دلیری اور جرأت سے کہہ دیا:

''قران و احادیث کے الفاظ مذہب معتزلہ پر منطبق ہیں'' یعنی معتزلہ کا مذہب قرآن و حدیث کیمطابق ہے۔ اور اہل سنت کا قرآن و حدیث کے خلاف۔''

معتزلہ کے ایجنٹ نے واقعی وکالت کے فرائض خوب سرانجام دیئے، اور

"مدعی سست گواہ چست" کا عملی مظاہرہ کیا۔

معتزلہ کچھ کہیں یا نہ کہیں، کوئی جواب دیں یا نہ دیں، مگر...... ان کے کارندے سست نہیں، بزعم خود قرآن اور حدیث سے ثابت کر دیا کہ: "آئندہ ہونیوالے واقعات کا علم خداوند عالم کو نہیں"۔

ویسے حزب مخالف نہ مانے تو اسکی مرضی! ان کے مجدد صاحب تو بانگ دہل ڈنکے کی چوٹ پر کہہ رہے ہیں کہ:

"قرآن وحدیث پر عمل کرنے والو! خالق کائنات جل جلالہ کو جمیع موجودات ومعدومات ممکنات اور ممتنعات کا عالم نہ ماننا اللہ جل جلالہ کیلئے اتنا وسیع علم ماننے سے قرآن وحدیث کی مخالفت ہو جائیگی۔

﴿تَعَالَى اللهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾

قارئین کرام!

سید الاولین والآخرین علیہ الصلوۃ السلام کو جمیع اشیاء کا عالم ماننے مُعَلَّم المُغَيَّبَات کا اعتقاد رکھنے والوں پر آپ کفر وشرک کے فتووں کی بمبارمنٹ دیکھتے ہی رہتے ہیں اب ذرا اور ترقی والا فتویٰ سنا کہ: "خداوند قدوس آئندہ کے حالات سے جاہل و بے خبر ہے۔" العیاذ باللہ من هذه الهفوات

اس جگہ یہ تاویل پیش کرنا کہ "مصنف کا خود اپنا یہ عقیدہ نہیں" نہایت جہالت کی بات ہے۔ تمام عبارت کو دیکھ لینے کے بعد اس قسم کا وہم بھی نہیں ہوسکتا۔ دیگر تصریحات کے علاوہ مجدد دیوبندیہ کا قول معتزلہ کے متعلق کہ "بعض مقام جو ان کے مطابق نہیں بنتے انکا معنی صحیح کرتے ہیں" اور اس کے مقابلہ میں اہل سنت کے متعلق یہ کہا کہ "جو مقام ان کے خلاف بنتے ہیں" اُدھر مطابق نہ بننا اور صحیح معنی کرنا اور اِدھر خلاف بننا، بھی ان کے عقیدہ کا غماز ہے، اب اسکے بعد کیسی ہی دورنگی چال ہے۔ دعویٰ سنی حنفی ہونیکا اور عقیدہ گمراہ معتزلہ والا۔

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا !

ان متجدد صاحب نے جن مسائل کی تجدید کی ہے ان میں سے یہ مسائل ہیں اور ایسے ہی گندے عقیدوں کے اجراء کا نام انکے ہاں "تجدید واحیاء دین" ہے۔

قارئین کرام ! دیکھا آپ نے ! آفتابِ رسالت محبوبِ خدا ﷺ کے علم پر اعتراضات کرنیوالوں کو غضبِ الٰہی کی آتش نے کیسے لپیٹ میں لے لیا؟ اور انتقام الٰہی کی گرفت میں کیسے آئے؟ یاد رکھو! محبوب کی توہین کر کے محبّ کو خوش رکھنا مشکل ومحال ہے۔

﴿ کَذَالِکَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ اَکْبَرُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴾

یہاں ایک اور عرض کردوں کہ حزب مخالف کے افراد، اہل السنّت والجماعت کو علم غیب کے مسئلہ میں مشرک کہا کرتے ہیں (نعوذ باللہ) مگر بلغة الحیران کی اس عبارت کے بعد ناظرین انہیں معذور سمجھیں گے اور فتویٰ شرک کی وجہِ غلطی سمجھ گئے ہونگے کہ کیا ہے؟ کیونکہ ہم تو سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کو باعلام اللہ تعالیٰ آئندہ ہونیوالے واقعات سے بھی آگاہ سمجھتے ہیں اور عالم ما کان ومایکون کا عقیدہ رکھتے ہیں، مگر حزب مخالف تو اتنا علم خداوند تعالیٰ جل جلالہ کیلئے بھی تسلیم نہیں کرتا.......تو.......

اس طرح وہ لوگ جب ہمارے عقیدہ کو دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ اہلسنت نے نبی کریم ﷺ کا مرتبہ خدا سے بڑھا دیا ہے، تو پھر طرح طرح کے فتوے جڑنے لگتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اہل سنت نے نبی پاک ﷺ کے علم کو حد سے نہیں بڑھایا بلکہ ان لوگوں نے عالم الغیب والشهادہ عزّ اسمه کا مرتبہ انبیاء علیہم السلام سے بھی گھٹا دیا۔

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾

قارئین کرام! بالخصوص فرقہ پھر یہ دیوبندیہ سے تعلق رکھنے والوں سے گذارش ہے کہ خدا کیلئے انصاف کیجئے! عبارت مذکورہ کو عدل وانصاف کے ترازو میں رکھ کر نورِ عدالت سے موازنہ کریں، اور خود ہی صحت وسقم کا فیصلہ کرلیں۔

ایسی آسان وطویل عبارت کا پورا لکھنا اور پھر اس پر بحث کرنا اہل علم کے لئے بے ذوقی اور ملالت طبع کا موجب ضرور ہے مگر اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں کوئی مغالطہ دہی سے کام لیکر یوں نہ کہہ دے کہ: عبارت کو قطع برید کر کے پیش کیا گیا ہے۔ لہٰذا ابتداء مضمون سے انتہاء مضمون تک بلفظہ عبارت نقل کی گئی ہے۔ تنقید وتبصرہ صرف عوام الناس کیلئے کیا گیا ورنہ اہل علم تو کسی تشریح کے محتاج نہیں۔

قارئین باتمکین! اس بحث کے دوران اگرچہ مقصد سے دور نکل گیا مگر نشانہ پر آئے ہوئے نخچیر کو شکار کئے بغیر نہ چھوڑ سکا اور علم بھی نہیں کہ پھر کب آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع میسر ہو، بس یہی سوچ کر کچھ طوالت سے کہہ گیا ؎

امیرؔ جمع ہیں احباب دردِ دل کہیے پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

"دندان شکن سوالات" کا "منہ توڑ جواب":

بلغۃ الحیران جیسے قرآن پاک کی لاجواب، لطیف، اَنیق طرز پر شرح قرآن حکیم مشہور کر کے چھاپہ گیا، ربطِ آیات قرآن کی پہلی کوشش قرار دیا گیا، جونہی کتاب شائع ہو کر شائقین کے ہاتھوں میں پہنچی تو دیوبندی مکتبہ فکر سے وابستہ اہل علم ششدر رہ گئے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا مظہر اللہ نانوتوی کے شاگرد رشید جسے زبدۃ المفسرین، عمدۃ المحدثین، رئیس الفقہاء، صوفی کامل مشہور کر رکھا تھا اس نے مسلک حق اہلسنت وجماعت کے خلاف کیسا زہر اگلا، ہم کیا سمجھتے تھے وہ کیا نکلا؟ اس نے تو دارالعلوم دیوبند سے وابستہ لوگوں کو بھی بدنام کیا، دیوبندی حضرات نے اس کی مخصوص تحریرات سے براَت کا اظہار کیا، اس کے خلاف تقریری، تحریری اشتہارات اور کتابوں میں اس کا رد کیا۔ اس کتاب کو ملت اسلامیہ کیلئے نقصان دہ اور گمراہ کن قرار دیا۔

اُن کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب نے اس کتاب کے خلاف 1357ھ میں فتوی دیا، اس دن سے حسین علی صاحب کے اندھے عقیدت کیش معروف تلامذہ خصوصاً

مولوی غلام خان راولپنڈی، مولوی نذر شاہ عباسی صفائی پیش کرنے لگے۔علمائے اہل سنت خصوصاً اپنے اکابر کو مطمئن کرنے کیلئے حیلے بہانے تلاش کرتے رہے، لیکن اپنے مقصد میں ناکام رہے۔آخر پہلے عذر خواہوں کی کمزوریوں سے دامن بچاتے ہوئے ان کے جوابات کو پیش نظر رکھ کر سالہا سال کی عرق ریزی، شبانہ روز محنت کے بعد مؤلف راہ ہدایت تحقیقی شاہکار لانے میں کامیاب ہوئے ۔اور دعویٰ کیا کہ بلغۃ الحیران پر اعتراضات کے دندان شکن ایسے جوابات راہ ہدایت میں جمع کیے ہیں جن کا کوئی جواب نہیں۔یہ تحقیقی جواب صرف اس کتاب کا خاصہ ہیں کسی اور میں نہیں مل سکتے۔ آئندہ سطور میں اُسی کی خبر لی جائے گی۔

قارئین محترم! مولوی حسین علی صاحب، مولوی سرفراز گکھڑوی کے شیخ طریقت ظاہری و باطنی علوم و معارف کے فیض رساں، رئیس المؤحدین، امام اہلسنت، صاحبِ تحقیق و تدقیق، دیوبندی علمی دنیا کی عظیم شخصیت ہیں اور جناب خانصاب کو ان کا خاتم المریدین ہونے کا اعزاز و منصب حاصل ہے۔"نور ہدایت" لکھتے وقت مجھے اس رشتہ کا اتنا علم نہ تھا۔صرف اتنا معلوم تھا کہ صاحب تفسیر خانصاحب کے ہم مسلک اور ہم عقیدہ بزرگ ہیں۔

اسی رشتہ کی وجہ سے کی بصارت و بصیرت "نورِ ہدایت" سے چندھیا گئی۔حق کو قبول کرنے کے بجائے چراغ پا ہو گئے۔ اس خادم اہل سنت پر خوب نوازشات فرمائیں۔جوابِ باصواب سے عاجز اور کر بھی کیا سکتا ہے؟

خانصاحب نے اپنے شیخ کی حمایت میں جو "پا در ہوا جوابات" دیئے، ان کا رَدّ اور ان کی تاویلات رکیکہ کا تجزیہ کیا جائیگا۔آخر میں ان کے اکابر مفتیان دیوبند بلکہ جناب اشرف علی صاحب تھانوی سے فیصلہ کن بلکہ دھماکہ خیز حوالے پیش کیے جائیں گے۔جن سے خانصاحب کی تحقیقات کی فلک بوس عمارت "هباءً منثورا" ثابت ہوگی اور یہ حقیقت مزید نکھر کر سامنے آجائے گی کہ اس فقیر نے بلغة الحیران کی عبارات پر جو گرفت کی ہے وہ حق و صداقت پر مبنی ہے

''**نورِ ہدایت**'' میں بلغۃ الحیران کی ایک عبارت پر جو تنقیدی تبصرہ کیا گیا اس کا جواب دیتے ہوئے خانصاحب نے رقم فرمایا:

خانصاحب! ''بلغة الحيران'' میرے شیخ مولانا حسین علی کی تصنیف نہیں۔ اُنہوں نے اپنے قلم سے نہیں لکھی بلکہ درس کے دوران اُن کے تلامذہ نے تقاریر قلمبند کیں اور شاگردوں سے کیا کچھ غلطیاں سرزد نہیں ہوتیں اسلئے اُستاد کی پوری ذمہ داری نہیں بنتی اس تفسیر کو ان کی تصنیف کہنا بددیانتی ہے اُس پر اعتراض کرنا سراب سے بڑھ کر کوئی حقیقت نہیں رکھتا بلکہ علی بابا چالیس چور اور شیخ چلی کے خیالی پلاؤ کی کہانی تازہ کرنا ہے۔

(ملخص از راہ ہدایت مؤلفہ سرفراز خان گکھڑوی ص ۱۶۷)

خادم اہلسنت (الف) خان صاحب کے اس اعتراض کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے کہ تفسیر بلغة الحيران کو ان کے مرشد شیخ امام حسین علی کی تصنیف کہنا نادرست اور غلط ہے۔ تو آپکے شیخ کے ارشادات اور تقریرات کہنا اظہر من الشمس حقیقت ہے، جس کا خانصاحب بھی اقرار کرتے ہیں۔ تصنیف یا تقریر و ارشاد کے الفاظ کی بحث میں الجھنے سے اصل مسئلہ میں تو کوئی فرق ظاہر نہیں ہوسکتا۔ خانصاحب کے مرشد و استاد، امام المؤحدین اپنے ارشاد و تقریر اور فرمان کے ذمہ دار نہیں تو اور کون ہوگا؟ قطعاً یقیناً اس عبارت کی صحت و سقم کی ذمہ داری صاحب کتاب شیخ حسین علی دیوبندی پر عائد ہوتی ہے۔

(ب) خانصاحب کے تحقیقی فتویٰ کے مطابق بلغة الحيران کو حسین علی صاحب کی تصنیف قرار دینا ''بددیانتی، جہالت، علی بابا چالیس چور، شیخ چلی کی خیالی کہانی اور سراب ہے'' تو عرض کروں گا کہ این گناهیست که درشهر شما نیز کنند لہٰذا نوازشات مذکورہ خود خانصاحب اور انکے گروہ ہی کا استحقاق ہیں۔
کتاب مذکورہ کتنی دفعہ طبع ہوئی؟ صحیح تعداد معلوم نہیں تاہم دو دفعہ طبع ہونیکا علم ہے، دونوں مطبوعہ نسخے میرے پاس موجود ہیں۔ پہلی دفعہ واں بھچراں سے شائع کی گئی اور دوسری مرتبہ مکتبہ حنفیہ گوجرانوالہ اور مکتبہ سعیدیہ مینگورہ نے طبع کرائی۔ کتاب

هَدِيَّةُ الْاَحْبَاب فِی التَّصَرُّفَاتِ مَا فَوْقَ الْاَسْبَابِ

کے سرورق پر جلی الفاظ میں لکھا ہے:

"بلغة الحیران فی آیات القرآن"

تصنیف لطیف شیخ المشائخ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ ارشد مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ، اور مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، پسند فرمودہ حضرت مولانا محمد طاہر پنج پیر شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان، شیخ الحدیث حضرت مولانا شمس الدین، مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ العالی

اس سے بڑھ کر اور کونسی شہادت درکار ہے کہ بلغة الحیران خانصاحب، کے شیخ و مرشد کی تصنیف ہے۔ دیوبندی اس کتاب کو حسین علی صاحب کی تصنیف لطیف لکھیں، خانصاحب پسند فرمائیں اور طعن و تشنیع کا سزاوار خادم اہلسنت ہو؟

ع جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے۔

قارئین ہی فیصلہ فرمائیں کہ بہتان تراش، خیالی پلاؤ پکانے والے، قصہ گوؤں کی جماعت، کس ٹولے کی پیشانی کا جھومر ہے؟

ج: ٹائٹل پر خانصاحب کا بھی نام ہے اتنے سالوں میں رد کیوں نہیں کیا؟

د: خانصاحب کی رائے کا لحاظ کرتے ہوئے اس کتاب کو حسین علی صاحب کی تصنیف نہ کہا جائے اور نہ ہی ان کی رقم کردہ کتاب، مگر بلغة الحیران کو حسین علی صاحب دیوبندی کی تفسیر کہنا تو بالکل بجا اور درست ہے۔ یہ انتساب ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ حسین علی صاحب اس کے مندرجات کے ذمہ دار ہیں۔

(۶) بقول خانصاحب وغیرہ حسین علی صاحب نے یہ تفسیر بصورت املاء خود قلمبند کروائی، آپ بولتے رہے اور قابل اعتماد فاضل شاگرد نقل کرتے رہے، اس مسودہ پر آپ نے خود نظر ثانی فرمائی۔ کتنے ہی مصنفین وفضلاء کا طریقہ ہے کہ وہ کتاب، فتویٰ یا مضمون بولتے جاتے ہیں اور کاتب رقم کرتا جاتا ہے۔ کیا ایسے مفتی کو فتویٰ کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جائے گا؟ یہاں تو مسودہ پر نظر ثانی بھی خود صاحب کتاب نے فرمائی۔ اچھی بات کا صلہ تو لکھوانے والا سمیٹے اور غلطی وخطاء کی سزا ناقل برداشت کرے۔

بلغۃ الحیران کے صفحہ ۱۵۶ اور صفحہ ۱۵۷ کا عکسی فوٹو پیش خدمت ہے۔

یقین نہ آنے پر اصل محفوظ ہے دکھائی جا سکتی ہے

مقدمۃ الکتاب (طبع اول)

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ

بُلْغَةُ الْحَيْرَان

فِیْ رَبْطِ

اٰيَاتِ الْفُرْقَان

تصنیفِ لطیف

شیخ المشائخ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ ارشد مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ و مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

پسند فرمودہ

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد طاہر پنج پیر ○ شیخ الحدیث حضرۃ مولانا قاضی شمس الدین

شیخ القرآن حضرۃ مولانا غلام اللہ خان ○ شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ

ناشران

مکتبہ حنفیہ
اردو بازار، گوجرانوالہ پنجاب پاکستان

مکتبہ سعیدیہ
اودھیانہ مارکیٹ جی ٹی روڈ مینگورہ سوات

تعداد ۵۰۰ سو، قیمت ۱۸۰ روپے

مقدمة الكتاب (طبع اول)

گھر کی شہادت:۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

خانصاحب نے قوم کو دھوکے میں رکھنے کیلئے اپنی ''راہِ ہدایت'' میں جو عذر لنگ پیش کیا، رسالہ ''المنصور'' لکھتے وقت۔ بمصداق...... دروغ گوراحافظہ نہ باشد...... بھول گئے۔ سماع موتیٰ کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھدیا:

''رابعاً جو حضرات سماع موتیٰ کے منکر ہیں جن میں اس دور میں ہمارے اُستاذ ومرشد رئیس الموٴحدین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ پیش پیش ہیں کے کلام کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ حضرت مرحوم اپنی املائی تفسیر بلغة الحیران صفحہ نمبر ۲۷۹...... میں فرماتے ہیں۔'' انتہیٰ بلفظہ المسلک المنصور ص ۳۷ مرتبہ سرفراز گکھڑوی

بات صاف ہے بلغة الحیران نامی تفسیر خانصاحب کے شیخ کی ''املائی تفسیر'' ہے۔ اُنکا کلام، اُنکے فرمودات وارشادات کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا اُنہی کا فرمان عالی شان ہے۔

جب بلغة الحیران اِن کے شیخ کی املاء اور فرمان ہے تو صاحب تفسیر اور اسکے ہمنوا، اس کے اچھے بُرے کے ذمہ دار نہیں تو اور کون ہے......؟

انصاف اور دیانت کا دن دیہاڑے کیسا قتل عام ہے؟ کہ اچھی بات کا سہرا تو شیخ حسین علی کے سر سجے مگر گمراہی، بدعقیدگی کے گناہ کا ذمہ دار بے چارہ ناقل ٹھہرے۔

کیا فرماتے ہیں خانصاحب بیچ اس مسئلہ کے؟ نور ہدایت کا موٴلف (خادم اہل سنت) بلغة الحیران کو حسین علی صاحب کی تفسیر لکھے تو لائق جرم ٹھہرے، اور خود استدلال کرنا ہو تو اپنے شیخ کی املائی تفسیر رقم کریں اور اسکے مندرجات اپنے شیخ کے فرمودات بتائیں۔ جو فتویٰ موٴلف نور ہدایت پر ہے وہ موٴلف راہ ہدایت خانصاحب گکھڑوی پر چسپاں کیوں نہیں ہوتا؟ یا فتاوٰی میں ''دوہرا معیار'' انکی شریعت کا اصول ہے؟

ایک اور شہادت: دیوبندی تفسیر بلغة الحیران کے ص ۴ پر تحریر ہے:

''یہ تقریریں، جو آگے آتی ہیں حضرت صاحب نے غلام خان سے قلمبند کروائی

ہیں اور بذاتِ خود اُن پر نظر فرمائی ہے۔''

اتنی عادلانہ اوران کے نزدیک واجب القبول شہادتوں کے بعد بھی صحتِ جرم سے انکار کرنا کبھی قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ اس کے باوجود، خانصاحب کا بلغۃالحیران کو شیخ حسین علی کی تصنیف لکھنے کو ، جہالت، حماقت ، الزام تراشی کہنا...... سراسر جھوٹ ہے، مردود ہے۔ دیانت وحق کا خون کرنا ہے۔

کتنے ہاتھ پاؤں ماریں ، ''تصنیف لطیف'' کہیں یا ''املائی تفسیر'' ۔ ملفوظات کے درجے میں اتاریں یا کچھ بھی کہیں۔ علمائے دیوبند کی فاضل شخصیت بقول ایشان ''رئیس المؤحدین'' اور بقولِ دیگر دیوبندی علماء : محققین کی پسندیدہ، قابل افتخار، اچھوتے انداز کی تفسیر ہے۔ لہٰذا سب اس کے ذمہ دار ہیں۔

دوٹوک اصول یہی ہے کہ اس میں مسلک حق اہل سنت وجماعت کے خلاف جتنی اور جس درجہ کی تحریریں ہیں انہیں غلط قرار دے کر توبہ کریں۔ یہی سیدھی راہ ہے۔ بصورت دیگر جن باطل عقائد کی صاحب تفسیر نے تصویب وتصدیق کی ہے ، ہمت ہو تو، ان کو دلائل صحیحہ، مسلّمہ سے درست ثابت کریں۔

خانصاحب کا دوسرا عذر لنگ اور اسکا انجام!

بلغۃ الحیران پر اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے خانصاحب لکھتے ہیں:

> ''وثانیاً تفسیر بلغۃ الحیران ان کی درسی تقریروں کو قلمبند کرنے والوں میں حضرت مولانا غلام اللہ خانصاحب بھی شریک تھے، اوران کی طرف سے قصر بدعت میں زلزلہ کے عنوان سے ایک رسالہ شائع ہوچکا ہے۔ اس میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ :بلغۃ الحیران کی اصل عبارت **اس طرح** ہے مگر کاتب کی غلطی سے وہ **یوں** لکھی گئی ہے، جس سے اصل مطلب بدل گیا ہے۔ مؤلف نور ہدایت وغیرہ وہ رسالہ ملاحظہ کرلیں۔'' انتہیٰ بلفظہ

راہِ ہدایت مؤلفہ سرفراز خان گکھڑوی ۔ ص ۱٦۷

چند سطر بعد اپنے شیخ کی صفائی میں لکھا:

''حالانکہ اپنے وقت کے اندر حضرت مرحوم اہل سنت والجماعت کے امام اور توحید وسنت کے داعی اور شرک وبدعت کے ماحی تھے۔ جنکے سینکڑوں جید محقق اور مدرس قسم کے عالم مرید ہیں اور دین کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ اور یہ ناچیز بھی انکے ظاہری و باطنی علوم اور کمالات کا خوشہ چین اور خاتم المریدین ہے۔

راہِ ہدایت ص ۱۶۸

خادم اہل سنت: (الف) سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ

کتنی ناقابل تردید شہادت اور کتنا اچھوتا انداز استدلال؟ خانصاحب جیسے سینکڑوں جید محققین، فاضل مدرسین مولانا حسین علی کے خوشہ چین، فاضل تلامذہ بڑے بڑے مسندوں پر جلوہ فرما ہیں مگر کسی میں یہ ہمت نہیں ہو رہی کہ وہ ''اصل عبارت'' لکھ دیں جو انکے استاد و مرشد نے فرمائی تھی۔ خود خانصاحب جو اپنے شیخ صاحب کی بے جا صفائی میں صفحات سیاہ کر رہے ہیں، انہیں بھی توفیق نصیب نہ ہوئی کہ وہی لکھ دیتے ''اصل عبارت اسطرح تھی غلطی سے یوں لکھی گئی'' اتنا تو نہ ہو سکا مگر اپنے خیال میں مدلل جواب کا حق ادا کر دیا۔

مزید تحقیق و تدقیق کا کمال دیکھئے کہ مشورہ اس فقیر کو دیتے ہیں کہ: مؤلف نور ہدایت وغیرہ وہ رسالہ دیکھ لیں۔ نامعلوم خود کیوں شرم وخجالت محسوس فرماتے ہیں، اسے نقل کرنے سے؟ جتنے وفادار محقق تلامذہ حسین علی صاحب کو نصیب ہوئے دیگر اہل علم کا دامن اس سعادت سے خالی ہے۔

خانصاحب نور ہدایت کا جواب لکھ رہے ہیں اور بزعم خویش تحقیق کا شاہکار منظر عام پر لا رہے ہیں۔ وہ بھی گویا کہہ رہے ہیں۔ ہمارے شیخ پر معتزلہ کا ہمنوا ہونے اور علم باری تعالیٰ کے انکار کا الزام غلط ہے۔ مؤلف نور ہدایت ہٹ دھرمی و ضد کو بالائے طاق رکھ کر ہمارے شیخ کے حق میں صفائی کے گواہ خود تلاش کرے۔

حسین علی صاحب کے وکلاء بھی کتنے سادہ لوح ہیں، صفائی کی شہادت پیش کرنے کی بجائے مدعی کو فرماتے ہیں کہ صفائی وشہادت پیش کرنا تیری ذمہ داری ہے۔ ایسا وکیل یقیناً مقدمہ جیت جائے گا اور مدعا علیہ باعزت بری ہو جائے گا۔

خانصاحب نے غلام خان کے ''قصر بدعت میں زلزلہ'' نامی جس رسالے کا ذکر کیا ہے وہ ہمارے لئے تو ''عنقاء'' ہے۔ باوجود کوشش کے خود مولوی غلام خان کے کتب خانہ سے بھی دیکھنے کو نہ مل سکا۔ اگر کوئی تھا بھی تو وہ اس قابل نہیں جس کی منہ دکھائی کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خانصاحب نے نام تو لکھ دیا مگر اس کی عبارت لکھنے سے عار محسوس کی۔ اگر بالفرض کوئی ایسا رسالہ تھا اور اس کی عبارت بلغة الحیران کی مطبوعہ عبارت سے الگ تھی تو بھی ہمارے لئے کوئی نقصان دہ نہیں۔

صاحب تفسیر کے ایک معتمد علیہ شاگرد مولوی نذر شاہ نے ایک اختراعی عبارت بزعم خویش تصحیح کتابت کر کے اپنے حکیم الامت کو لکھ کر بھیجی مگر تھانوی صاحب نے اس تصحیح پر نہ اعتماد کیا اور نہ ہی اس کو صحیح تصور کیا۔ تھانوی صاحب نے اس کتاب کے بارے میں جو کچھ لکھا اس کا بلفظہ حوالہ آئندہ صفحات میں آ رہا ہے۔ قارئین خود انصاف فرمائیں کہ حسین علی صاحب کی حیات میں تھانوی صاحب کو مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی، ہم مسلک ہونے کے باوجود جب تھانوی صاحب کو اطمینان حاصل نہ ہوا تو ہم کیسے ان حیلہ سازیوں پر اعتماد کر سکتے ہیں؟

خانصاحب کا تیسرا جواب اور اسکا انجام:

جناب گکھڑوی صاحب کے تیسرے جواب کا خلاصہ کچھ یوں بنتا ہے۔

> ''ہمارے شیخ اُستاذ مولانا حسین علی اہلسنت و جماعت کے امام تھے آپ میں ایک بات بھی ایسی موجود نہ تھی جو عقائد اہلسنت اور فقہ حنفی کے خلاف ہو۔ تحقیق اور تدقیق کا مقام ہی کچھ اور ہے لوح محفوظ اور علم خداوندی کے

بارے میں آپ کا وہی عقیدہ ہے جو اہل سنت کا ہے۔ آپ نے اپنی بلند پایہ تصنیف میں تحقیق کر دی ہے۔ آپ کی تفصیلی عبارتوں کے باوجود بھی انصاف و دیانت کی دنیا میں یہ احتمال رہ جاتا ہے؟ کہ حضرت مرحوم قدری و معتزلی تھے مولانا موصوف کو معتزلی کہنے والے توبہ کریں وغیرہ وغیرہ۔"

ملخصاً از راہ ہدایت ص۱۶۷، ۱۶۸

خادم اہل سنت: (۱) جذبہ خوش اعتقادی کے ہاتھوں مجبور ہو کر خلاف واقع مدح سرائی اور قصیدہ خوانی سے اپنی روح کو پشاوری تو کیا جا سکتا ہے، حقیقت سے ناآشنا عقید تمندوں کو دھوکہ بھی دیا جا سکتا ہے مگر درست الزامات کا رد نہیں کیا جا سکتا۔ جسطرح کے صاف اور مضبوط دلائل سے موصوف کی گمراہیوں کو آشکارا کیا گیا ہے اُس سے زیادہ نہ سہی تو اُس درجے کی دلالت اور ثبوت کے لحاظ سے قوی و صریح دلیل کی ضرورت ہے۔ یہ دعویٰ کرنا کہ صاحب تفسیر بلغة الحیران مولوی حسین علی کا "لوح محفوظ اور اللہ جل شانہٗ کے ازلی ابدی علم مبارک کے بارے میں وہی عقیدہ ہے جو اہل حق اہلسنت و جماعت کا ہے" خالص سراب ہے، حقیقت کا وہم تک بھی نہیں بلغة الحیران ساڑھے چار سو سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب ہے۔ جس کا اصل موضوع اور خلاصہ ہی عظمت خداوندی کا بیان اور شرک و کفر کا ابطال ہے۔

اس ضخیم کتاب میں ایسے ایسے فتوے توضاحت سے پائے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پکارنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا سے بھی کوئی غیب نہیں جانتا۔ اس میں یہ فتویٰ تو لاحق کیا گیا کہ:

"صرف ایک کتاب بخاری شریف میں ایک ہزار ایسی احادیث شاھد ہیں کسی کو دور سے پکارنا شرک ہے، ایسے عقائد والے کافر مرتد ملعون جہنمی جوان کو کافر نہ سمجھے وہ بھی ویسا ہی۔ ان کا کوئی نکاح نہیں سب زانی ہیں۔" وغیرہ،

ایسے ایسے فتوے دیئے ہیں جن کو درست مانا جائے تو شاید دنیا میں کوئی مسلمان

باقی نہ رہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ ۔

بلغۃ کے ایسے غلط فتووں کی زد میں دیو بندی اکابر بھی آتے ہیں شاید انہیں پر فتویٰ دیا ہو۔جیسا کہ سعودی علماء نے اکابرین دیو بند کی تکفیر کی ہے۔

(ملاحظہ ہو القول البلیغ فی التحذیر من جماعۃ التبلیغ مطبوعہ السعودیہ العربیہ)

الغرض ''بُلْغَۃِ الحَیْران'' میں اہل سنت و جماعت کے رد میں تو واضح عبارات موجود ہیں مگر جس اہم موضوع پر اس کتاب میں زور دیا جاتا ہے۔یعنی ''عظمت خداوندی اور توحید باری تعالیٰ کا بیان'' اتنی بڑی کتاب میں خانصاحب کو ایک سطر تک نہ مل سکی ،جس میں اس طرح کی عبارت ہو کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔کہ :

''اللہ تعالیٰ ماضی حال مستقبل موجود ومعدوم اعمال وافعال حرکات وسکنات محسوس ومعنویات کا عالم ہے۔''

یا اس طرح لکھا ہو:

''علم باری تعالیٰ اور لوح محفوظ کے بارے میں اہلسنت وجماعت کا نظریہ و عقیدہ درست وحق ہے اور معتزلہ کا مذہب باطل''۔

خانصاحب جیسا محقق خاتم المریدین بھی ایک حوالہ تک نہ پیش کر سکا۔ بہت دور کی کوڑی لاتے ہوئے ایک حوالہ ڈھونڈ نکالا۔اُس ہلدی کی گٹھلی سے پنساری کی دوکان کا بڑا بورڈ آویزاں کر دیا اور پرُ جوش اعلان کیا کہ میرے شیخ اللہ تعالیٰ کے علم کو قدیم ازلی مانتے ہیں۔ عجب استدلال ! خانصاحب کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

''الحاصل حضرت مرحوم اللہ تعالیٰ کے علم قدیم ازلی کو صاف طور پر تسلیم کرتے ہیں اور اس کے بھی صاف لفظوں میں مقر ہیں کہ تقدیر کا لوح محفوظ اور کتاب مبین میں درج اور ثبت ہونا حق ہے۔چنانچہ بلغۃ الحیر ان ص۱۳۳ میں ہے۔ الا فی کتاب مبین ......الخ اس سے یا لوح محفوظ مراد ہے یا علم اللہ تعالےٰ مراد ہے۔ یا وہ اعمال نامہ جو کہ فرشتوں کے پاس ہوتے ہیں۔ انتھیٰ بلفظہٖ راہ ھدایت ص ۱۷۷

خادم اہل سنت سبحان اللہ ! کتنا اچھوتا و پختہ استدلال ہے جس سے صراحتاً انکے شیخ کا مسلک ثابت ہوتا ہے۔ محترم اپنے تلامذہ کو شرمندہ نہ ہی کرتے تو اچھا ہوتا۔ خانصاحب کے اس مضبوط استدلال کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی پر سو روپے کا دعویٰ کرے اور اثبات دعویٰ کیلئے ایسے گواہ پیش کرے جو شہادت دیں کہ :

''مدعا علیہ نے یا سو روپے دینے ہیں یا پچاس اور احتمال ہے کہ نہ دینے ہوں''

کیا اس طرح کی گواہی سے دعویٰ ثابت کیا جا سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں۔ کیا اسطرح لکھنا کہ فلاں کلام میں یہ احتمال بھی ہے اسکا یہ احتمال بھی ہے۔ اور یوں بھی ہوسکتا ہے۔ کیا ایسی تحریر کو صاف تسلیم کرنا، اور صاف لفظوں میں اقرار کرنا، صاف صاف عقیدہ بیان کرنا، کہتے ہیں ؟ ایں چہ بو العجبیست ! خانصاحب ! ''راہ ہدایت'' میں اپنے لکھے کو پھر پڑھیں اور بتائیں کہ کئی احتمالات والا کلام کسی دعویٰ پر صاف صاف قطعی الدلالت کیسے ہوتا ہے ؟

آخری نظر : خانصاحب کے طرفہ استدلال کو مان بھی لیا جائے کہ بلغۃ الحیران کی اس عبارت میں ایک احتمال کی حد تک تو اس بات کا بیان ہے کہ ''اس سے لوح محفوظ یا علم باری تعالیٰ مراد ہو''۔ اس عبارت سے خانصاحب کے دعویٰ کو اشارۃً ثابت بھی مان لیا جائے تو اہل عقل جانتے ہیں کہ ''نص'' کے مقابلہ میں ''اشارہ'' کا کوئی وزن نہیں۔

بلغۃ الحیران کی وہ اصل عبارت جو زیر بحث ہے اس میں صرف تیسرے احتمال کہ ''تمہارے اعمال فرشتے لکھ رہے ہیں'' کو صحیح اور درست ثابت کیا گیا اور اسی کو قرآن وحدیث کے مطابق قرار دیا گیا۔ کیا ایسی نص کے بعد بھی یہ دعویٰ کرنا کہ ''شیخ نے صراحتاً قطعاً علم باری تعالیٰ کو ازلی ابدی قدیم مانا'' ایک مضحکہ خیز ادّعا نہیں تو کیا ہے۔ ؟

☆ ایک طرف تو بچاؤ کیلئے خانصاحب دعویٰ کرتے ہیں کہ بلغۃ الحیران میرے شیخ کی تصنیف نہیں پھر اسی کتاب سے ان کے مسلک پر حوالہ کس ضابطہ اخلاق سے پیش

کرتے ہیں؟

☆ خانصاحب کا یہ لکھنا کہ یہ کتاب میرے شیخ کی تصنیف نہیں یہ ''لفظی مغالطہ'' ہے، آپ کو تو کہنا چاہئے کہ بلغۃ الحیران میرے شیخ کی تفسیر نہیں اور میں اس کا کسی طرح ذمہ دار نہیں۔ بلکہ اس کی کئی تحریرات کو گمراہ کن تصور کرتا ہوں۔

☆ خانصاحب اس کتاب کو اپنے شیخ کی املائی تفسیر لکھ کر شیخ کا قول بطور استدلال خود پیش کرتے ہیں اور جب اہل حق اس کتاب پر گرفت کرتے ہیں تو یہ عذر لنگ پیش کرتے ہیں کہ یہ میرے شیخ کی تصنیف نہیں۔

☆ قارئین یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ پوری کوشش و کاوش بلکہ انتہائی حیلہ جوئی کے باوجود خانصاحب بلغۃ الحیران سے کوئی ایک حوالہ نہ پیش کر سکے کہ ''اللہ تعالیٰ کے علم قدیم اور لوح محفوظ کے متعلق ان کا وہی عقیدہ ہے جو اہلسنت و جماعت کا ہے''۔ یہ فقیر ان شاء اللہ تعالیٰ اسی کتاب سے کئی حوالے پیش کرے گا جو اس بات پر شاہد عدل ہونگے کہ مولوی حسین علی اور ان کے ہم عقیدہ تلامذہ و رفقاء کے عقائد اہلسنت کے مسلمہ عقائد کے خلاف ہیں۔

چوتھا جواب اور اسکا مآل فقیر کی کتاب ''نور ہدایت'' میں بلغۃ الحیران پر اُٹھائے گئے سوالات کا جواب دیتے ہوئے خانصاب کا کہنا ہے کہ:

''میرے شیخ کے کلام کا مفہوم مؤلف نور ہدایت نے جو سمجھا ہے وہ نہیں ہے۔ آپ کے عقائد تو مکمل طور پر اہلسنت و جماعت کے مطابق تھے۔ آپ نے اس مقام پر اس تفسیر میں اپنا عقیدہ نہیں لکھا بلکہ یہ بتایا ہے کہ صاحب مسامرہ اور امام رازی جیسی فاضل شخصیات بھی معتزلہ کے مضبوط اور قوی اعتراضات کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکے۔ لہٰذا یہ سارے اعتراضات اہلسنت کے ان اکابر پر وارد ہوتے ہیں نہ کہ صاحب بلغۃ الحیران پر۔ خانصاحب کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

''بلغۃ الحیران میں صاحب مسامرہ اور حضرت امام رازی سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ معتزلہ کا تقدیر کے سلسلے میں اشکال قوی ہے اوراس کا جواب مشکل ہے اورامام رازی نے یہ فرمایا اگر چہ اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔مگر اطمینان اور تسلی کسی سے نہیں ہوتی۔مؤلف نور ھدایت کی کمال بے حیائی اور بے باکی ملاحظہ کیجئے کہ وہ امام رازی اور صاحب مسامرہ کا نام تک نہیں لیتے۔ اوربقول عارف :بے حیا باش ھر چہ خواھی کن پرعمل کرتے ہوئے، وہ اس سب مضمون کو حضرت مرحوم کے سرتھوپتے ہیں اور جنکے حوالہ سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے ان کا نام تک نہیں لیتے اور شیر مادر سمجھ کرغٹ ربود کر جاتے ہیں۔اور گُربہ مسکین بن کر دیانتداری کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ حیرت ہے ایسے علم پر، تعجب ہے ایسی دیانت پر، حیف ہے ایسی سیادت پر، تأسف ہے ایسی حق پرستی پر، مگران کو کیا وہ تو اس پر عمل پیرا ہیں کہ

ع بدنام اگر ہونگے تو کیا نام نہ ہوگا۔ (راہ ہدیت ص۱۷۴،۱۷۵)

خانصاحب نے اس کے بعد مسئلہ تقدیر پر گفتگو کرتے ہوئے کئی صفحات لکھ دیئے اور ثابت کیا کہ اکابر اہلسنت نے مسئلہ تقدیر کو ''اصعب المسائل'' قرار دیا ہے۔

خادم اہلسنت :

1: دن کی روشنی میں چراغ لے کر مؤلف راہ ہدایت اپنی اس تحریر اور بلغۃ کی زیر بحث عبارت کو بار بار پڑھیں، اخلاقی ذمہ داری سمجھتے ہوئے مسامرہ اور علامہ رازی کا وہ حوالہ بلغۃ الحیران سے دکھائیں جس میں اعتراف ہو کہ معتزلہ کے اشکال اتنے قوی ہیں جن کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔جو جواب دیئے بھی گئے ہیں ان سے تسلی وتشفی نہیں ہو سکتی۔......اس خادم اہل سنت کو کمال بے حیا اور بے باک کہہ کر بغض کا بخار بیشک نکال لیں، مگر خود اپنے اور اپنے شیخ کے بچاؤ کیلئے مردِ میدان بن کر اصل عبارات پیش کریں۔تصحیح نقل آپ کی ذمہ داری ہے۔

2: بقول خانصاحب جب وہ صاحب مسامرہ، امام رازی اور اہل سنت کے دیگر

فضلاء، مفسرین، محدثین کے دلائل سے مطمئن نہیں ان کے خیال میں معتزلہ کے دلائل کا تسلی بخش جواب نہیں دیا جا سکتا تو کیا وجہ ہے کہ خانصاحب وغیرہ معتزلہ کا مذہب اختیار کرنے کا اعلان نہیں کرتے خانصاحب پر فرض عائد ہوتا تھا کہ حضرت امام رازی اور صاحب مسامرہ کے متعلق بھی اپنی رائے ظاہر کرتے۔

3 اعترافِ جرم! ''راہ ہدایت'' کے اس حوالہ میں اشارۃً اعتراف جرم بھی ہے جو اس حوالہ سے مترشح ہوتا ہے کہ بلغۃ کا مذہبِ اعتزال کی تائید کرنے میں کیا حرج ہے؟ جبکہ بڑے بڑے فضلاء ان کے اعتراضات قویہ کے تسلی بخش جوابات نہ دے سکے۔

فقیر نے تو تفسیر بلغۃ الحیران پر بہت دیر بعد مؤاخذہ کیا جبکہ کئی سال پہلے مفتیانِ دیوبند، اکابرینِ دیوبند خصوصاً انکے حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب کتاب بلغۃ اور صاحبِ کتاب کے بارے میں سخت ترین الفاظ کہہ چکے ہیں۔ مجھے یہ حوالہ جات ''نور ہدایت'' لکھنے سے پہلے مل گئے ہوتے تو انہی کا نقل کر دینا کافی تھا۔ ان عبارات کے لکھنے کے بعد میری حیثیت ناقل کی رہ جاتی ہے۔

ع میں ان کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی

وہ عبارات آئندہ صفحات میں بلفظہٖ ''بلغۃ الحیران علماء دیوبند کی نظر میں'' کے تحت نقل کی جا رہی ہیں۔ اصل کتابیں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہیں، اسلئے خانصاحب نے جو کچھ اس فقیر کے بارے میں فرمایا ہے معمولی تصرف کے ساتھ اسی کو پیش کر دیتا ہوں۔

گویا خانصاحب کا کہنا ہے:

> ''حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم مہدی حسن اور دیگر علمائے دیوبند جنہوں نے بلغۃ الحیران کی جو تغلیط کی اسکی عبارت کو اہلسنت کے عقیدہ کے خلاف قرار دیا، بلغہ کی عبارت سے لزوم کفر آتا ہے، کا

فتویٰ دیا۔ علم باری تعالیٰ میں نقص ظاہر ہونے کا الزام لگایا۔ تھانوی صاحب، مفتی اعظم دیوبند کی کمال بے حیائی اور بے باکی ملاحظہ ہو۔ وہ امام رازی اور صاحب مسامرہ کا نام تک نہیں لیتے

ع بے حیا باش هر چه خواهی کن.

پر عمل کرتے ہوئے اس مضمون کو حضرت مرحوم شیخ استاذ رئیس المؤحدین امام اہلسنت حسین علی کے سر تھونپتے ہیں، جن سے نقل کیا گیا ان کا نام تک نہیں لیتے۔ شیر مادر سمجھ کر غٹ ربود کر گئے۔ حیرت ہے ایسے حکیم الامت پر اور صدر مفتی دارالعلوم دیوبند پر، تعجب ہے ایسی دیانت پر، حیف ہے ایسی فقاہت اور علمیت پر، تأسف ہے ان اکابر کی ایسی حق پرستی پر، مگر ان بے شرموں کو کیا ان کا مقصد تو اوراق سیاہ کرنا ہے۔ وہ تو اس پر عمل پیرا ہیں:

ع بدنام اگر ہونگے تو کیا نام نہ ہوگا۔''

محترم خانصاحب! توقع کرتا ہوں کہ آپ اس فقیر پر ناراض نہیں ہونگے۔ میں نے آپ کا تحفہ بطور امانت کچھ بہتری کے ساتھ آپ کی طرف سے آپ کے اکابر کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ ع عطائے تو بلقائے تو.

4: زیر بحث عبارت میں مسئلہ تقدیر کی تفصیلات کا یا اس بحث کا بیان سرے سے ہی نہیں۔ بنیادی طور پر تین مسئلوں کا تذکرہ ہے۔

۱) کتاب مبین کی صحیح تفسیر کیا ہے؟

۲) اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے یا حادث؟

۳) بندہ کس حد تک مختار ہے؟

خانصاحب ان سے متعلق بحث کو چھوڑ کر دوسری طرف چل پڑے اور دعویٰ کیا کہ ''بلغۃ میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ اہل سنت اور معتزلہ مسئلہ تقدیر وغیرہ میں دو متضاد گروہ ہیں''۔

خانصاحب لفظ تصریح کو بار بار پڑھیں، مجھے اس پوری عبارت میں لفظ ''تقدیر'' اصطلاحی معنی میں نظر نہیں آیا صاحب کتاب نے لفظ تقدیر ضرور لکھا ہے مگر اس کا اصطلاحی عرفی اسلامی تقدیر سے کوئی واسطہ نہیں مثلاً لکھا:

''اوپر اس تقدیر کے خود مختار ہونے کے معنی نہیں معلوم ہوتا''

(بلغة الحيران ص ۱۵۷)

یا یہ لکھا: ''دوسرا یہ ہے کہ باری تعالیٰ اس تقدیر پر مختار نہ رہا''

(بلغة الحيران ص ۱۵۷)

خانصاحب نے اگر ان الفاظ کو اصطلاحی معنی میں یقین کیا ہے تو اس کلام فہمی پر گفتگو کرنے کی حاجت نہیں۔

5: اگر فرض ہی کر لیں کہ حقیقۃً صاحب کتاب معتزلہ کی رائے کی تائید نہیں کر رہے بلکہ محض نقل کر رہے ہیں تو پھر بھی بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔ کیسے نام نہاد امام اہل سنت ہیں کہ اہلسنت پر قوی اشکالات کا ذکر کر دیا اور یہ بھی کہہ دیا: اہل علم ان سوالات کے جوابات نہیں دے سکے، بلکہ عاجز رہے۔ مگر خود معتزلہ کے رد میں صراحۃً تو کجا اشارۃً بھی ایک جملہ تک نہ لکھا بلکہ تائید و توثیق فرمائی۔

قارئین کو گمراہی میں نہیں ڈالنا چاہیئے! خواہ مخواہ کی حیلہ سازی کا کیا فائدہ؟ اصل عبارت کا وہی مفہوم اور مطلب آشکارا ہے جو جناب اشرف علی صاحب تھانوی، دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم اور بہت سے دیگر علمائے دیوبند سمجھے ہیں۔ تمام اہلسنت اور ہر غیر جانبدار اردو دان مسلمان نے وہی مفہوم سمجھا ہے جو فقیر نے بیان کیا۔ نہیں سمجھے تو خانصاحب ہی نہیں سمجھے، بلکہ سمجھ کر شمس نصف النہار کے انکار کو کمال علمیت تصور کرتے ہیں۔

طُرفہ استشھاد: خانصاحب کے شیخ واستاد کی تحریر مذکور پر جو اعتراضاتِ قویہ وارد ہوئے ان کے جوابات لکھتے ہوئے آپ نے اس طُرفہ استدلال کا بھی اضافہ فرمایا۔

لکھتے ہیں:

"حضرت مرحوم کا تقدیر، لوح محفوظ اور علم خداوندی کے بارے میں صرف وہی عقیدہ تھا جو تمام اہل السنّت والجماعت کا اجماعی عقیدہ رہا ہے کہ تقدیر کا مسئلہ حق ہے اور من وعن تمام اشیاء لوح محفوظ میں درج اور ثبت ہیں اور قبل از وقوع حوادث ہر ایک چیز سے فرداً فرداً اور تفصیلاً اللہ تعالیٰ کا علم محیط اور ازلی متعلق اور وابستہ ہے نہ یہ کہ وقوع کے بعد اُن سے خدا تعالیٰ کا علم وابستہ ہوتا ہے جیسا کہ قدریہ کا خیال ہے۔ چنانچہ حضرت مرحوم اپنی بلند پایہ تصنیف میں اپنے قلم سے مسئلہ تقدیر کی بحث اور تحقیق کرتے ہوئے حضرت امام نووی کی ایک عبارت سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ "اعلم ان مذهب اهل الحق اثبات القدر الخ"

(راہ ہدایت ص ۱۶۸، ۱۶۹)

خادم اہل سنت: (۱) میدان علم میں اتنے تنزل کا دن بھی آنا تھا کہ تحقیق وتدقیق کے شاہسوار کہلانے والے فاضل محقق اس سطح پر بھی آجائیں گے۔ خانصاحب نے دعویٰ تو یہ کیا کہ میرے شیخ کا ایسے ایسے عقیدہ ہے۔ میرے شیخ کا لوح محفوظ اور اللہ تعالیٰ کے علم محیط ازلی کے بارے میں اہلسنت کے مطابق عقیدہ ہے، لیکن اپنے شیخ کی وہ عبارت پیش نہ کی، شیخ کا کلام نقل کرنے کے بجائے اپنے دل کی تسلی اور قارئین کو دھوکہ دینے کیلئے لکھ دیا کہ: "مرحوم امام نووی کی اس عبارت سے یوں استدلال کرتے ہیں۔"

پہلے اپنے شیخ مرحوم کا عقیدہ اور دعویٰ نقل کرتے اور بعد میں انہوں نے جو استدلال کیا اس کو لایا جاتا۔ دعویٰ اور عقیدہ کا وجود ہی نہیں اور استدلال سے خوش فہمی میں مبتلا ہوتے ہوئے قارئین کو عجیب انداز میں دھوکہ دیا گیا کہ شیخ ایک عبارت سے یوں استدلال کرتے ہیں۔ اس "یوں" کے لفظ میں جو حیلہ گری اور بوداپن چھپا ہوا ہے اسے اہل علم ہی جانتے ہیں۔

(۲) اس فقیر کی طرف سے چیلنج ہے کہ خانصاحب اپنے شیخ کی بلغۃ سے کوئی ایسی

عبارت نہیں پیش کر سکتے جس میں قدریہ کو اس عقیدہ میں غلط کہا گیا ہو، اور ان کے شیخ نے صراحتاً لکھا ہو کہ لوح محفوظ میں من و عن تمام اشیاء محفوظ ہیں، درج ہیں، ہر چیز کے واقع ہونے سے قبل فرداً فرداً اور تفصیلاً اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہر شے سے متعلق اور وابستہ ہے۔ ہم منتظر رہیں گے کہ کون اس پر لبیک کہتا ہے؟

(۳) یہ حقیقت مزید روشن ہو کر واضح ہوگئی کہ خانصاحب کو پوری بلغۃ الحیران سے ایک حوالہ بھی ہاتھ نہ آیا جس سے ثابت ہوتا ہو کہ ان کے شیخ کا وہی عقیدہ ہے جسے سطور بالا میں خانصاحب کے حوالہ سے لکھا گیا ہے۔ شب و روز محنت کے بعد ایک حوالہ ڈھونڈ ہی لائے تھے جس کا تجزیہ گذشتہ صفحات میں کر دیا گیا ہے۔ یہ دعویٰ کرنا کہ حسین علی صاحب اہلسنت کے امام تھے اُن کا حرف بحرف وہی عقیدہ تھا جو اہل حق اہل سنت و جماعت کا ہے۔ بلا دلیل محض ادّعا ہے، معترض کو مطمئن نہیں کر سکتا، بحث میں تو دعویٰ پر دلیل صحیح کی ضرورت ہوتی ہے جسے وہ نہ پیش کر سکے ہیں اور نہ ہی پیش کر سکتے ہیں۔ بار بار بلغۃ الحیران کو پڑھ لیں۔ حیرانی و پشیمانی میں اضافہ ہوگا اور سوائے ناکامی کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

ناظرین باتمکین ! خاصاحب نے اپنے شیخ کی صفائی میں جو کچھ لکھا اس کا تفصیل کے ساتھ تجزیہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ مزید لکھا جا سکتا ہے مگر فی الوقت اتنا ہی کافی ہے۔ خانصاحب نے غالباً ایسے ہی حالات کے بیان کیلئے یہ شعر نقل کیا تھا۔

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے

اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

الحاصل : بلغۃ الحیران کی زیر بحث عبارت انتہائی گمراہ کن، اہلسنت و جماعت کے عقیدے کے خلاف، معتزلہ قدریہ کے باطل نظریہ کی تائید و توثیق کرتی ہے۔ فقیر گذشتہ دلائل اور اپنے دعویٰ کے توثیق و تائید میں خود خانصاحب کے گھر (اکابرین دیوبند) سے ناقابل تردید شہادتیں پیش کرتا ہے۔

"بلغة الحیران علمائے دیوبند کی نظر میں"

پس منظر: سن ۵۲/۱۹۵۱ء کی بات ہے......ان دنوں میں دار العلوم عزیزیہ بھیرہ میں زیرِ تعلیم تھا...... ہمیں اطلاع ملی کہ ہمارے گاؤں سلطانپور میں سنیوں اور وہابیوں میں مناظرہ ہو رہا ہے۔ میں بھی کچھ ساتھیوں کے ہمراہ اپنے گاؤں سلطان پور حسن ابدال ضلع اٹک میں آیا۔ یہاں آ کر پتہ چلا کہ ...... جنہیں لوگ وہابی ٹولہ کہہ رہے تھے دیوبندیوں کا وہ گروہ تھا جو خانصاحب کے شیخ واستاذ مولوی حسین علی صاحب کے تلامذہ یا ان کے شاگرد و پیروکار اور دوسری طرف علماء اہلسنت بریلوی کے عقیدت مند اور دار العلوم دیوبند کے پرانے فضلاء اور ان کے ہمنوا تھے......گویا ایک گونہ مناظرہ دیوبندیوں کے ہی دو گروہوں کے درمیان ہو رہا تھا۔ چونکہ یہ علاقہ اہلسنت و جماعت کا اکثریتی علاقہ ہے اس لئے ایک طرف علماء اور عوام کا بڑا ارش تھا اور دوسری طرف کچھ علماء کے ساتھ دو چار درجن حمایتی بھی تھے۔

اس مناظرہ کے انعقاد کا اصل سبب تو چند فروعی معمولات کے جواز اور عدم جواز کا سوال تھا مگر اس موقع پر بلغة الحیران کی عبارت پر سب سے پہلے گفتگو کرنے کا اصول طے پایا۔ ابھی مناظرہ شروع نہیں ہوا تھا کہ دیوبندی مسلک کے مشہور سیاسی عالم غلام غوث ہزاروی خود آ گئے یا بقول مشہور ان کو لایا گیا۔ انہوں نے دونوں فریقوں سے ملاقاتیں کر کے مناظرہ کے نقصانات، جگ ہنسائی وغیرہ باتیں بیان کر کے خود ہی یہ فیصلہ دیا کہ :

> "جن معمولات پر اصل اختلاف تھا وہ فروعی عملی مسائل ہیں۔ جو ان پر عمل کرتا ہے وہ کرے دوسرا فریق اسے برا نہ کہے اور جو لوگ وہ معمولات بجا نہیں لاتے انہیں اس بنا پر وہابی نہ کہا جائے۔ باقی رہا بلغة الحیران کی عبارات پر بحث تو اس پر آج مناظرہ نہیں ہوگا۔"

دیکھا جائے تو مدمقابل انہیں کے ہم مسلک لوگ تھے۔ انہوں نے ہزاروی صاحب کی اس رائے ......جس میں ان کی مصلحت کے ساتھ ساتھ منت سماجت بھی شامل تھی ......کو وقعت دیتے ہوئے مناظرہ ختم کردیا۔

واں بھچروی ٹولہ نے اپنی عافیت سمجھتے ہوئے وہاں سے فوراً کوچ کیا۔ دوسری طرف کئی گھنٹے جلسہ رہا جس میں دارالعلوم دیوبند کے کئی فضلاء نے **بلغة الحیران** کے خلاف سخت تقاریر کیں اور اشتہاری شکل میں چھپا ہوا ایک فتویٰ تقسیم کیا جس میں تفسیر بلغة الحیران کے مخصوص مندرجات رکھنے والوں کو گمراہ، اہلسنت سے خارج، بدعتی اور نا قابل امامت قرار دیا گیا تھا۔

اس دن سے اس کتاب کو حاصل کرنیکا شوق پیدا ہوا۔ کافی کوشش کے بعد ایک عالم دین نے اپنی ذاتی لائبریری سے یہ کتاب عنایت فرمائی۔ ''نور ہدایت'' لکھتے وقت جبر وقدر کا مسئلہ زیر بحث آیا تو **بلغة الحیران** کی پوری عبارت نقل کر کے اس پر بحث کی گئی جو آپ پڑھ چکے ہیں۔

وہ اشتہار مجھ سے گم ہو گیا جس کا مجھے کافی قلق تھا مگر اللہ تعالیٰ نے میری کافی مدد فرمائی ''امداد الفتاویٰ'' کا مطالعہ کرتے ہوئے حسن اتفاق سے جناب تھانوی صاحب کا فتویٰ مل گیا اور اس پر مزید غیبی مدد یہ ہوئی کہ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم کے ایک استاذ مسئلہ پوچھنے کیلئے ایک کتابچہ ''ضربِ شمشیر'' میرے پاس لائے جسے دیکھتے ہی میں شکر بجالایا کہ خود ان کے گھر کے اور حوالے بھی مل گئے۔

قارئینِ محترم! آئندہ سطور میں پیش کئے گئے حوالہ جات پڑھ کر آپ ہی فیصلہ کریں کہ میں نے دیوبندی علماء سے بڑھ کر کیا کہا ہے؟ اگر یہ حوالے پہلے مل گئے ہوتے تو میں خود کچھ کہہ کر خانصاحب کا دل نہ دکھاتا۔ حقیقی طور پر نہ سہی مجازی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ میں تو ناقل ہوں۔ تصحیح النقل میری ذمہ داری تھی جسے میں نے پورا کر دیا ہے۔

یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ خانصاحب کی پسندیدہ تفسیر ان کے شیخ کے ارشادات کو سب سے پہلے علماء دیوبند نے ضلالت ...... جہالت ...... بدعت ......

گمراہ کن ...... اہل باطل کی تائید وتوثیق ...... اہل حق کا ابطال ......

اس کی عبارات سے جہل خداوندی کا لزوم ......

عالم الغیب والشہادۃ کے علم ازلی وابدی محیط کی طرف نقص کی نسبت ......

اور اللہ تعالیٰ کے علم پر ضرب کاری ...... قرار دیا ہے۔ کچھ تفصیل ملاحظہ ہو:

(۱) جناب اشرف علی تھانوی صاحب:

کتاب بلغة الحیران کی اشاعت سے دار العلوم دیوبند کا ایک بڑا گروہ سب سے پہلے آگاہ ہوا اور سب سے پہلے انہی لوگوں کو علم بھی ہونا چاہیے۔ انہوں نے جناب رشید احمد گنگوہی صاحب کے تلمیذ رشید کی قرآن فہمی کا بہت ذکر سنا اور اس شہرت پر بہت خوش تھے، مگر جب کتاب دیکھی تو انہوں نے اسلام، خصوصاً دیوبندی مسلک کیلئے نقصان دہ سمجھا۔ عام علماء کی تنقید کو مولانا مذکور کے مقابلہ پر کون وقعت دیتا اسلئے فیصلہ کرانے کیلئے اس کتاب کا نسخہ اپنے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں پیش کر دیا۔

ضلع گجرات کے مولوی سیف الرحمان نامی یہ کتاب لیکر اپنے حکیم الامت مولانا تھانوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تھانوی صاحب نے چند مقامات ہی دیکھ کر بہت برہمی، ناپسندیدگی اور ناراضگی کا اظہار کیا۔ تھانوی صاحب کی اس برہمی اور اظہار ناپسندیدگی سے متأثر ہو کر مولوی سیف الرحمان دیوبندی نے تفسیر بلغة الحیران مسجد کے حمام میں ڈال کر جلا ڈالی۔

اس کی اطلاع جب ''سرفراز خان'' کے استاذ بھائیوں کو ہوئی بہت سیخ پا ہوئے مگر ادھر معاملہ کسی سنی بریلوی کا نہیں تھا اپنے حکیم الامت کا تھا۔ اس پر محمد نذر شاہ عباس نے ایک طویل خط تھانوی صاحب کی خدمت میں پیش کیا جس میں کتابت کی غلطی کا بہانہ اور

دیگر تاویلات باردہ کا تذکرہ تھا اور ساتھ ہی مؤدبانہ شکوہ تھا کہ آپ نے تفسیر بلغة الحیران کیوں جلاڈالی؟ کتاب کا ایک اور نسخہ صحت نامہ کے ہمراہ دوبارہ پیش کیا گیا تا کہ مولانا تھانوی اپنی رائے بدل دیں۔

مولوی نذر شاہ نے اس طویل خط میں خود اپنے شیخ کی کوئی عبارت پیش کرنے کی بجائے کچھ اور کتابوں کی عبارات پیش کر دیں اور جو عبارت پیش کی وہ بھی ایک عجوبہ ہے، غرضیکہ قاصد جب وہ خط اور کتاب لے کر دوسری مرتبہ حاضر ہوا تو تھانوی صاحب نے ایک مضمون لکھا جس کا عنوان ہے: " تنزیة علم الرحمن عن سمة النقصان " اس میں وہ پورا خط بھی شائع ہے۔

(ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ ج ۶ ،ص ۱۲۴،۱۲۵)

تھانوی صاحب کے مکتوب، فتویٰ کا عنوان **"تنزیة علم الرحمن عن سمة النقصان"** ہی بتا رہا ہے کہ بلغة الحیران کے مصنف حسین علی دیو بندی کی تحریر سے اللہ تعالیٰ کی صفت علم میں نقص ظاہر ہوتا ہے۔

تھانوی صاحب نے جو جواب دیا اس کا موضوع سے متعلق حصہ من وعن نقل کیا جاتا ہے:

<u>تنزیة علم الرحمن عن سمة النقصان</u>: (تمہید از اشرف علی)

"ایک مہمان نے ایک کتاب بلغة الحیران میرے سامنے پیش کی اس میں ایک مضمون نظر سے گذرا جس پر میں نے کلام کیا۔ اس مہمان نے اس کتاب کو جلا دیا جس کی اطلاع مجھ کو بعد میں ہوئی۔ اس کی ناتمام خبر کسی ذریعہ سے مؤلف صاحب کو ہوگئی ان کا خط آیا میں نے جواب دینے سے ایک عذر لکھ دیا اُنہوں نے وہ عذر رفع کرنے کیلئے کتاب بھیج دی اس پر میں نے قدرے مفصل جواب دیا اور اِسی دوران میں مسئلہ کے دوسرے پہلو کے متعلق کسی جبری کا اشکال اور بعض اکابر اہل حق کا حل ایک کتاب میں مل گیا طلبہ کے حظ کیلئے اس کو بھی تحریر ہذا کے ساتھ ملحق کر دیا۔ چنانچہ ذیل میں سب تحریرات منقول ہیں۔

مقدمة الکتاب (طبع اول)

چونکہ وہ ایک خاص شان کا مضمون ہے اس لئے اس کا ایک نام (**تنزیة علم الرحمن عن سمة النقصان**) بھی تجویز کردیا جو پیشانی پر لکھا ہوا ملے گا۔" انتہیٰ بلفظہ

(امداد الفتاویٰ جلد ششم ص ۱۲۳ مطبوعہ اشرف العلوم مولوی مسافر خانہ کراچی)

اس کے بعد صفحہ ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۷ پر نذر شاہ عباسی کا مکتوب مسطور ہے جس کے جواب میں تھانوی صاحب مزید لکھتے ہیں۔

"(**تحقیق المقام**) **الجواب و منه الصدق والصواب**۔

مولانا بارک اللہ تعالیٰ فی کمالاتھم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ،

ارسالِ خط و ارسال کتاب سے ممنون ہوا۔ چونکہ خط میں بہت باتیں عدیم التعلق یابعید التعلق لکھ دی گئی ہیں۔ اس لئے جواب میں اُن سے تعرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

نیز میرے پاس اتنا وقت نہیں۔ نیز ضعف عمر و ضعف مرض بھی مانع ہوئے اس لئے صرف ضرورت پر اکتفا کیا گیا۔ امید کہ اس اختصار کو معاف فرمادیں گے۔

سو عرض کرتا ہوں کہ جس عبارت میں آپ نے طبع کی غلطی بتلائی ہے۔ میں نے اس کو نہ پہلے دیکھا نہ اب دیکھنے کی ضرورت سمجھی۔ جو مضمون میں نے دیکھا تھا کتاب پیش کرنیوالے کے سامنے اس پر کلام کیا تھا مگر میں نے جلانے کا مشورہ نہیں دیا نہ صراحۃً نہ اشارۃً البتہ اس مضمون سے میں نے تحاشی تام کی جیسا کہ وہ اس کا مستحق ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے ان پر یہ اثر ہوا ہو کہ اس کو جلا دیا اور اس کے بعد بھی مجھ کو اطلاع نہیں دی۔ ایک بار میں نے مکرر دیکھنے کیلئے کتاب مانگی تب اس کی اطلاع دی ورنہ اگر مجھ سے مشورہ کرتے تو میں اس مقام پر حاشیہ تنبیہی لکھوا دیتا۔ اب وہ کلام عرض کرتا ہوں کہ اہل باطل کا کوئی قول نقل کرنے کے بعد ناقل کے ذمہ ہے کہ اس کا ابطال اولاً تقبیح کے ساتھ کرے جیسا نووی نے کیا ہے **فی قوله الآتی**۔ یا اگر یہ نہ ہو تو تصریح کے ساتھ کرے جیسا کہ صاحب کبیر نے کیا ہے **فی قوله الآتی**۔ اور وہ دونوں قول یہ ہیں:

" **قال النووی بعد نقل قولهم المذکور فی السوال انما یعلمها**

سبحانه وتعالی بعد وقوعها و كذبوا علی الله سبحانه و تعالیٰ و جلَّ عن اقوالهم الباطلة علوا كبيرا و سميت هذه الفرقة قدرية لانكارهم القدر، قال اصحاب المقالات من المتكلمين و قد انقرضت القدرية القائلون بهذا القول الشنيع الباطل ولم يبق احد من اهل القبلة عليه و صارت القدرية فی الازمان المتأخرة معتقدة اثبات القدر و لكن يقولون الخير من الله و الشر من غيره تعالیٰ عن قولهم"

(كتاب الايمان باب معرفة الايمان و الاسلام)

"وقال صاحب الكبير تحت آية واذ ابتلی ابراهيم ربه ....الآية و قال هشام بن الحكم انه تعالیٰ كان فی الازل عالما بحقائق الاشياء و ماهياتها فقط واما حدوث تلك الماهيات و دخولها فی الوجود فهو تعالیٰ لا يعلمها الا عند وقوعها الی قوله واعلم ان هشاما كان رئيس الرافضة فلذلك ذهب قدماء الروافض الی القول بالبداء اما الجمهور من المسلمين فانهم اتفقوا انه سبحانه و تعالیٰ يعلم جميع الجزئيات قبل وقوعها اھ"

مگراس کتاب بلغة میں اس مقام پر ایسا نہیں کیا گیا چنانچہ یہ قول باطل اس عبارت پر ختم ہوا ہے: "ان کے کرنے کے بعد معلوم ہوگا" سو اس کے بعد اخیر تک اس کا ابطال صریح عبارت میں بھی نہیں، فضلا عن التقبيح ، بلکہ وہاں ایسی عبارت ہے "**جس سے کسی قدر اس باطل کی تائید متبادر ہوتی ہے**" فی قوله اور آیات قرآنیہ الی قوله ان کا معنی صحیح کرتے ہیں۔

اور اس کے بعد اہل سنت والجماعت کی تفسیر بہت معمولی طور پر ایک مختصر جملہ میں نقل کر دی اور نہ اس کی فی ذاتہ تصحیح کی نہ اس کو قول مقابل پر ترجیح دی۔ بس دونوں مذہب کو نقل کر کے چھوڑ دیا جس سے یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ مؤلف کا عقیدہ کیا ہے؟ "**کیا ایسا احتمال بلکہ اہمال تدیّن کے خلاف اور نکیر شدید کے قابل نہیں۔**"؟

بس یہ حاصل ہے میرے کلام کا۔ اب ایک التماس پر معروضہ کو ختم کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں ایسی کتاب کو جس میں ایسی خطرناک عبارت ہو بعد حاشیہ تنبیہی کے بھی نہ اپنی ملک میں رکھنا چاہتا ہوں نہ اپنے تعلق کے مدرسہ میں۔ اگر عید کے قبل محصول ورجسٹری کے ٹکٹ بھیج دیئے جائیں تو ان ٹکٹوں سے ورنہ بعد میں اپنے ٹکٹوں سے خدمت میں بھیج دوں گا۔

والسلام خیر ختام کتبه اشرف علی
لعشرین من رمضان ۱۳۵۷ھ هجری ، ۱۹۳۸ء
(امداد الفتاوی جلد ششم ۱۲۶، ۱۲۷)

یہ تھا انکے حکیم الامت صاحب کا فیصلہ۔ آیئے اب دیوبند کے ایک اور فاضل مفتی صاحب کی تحقیق ملاحظہ ہو:

(۲) ضرب شمشیر بر فتنہ پنج پیر:

مؤلفہ مولانا غریب اللہ صاحب ناظم دارالعلوم مجددیہ
موضع مانکی تحصیل صوابی ضلع مردان ناشر مکتبہ مجددیہ مانکی ضلع مردان۔

نوٹ: یاد رہے یہ کتاب کسی بریلی کے پڑھے ہوئے عالم دین کی تصنیف نہیں بلکہ علماء دیوبند کے ایک عقیدت مند کی تالیف ہے۔ کتاب کے پیش لفظ صفحہ الف پر ہے:

"ہمارے علاقے میں ان دنوں پنج پیر مولوی صاحب...... [مجدد وہابیہ مولوی حسین علی کے شاگرد، خانصاحب گکھڑوی کے استاد بھائی، از خادم اہلسنت]...... نے تفریق بین المسلمین کی ایک جدید مصیبت پیدا کر رکھی ہے اور عوام کے اندر سر پھٹول پیدا کر دی ہے۔ غیر ضروری اختلافی مسائل کو ضروری قرار دے کر عوام کو آپس میں لڑا رہے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پنج پیریوں کی آڑ پکڑ کر گمراہ لوگ عوام کو علماء ربانیین حضرات دیوبند سے بدظن اور منتشر کر رہے ہیں، حالانکہ حضرات علماء دیوبند علوم ظاہری اور باطنی کے جامع اور صحیح معنوں میں راسخ فی العلم اولیاء اللہ ہیں۔ بارک اللہ فیھم و کثر امثالھم آمین تو ایسے حضرات علم تصوف اور کرامات کے کس طرح منکر ہو سکتے ہیں؟۔

ضرب شمشیر ص

(۳) دارالعلوم دیوبند کے فاضل دارالعلوم فتحیہ اچھرہ لاہور کے صدر مدرس مولانا حبیب الرحمان نے اپنے مقتدر علماء کے خدمت میں بلغة الحیران کے متعلق ایک استفتاء بھیجا۔ وہ سوال اور اس کے جوابات پیش خدمت ہیں:

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علماء دین تفسیر بلغة الحیران کے مندرجہ ذیل مقامات میں، آیا جو کچھ اس تفسیر میں لکھا گیا ہے یہ سلف صالحین اور اہلسنت و جماعت کے علماء دین کے نظریات کے مطابق ہے؟

(۱) آیت " کل فی کتاب مبین " کے ماتحت بلغة الحیران میں لکھا ہے (ص ۱۵۷):
"یہ علیحدہ جملہ ہے ماقبل کے متعلق نہیں تا کہ لازم آئے کہ تمام باتیں لکھی ہوئی ہیں جیسا کہ اہلسنت و جماعت کا مذہب ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ "تمہارے اعمال لکھ رہے ہیں فرشتے"۔
کیا یہ اہلسنت و جماعت کے مسلک سے علیحدگی اور اعتزال کا اظہار نہیں حالانکہ جملہ مفسرین اس سے مراد لوح محفوظ لے رہے ہیں اور علماء دیوبند کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ مولانا شبیر احمد صاحب نے موضح القرآن میں اس آیت کے فائدہ میں لکھا ہے تو بناءً علیہ کیا یہ (پنج پیری) فرقہ علماء دیوبند کے مسلک کے مخالف نہ ہوا؟ اور کیا اس خودساختہ تفسیر پر "قدجف القلم بما ھو کائن" اور اس قسم کی دوسری احادیث کی تکذیب نہیں ہوتی اور تمام کتب عقائد کی تغلیط نہیں ہوتی؟

(۲) یاجوج ماجوج کے متعلق ص ۲۰۵ پر ہے: "یاجوج ماجوج سے مراد انگریز ہے یا کوئی اور" کیا یاجوج ماجوج کے متعلق وارد روایات کے خلاف نہیں اور یہ مرزائیت کی موافقت نہیں؟

(۳) بلغة الحیران کے ص ۱۵ پر " وادخلوا الباب سجدا " کی تفسیر میں لکھا ہے: "باب سے مراد مسجد کا دروازہ ہے جو قریب تھا، باقی تفسیروں کا کذب ہے" کیا مفسرین کو کذاب کہنا جائز ہے؟

(۴) اس تفسیر کے ص ۲۴۴ پر مندرج ہے "رسولوں کا کمال بس عذاب الٰہی سے نجات پالینا ہے" کیا یہ مرسلین کی تنقیص (توہین) نہیں۔ عذاب الٰہی سے نجات اگر رسول کا کمال ہے تو کیا غیر رسول کو نجات نہ ہوگی؟

(۵) ص ۵ پر قرآن مجید کی فصاحت اور بلاغت کی متعلق کہا ہے "یہ بھی کمال نہیں ہے" کیا یہ غلط اور جمہور کے خلاف نہیں ہے؟

(۶) ص ۱۷۵ پر معتزلہ کا مذہب نقل کر کے لکھا ہے کہ "انسان خودمختار ہے اچھے کام کرے یا نہ کرے اور اللہ کو پہلے سے کوئی علم نہیں کہ کیا کریں گے بلکہ اللہ کو اس کی کرنے کے بعد

معلوم ہوگا‘‘

کیا یہ اعتزال کی صریح اور واضح تائید نہیں ہے؟ اور کیا یہ قدامتِ علم الٰہی کا انکار نہیں؟ بینوا توجروا.

صدر مفتی دار العلوم دیوبند کا جواب:

مذکورہ سوال میں جو تفسیر ’’بلغۃ الحیران‘‘ سے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔ یہ اہل سنت و جماعت اور اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف اور سلف صالحین، صحابہ کرام و تابعین کے مخالف ہیں۔ ان (اقتباسات) میں معتزلہ کے مذہب کی ترویج بھی ہے اور جمہور مفسرین اہل سنت کی تکذیب بھی۔

بعض آیات کی غلط تفسیر اور تاویل بلکہ تحریف ہے جسکو قرآن پاک و احادیث شریفہ مشہورہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ تفسیر مذکورہ عوام کیلئے گمراہ کن ہے اور ان کے صحیح عقیدوں کو بدل دینے میں ممد و معاون ہے۔

یاجوج ماجوج کی تفسیر اور تاویل اور ” کل فی کتاب مبین “ کے معنی قطعاً غلط ہیں۔ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بھی لغو اور باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم پر بھی ضرب کاری ہے، جس سے جہل خداوندی کا لزوم ظاہر ہے اور ایسے امور کے اعتقاد پر لزوم کفر کھلا ہوا ہے، جس سے ایمان خطرے میں ہے۔

ہمارا علم اس کی شہادت دیتا ہے کہ جس بڑے شخص کی طرف اس تفسیر کی نسبت رکھی گئی ہے ہرگز اُس کے یہ عقائد نہیں ہوں گے بلکہ دوسرے لوگوں نے ان کی طرف ترویج کتاب کے لئے منسوب کر دیئے ہیں اور اگر بفرض محال ان کے بھی یہی خیالات ہوں جو تفسیر میں مذکور ہیں تو قرآن و حدیث کے مقابلہ میں ان کی کچھ حیثیت نہیں ہے۔ ان کو رد کیا جائے گا اور قرآن و حدیث کے مطابق حکم ہوگا۔ بجز انبیاء علیہم السلام کے ہر شخص کا قول رد کیا جائے گا اگرچہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جبکہ اس کا قول عقائد کے مخالف ہو۔

یہ تفسیر مسلمانوں کے لئے مضر ہے ایسے عقائد والوں سے اور دوسروں کو کافر و مشرک سمجھنے والوں سے قطع تعلق کر لینا چاہیے! سلام کلام بند کر دینا چاہیے الا مجبوری اور ضرورت کے وقت جائز ہے۔ بدعتی اور محدث فی الدین سے علیحدگی دین کی حفاظت کا

ذریعہ ہے جو کتب عقائداور کتب فقہ میں مصرح ہے۔

والله اعلم بالصواب

کتبه السید مهدی حسن صدر مفتی دار العلوم دیوبند

بحواله ضرب شمشیر بر فتنه پنجپیر مؤلفه مولانا غریب الله دیوبندی مانکی ضلع مردان

علمائے دیوبند کے فتاوٰی کا خلاصہ مفاہیم:

نمبرا: تفسیر بلغة الحیران میں اللہ تعالیٰ کے علم پر ضربِ کاری ہے جس سے باری تعالیٰ کے جہل کا لزوم ظاہر ہے۔ یعنی اس حوالہ سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ باتوں سے لاعلم ہے۔ (نعوذ باللہ)

۲: ایسے عقیدے والوں پر لزوم کفر کھلا ہے، ان کے ایمان خطرہ میں ہیں۔

۳: اس کتاب والے کے عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کو سب کچھ کا علم نہیں بلکہ بندے کے عمل کرنے سے پہلے اس عمل کا اسے علم نہیں، جب بندہ کام کر لیتا ہے تو اس کو علم ہوتا ہے۔ ایسے لکھنا کہنا کہ اللہ تعالیٰ کا علم محیط قدیم ازلی نہیں۔ نقص وعیب بیان کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے نقص سے پاک ہے اسی وجہ سے تھانوی صاحب نے اسکے رد کا عنوان " تنزیه علم الرحمان عن سمة النقصان " رکھا۔

۴: بلغة الحیران میں قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے خلاف لغو و باطل عبارات ہیں۔

۵: اس کتاب میں رسولوں کی تنقیص کی گئی ہے۔

۶: بلغة الحیران عوام کیلئے گمراہ کن ہے بلکہ صحیح عقیدے بدلنے میں ممد ومعاون ہے

۷: یہ ایسی خطرناک کتاب ہے کہ اس پر تنبیہی نوٹ لکھ دینے کے باوجود لائبریری میں رکھنے کے قابل نہیں (شاید یہی وجہ ہے کہ دیوبندی یہ کتاب اپنے مکتبہ میں نہیں رکھتے)

۸: یہ ایسی خطرناک کتاب ہے جو جلا دینے کے لائق ہے۔ (جیسا کہ تھانوی صاحب کے شاگرد خاص نے اس پر عمل کیا اور تھانوی صاحب نے سکوت فرمایا)

۹: اس کتاب میں اہل حق اہلسنت و جماعت کا کھلا رد اور معتزلہ کے گمراہ عقیدوں کی تائید وتوثیق کی گئی ہے۔

۱۰: اس کتاب میں جمہور مفسرین کی تکذیب کی گئی ہے۔اس میں غلط تاویل نہیں بلکہ تحریف پائی جاتی ہے۔

۱۱: ایسے عقیدہ والوں سے سلام وکلام بند کر کے قطع تعلق کر لینا چاہیئے۔

''احد عشر کوکبا'' کی مناسبت سے گیارہ کا تذکرہ ہی کافی ہے۔

﴿مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَه، وَمَنْ يُّضْلِلْه، فَلَا هَادِیَ لَه،﴾ خانصاحب اپنے اکابر کی اتنی صاف اورواضح تحقیقات بھی نہ مانیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے ؟

دل نہ آئے تو گل و لالہ کی رنگینی عبث
اور آجائے تو کانٹوں سے بہل جاتا ہے دل

استفتاء : کیا فرماتے ہیں علماء دیو بند خصوصا خانصاحب گکھڑوی کہ کسی عبارت سے اختلاف کے بعد پوری تفسیر کو بطور غصہ جلا ڈالنا کیسا ہے؟

جواب کا انتظار رہے گا۔

''اختیار'' خاصہء الوهیت هے ؟

مؤلف راہِ ہدایت کے شیخ ''اختیار عبد'' کے مسئلہ میں ایک انتہاء پر ہیں جیسا کہ بلغۃ الحیران کی عبارت سے ظاہر ہے تو مؤلف دوسری انتہاء پر، چنانچہ لکھتے ہیں۔ ''اللہ تعالیٰ جیسے خلق کی صفت میں منفرد ہے اسی طرح وہ مختار ہونے کی صفت میں بھی متفرد ہے''۔ (راہ ہدایت ص ۱۵۱)

صفت خلق اور صفت اختیار کو ہم وزن سمجھنا اور علی الاطلاق صفت اختیار کو خاصہ الوہیت تصور کرنا، قرآن حکیم سے ثابت کرنا کہ مختار ہونے کی صفت میں اللہ تعالیٰ منفرد

ہے۔ خانصاحب کی اجتہادی قوت کا کمال ہی ہوسکتا ہے۔

حیرت کدہ (عجائبات تفسیر بلغة الحیران)

خانصاحب کے شیخ و مرشد کی تحقیقی تفسیر بلغة الحیران میں یوں تو جا بجا عجیب و غریب باتیں لکھی ہوئی ہیں اسی وجہ سے کئی لوگ اس کتاب کو "بِلُغَةِ الْحَیْلَان" پڑھتے ہیں؛ کیونکہ اس نے اپنوں، بیگانوں سب کو حیرت زدہ کردیا ہے۔ سب باتوں کے ذکر کا تو موقع نہیں۔ وعدہ کے مطابق اس کتاب کے کچھ مقامات نقل کیئے جارہے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوگا کہ صاحبِ کتاب نے زیرِ بحث مقام پر ہی ٹھوکر نہیں کھائی بلکہ یہ ہنر آزمائی کئی جگہ پر کی ہے۔ چند ایک نمونے ملاحظہ ہوں:

ا: سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں بطور اثبات دعویٰ ذکر کیا۔

قرآن شریف کے چار حصے ہیں اور ہر ایک حصہ الحمد سے شروع کیا گیا ہے۔ ایک حصہ الحمد سے لے کر سورۂ انعام تک اس میں احوال پیدائش کے زیادہ ہونگے۔ اور اکثر مضامین اس کے متعلق ہونگے۔ اگرچہ اور مضامین بھی مذکور ہونگے۔ اور دوسرا حصہ سورۂ انعام سے لے کر سورۂ کہف تک اس میں احوال تربیت کے اکثر ہونگے یعنی پیدا کرنے والا بھی وہی ہے بعد پیدا کرنے کے تربیت کنندہ بھی وہی ہے۔ اور تیسرا حصہ سورۂ کہف سے لے کر سورۂ سبا تک ہے۔ اس میں ذکر اکثر یہ ہوگا کہ برکات دہندہ وہی ہے۔ اور تحت بادشاہی پر خود آپ ہی ہے۔ لہٰذا سب کچھ دینے والا وہی ہے۔ اور چوتھا حصہ سورۂ سبا سے لے کر آخر تک ہے۔ اس میں نفی تشفیع اور احوال قیامت کا ذکر اکثر ہوگا۔ (ماخوذ از بلغۃ الحیران ص ۵)

(گویا مباحث قرآن کریمہ کا خلاصہ یہ چار مسئلے ہیں۔)

سبحان اللہ! ایسا تفسیری خلاصہ انہی کا حصہ ہے۔ زہے نصیب!

۲: پہلا حصہ الحمد للہ سے مذکور ہے کیونکہ (اسم جلالت) اللہ سے مراد وصف مشہور ہے جیسا کہ ﴿لِكُلِّ فرعون موسیٰ﴾ سے لکل مبطل محق۔ مراد لیتے ہیں۔ لہٰذا اس جگہ مراد الحمد للہ سے الحمد للخالق.

(بلغۃ الحیران ص ۵)

ماشاء اللہ تعالٰی! کیا نکتہ آفریں تفسیر ہے؟

۳: آیت کریمہ ﴿انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ﴾ میں صاحب کتاب کی تحقیق:

"تحقیق مفردات: خلیفہ معنی یہ ہے ایک دوسرے کے پیچھے آنیوالا بقرینہ هو الذی جعلکم خلائف فی الارض کذا فی جامع البیان

(بلغۃ الحیران ص ۱۳)

حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کس کے خلیفہ تھے؟ جیسا بیٹا باپ کے بعد آ کر اس کا خلیفہ ہوتا ہے آپ بھی پیچھے آئے۔ کس کے پیچھے آئے؟ اس کا حل خانصاحب جیسے لوگ ہی فرما سکتے ہیں۔ اس تحقیق کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ (اللہ کا خلیفہ) کہنے والوں کیلئے کیا حکم ہوگا؟

۴: حضرت آدم اور ملائکہ کا ذکر جن آیات میں آتا ہے۔ اس کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے صاحب کتاب نے لکھا:

فقال انبؤنی بأسماء هؤلاء ای بتاثیر اتها یعنی ان اشیا کی تاثیرات سے خبر دو۔ قالوا سبحانک لا علم لنا علم نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ملائک کھاتے پیتے تو نہ تھے اور درد بطن وغیرہ سے پاک تھے جو ان کو ان اشیا کی تاثیرات سے خبر ہوتی جب تک کوئی شے آزمودہ نہ ہو تو اس کی تاثیر کا پتہ نہیں ہوتا لہٰذا ملائک کو ان اشیاء کی تاثیر کا پتہ نہ تھا۔ انتہی بلغۃ الحیر ان ص ۱۳،۱۴

اس مقام پر صاحب کتاب نے اتنا ہی لکھا، یعنی خانصاحب کے شیخ امام اہلسنت کی مجددانہ تحقیق کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ پر اتنی ہی علمی فضیلت ملی کہ پاکیزہ و صاف اور عمدہ غذائیں کھانے سے ان کے پیٹ میں درد ہوتا اور ملائکہ نامناسب غذا کھانے سے جو درد پیدا ہوتا ہے اس سے نا آشنا تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام میں اتنا ہی ملائکہ کی بنسبت کمال تھا کہ جنابِ الٰہی سے آپکو یہ انعام دیا گیا کہ پیٹ میں درد ہونے کی وجہ سے آپ کو کھانے کی تاثیر کا علم ہو گیا۔ وہ بھی جتنا کھایا جو چیز کھائی۔ باقی رہا حضرتِ انسان، خصوصاً اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اول حضرت آدم

علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جنکے سر پر رفعت ومنزلت کمالِ علم کا تاج سجا کر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کرام سے حضرت آدم کو ممتاز و بہتر بنایا، جیسا کہ اہل علم کی کتابوں میں تفصیلاً لکھا گیا ہے۔ خانصاحب کے استاد کی تحقیق میں اسطرح کی باتیں کرنا تحقیق سے کوسوں دور ہیں۔

جنتی پھل کھانے سے حضرت آدم علیہ السلام کے پیٹ میں درد پیدا ہوا، اس کا علم خانصاحب کے شیخ کو کیسے ہوا؟ ایسے دعویٰ کیلئے صحیح دلیل کی حاجت ہے۔ یا حضرت شیخ پر غیب کے دروازے کھلے تھے؟ جس کی بنیاد پر قرآن کی یہ تفسیر کی۔ خانصاحب ہی اپنے بیان کردہ اصولوں کے مطابق اس پر دلائل زیب قرطاس فرمائیں گے۔ مزید براں صاحب کتاب کی تحقیق سے یہ نکتہ، سمجھ میں نہیں آیا۔ کہ جس کے پیٹ میں درد پیدا ہو وہ اس کی بنسبت افضل واعلیٰ ہوتا ہے جس کے پیٹ میں درد کبھی نہ ہوا ہو، کیونکہ بزعم ایشاں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم پر اسی خصوصی انعام کا ذکر فرمایا ہے۔''

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

۵: ادخلوا الباب سجداً۔ باب سے مراد مسجد کا دروازہ ہے جو کہ نزدیک تھے اور باقی تفسیروں کا کذب ہے۔ بلفظہٖ بلغۃ الحیران ص ۱۵

بیک جنبش قلم تمام مفسرین کو جھوٹا کاذب لکھتے اور اسلاف اہلسنت شکر اللہ سعیھم ورحمھم اللہ تعالیٰ کو گالی دیتے وقت کچھ شرم وحیا آڑے نہیں آئی، تو کم از کم اپنے اکابر کو تو جھوٹا نہ کہتے۔ یہ تجدیدی کارنامہ دیوبندی امام اہلسنت کا ہے۔

چوں خدا خواھد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ نیکاں زند

۶: سورۂ بقرہ میں گائے ذبح کرنے کا واقعہ آتا ہے اہل تفاسیر نے جو کچھ لکھا اس کا علم خواص ہی کو نہیں عامۃ الناس کو بھی ہے، مگر صاحب بِلُغَۃِ الْحَیْرَان نے اس مقام پر عجیب وغریب تفسیری نکتہ بیان کیا۔ لکھتے ہیں:

"اب یہ جاننا چاہئے کہ ان کو بقرہ (گائے) ذبح کرنے کا حکم کیوں ہوا تھا؟
الجواب مفسرین نے تو یہ کہا ہے کہ انہوں نے نفس کو قتل کیا تھا اور قاتل معلوم نہ ہوا
تھا لہٰذا امر کیا کہ ایسے بقرہ ذبح کر کے اس قتیل کو مارو تو وہ زندہ ہو جائے گا اور
پھر اپنے قاتل کا نام بتائے گا، اس وقت ببعضھا کی ضمیر بقرہ کی طرف راجح
ہوگی لیکن اصل میں یہ بات غلط ہے [جو مفسرین کرام نے لکھا ہے۔ از خادم اہل سنت]؛ کیونکہ
حکم ذبح اور ذبح کے درمیان چالیس برس کا فاصلہ آ گیا تھا تو وہ قتیل اتنی مدت
کس طرح پڑا رہ سکتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو قصے مستقل ہیں۔ اور ذبح بقرہ
کی وجہ یہ تھی کہ ان کو بقرہ کی محبت بہت زیادہ تھی اور بقرہ کو معبود بنایا ہوا تھا۔

(بلفظہ بلغۃ الحیران ص ۱۵

(ببعضھا ضمیر کے بارے میں کچھ اور بھی نکتہ سنجیاں فرمائی ہیں جنہیں چھوڑا جا رہا ہے)

قارئین کرام! آپ خود انصاف فرمائیں کہ مفسرین کرام کا نام لے کر ان کو غلط کہنا
، کیا یہی دین کی خدمت ہے؟ اور ان کی کسی خطا پر کوئی دلیل بھی نہیں بلکہ من گھڑت نظریہ پر
بنیاد رکھی اور مفسرین کی غلطی کی یہ وجہ بتائی کہ واقعہ قتل اور اور گائے کے ذبح تک چالیس
سال گذر گئے تھے، اتنے عرصہ میں مردہ کیسے پڑا رہ سکتا ہے؟ گویا یہ ناممکن ومحال بالذات
ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے پر اس کو غیر متزلزل ایمان کہا جا سکتا ہے؟ اور ساتھ یہ
دعویٰ کہ واقعہ قتل اور ذبح گائے تک چالیس سال گذر گئے تھے اسے قرآن پاک کی کس
آیت یا کونسی حدیث صحیح سے معلوم کیا؟ یا غیب دانی کا دعویٰ ہے۔

خانصاحب ہی بتائیں کہ اس دعوی پر قرآن پاک یا صحیح مرفوع حدیث سے کونسی
نص ہے؟ خانصاحب جانتے ہیں کہ ایسے دعویٰ پر کس قسم کی دلیل پیش کی جانی
چاہئیے۔ ایسے مقام پر کسی تفسیری کتاب یا اسرائیلی روایات کا حوالہ پیش کرنا حیلہ سازی کے
سوا کچھ نہیں۔

۷: تحویل قبلہ کی آیات پر تفسیری نکات، خانصاحب کے شیخ لکھتے ہیں:

''دوسرا امر قد نریٰ تقلب وجھک سے لے کر ان اللہ علی کل شئ قدیر تک ہے اور بیان یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کو کہا گیا۔ کہ تیرے دل میں تو تنگی ہے تحویل کی وجہ سے کیونکہ نبی علیہ السلام کا یہ خیال مبارک تھا کہ شاید اہل کتاب کے قبلہ کی طرف ہم منہ کرینگے تو انکو الفت پیدا ہوگی اور ایمان لائیں گے۔ لہذا کہا گیا کہ اگرچہ فی الحال تنگی ہے لیکن عنقریب خوشی حاصل ہوجاوے گی یہی معنی ہے قبلۃ ترضھا کا یعنی قبلہ جس کو تو پسند کریگا یہ معنی نہیں کہ تو اس کو پسند رکھتا ہے۔اب یہ جاننا چاہئے کہ قد نریٰ تقلب وجھک کے وجہ خوشی نہ تھی اور مادہ تقلب کا بھی اسے تنگی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ مشتق ہے تقلب الشئ ظھر البطن کالحیۃ تتقلب فی الرمضاء جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ نبی علیہ السلام کو خوشی تھی تحویل پر۔ کیونکہ مکہ قبلہ ابراہیم کا تھا۔لہذا آپ کی خوشی تھی کہ میں اپنے آباء واجداد کے قبلہ پر ہوجاؤں وجہ یہ ہے کہ اگر خوشی ہوتی تو یہ دوز جریں نہ ہوتیں......الخ۔''

(بلفظہٖ بلغة الحیران ص ۲۶)

﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ﴾

زاغوں کے تصرف میں ہے شاہیں کا نشیمن

تحویل قبلہ، عظمت ورضاء مصطفیٰ کا جھنڈا:

رسول اللہ ﷺ فداہ ابی و اُمّی وسائرعَشِیْرَتی جب ارض حرم مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً سے ہجرت اختیار فرما کر اَحَبُّ الْبِلَادِ الی اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ زادھااللہ شرفاً میں جلوہ فرما ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے رہے یہ سلسلہ کئی ماہ تک جاری رہا۔

کعبہ شریف کے بیت اللہ تعالیٰ ہونے کی عظمت وفضیلت، اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ کی قدرومنزلت پانے، آنحضور پرنور ﷺ کے جدامجد سیدنا ابراھیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام، تمام اہل عرب کا مرکز عقیدت قبلہ اور مقام حج ہونے کے باعث نیز دیگر مصالح و حِکَم کے سبب جنہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ مالک حقیقی جلَّ شانُہٗ کے حبیب مکرّم نبی معظّم سیّدالانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خواہش تھی کہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ شریف کو قبلہ بنایا جائے۔ آپ کی شان محبوبیت اللہ تعالیٰ سے امید رکھتی تھی کہ وہ اس تمنا کو پورا فرمادے گا۔ نگاہِ امید باربار آسمان پر اُٹھی، مظہر جمالِ الٰہی کے رُخ انور کا آسمان کی طرف اُٹھنا اس قادر مطلق جلَّ شانہ کو اپنے پیارے حبیب ﷺ کی یہ حسین ادا اتنی پیاری لگی کہ آپ کو حالت نماز میں ہی عجب محبّانہ انداز میں کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْھِکَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَۃً تَرْضٰھَا فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ (البقرہ آیت ۱۴۴)

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔

اہل دیوبند کے شیخ الہند نے یوں ترجمہ کیا۔

"بیشک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف، سو البتہ ہم پھیریں گے تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے۔ اب پھیر منہ اپنا مسجد حرام کیطرف"

مفسرین ومحدثین اور خود ان کے اکابر تو آیت کریمہ کے انداز محبانہ خصوصاً کلمہ مبارکہ "قبلة ترضها" اور صریح صحیح حدیث مبارک: "وکان یعجبه ان تکون قبلته قبل البیت .... کان رسول الله ﷺ یحب ان یوجه الی الکعبة فانزل الله تعالٰی قد نریٰ تقلب وجهک فی السمآءِ فتوجه نحو القبلة" سے یہی سمجھے کہ بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا آپ کو پسند تھا، آپ کی خواہش تھی، مگر ان صاف شفاف منصبِ محبوبیت کی عظمتوں کا بیان کرنیوالی

مقدمة الکتاب (طبع اول)

نصوص اور مفسرین کی تصریحات کے باوجود خانصاحب کے استاذ امام رئیس المؤحدین کو الٹا دکھائی دیا کہ: "تحویل قبلہ کے حکم سے آپ ﷺ تنگ دل ہوئے آپ نہیں چاہتے تھے کہ بیت اللہ شریف کو قبلہ قرار دیا جائے جبھی تو اللہ تعالیٰ نے دو دفعہ قرآن میں آپ کو اس پر جھڑکا" خانصاحب کے امام واستاذ کو تعصب کے باعث اتنا بھی دھیان نہ رہا کہ مفسرین امت کی تحقیقات کو ہی غلط نہیں کہہ رہا بلکہ نصوص صحیحہ کا انکار کر رہا ہوں۔ یا للعجب

ع فرق آنکھوں میں نہیں فرق ہے بینائی میں
عیب بیں عیب، ہنرمند ہنر دیکھتا ہے

جس شخص کے خیالات میں مفسرین کرام کی تحقیقات غلط ہوں ان کیلئے کوئی تفسیری حوالہ درج کرنا بیکار ہے۔ لیکن قارئین کتاب کے رشتہ محبت کو تقویت دینے کیلئے ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں اس آیت کریمہ کے تحت تفسیری فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قَالَ اللہ تعالیٰ قِبْلَةً تَرْضٰهَا وَلَمْ يَقُلْ قِبْلَةً اَرْضٰهَا كَاَنَّهٗ قَالَ كُلٌّ اَحَدٍ يَطْلُبُ رِضَائِي وَاَنَا اَطْلُبُ رِضَاكَ يَا مُحَمَّدُ

(تفسیر کبیر جلد ۲ سورۃ بقرۃ آیت ۱۴۴)

اللہ تعالیٰ نے آیہ کریمہ میں " قبلة ترضها " (جو قبلہ اے محبوب تو پسند کرتا ہے) فرمایا اور قبلة ارضها (جو قبلہ مجھے پسند ہے) نہیں فرمایا گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہر ایک میری رضا طلب کرنا چاہتا ہے اور میں تیری رضا چاہتا ہوں، اے حمد و تعریف کئے ہوئے محبوب!

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

اس آیۂ کریمہ کا مفاد یہی ہے اور حدیث صحیح کی نص بھی ہے کہ بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا، کعبہ شریف کا قبلہ ہونا آپ کو پسند تھا، یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کو بھی پسند تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی عزت وشان کے اظہار کیلئے اس طرح فرمایا۔ چونکہ بیت اللہ شریف کا قبلہ ہونا آپ کو پسند ہے اس لئے آپ کو حکم دیتے ہیں کہ اپنے

پسندیدہ قبلہ کعبہ معظمہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کرو۔ مگر مرضِ تعصب کے اندھے خانصاحب کے استاد ومرشد کو شانِ محبوبیت کے روشن مینار نظر نہ آئے یا دیکھنا پسند نہ کیا، اس کے باعث جو تجدیدی (تحریفی) موشگافی فرمائی قارئین کے سامنے ان کی عبارت بلفظہ رکھ دی ہے۔ اب خانصاحب ہی بتائیں انکے امام الموحدین نے نعرہ توحید کے پردہ میں عظمت رسالت کو گھٹایا ہے یا نہیں؟

خانصاحب فرماتے ہیں کہ: میرے شیخ اہل سنت کے امام ہیں، دین کے مجدد ہیں انکا کوئی قول وعمل اہل سنت و جماعت کے خلاف نہیں۔ کیا بلغۃ الحیران کی اس صاف تحریر کے بعد بھی خانصاحب کے اس دعویٰ میں صداقت کا شائبہ تک بھی ہے۔ یا خود خانصاحب کا بھی یہی نظریہ ہے۔

خانصاحب کے شیخ اہل حق کے خلاف مسلک اختیار کر کے ہی مطمئن نہ ہوئے بلکہ صراحتاً مفسرین کی تغلیط کی۔ اہل سنت کو غلط قرار دیا اور کہا "جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ نبی علیہ السلام کو خوشی تھی تحویل پر الخ" (یعنی مفسرین کا یہ کہنا غلط ہے)

مولوی حسین علی نے مفسرین کرام کو غلط قرار دینے اور اپنی تحریف کو صحیح ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل دی۔ "وجہ یہ ہے اگر خوشی ہوتی تو یہ دوزجریں نہ ہوتیں"

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں اُمّت رسول اللہ ﷺ کی

بلغۃ الحیران کی مذکورہ عبارت سے ظاہر وباہر ہے کہ اُن سے غلطی کسی بے دھیانی کا نتیجہ نہیں بلکہ قرآن پاک، حدیث مبارکہ کا مفہوم بگاڑنا اور مفسرین کرام کی عمداً مخالفت اختیار کرنا ہے جس کا برملا اظہار بھی کر دیا۔ کہ اپنے اس غلط دعوے پر یہ دلیل تراشی: "وجہ یہ ہے اگر خوشی ہوتی تو دوزجریں نہ ہوتیں"۔

صاحبِ کتاب کے زعم فاسد میں چونکہ رسول اللہ ﷺ تحویل قبلہ کے حکم پر خوش نہ تھے کعبہ کیطرف منہ کرنا آپکو پسند نہ تھا بلکہ اس حکم پر تنگ دل ہوئے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے

رسول ﷺ کو دو زجریں فرمائیں۔ یعنی اس موقعے پر دو دفعہ جھڑکا، ڈانٹا۔
واقعی تعصب آدمی کو اندھا کر دیتا ہے۔

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

خانصاحب ہی اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس مسئلہ پر کون سی دو زجریں فرمائیں؟

۸: اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں اپنے حبیب کریم ﷺ پر اپنے خصوصی انعام واکرام کو حسین انداز میں ذکر کرنے کے بعد اہل ایمان کو حکم فرماتا ہے: ﴿یَااَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً﴾ اے ایمان والو تم بھی ان پر صلوٰۃ اور خوب سلام بھیجو۔ اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو جس کا حکم دیا گیا ہے اس کا مفہوم ایک حد تک ہر مومن مرد عورت بلکہ سمجھدار بچوں کو بھی پتہ ہے۔ شاید ہی کوئی مجلس ہو جس میں اس پر عمل نہ ہوتا ہو اور شاید ہی کوئی صاحب علم ایماندار ہوگا جو درود و سلام کے معانی، فضائل اور مسائل پر اپنے اپنے انداز میں گفتگو نہ کرتا ہو۔ مگر خانصاحب کے مرشد کامل نے اس مقام پر بھی جو تفسیری تحقیق فرمائی ہے اُسے بھی ملاحظ فرمالیں چنانچہ لکھا:

"اور اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ سے لے کر اِثماً مبیناً" تک اول تو مومنوں کو کہا گیا کہ تم آفریں آفریں کرو جس طرح اللہ تعالیٰ اور ملائکہ آفرین کر رہے ہیں کہ یا رسول واہ واہ تو نے اپنے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ یہ معنی مثنوی والا نے کئے ہیں اور بخاری میں ہے۔ صلاۃ اللہ ثناءہ" انتہی بلفظہٖ بلغۃ الحیر ان ص ۲۶۶

قرآن پاک کی تفسیر قرآن وحدیث اور اس کے بعد درجہ بدرجہ اہل علم سے حاصل کی جاتی ہے، اس مقام پر تفسیر قرآن کا حق ادا کر دیا گیا ہے، جس کا مفہوم یہ سمجھا جاسکتا ہے۔ "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ" جیسے کلمات کی ادائیگی سے صَلُّوْا عَلَیْهِ

وَسَلِّمُوْا کے حکم پر عمل نہیں ہوگا۔ بلکہ "آفرین آفرین یا شاباش شاباش یا داد
رسول آپ نے خوب اللہ کے حکم کی تعمیل کی" پڑھنے سے اس آیت پر عمل ہوگا۔ صاحب
کتاب کے تلامذہ و معتقدین کو چاہیئے کہ درود ابراہیمی پڑھنے کی بجائے مذکورہ
"دیو بندی درود" کو وظیفہ بنائیں۔

مفسر مذکور نے یہ بھی فیصلہ کر دیا کہ "درود و سلام پڑھتے وقت جب تک یا رسول
نہیں پکاریں گے آیت پر عمل نہیں ہوگا۔" (مثنوی اور بخاری کی عبارت سے استشہاد
بحث کو چھوڑا جاتا ہے) یہ تفسیری نکتہ صاحب کتاب کی تحقیقِ تفسیر ہے۔ اگلے صفحہ پر فوائد میں
لکھتے ہیں:

"اے مومنو! اللہ تعالیٰ اور ملائکہ رسول صلعم پر آفریں کر رہے ہیں کہ
اللہ تعالیٰ کی تابعداری میں حکم کی اشاعت خوب طرح سے کی تم بھی آفرین کہو
تہمت نہ دو۔" (بلفظہٖ بلغة الحیران ص ۲۶۷)

قارئین کرام! یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس آیت کریمہ کے تحت مفسر نے صلوٰۃ وسلام
کے بارے میں اس سے زائد کچھ نہیں لکھا۔

اپنی اپنی پسند ہے، کوئی درود ابراہیمی اور دیگر صیغوں کے ساتھ صلوٰۃ وسلام کا حکم
لاتا ہے تو کوئی " اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ " پڑھتا ہے یا اس آیت کی رو
میں بصورت نظم " یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک " پڑھتا ہے جبکہ
صاحب تفسیر "شاباش شاباش یا رسول" کے وظیفہ کو افضل جانتا ہے۔

"وللناس فیما یعشقون مذاهب"

قارئین محترم! بلغة الحیران نامی تفسیر میں جو تحریفی تجدید کی گئی ہے ان سب کا بیان
نہیں ہوسکتا، مشتِ نمونہ از خروارے کچھ مقامات کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ اردو عبارات
ہیں، تعصّب اور جانبداری سے بالاتر ہو کر ان مقامات کو پڑھیں اور سمجھیں اور پھر ضمیر کے
فیصلہ کو مشعلِ راہ بنائیں۔

آخر میں اہل علم کے فائدہ کیلئے صاحب کتاب کے مبشرات کو پیش کیا جاتا ہے۔

تفسیر بلغة الحیران اور صاحب تفسیر کا مقام:

کتاب پر تبصرہ کے بعد یہ بتانا بھی نہایت مناسب ہوگا کہ مولوی حسین علی اور اسکی تفسیر کی اللہ تعالیٰ جل جلالہ، رسول اللہ ﷺ اور دیگر اہل اللہ کے ہاں کتنی قدر و منزلت ہے اور کتنا بلند مقام ہے؟ اس مقام و مرتبہ کو لوگوں کے دلوں پر جمانے کیلئے کتاب کے آخر میں "مبشرات" تحریر ہیں۔ ان پر نظر ڈالنے سے پہلے تحریر کیا جاتا ہے کہ اہل اسلام کے ہاں مبشرات کا کیا مفہوم ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں اولیائے کرام کے متعلق فرمایا:

﴿ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ لَاتَبْدِیْلَ لِكَلِمَاتِ اللهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ " (سورہ یونس آیت ۶۴)

انہیں خوش خبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں یہی بڑی کامیابی ہے۔ (کنزالایمان)

قرآن اور حدیث میں اہل ایمان کو نصیب ہونے والی بشارتوں کا کئی طرح ذکر ہوا ہے جن میں سے کامل مومن کا خود اپنے لئے یا کسی اہل ایمان کا اسکے بارے میں سچے خوابوں کا دیکھنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے " لَهُمُ الْبُشْرٰى " کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

" اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ یَرَاهَا الْمَرْءُ اَوْ تُرٰى لَهٗ "

بُشریٰ صحیح سچا خواب ہے جسے خود کوئی شخص دیکھتا ہے یا اس کے متعلق کسی اور کو دکھایا جاتا ہے۔

اہل علم ایسے سچے خوابوں کو کسی کے حق میں جمع کرتے ہیں تو انہیں مبشرات کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں یوں ہی بلغة الحیران کے آخر میں مبشرات کے عنوان سے درج ہے۔

مبشرات:

مبشرات عربی میں ہے۔

☆ رأیت سیدی محمد عثمان

میں نے اپنے آقا محمد عثمان کو دیکھا قرآن حکیم کی

اعطانی تفسیرالقرآن صغیر الحجم فقلت اھو تفسیر جمیع القرآن قال نعم

چھوٹے سائز کی تفسیر دی تو میں نے کہا یہ سارے قرآن کی تفسیر ہے تو آپ نے کہا ہاں۔

☆ ورأیت انی اعطیتُ التفسیر من الرب تعالٰی.

اور میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے تفسیر عطا کی گئی

☆ و رأیت انه علیه الصلٰوۃ والسلام اخذنی فی حجره وادخل لسانه المبارک فی فمی والقی لعابه فی فمی

اور میں نے دیکھا کہ تحقیق نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھے اپنی گود میں لیا اور اپنی زبان مبارک میرے منہ میں داخل کی اور اپنا لعاب میرے منہ میں ڈالا۔

☆ و راأیت ان علیا رضی اللہ تعالٰی عنه یأمرنی بتصنیف تفسیر القرآن

اور میں نے دیکھا بیشک علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن حکیم کی تفسیر لکھنے کا مجھے حکم دیتے ہیں

☆ ورأیت ان اللہ تبارک وتعالٰی یقول لی غفرت لک ولمن اتبعک.

اور میں نے دیکھا بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ سے کہا کہ تجھے اور تیرے پیروکاروں کو میں نے بخش دیا۔

☆ رأیت ان رسول اللہ ﷺ عانقنی وذھب بی فی معانقته علی الصراط (ای پلصراط)

میں نے دیکھا بیشک رسول اللہ ﷺ نے مجھے معانقہ فرمایا اور معانقہ کی حالت ہی میں مجھے پل صراط پر لے گئے۔

رأیت ان رسول اللہ ﷺ کتب لی ضمینة ...... ختم علیه بیدهِ المبارک وکان معه اکثر الاکابر،

میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ نے میری خاطر ایک ضمانت نامہ لکھا اور اپنے دست مبارک سے مہر لگائی آپ کے ہمراہ اکثر اکابر موجود تھے

☆ دعوت عند بیت اللہ الحرام ثم جئت عند رسول اللہ ﷺ فقلت

میں نے بیت اللہ شریف کے قریب دعا مانگی پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔

"الصلٰوۃ والسلام علیک یارسول اللہ " "فعانقنی ﷺ و علمنی اللطائف والاذکار

اور میں نے کہا (الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ) پس رسول اللہ نے مجھے گلے لگایا اور مجھے لطائف واذکار کی تعلیم دی

☆ ورأيت انه' يسقط فامسكته واعصمته عن السقوط فعبرت في ذلک الوقت ان المراد اقامة دينه ومحو الشرک.	اور میں نے دیکھا بیشک آپ گرتے ہیں تو میں نے تھام لیا اور گرنے سے بچالیا۔ میں نے اس وقت یہ تعبیر کی کہ اس سے مراد آپ کے دین کو قائم کرنا اور شرک کو مٹانا ہے۔
☆ قيل لي من يخالفک في التوحيد هم دجالون کذابون.	مجھ سے کہا گیا جو تیری مخالفت کرے گا توحید میں وہ دجال کذاب ہیں۔
☆ وقعدت عند مزار الامام الرباني فقال لي في المکاشفة بيان مسئلة التوحيداعلیٰ درجة عن السلوک	میں امام ربانی کے مزار پر بیٹھا (مراقبہ کیا) تو آپ نے کشف کی حالت میں مجھ سے کہا مسئلہ توحید کا بیان سلوک سے اعلیٰ درجہ ہے
☆ ورأيت الانبياء کلهم من آدم الی نبينا صلی الله عليهم والسلام کلهم ينادون بأعلیٰ نداء ان من دعا غير الله تعالیٰ معتقداً انه' يعلم ويسمع فهو کافرٌ	میں نے سب کے سب انبیاء کو دیکھا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی ﷺ تک تمام کے تمام بلند آواز کے ساتھ ندا دے رہے تھے جس نے غیر اللہ کو پکارا اس اعتقاد کے ساتھ کہ وہ جانتا ہے اور سنتا ہے تو پس وہ کافر ہے۔

نوٹ: بلغۃ الحیران طبع اول کے آخر میں آٹھ صفحات کا لاحقہ ہے جس میں حسین علی صاحب کی سندات، اجازت نامے درج ہیں۔ صفحہ نمبر ۸ یعنی آخری صفحہ کے بالکل آخر میں یہ مبشرات ہیں۔ جبکہ طبع دوم بلغۃ الحیر ان ناشران مکتبہ حنفیہ گوجرانوالہ و مکتبہ سعیدیہ مینگورہ سوات کے آغاز میں آٹھ صفحات ہیں صفحہ ۸ پر یہ مبشرات ہیں۔

اہل علم کے فائدہ کیلئے مبشرات اور چند متفرق مقامات سے عبارات لکھ دی ہیں۔ عمداً کسی لفظ کا نہ ان کے حق میں اضافہ کیا اور نہ کاٹا گیا۔

اس اندراج کی ایک وجہ یہ ہے کہ کتاب کمیاب ہے۔ دیوبندی مکتبوں والے اہلسنت

کو یہ کتاب فراہم نہیں کرتے اور دیو بندی مولوی حوالہ دیکھنے کیلئے بھی نہیں دیتے اگرچہ اہلسنت کے بہت سے علماء نے بڑی کوششوں سے کچھ نسخے حاصل کر لئے ہیں مگر اکثریت کے پاس اب بھی یہ کتاب نہیں ان سے گذارش ہے کہ پورے اعتماد کے ساتھ خادم اہلسنت کی نقل کردہ عبارات کو بطور حوالہ پیش کر سکتے ہیں۔

مبشراتِ بُلغہ کا ماحصل:

اصل عبارت لکھ دینے کے بعد کسی قسم کا تبصرہ اگرچہ اہل علم کیلئے ملالت طبع کا باعث ہوگا مگر غالب گمان ہے کہ کچھ قارئین کرام کیلئے یہ فائدہ بخش ہوگا بایں وجہ مبشرات کا ماحصل اوران کے کچھ فوائد بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) فیضان ولی:

یہ تفسیر ایک ولی اللہ شیخ محمد عثمان کا روحانی عطیہ ہے اور یہ قرآن کے بعض مقامات کی تفسیر نہیں بلکہ پورے قرآن پاک کی تفسیر ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا عطیہ:

اللہ تعالیٰ نے عالم خواب میں حسین علی کو قرآن پاک کی تفسیر عطا فرمائی لہذا ان کی تفسیر کو ''خدائی تفسیر'' سمجھنا چاہیے کسی انسان کی تفسیر بالرائے نہیں۔

(۳) رسول اللہ ﷺ کا اکرام:

نبی مکرم ﷺ نے صاحب کتاب کو پیارے بچوں کی طرح پیار سے گود میں لیکر نہ صرف لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا بلکہ وہ زبان مبارک جس کی ہر بات وحی خدا ہے وہ لسان مبارک اسکے منہ میں ڈال کر علم وفضل سے مالا مال کر دیا۔ اور یاد رہے! حسین علی پر یہ انعام محض خواب کا واقعہ نہ سمجھا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھنے والا سچ مچ آپ ہی کو دیکھتا ہے۔ شیطان لعین آپ کی مثال بن کر خواب میں بھی دھوکہ نہیں دے سکتا۔

(۴) مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کا حکم:

امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ارشاد سے تفسیر لکھی گئی کیونکہ آپ نے تفسیر قرآن لکھنے کا حکم دیا۔

(۵) بُشریٰ عظیمہ:

اللہ تعالیٰ نے حسین علی اور اس کے سب پیروکاروں کو بخش دینے کا وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ کا وعدہ کب ٹلتا ہے۔ مولوی صاحب کے اتباع کرنیوالوں کو جن میں یقیناً خانصاحب بھی شامل ہیں مغفرت کی بشارت مل چکی ہے۔

(۶) پل صراط سے گزر:

صاحب کتاب کو یہ بشارت بھی ملی کہ پل صراط سے رسول اللہ ﷺ کیساتھ معانقہ کرتے ہوئے گزر ہوا، اس میں بشارت ہے کہ بڑے اعزاز کیساتھ پل صراط سے گزر ہوگا۔

(۷) دربار رسالت سے ضمانت نامہ:

نبی مختار ﷺ نے حسین علی صاحب کی بخشش ونجات، حفاظت وصیانت کی ضمانت دی، خود اپنے دست مقدس سے ضمانت نامہ لکھ کر دیا اور مہر مبارک ثبت فرمائی۔ جس شخص کے آپ ضامن ہوں اس کو کیا خطرہ؟

ناظرین باتمکین! خیال رہے کہ ضامن بااختیار ہی بن سکتا ہے۔ بے اختیار کی ضمانت کا کیا فائدہ؟ خانصاحب کے عقیدہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ تو ضامن بن سکتے ہی نہیں۔ اصل میں اللہ تعالیٰ ضامن ہے، آپ کی طرف نسبت مجازی ہے۔ تاہم اس مسئلہ میں اور تقویت پیدا ہوگئی اللہ تعالیٰ نے خود ضمانت نامہ رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے حسین علی کو لکھ دیا۔

(۸) دربار رسالت میں مقبول درود وسلام:

خانصاحب کے شیخ واستاد، رئیس الموحدین نے رسول اللہ ﷺ کے دربار میں "

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ" کے ساتھ نذرانہ عقیدت پیش کیا جس سے معلوم ہوا کہ: " الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ" پڑھنا آنحضرت ﷺ کو پسند ہے؛ لہٰذا اس درود وسلام سے منع کرنیوالے بلکہ اس کے متعلق نامناسب الفاظ کہنے والے اپنا انجام خود سوچ لیں۔

(۹) رسول اللہ ﷺ کو گرنے سے بچانا:

حسین علی نے رسول اللہ ﷺ سے معانقہ کرنے کا شرف پایا۔ آپ ﷺ سے صوفیانہ اذکار وظائف کی تعلیم بھی حاصل کی۔ ایسے وقت میں رسول اللہ ﷺ کو گرتے ہوئے دیکھ کر حسین علی نے آپ کو گرنے سے بچالیا۔

(۱۰) مصنف کتاب کے مخالفین دجال ہیں:

خانصاحب کے شیخ کو یہ عظیم بشارت بھی دی گئی کہ جو بھی مسئلہ توحید میں تجھ سے اختلاف کرتا ہے کذّاب ودجّال ہے۔

جناب اشرف علی صاحب تھانوی اور مفتیان دارالعلوم دیوبند اور دیگر دیوبندی علماء جنہوں نے حسین علی کے اختراعی عقائد ومسائل سے اختلاف کیا اور بلغۃ الحیران پر تنقید کی، کیا ان علمائے دیوبند کو بھی دجال وکذّاب ہونے کا اعزاز حاصل ہے؟

۱۱: کشف القبور واطلاع علی الغیب:

خانصاحب کے شیخ کو کشف القبور کی نعمت بھی حاصل تھی یعنی اہل قبور سے ملاقات کر کے برزخ کے حالات معلوم کرلیتے اور وہ غیبی حالات ان پر منکشف ہوجاتے۔ مزار کے پاس مراقبہ کر کے عالم غیب میں رہنے والے صاحب مزار سے ہمکلام ہوکر مسائل پر تبادلہ خیال بھی کرتے تھے۔

استفتاء: کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام ! دور دراز کا سفر کر کے اہل اللہ کے مزارات کی زیارت کرنا۔ باادب بیٹھ کر مراقبہ کرنا۔ صاحب قبر سے ملاقات کرنا، ہم کلام ہونا

اوران سے فائدہ حاصل کرنا، شرعاً کیسا ہے؟ کیا یہ جواز صرف حضرت شیخ حسین علی ہی کو حاصل تھا یا اور بھی کسی کیلئے جائز ہے؟

(۱۲) تمام انبیاء علیہم السلام سے ملاقات:

صاحب کتاب نے حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم النبییّن ﷺ تک سب کے سب انبیاء علیہم السلام کی زیارت کی۔ کوئی باقی نہ رہا جس کی زیارت نہ کی ہو۔ صاحب کتاب کے وہ عقیدت مند غور کریں جن کے عقیدہ میں رسول اللہ ﷺ کو بھی سب انبیاء علیہم السلام کا علم نہیں بلکہ بعض انبیاء کرام کا آپ کو علم دیا گیا ہے۔ فتدبروا۔

(۱۳) غیر اللہ کو پکارنے والے پر متفقہ فتوٰی:

صاحب بلغۃ الحیران کے مطابق تمام انبیاء کرام علیہم السلام پکار پکار کر یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ جو کوئی بھی اللہ کے سوا کسی اور کو آواز دے کر پکارے اور یہ سمجھے کہ میری آواز کا اس کو علم ہو گیا ہے ایسا عمل کرنے والا کافر ہے۔

اسی بلغہ میں ایک فتوٰی کا الحاق کیا گیا ہے جس میں لکھا ہے کہ ایسے شخص کو کافر نہ سمجھنے والا بھی کافر، اس فتوے میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایسے لوگوں کا نکاح نہیں ہوتا اور اولاد حلال کی نہیں، حرام کی ہوگی۔

استغفر اللہ العظیم لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیّ العظیم.

کھلا چیلنج:

حسین علی واں بچھروی کے اس فتوٰی کے لحاظ سے کہ جو ساری اُمّت پر داغا گیا ہے اور نہ جانے کہاں کہاں تک اسکے نجس چھینٹے پڑتے ہیں۔ اس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں، مگر اتنا کہنا از بس ضروری ہے کہ اس فتوے کے لحاظ سے کوئی دیوبندی خصوصاً جناب محمد قاسم نانوتوی صاحب، اشرف علی تھانوی صاحب، ان سب کے پیرو مرشد حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نیز حضرت شیخ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور انکے

خاندان کے افراد حسین علی کے فتوی کے مطابق سب کافر و مشرک ہیں۔

بغیر کسی لگی لپٹی اور ابہام کے یہ کہہ سکتے ہیں اس فتوی کو درست سمجھنے والا کوئی دیو بندی وہابی اپنے اکابر کو کفر کے فتوی سے ہرگز ہرگز نہیں بچا سکتا۔

بلغۃ الحیران پر تنقیدی بحث کو مختصر کرتے ہوئے خانصاحب کا ہی بیان کردہ شعر خانصاحب کی نذر کرتا ہوں اگر وہ تلخ نوائی نہ کرتے تو یہ عیب نہ کھلتے۔

دیکھ اے دل نہ چھیڑ قصہ زلف
کہ یہ ہیں پیچ و تاب کی باتیں

مذکورہ بالا عبارت کی تصحیح و تغلیط اور تجزیہ اہل علم کی ذمہ داری ہے جن سے حقیقت پوشیدہ نہیں۔ بلغۃ الحیران نامی تفسیر میں عقائد اہل سنت کے خلاف بہت سی عبارات پائی جاتی ہیں ان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے چند مقامات باحوالہ پیش کر دیئے گئے ہیں، ایک ایک پر تبصرہ کیلئے ضخیم کتاب کی حاجت ہے۔

﴿واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم﴾

☆☆☆☆☆

مقصد اول:

☆ جبر واختیار

☆ قدرت

☆ فعل، اختیار، تصرف

(۱) امور تکوینی

(۲) امور تشریعی

☆ نبی کریم ﷺ کا شارع ہونا

☆ امورِ تکوینیہ میں تصرف

(بطور کاسب ......نہ...... بطور خالق)

☆ امام اہل سنت رحمہ اللہ اور مسئلہ اختیارات

معزز قارئین وناظرین!

ابتداءِ مقدمہ میں تذکرہ ہوا کہ اس جہان میں ایک ایسا فرقہ بھی گذرا ہے جو انسان کو متصرف ومختار نہیں مانتا اور ''افعال العباد اختیاریۃ'' کا منکر ہے۔ اس کے نظریہ باطل کا تذکرہ اور موجودہ دور میں اُن کے درپردہ تبعین کی بعض کارستانیوں کی نقاب کشائی کی گئی۔

ان شاء اللہ الرحمٰن کتاب ہذا میں اس مسئلہ پر بحث ہوگی کہ:

١...... انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، ملائکہ عظام اور اولیاء الرحمٰن کو کیسے اور کس حد تک کے اختیارات وتصرفات حاصل ہیں؟

٢...... متصرف فی الامور ہیں یا کہ نہیں؟

اس بحث کی تفصیلات کو ''مقاصد سبعہ'' میں بیان کیا جائیگا تا کہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہے۔ مقصد اول ''امور تکوینی اور امور شرعی'' کی تشریحات وتوضیحات سے متعلق ہے تاہم اس بحث کو سمجھنے سے پہلے تمهید و توطئہ کے طور پر ''جبر واختیار'' کی بحث پر چند ضروری تشریحات وتوضیحات ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ جبر واختیار کی تحقیق مزید:

قارئین محترم! یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ انسان کے متصرف ومختار ہونے میں بعض لوگوں کا اختلاف ہے اور اس مسئلہ پر بحث کرنے والی تین مشہور جماعتیں ہیں: قدریہ، جبریہ، اہل سنت، جن کا کچھ تعارف گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے۔

اب دیکھتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اولیائے کرام اور ملائکہ عظام کو کس حد تک اختیارات وتصرفات حاصل ہیں؟ یہ نفوس قدسیہ متصرف فی الامور ہیں کہ نہیں؟

اس پر کچھ لکھتے ہوئے تعجب تو اس بات پر ہوتا ہے کہ جو لوگ مطلق انسان کو خود مختار ثابت کرنے کیلئے خداوند قدوس کو (العیاذ باللہ) جاہل مان بیٹھے وہ ہر وقت خلوت وجلوت، محراب ومنبر پر یہ صدائیں بلند کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام ایک ذرہ کے بھی مالک ومختار نہیں۔ نہ ذاتی طور پر نہ عطائی طور پر بلکہ انبیائے کرام اور اولیاء الرحمان کو مدبر ومتصرف فی الامور ماننا شرک وکفر ہے۔ جب اُن کے اس مطلق قول پر مؤاخذہ کیا جاتا ہے، جواب طلبی ہوتی ہے تو امورِ تکوینی یا تصرفات ما فوق الاسباب جیسی اصطلاح کی آڑ لے کر تکفیر و تضلیل کے تیر پھینکتے ہیں اور مسلمانوں کے احساسات کو مجروح کرتے ہیں؛ لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے اس قسم کی اصطلاحات ودیگر چند مفید وکارآمد امور ذکر کردیئے جائیں تاکہ آئندہ فہمِ مطالب میں آسانی ہو اور بار بار اعادہ کی ضرورت نہ رہے۔

قدرت، فعل، تصرّف کے معانی ومفاہیم:

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنی قدرت کاملہ سے حیوانات خصوصاً حضرت انسان میں ایک پوشیدہ جوہر صلاحیت واستعداد رکھی ہے، جس کی بدولت اپنے اعضاء وجوارح کو مختلف

حرکات دیتا ہے۔ اسے ''قدرت'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ وہ خواہش وصلاحیتِ استعداد جو اس قدرت کو بروئے کار لاتی ہے اسے ''ارادہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اپنے ارادہ کے ذریعے قدرت کو استعمال کرنے سے جو اثرات پیدا ہوتے ہیں ان کو ''فعل، حرکات اور اثر'' وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قدرت کو استعمال کر کے مطلوبہ اثرات حاصل کرنے کی سعی ''تصرّف'' کہلاتی ہے۔

طلب، علم، ارادہ، تصرف اور اثر و فعل:

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مقصد و کام سے پہلے طلب وخواہش پیدا ہوتی ہے جسے انفعال کہا جاتا ہے، پھر اس طلب کا علم، بعد میں اسے پانے کا ارادہ وقصد، پھر مناسب اسباب وذرائع کا استعمال وتصرف۔ تب جا کر انسان مقصد کو پاتا ہے۔ **طلب، علم، ارادہ، تصرف** اور **اثر و فعل** سب اللہ تعالیٰ کے ''خلق'' سے ہیں۔

اختیار واجبار:

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قدرت وطاقت سے بندے کا اپنے قصد وارادہ سے کام بجا لانا ''اختیار'' ہے۔ چونکہ افعال وحرکات کی تخلیق میں انسان کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ اس پر نظر کریں تو انسان ''مجبور'' دکھائی دیتا ہے۔ مگر عام مشاہدہ اور بداہت عقل شہادت دیتے ہیں کہ ہوا میں لہرانے والے درخت، فضا میں پھینکے ہوئے پتھر کی حرکت اور حضرت انسان کی حرکات وافعال میں واضح فرق ہے، جس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ بدیں وجہ ایسی توجیہہ کی حاجت ہے کہ عظمت خداوندی میں کسی نقص کی نسبت بھی نہ ہو اور بداہت ومشاہدہ کو بھی نہ ٹھکرایا جائے۔ اس حقیقت کو ''مسئلہ جبر وقدر'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

آج کل اگرچہ یہ مسائل اتنے زیر بحث نہیں مگر کچھ عرصہ پہلے ان مسائل پر بحث و مباحثہ کا زور تھا۔ انہیں مشکل مسائل سے شمار کیا جاتا تھا۔ قدریہ ومعتزلہ اور جبریہ نے گمراہ کن اندازِ فکر اپنا رکھا تھا۔ معتزلہ کے طرزِ استدلال سے جبریہ کا طرزِ استدلال زیادہ نازک

اور پُرفریب تھا۔ ان کے اندازِ استدلال میں اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ غالبہ، عظمتِ الوہیت، حاکمیت اعلیٰ اور ساتھ ہی مسئلہ تقدیر سے متعلق نصوص کے پہلو کا بھی تذکرہ ہوتا ہے۔ جس سے لغزش کھانے کا بہت ڈر تھا۔ بہت سے لوگ راہِ حق سے پھسل بھی گئے۔ مسئلہ کی نزاکت کے باعث اہل علم **''اختیار عبد''** کے مسئلہ کو زیر بحث لاتے رہے۔ درج ذیل میں ایک فاضل بزرگ کے کچھ تبرکات پیش خدمت ہیں۔ فرماتے ہیں:

''انسانوں کی بہت سی حرکات وافعال کا صدور قصد وارادہ کے بغیر ہوتا ہے، ان کے اظہار میں بندوں کا دخل واختیار نہیں۔ ایسی حرکات کو غیر اختیاری افعال کہا جاتا ہے، جیسے خواب وبے ہوشی میں سانس لینا، ہاتھ پاؤں کو جنبش دینا وغیرہ، جن سے بعض اوقات عجیب اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ بھی واضح حقیقت ہے کہ بکثرت بندہ اپنے کام قصد واختیار سے کرتا ہے۔ وہ اچھے و ضروری افعال ہوں تو ان کو انجام دینے سے انسان کو اجر وثواب حاصل ہوتا ہے اور چھوڑنے پر سزا کا مستحق قرار پاتا ہے، اگر وہ افعال برے وناجائز ہوں تو قصداً ترک کرنے پر اجر اور بجا لانے پر معصیت وعذاب ہوتا ہے۔ باوجودیکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومشیت کے تحت ہے، مگر پھر بھی بندے کو **''مختار''** بنایا ہے۔ وہ ہر کام میں **''مجبور محض اور مضطر''** نہیں ہے۔ ثواب و عذاب اسی **''اختیار''** پر منحصر ہے جو انسان کو حاصل ہے۔

جبر و اختیار:

اس مسئلہ کو تفصیلی طور پر سمجھنے کیلئے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ ''جبر و اختیار'' کے معانی سمجھ لئے جائیں۔ آدمی سے جو کام صادر ہوتے ہیں اسکی دو قسمیں ہیں: پہلے وہ کام جن کا تصور آتے ہی اگر اسکی طبیعت کے موافق ہو تو اس کے دل میں اس کام کے سرانجام دینے کی خواہش پیدا ہو اور اس خواہش کی تکمیل کیلئے قدم اٹھائے، لیکن اگر وہ چیز اس کی طبیعت کے خلاف ہو اور

اس کے دل میں نفرت وکراہت پیدا ہوا اور اس کے نہ کرنے کی کوشش کرے حالانکہ اس کے کرنے اور نہ کرنیکی خواہش کے پیدا ہونے سے پہلے اسکا کرنا اور نہ کرنا برابر تھا اور ممکن تھا اُسے کرتا یا نہ کرتا، خواہ مرتبہ تصور میں جو فعل کے ساتھ قوّت قریبہ ہے یا تصور سے جو مرتبہ فعل سے دور تر ہے، آدمی کی اس حرکت کو **"حرکت اختیاری"** کہتے ہیں اور جو فعل اس حرکت پر مترتب ہو **"فعل اختیاری"** کہلاتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کام سے پہلے اس کی خواہش وشوق پیدا ہی نہ ہو، مگر رعشہ والے کی طرح خواہش کے بغیر ہی کوئی حرکت صادر ہو جائے۔ ایسی حرکت کو **"جبری یا اضطراری"** کہتے ہیں۔

اندریں حالات صورت اوّل کے سامنے **"اختیار"** سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا، اس قسم کے اختیار کا انکار ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کہنے لگے کہ انسان کے کان، اور آنکھ نہیں ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ انسان کی تمام حرکات اور افعال دوسری قسم یعنی **"مرتعش"** کی طرح ہیں یہ جس سے انکار کرتا ہے اسے کوئی عاقل تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔

(تکمیل الایمان اور اس کی شرح سے ماخوذ)

فرقہ جبریہ کا طرز استدلال بظاہر مضبوط، سنجیدہ، غور وفکر کا متقاضی ہے مگر حقیقتاً نہایت کمزور اور بداہۃً باطل ہے۔ (خانصاحب گکھڑوی اور انکے ہمنوا لوگ اکثر جبریہ کا انداز استدلال اپنائے ہوئے ہیں) جبریہ سب انسانوں کیلئے مجبور و بے اختیار ہونے کا کہتے ہیں، جب کہ یہ گروہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کو بے اختیار ثابت کرنے کیلئے ایسے ہی دلائل پیش کرتا ہے۔

"فرقہ جبریہ" کے قوی استدلال اور اس کے رد میں علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں:

لَمَّا ثَبَتَ بِالْبُرْهَانِ أَنَّ الْخَالِقَ هُوَ اللهُ تَعَالٰى وَ بِالضَّرُوْرَةِ أَنَّ لِقُدْرَةِ الْعَبْدِ وَإِرَادَتِهٖ مَدْخَلًا فِي بَعْضِ الْأَفْعَالِ كَحَرْكَةِ الْبَطْشِ دُوْنَ الْبَعْضِ كَحَرْكَةِ الْاِرْتِعَاشِ احْتَجْنَا فِي التَّفَصِّيْ عَنْ هٰذَا الْمَضِيْقِ إِلَى الْقَوْلِ بِأَنَّ اللهَ خَالِقٌ وَالْعَبْدَ كَاسِبٌ

جب دلیل سے ثابت ہے کہ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور واضح طور پر یہ بات بھی ثابت ہے کہ بندہ کی قدرت اور ارادہ کو بعض افعال میں دخل ہے جیسے کسی شے کو پکڑنے والے کی حرکت، بعض کاموں میں قدرت وارادہ کا دخل نہیں جیسے رعشہ والے کی حرکت، اس مشکل مقام کے حل کیلئے ہم نے اس قول سے استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ خالق اور بندہ کاسب۔

وَ تَحْقِيْقُهٗ أَنَّ صَرْفَ الْعَبْدِ قُدْرَتَهٗ وَإِرَادَتَهٗ إِلَى الْفِعْلِ كَسْبٌ، وَ إِيْجَادُ اللهِ تَعَالٰى الْفِعْلَ عَقِيْبَ ذٰلِكَ خَلْقٌ، وَالْمَقْدُوْرُ الْوَاحِدُ دَاخِلٌ تَحْتَ قُدْرَتَيْنِ لٰكِنْ بِجِهَتَيْنِ مُخْتَلِفَتَيْنِ فَالْفِعْلُ مَقْدُوْرُ اللهِ تَعَالٰى بِجِهَةِ الْإِيْجَادِ وَ مَقْدُوْرُ الْعَبْدِ بِجِهَةِ الْكَسْبِ.

اسکی تحقیق یہ ہے کہ بندے کا کسی کام کی طرف اپنی قدرت وارادہ کا صرف کرنا ''کسب'' ہے (یعنی انسان کا اپنے قصد وارادہ سے کوئی کام کرنا بندے کا کسبی فعل ہے) اور اس کے ارادہ کے بعد اللہ تعالیٰ کا اس فعل کو پیدا کرنا خلق ہے۔ایک ہی فعل دو قدرتوں (اللہ تعالیٰ اور بندہ کی قدرت) کے تحت ہے، لیکن دو مختلف جہتوں سے تو وہ ایک فعل اللہ تعالیٰ کا مقدور ایجاد کے لحاظ سے اور بندے کا مقدور کسب کے لحاظ سے۔

(شرح عقائد نسفی ص ۱۵۴، ۱۵۵ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

قارئین باتمکین! اس کلام کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ: جس کام، فعل میں انسان کی قدرت وارادہ کو دخل ہو وہ بندے کا ''اختیاری فعل'' کہلاتا ہے۔ایک ہی فعل کے ساتھ دو قدرتوں کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت بطور ایجاد و خلق اور انسان کی قدرت بطور کسب۔اللہ تعالیٰ خالق ہے بندہ کاسب۔

''اس فائدہ کو یاد رکھا جائے، آئندہ ابحاث کے سمجھنے میں بہت سُود مند ہوگا۔''

مفسرین، محدثین، متکلمین اور صوفیاء کرام میں سے شیخ ابوالحسن اشعری، مولانا روم

اور امام ربانی مجدد الف ثانی وغیر ہم رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی تصنیفات میں اس مشکل کا نفیس حل فرمایا ہے۔ سب نے یہی تحقیق فرمائی کہ: بندے سے صادر ہونے والا فعل اللہ تعالیٰ کا مقدور ہے بطور خلق وایجاد اور بندے کا مقدور بطور کسب، حزبِ مخالف اہل علم کی ان تحقیقات کا ذرہ بھر بھی لحاظ رکھتا تو شرک کی تلوار سے ہر ایک کو زخمی نہ کرتا۔

امام اہل سنتؒ اور مسئلہ اختیارات:

امام اہل سنت احمد رضا خان سنی حنفی قادری محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر دلائل عقلیہ سے مبرہن نفیس بحث کی ہے اس سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے مسئلہ کی وضاحت کے ساتھ ساتھ علماء اہلسنت بریلوی کے ''اختیار عبد'' کے بارے میں عقیدہ معلوم ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''صاحبو! تمہاری اور پتھر کی حرکت میں فرق کیا تھا؟ یہ کہ وہ ارادہ واختیار نہیں رکھتا اور تم میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت پیدا کی، عجب عجب کہ وہی صفت جسکے پیدا ہونے سے تمہاری حرکات کو پتھر کی حرکات سے ممتاز کر دیا اسی کی پیدائش کو اپنے پتھر ہو جانے کا سبب سمجھو! یہ کیسی الٹی مت ہے۔ (جیسے جبریہ اور ان کے ہمنواؤں کا عقیدہ ہے)

اللہ تعالیٰ نے ہماری آنکھیں پیدا کیں ان میں نور خلق کیا اس سے ہم انکھیارے ہوئے نہ کہ معاذ اللہ اندھے، یوں ہی اس نے ہم میں ارادہ واختیار پیدا کیا اس سے ہم اس کی عطا کے لائق مختار ہوئے نہ کہ الٹے مجبور، ہاں یہ ضرور ہے کہ جب وقتاً فوقتاً ہر فردِ اختیار بھی اس کی خلق اُسی کی عطا ہے، ہماری اپنی ذات سے نہیں تو ''مختار کردہ'' ہوئے ''خود مختار'' نہ ہوئے۔ پھر اس میں کیا حرج ہے؟ بندے کی شان ہی نہیں کہ ''خود مختار'' ہو سکے نہ جزا وسزا کے لئے خود مختار ہونا ہی ضرور، ایک نوع اختیار چاہئے۔''

(تکمیل الایمان تصنیف حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حواشی اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی نوراللہ مرقدہ ص ۵۱، ۵۲ مکتبہ نبویہ لاہور)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے افادۂ جلیلہ سے مسئلہ جبر و اختیار پر روشنی ڈالنے کے علاوہ یہ فائدہ بھی مقصود ہے کہ آئندہ ابحاث پڑھتے ہوئے قاری کتاب کے ذہن میں یہ حقیقت راسخ رہے کہ جو اہل حق (اہل سنت وجماعت) انسان کو افعال عادی (شب و روز قصد و اختیار سے بجالائے جانے والے افعال) میں ''اختیار دیا گیا مانتے ہیں، اور کہتے ہیں:

''جتنا بھی غور کریں، انسان مختار بھی ہے اور محتاج بھی، با اختیار ہو کر بے اختیار ہے اور بے اختیار ہو کر با اختیار، عطائے الٰہی سے ''کاسب'' ہے، خالق نہیں۔ فاعل بھی ہے اور محتاج بھی، مختار ہے (اختیار دیا گیا)۔ غیر مختار ہے کہ از خود اختیار والا نہیں''۔

اللہ اکبر! جن اہلِ حق کا قلم افعالِ اختیاریہ عادیہ میں اتنا محتاط ہو خرقِ عادت افعال و امور میں کیسے بے احتیاطی کر سکتے ہیں؟

فعل اختیاری وغیر اختیاری کی مثالیں:

اختیارات کی بحث کے اختتام پر دو مثالوں سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی جاتی ہے:

(۱) ''سمع و بصر'' انسان کا دیکھنا سننا، ہمارے اور حزب مخالف کے درمیان اس بارے اتفاق پایا جاتا ہے۔ کہ دیکھنا سننا بعض حالات میں اختیاری فعل ہے اور بعض میں غیر اختیاری، انکھیارا جس کی جہاں تک نظر کام کرتی ہے۔ اس کے سامنے کوئی مرئی چیز آجائے جو دیکھے جانے کے لائق ہو تو اسے دیکھ لیتا ہے۔ یونہی مناسب مسافت سے اٹھنے والی ممکن السماع آواز کان میں پڑتی ہے تو اُسے سن لیتا ہے۔ دیکھنے سننے کا قصد و ارادہ ہو یا نہ ہو دکھائی بھی دے رہا ہے اور سنا بھی جا رہا ہے۔ آنکھیں کھلی ہوں، آدمی اندھا نہ ہو بھاری بھرکم چیز سامنے رکھی ہو ہزار چاہے نہ دیکھوں مگر دکھائی دے گا۔ نہ دیکھنے کا قصد چاہے شرعی تعلیمات کے لحاظ سے ہو، چاہے طبعی نفرت سے، مگر نگاہوں کے سامنے رکھی چیز

نظر ہی آئے گی۔

یونہی کوئی بری بات یا اپنے خلاف گفتگو نہ سننا چاہتا ہو اُس آواز کا سننا کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو، کان کھلے ہوں تو سنائی ضرور دے گا۔ اِس اعتبار سے چاہے انسان کتنا ہی طاقتور ہو، صاحب علم ودانش ہی کیوں نہ ہو غیر مختار دکھائی دیتا ہے۔ اس حالت میں دیکھنا سننا ''غیر اختیاری فعل'' ہے۔ مگر اس کے باوجود اتفاق ہے کہ:

انسان کا دیکھنا سننا ''اختیاری عمل'' ہے۔ کہیں دیکھنا، سننا نیکی اور عبادت ہے اور کہیں نظر وسماع گناہ۔ نیک انسان قاری کی تلاوت سننا چاہتا ہے کسی اور طرف سے کلمات کفریہ یا گناہوں سے بھری اور آواز بھی آرہی ہے، یونہی ماں باپ یا صالح کی زیارت کیلئے آنکھ کھولی جائے، ساتھ ہی اجنبیہ پر نظر پڑے، ایسی صورت میں حکم میں فرق ہے۔ کیوں؟

ایسی صورت کا بھی احتمال ہے کہ قرآن واذان کا سننے والا گنہگار ہو رہا ہو اور بُری باتوں کا سننے والا ثواب کا مستحق۔ یونہی دیکھنے میں بھی ایسی صورت ہو سکتی ہے۔ یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ نظر ایک، مریٔ دو۔ سمع ایک مسموع دو۔ نیکی وبدی میں بھی الگ الگ حکم ہوتا ہے۔ حکم کے لحاظ سے یہ مختلف صورتیں قصد واختیار اور نیت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

(۲) بدیہی حقیقت سے تمثیل:

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ کم عقل بھی سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق حیوانات کو جو قوت عطا کی ہے، جسکے لحاظ سے وہ ''مختار'' کہلاتے ہیں وہ ایک درجہ کی نہیں اور ان کے اوصاف بھی ایک جیسے نہیں۔ چیونٹی کی قوت وتصرف اور ہاتھی، شیر کی قوت وتصرف میں بڑا فرق ہے۔ خود حضرت انسان بچے جوان، بوڑھے، ضعیف، تنگدست وبیمار اور ورزش کرنیوالے میں نمایاں فرق ہے۔ پریکٹس کے باعث عجیب وغریب حیران کن کرتب دکھانے والے اور ناتجربہ کار عام انسان یا بڑے سے بڑے عالم دین وفاضل شخص کے تصرفات ہرگز برابر نہیں۔

ان افعال عجیبہ پر تجربہ کار قادر، مگر مفتی و عالم ان پر قدرت نہیں رکھتا۔ یونہی صاحب علم، عقل مند کا تصرف اور طرح کا ہے اور جسمانی قوت کا مظاہرہ کرنے والوں کا اور طرح۔ جسمانی تصرفات علمی اور روحانی تصرفات میں فرق نمایاں ہے۔

آئے دن پڑھتے رہتے ہیں کہ جسمانی کرتب کے عجیب وغریب واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ سرکس میں کام کرنیوالے، اپنے حیران کن کرتب دکھا کر لوگوں سے شاباش لینے والوں کے تذکرے زبان زد عامۃ الناس ہیں۔ خداداد قوت سے آج حضرت انسان ایسے ایسے کارنامے وتصرفات انجام دے رہا ہے جن کا صدیوں پہلے نام ونشان تک نہ تھا۔ اس وقت ایسے تصرفات وسائنسی ایجادات کا ذکر کیا جاتا تو بالکل انکار کر دیا جاتا؛ کیونکہ ایسے تصرفات اور کارنامے اُس دور میں محالِ عادی تصور کیے جاتے۔

بہر حال یہ بات ثابت ہے کہ جسمانی قوت اور اس کے استعمال سے بجالائے جانے والے افعال وتصرفات ایک جیسے نہیں، ان کی قوت وضعف میں بعض اوقات حیران کن حد تک فرق ہوتا ہے۔ جن تصرفات اور افعال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ جسمانی قوت کے مظاہر ہیں۔ جب جسمانی قوت کا یہ حال ہے تو روحانی قوت کا عالم ہی نرالا ہوگا۔ عقل حواس پر حکمران ہے اور روح ان سب سے بلند ہے۔

''حواس ظاہرہ'' کے تصرفات ہوں یا ''حواس باطنہ'' کے، جسمانی تصرفات ہوں یا روحانی، سب اللہ تعالی کی عطا ہیں۔ کسی مخلوق کا ذاتی کمال نہیں اور نہ ہی ہوسکتا ہے۔ عطیہ خداوندی کا انکار کفرانِ نعمت ہے۔

اختیار عبد کی بحث کا خلاصہ :

''اختیار عبد'' کے مسئلہ میں اہلسنت وجماعت کے عقیدہ وموقف کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ہر حیوان خصوصاً حضرت انسان کو صفت ارادہ سے نوازا۔ قوت، اختیار اور تصرف کی ایک حد تک درجہ بدرجہ طاقت (قوت) عطا فرمائی، جسکی بدولت انسان اپنی مرضی

وارادہ سے اچھے بُرے افعال بجالاتا ہے۔ اسے اہلِ علم ''افعال العباد اختیاریۃ'' کے مسئلہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ بدیھی اور روشن بات ہے مگر فرقہ جبریہ اس کا منکر ہے۔

انسان کو اختیار دیا گیا ہے، یہ خود بخود اختیار نہیں رکھتا ایک جہت سے مختار اور دوسرے لحاظ سے غیر مختار ہے۔ کسی بھی انسان بلکہ ساری مخلوق میں کسی فرد کے با اختیار، مختار ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ کہ وہ '' ایسا مختار ہو، کہ جب چاہے جس طرح چاہے کرے، کوئی بھی اس کے ارادہ ومشیت کا مانع نہ ہو اور نہ اسے کوئی روک سکے''۔ اس طرح کا اختیار رکھنے والا ممکن ہی نہیں۔ جو اپنی ذات و وجود میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا محتاج ہو وہ اپنی صفات میں کیسے مستقل اور مستغنی ہوسکتا ہے؟

کوئی ایسا عقیدہ کہ فلاں اتنا با اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ بھی اسکی مشیت کو مانع نہیں اور نہ ہی وہ اسے مرضی کا کام کرنے سے روک سکتا ہے۔ ایسا کہنا، سمجھنا کھلا کفر ہے۔ (خانصاحب نے بھی ایسے ہی اختیار کو خاصہ اُلوہیت قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو راہِ ہدایت ص ۱۹۰)

اگرچہ ایسا با اختیار مخلوق میں نہ کوئی ہے اور نہ ہی ایسا با اختیار ممکن ہے۔ اہل سنت انبیاء واولیاء کو جس قدر با اختیار و مختار مانتے ہیں، سب اللہ تعالیٰ کی عطا سے۔ بالذات، مستقل طور پر ایک حرکت کا اختیار بھی نہیں مانتے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی عطا سے با اختیار و مختار (اختیار دیا گیا) مانتے ہیں۔

تقسیم احکام خداوندی:

اُمور واحکاماتِ الٰہیہ دو قسم ہیں: (۱) امور تکوینی (۲) امور تشریعی

(ا) امور تکوینی: جیسے مارنا، زندہ کرنا، مینہ برسانا، غنی کرنا، فقیر کرنا، قضائے حاجت، رفع مصیبت، دفع ضرر، فتح وشکست دینا، گدا سے بادشاہ اور بادشاہ سے گدا گر کرنا، نعمت دینا، دولت بخشنا وغیرہا عالم کے اسباب۔

ہمارے عقیدہ میں انبیائے عظام علیہم الصلوۃ والسلام ملائکہ کرام علیہم السلام اور اولیائے رحمان رحمہم اللہ تعالیٰ کو ان کے اپنے اپنے مناصب ومراتب کے مطابق ان امور میں اختیارات حاصل ہیں اور باذن اللہ تعالیٰ وہ ان امور میں متصرف ہیں۔ دلائل اپنے موقع پر آجائیں گے۔ان شاء اللہ العزیز۔اور زیادہ انہی تصرفات کا اثبات کیا جائیگا۔

(ب) **امور تشریعی**: جیسے کسی فعل کو حلال یا حرام، مکروہ یا واجب ومستحب کرنا۔

جن احکام کیلئے شریعت میں کرنے یا انسے باز رہنے کا حکم ہے انہیں ''احکام تشریعی'' کہا جاتا ہے، جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، سودخوری، شراب نوشی وغیرہا کے احکامات۔

حقیقتاً اگرچہ حاکم وآمر، اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے مقابلہ میں کسی کا حکم نافذ نہیں۔ ﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلاَّ لِلّٰہِ﴾ مگر...... ﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ﴾ رسول پاک کی پیروی وفرمانبرداری کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور ان کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی قرار دیا۔

نبی کریم ﷺ کا شارع ہونا:

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا نبی کریم ﷺ کی صرف اتنی حیثیت تھی کہ جو پیغام پاتے تھے وہ امت تک پہنچا دیا کرتے تھے، یا ''شارع'' کی حیثیت بھی رکھتے اور اپنی رائے واجتہاد سے بھی حکم صادر فرمایا کرتے تھے؟

بعض علماء کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ وحی کے بغیر اپنی رائے واجتہاد سے کچھ نہیں فرمایا کرتے تھے۔

اور دوسری جماعت کا قول ہے کہ نبی پاک ﷺ ''شارع دین متین'' تھے۔ اور اپنی رائے واجتہاد سے بھی حکم فرمایا کرتے تھے، جو وحی کی ایک قسم ہے۔ اور محققین نے اسی مسلک کو پسند فرمایا اور یہی ''مختار مسلک'' ہے۔

اساریٰ بدر (غزوہ بدر کے قیدیوں) جیسے واقعات سے بھی اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

حزبِ مخالف: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَايَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ☆ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ☆﴾

اس سے معلوم ہوا کہ آپ وحی کے بغیر کچھ بھی نہیں فرمایا کرتے تھے۔

خادمِ اہلِ سنت:

صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود نے ''توضیح'' میں اور علامہ سعد الدین تفتازانی نے ''تلویح'' میں اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ چونکہ ہوائے نفسانی سے کچھ نہیں فرماتے، بلکہ نورِ نبوت سے اجتہاد فرماتے تھے اور وہ بھی وحی ہے۔

حضرت علامہ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے الفاظ یہ ہیں۔

'' وَاللّٰهُ تَعَالٰى اِذَا سَوَّغَ لَهُ الْاِجْتِهَادَ كَانَ الْاِجْتِهَادُ وَمَا يُسْتَنَدُ اِلَيْهِ وَهُوَ الْحُكْمُ الَّذِى ظَهَرَ لَهُ بِالْاِجْتِهَادِ وَحْيًا لَا نُطْقًا عَنِ الْهَوٰى''

(توضیح مع التلویح ص ۴۴۵ الرکن الثانی فی السنة فصل فی الوحی مطبوعہ نور محمد کراچی ۱۴۰۰ھ)

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اجتہاد کرنے کی اجازت دی تو آپ ﷺ کا اجتہاد اور جو اس کی طرف مسند ہے اور وہ حکم جو اجتہاد سے آپ کیلئے ظاہر ہوا وحی ہوگا نہ کہ خواہش نفسانی کی بات۔

حاکم مطلق جل شانہ، نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو شرعی احکام کے بتانے کے ساتھ آپ کو اختیار دیا کہ آپ کا ذہن کامل جو حکم بتائے اُمت پر اس کی پیروی واجب ہے، وہ بھی وحی کے حکم میں ہے۔

اس سوال کے اور بھی چند تحقیقی اور الزامی جوابات ہیں جو ان شاء اللہ اپنے موقع پر عرض کئے جائیں گے۔ خیال رہے رسول اللہ ﷺ کا اجتہاد، مجتہدین امت کے اجتہاد کے معنی میں نہیں۔

عارف صمدانی امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" فَاِنَّ مَا فَرَضَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَشَدَّ مِمَّا فَرَضَهُ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مِنْ ذَاتِ نَفْسِهٖ حِیْنَ خَیَّرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْ یُوْجِبَ مَا شَاءَ اَوْ لَا یُوْجِبُ "

(کتاب المیزان ص ۱۰۲ جلداوّل، باب الوضوء، مطبع الحسینیه المصریه طبع اولی ۱۳۲۹ھ)

یعنی بے شک جسے اللہ تعالیٰ نے فرض فرمایا وہ اشد ہے اس سے جسے نبی پاک علیہ السلام نے اپنی طرف سے فرض فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں مختار کیا، کہ جو چاہیں واجب فرمائیں یا واجب نہ کریں

امام ابوزکریا نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" وَلِلشَّارِعِ اَنْ یَّخُصَّ مِنَ الْعُمُوْمِ مَا شَاءَ لِمَنْ شَاءَ "

(صحیح مسلم شریف ص ۳۰۴ جلد ۱ کتاب الجنائز فصل فی نهی النساء عن النیاحة)

شارع ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار ہے کہ حکمِ عام میں سے جو چاہیں جس کیلئے چاہیں خاص کر دیں۔

شیخ محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذہب مختار یہ ہے کہ:

"احکام مفوض است بآنحضرت ﷺ هرچه خواهد کند وبهر که خواهد نه کند وهر کرا خواهد تخصیص نماید"

اشعة اللمعات ص ۱۲۳ جلد۴ الفصل الثانی باب الشفقة والرحمة علی الخلق مطبوعه نولکشور)

یعنی احکامات آنحضرت ﷺ کو تفویض کئے گئے ہیں۔ جو چاہیں کریں اور جسے چاہیں نہ کریں۔ اور جس کیلئے چاہیں تخصیص کریں۔

حزب مخالف: یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے احکام آپ کو تفویض فرما دیئے ہیں رافضیوں کے "فرقہ مفوضہ" کا عقیدہ ہے جیسا کہ سید شریف جرجانی نے تحریر فرمایا:

" اَلْمُفَوِّضَةُ قَالُوْا: اَللّٰهُ فَوَّضَ خَلْقَ الدُّنْیَا اِلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ اَیْ اللّٰهُ خَلَقَ مُحَمَّداً وَفَوَّضَ اِلَیْهِ خَلْقَ الدُّنْیَا فَهُوَ الْخَلَّاقُ لَهَا وَبِمَا فِیْهَا"

(شرح مواقف ص ۷۵۴، مطبوعه عالی نولکشور)

"فرقہ مفوضہ" کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو پیدا کیا اور دنیا و مافیہا کی پیدائش آپ ﷺ کے سپرد، تفویض کر دی پس آپ ﷺ ہی دنیا و مافیہا کے خالق ہیں

خادم اہل سنت: مندرجہ بالا میں جن علمائے کرام کی عبارات نقل کی جا چکی ہیں تمام

ائمہ اہل سنت سے ہیں اور یہاں تک کہ خود سید شریف بھی نبی ﷺ کو ''شارع'' (ای النبی الشارع) تسلیم کرتے ہیں۔ (شرح مواقف ص ۶۷۲)

جس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کیلئے تفویض احکام کا قول اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ شرح مواقف کی پیش کردہ عبارت سے ہمارے مقابلہ میں استدلال کرنا سراسر نادانی وجہالت ہے؛ کیونکہ اس میں خود تصریح موجود ہے کہ فرقہ مفوضہ آنحضرت ﷺ کو ''خالق عالم'' کا اعتقاد رکھتا ہے اور اس فرقہ کا یہ عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف آنحضرت نبی اکرم ﷺ کا خالق ہے اور باقی تمام مخلوق کے آنحضرت ﷺ ہی خالق ہیں۔

باقی رہا ہمارا مسلک، تو ہم آنحضرت ﷺ کو خالق ہرگز اعتقاد نہیں رکھتے، بلکہ ایسے عقیدہ والے کو گمراہ تصور کرتے ہیں۔ ہم آپ ﷺ کو امورِ تکوینیہ میں متصرف بھی مانتے ہیں تو ''کاسب'' ہونے کی حیثیت سے نہ کہ ''خالق'' کی حیثیت سے۔ ''وبینهما بون بعید''

بندہ اپنے افعال اپنے قصد واختیار سے کرتا ہے مگر ''کاسب'' ہے، ''خالق'' نہیں۔ نبی اکرم ﷺ اپنے تصرفات میں ''کاسب'' ہیں ''خالق'' نہیں۔

❀❀❀❀❀

مقصد دوئم:

ما فوق الاسباب

ما تحت الاسباب

☆ خرقِ عادت امور میں اہل سنت کا عقیدہ

☆ معجزات ماتحت الاسباب ہیں یا مافوق الاسباب؟

☆ کیا قرآن ماتحت الاسباب اَمر ہے ؟

☆ شرک فی التصرف اور غلام خان صاحب:

نوٹ:

حزب مخالف کا ایک گروہ جو کہ

مولوی غلام خان راولپنڈی، مولوی عنائیت اللہ گجراتی،

مولوی طیب پنج پیری، قاضی شمس الدین،

مولوی سرفراز گکھڑوی وغیرہ پر مشتمل ہے۔

جنہیں واں بھچروی فرقہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، دیوبندی کہلانے کے باوجود کئی عقائد میں جمہور اہل دیوبند کے مخالف ہیں۔ پہلے چار عقیدۂ حیات النبی کے شدت سے منکر ہیں۔ اسی اعتبار سے دیوبندی علماء بھی اپنی مجالس میں انہیں ''مماتی ٹولہ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

دیوبندی حضرات میں سے بالخصوص یہ گروہ اور ان کے پیر کاروں نے اہل اسلام، اہل سنت و جماعت پر شرک و کفر کا فتوئی داغنے کیلئے اہل علم کے ہاں متداول الفاظ: ذاتی، عطائی، بالذات، بالعرض، حقیقت، مجاز، مستقل وغیرھا کو ترک بلکہ مسترد کر کے ''مافوق الاسباب'' اور ''ماتحت الاسباب'' کی نئی اصطلاح متعارف کرائی ہے۔

اس گروہ کا کہنا ہے کہ کسی نبی، ولی، فرشتہ کو ما فوق الاسباب کے طور پر متصرف اور مالک ومختار سمجھنا ''شرک'' ہے، چاہے اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہی مانگے۔

اس لئے ضروری ہے کہ ان الفاظ کی تشریح کر دی جائے۔

بحث مافوق الاسباب، ماتحت الاسباب

"اصطلاح" اوراس کا استعمال و استخدام :

کسی قوم، پیشہ، فن اور شعبہ علم سے وابستہ لوگوں کا کسی کلمہ کو عام معنٰی سے ہٹ کر کسی خاص معنٰی میں استعمال کرنا اور اسطرح کوئی اصطلاح وضع کرنا، کوئی حرج کی بات نہیں، لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ اسکا معنی متعین اور ظاہر و باہر ہو۔ اس فن، علم اور پیشہ کی زبان میں گفتگو کرنے والے اسکا معنٰی سمجھ جائیں۔

"مافوق الاسباب" ایک ایسی عجیب سی اصطلاح ہے کہ جس کا مفہوم اور مُعَیَّن معنٰی خود گھڑنے والوں کو بھی معلوم نہیں۔ ایک مقام پر کچھ کہتے ہیں تو دوسری جگہ خود ہی کچھ اور مراد بتاتے ہیں۔ جوں جوں اصطلاح مذکور کی وجہ سے اعتراضات سامنے آتے ہیں، حسب ضرورت قیود و شرائط بڑھاتے رہتے ہیں۔

اس سوال سے قطع نظر کہ اس اصطلاح کا واضع کون ہے؟ کس معتمد علیہ مفسر و محدث نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو "مافوق الاسباب" متصرف سمجھنا شرک ہے اور ماتحت الاسباب جائز؟ نیز ابن قیم جوزی کی طرف منسوب عبارت میں یہ الفاظ موجود ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو علامہ ابن قیم کی کیا مراد ہے ؟ اور خود علامہ کی ان مسائل کلامیہ اعتقادیہ میں کیا حیثیت؟ اگر بالفرض ابن قیم نے اسے وضع کیا تو کیا اہل علم کے ہاں ان الفاظ کا مخصوص معنی میں استعمال و استخدام متداول رہا؟

ایسی اصطلاح کو جس پر ایمان و کفر کا دارومدار ہے، حزب مخالف کسی آیت قرآنی، صحیح حدیث نبوی، کسی صحابی، امام مجتہد، یا اصولی سے اس کا ثبوت بہم پہنچا سکتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام ابحاث سے قصداً اعراض کرتے ہوئے صرف مقصودی بات کا تذکرہ

کرنے کیلئے بعون الملک الوھاب عرض گذار ہوں کہ:

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے جن افعال کی تخلیق فرماتا ہے اور اس کی قدرت سے جو اشیاء بھی لباسِ وجود پہنتی ہیں ان میں بھی عام طور پر کوئی نہ کوئی سبب خارجی و عادی ہوتا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ ان اسباب کا محتاج نہیں، بلکہ جنہیں ہم ظاہری سبب سمجھے ہوئے ہیں ان کے بغیر بھی کام کرنے پر غالب وقادر ہے۔ وہ کسی غیر کا محتاج نہیں، بخلاف مخلوق کے۔

ہمارا ہر فعل سبب کا محتاج ہے، اور نہ سہی ارادہٗ الٰہی، مشیت ایزدی ضرور سبب تام ہوگی۔ جب تک ارادہٗ الٰہی کا تعلق نہ ہو ہم کوئی فعل کرنے پر قادر نہیں۔

اگر مافوق الاسباب قدرتِ تصرف سے حزب مخالف کی مراد ایسی قدرت واختیار ہے کہ فاعل و متصرف کسی سبب ظاہری و باطنی کا محتاج ہی نہ ہو، حتی کہ مشیت ایزدی کا بھی پابند نہ ہو، تو ایسی قدرت کو ہم بھی کسی مخلوق کیلئے تسلیم نہیں کرتے۔ یہی مطلب ٹھیک معلوم ہوتا ہے اور نتیجتاً ذاتی اور عطائی کے قریب المعنیٰ ہو جاتا ہے، لیکن حزبِ مخالف کو میرے بیان کردہ معنی سے ہرگز اتفاق نہیں؛ کیونکہ اس طرح وہ مسلمانوں کو مشرک نہیں کہہ سکتے اور کفر سازی کی مشین بیکار اور شرک فروشی کی دکان غیر آباد ہو جاتی ہے، اس لئے علی سبیل التنزل و بر سبیل ارخاء عنان اس اصطلاح کی دوسرے طور پر تقسیم و وضاحت کرتا ہوں۔

سبب اور اس کی اقسام:

"اَلسَّبَبُ مَا یُتَوَصَّلُ بِهٖ اِلَی الشَّیْءِ"

"جو چیز کسی کام کا ذریعہ ہو اسے سبب کہا جاتا ہے" اس کی جمع اسباب ہے۔ لغوی طور پر "ماتحت الاسباب" اور "مافوق الاسباب" کا معنی ہوگا، اسباب کے تحت یا اسباب کے اوپر۔

اصطلاحِ جدید کے طور پر جو افعال جاری و عادی اسباب کے تحت ہوں ''ماتحت الاسباب'' ہیں اور جن افعال میں ظاہری، عادی اور جاری اسباب نہ پائے جائیں وہ ''مافوق الاسباب'' ہیں۔

تقسیم اسباب : سبب کی دو قسمیں ہیں: عادی اور غیر عادی۔

(۱) مثلاً پانی، روٹی سے پیاس، بھوک کا دور ہونا، موافق دوا سے مرض کا ازالہ، زہر کا قاتل ہونا، تریاق کا دافع بلا ہونا، ہاتھ بڑھا کر چیز کو اٹھالینا، بذریعہ کشتی یا تیر کر نہر عبور کرنا، آنکھ کھول کر دیکھنا، زبان سے گفتگو کرنا وغیرہا۔ یہ عادی اور ظاہری اسباب ہیں۔ اور پھر ان اسباب کا اپنے مسبب (اثر) سے تخالف جائز، یعنی خداوند عالم چاہے تو پانی تسکین، تشنگی اور کھانا دفع بھوک کا سبب نہ بنے۔ پینے کھانے کے باوجود پیاس، بھوک زائل نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ایسے ہی جاری ہے۔ کہ کسی بھی مقصد و مطلوب کو حاصل کرنے کیلئے جب انسان ایسے اسباب کے ذریعہ عطا کردہ قوت و ارادہ سے تصرف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اثر، فعل پیدا فرما دیتا ہے۔ ایسے کاموں پر انسان مختار و قادر ہے۔ **افعال العباد اختیاریۃ** سے یہی مراد ہے۔

اس اعتراف کے باوجود ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے وہ نہ چاہے تو ہاتھ حرکت نہیں کرسکتا۔ ہمارے چاہنے کے باجود زبان پر گفتگو جاری نہیں ہوسکتی، ۔ نہ آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کان سن سکتا ہے۔ اسکی قدرت ، ارادہ ومشیت کے تحت ان اسباب کو مقصد کے حصول کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یعنی ظاہری اور عادی اسباب کے تحت جن افعال کا صدور بندوں سے ہوتا ہے۔ ایسے اُمور کو ''**ماتحت الاسباب العادیہ**'' سے تعبیر کیا جائیگا۔

(۲) ایسے افعال، امور اور کام جن کے حاصل ہونے میں مذکورہ بالا قسم کے اسباب

وذرائع عادی وظاہری نہ ہوں، یعنی ایسے اسباب جو عام حالات میں عام انسانوں کو میسر ہوتے ہیں، نہ ہوں، بلکہ خرقِ عادت (عادت کے خلاف) اسبابِ ظاہری کے بغیر مخصوص انسانوں سے کوئی فعل رکام انجام پائے، تو اسے "ما فوق الاسباب العادیه" سے تعبیر کیا جائے گا۔ یعنی ظاہری وعادی سبب نہ ہوگا۔ یہ معنی نہیں کہ سرے سے کوئی سبب ہی ان میں نہ ہوگا۔

چونکہ حزبِ مخالف ان الفاظ کو اصطلاح کے طور پر ذکر کرتا ہے بایں وجہ ان الفاظ کی تشریح بھی کردی گئی کہ ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب سے ہماری مراد کیا ہوگی؟ یہی مفہوم اس کتاب میں لیا جائے گا۔

ویسے مافوق الاسباب کے معنی میں عقلاً اور بھی احتمال ہیں، مثلاً اس فعل کیلئے نہ ظاہری اسباب ہوں اور نہ ہی غیر ظاہری، یا کہ متصرّفِ اسباب کا سرے سے محتاج ہی نہ ہو۔ وغیرہ ذلک۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ان دونوں اصطلاحات میں ظاہری وعادی سبب کا ہونا یا نہ ہونا مابه الامتیاز ہے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کسی سبب کا محتاج نہیں مگر عادتِ الٰہیہ ایسے ہی جاری ہے کہ اکثر افعال کے ظہور و وجود کیلئے کوئی نہ کوئی سبب اس نے مقدر فرمایا، جس کے پائے جانے سے وہ فعل پایا جاتا ہے۔ ایسے افعال کو افعالِ عادیہ یا فعل عادی کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی امر یا فعل سبب کے خلاف پایا جائے تو اسے خلاف عادت (خرقِ عادت) فعل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اِس معنی کو علمائے علم کلام نے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے۔

(قوله: بِخِلَافِ الْعَادَةِ) أى الْعَادَةِ الْإِلٰهِيَّةِ وَكُلُّ فِعْلٍ تَكَرَّرَ صُدُوْرُهُ عَنِ الصَّانِعِ سُبْحَانَهُ فَهُوَمَنْسُوْبٌ إلى الْعَادَةِ، ثُمَّ إِنْ ظَهَرَ فِعْلٌ عَلٰى خِلَافِهٖ فَهُوَ خَارِقٌ لِلْعَادَةِ.

(نبراس شرح عقائد ص ۴۳۰، باب الخوارق البحث الرابع)

خرقِ عادت امور میں اہلسنت کا عقیدہ:

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے انبیائے عظام وملائکہ کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیاء الرحمان رحمہم اللہ تعالیٰ کو ان کے اپنے مناصب جلیلہ کے مناسب جس قدر چاہا ایسی قدرت وطاقت بخشی کہ جس سے وہ ارادۂ الٰہی، مشیت ایزدی کے تابع رہ کر ما فوق الاسباب فاعل ومتصرف ہیں اور سب سے زیادہ تصرفات واختیارات، سلطنت وملک آنحضرت ﷺ کو عطاء ہوئے اور اسی معنی کے لحاظ سے آپ ﷺ کو ''مالک کونین'' اور ''مختارِ کل'' کہا جاتا ہے۔ اس رسالہ میں فقیر پُرتقصیر غفرلہ اسی قسم کے اختیارات وتصرفات کا ثبوت پیش کرے گا، اگرچہ مقام کی مناسبت سے دوسری قسم کی ابحاث بھی صفحہ قرطاس کی زینت بنیں گی۔

حزبِ مخالف کے نزدیک مافوق الاسباب کا مفہوم؟

مجموعہ تضادات: (تضاد ہی تضاد)

اِس اصطلاح کو وضع کرنیوالے کسی ایک مفہوم پر متفق نہیں۔ انکے مفاہیم میں بڑا تضاد ہے، بلکہ خود مؤلف راہِ ہدایت خانصاحب گکھڑوی کے کلام میں کھلا تضاد ہے۔ خانصاحب کے استاد بھائی غلام خانصاحب کچھ لکھتے ہیں اور خود خانصاحب کچھ اور لکھتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں خود خانصاحب نے اپنی کتاب ''دل کا سرور'' میں جو معنی بیان کیا سال ہا سال تک اسی معنی پر قائم رہ کر اہل سنت پر فتویٰ بازی کرتے رہے، یہاں تک کہ ''راہ ہدایت'' کے تقریباً پونے دوسو صفحات تک ان کے نزدیک مافوق الاسباب کا یہی معنی درست تھا۔ اسے ہی بنیاد بنا کر بزعم خویش ''نور ہدایت'' کا ردّ لکھتے رہے۔ مگر......! خادم اہل سنت کی ''نور ہدایت'' نے کچھ چشم کشائی کی کہ ''راہِ ہدایت'' کے صفحہ نمبر ۱۹۰ پر بالکل اس سے متضاد ''ما فوق الاسباب'' کا ایسا مفہوم بیان کیا جو محل نزاع ہی نہیں۔ جس کے اعتبار سے اِس سے پہلے بیان کئے ہوئے مطالب بالکل باطل اور غلط قرار پاتے ہیں۔

یہ تضاد بیانی خانصاحب پر ہی منحصر نہیں اس گروہ کے پورے مذہب کی نبیاد ہی تضاد پر ہے۔ اجتہادی، فروعی، فقہی مسائل ہی میں نہیں بلکہ قطعی عقائد، ایمان وکفر، توحید، شرک کے مطالب بیان کرنے میں بھی ان کی کتابوں میں کھلا تضاد موجود ہے۔ جسے اپنوں کیلئے کمالِ ایمان قرار دیتے ہیں، وہی بات انبیاء کرام علیہم السلام، اولیائے کرام کیلئے مانی جائے تو اسے کفروشرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام خصوصاً رحمت دوعالم نبی اکرم نور مجسم ﷺ کیلئے جس درجے کا علم، تصرف، قدرت، مِلک، سمع وبصر کے ماننے کو شرک وکفر قرار دیتے ہیں اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زائد اپنے بزرگوں کیلئے کمالِ ایمان قرار دیتے ہیں۔

قارئین با تمکین ! اسے الزام تراشی ہرگز تصور نہ کیا جائے بلکہ مبنی بر حقیقت رائے سمجھا جائے کسی کو اس میں کوئی شک وشبہ ہو تو علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''زلزلہ'' اور ''زیروزبر'' کا مطالعہ کرے، بہت تحقیقی وقابل مطالعہ کتابیں ہیں۔ ان شاء اللہ العزیز میری بات حرف بحرف درست ثابت ہوگی۔ تاہم متلاشی حق کیلئے خانصاحب کی جس تضاد بیانی کی طرف اشارہ کیا ہے ان شاء اللہ العزیز بلفظہٖ ان کی وہ عبارات اوران پر تبصرہ ہدیہ قارئین کیا جائے گا۔

حزب مخالف ...... جو مافوق الاسباب اصطلاح کا واضع ومخترع ہے ...... نے اسے کس معنی کیلئے وضع کیا ہے؟ کتاب کا مطالعہ کرتے وقت اس معنی کو ضرور پیش نظر رکھا جائے۔ اس کا جاننا جہاں فہمِ مطالب کیلئے ضروری ہے وہیں حزبِ مخالف کی علمی خیانت، تضاد بیانی اور کمزوری کا سراغ لگانے میں بھی مددگار ہوگا۔

خانصاحب کے نزدیک مافوق الاسباب:

حزب مخالف کے فاضل علامہ سرفراز خان سرحدی گکھڑوی تحریر فرماتے ہیں:

''**ما فوق الاسباب** سے مراد یہ ہے کہ عالم اسباب کی چیزوں سے قطع نظر

کر کے اگر کسی کو نفع یا نقصان پہنچے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوگا'' مثلاً اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کو زہر دے کر قتل کر دیا یا تلوار اور بندوق سے اس کا کام تمام کر دیا، یا دریا میں ڈبو دیا یا آگ میں جھونک دیا اور وہ مر گیا تو یہ کہا جائیگا کہ یہ عالم اسباب کے ماتحت ہوا۔ اسی طرح بھوکے کو کھانا یا پیاسے کو پانی یا بیمار کو دوائی دیدی اور اسکی بظاہر مایوس کن حالت سنور گئی تو یہی کہا جائے گا کہ یہ سلسلہ اسباب و مسببات کے مطابق ہوا، لیکن اگر ان تمام تر چیزوں کی عدم موجودگی میں جبکہ بظاہر کوئی سبب نظر نہ آتا ہو اور ہم دیکھیں کہ کسی کو نفع یا نقصان ہو رہا ہے یا ہم اپنی تدبیر کے موافق نافع اور سود مند چیزیں ہی استعمال اور اختیار کرتے ہیں، لیکن وہ تمام ہمارے خلاف پڑی ہیں تو یہ کہا جائے گا کہ یہاں ایک ایسی زبردست قدرت کا ہاتھ ہے جس کے سامنے کسی کا بس اور چارہ نہیں اور یہ معاملہ مافوق الاسباب کا ہو گا۔ خوب سمجھ لو!

(دل کا سرور / ص، ۴۱ شائع کردہ مدرسہ عربیہ گکھڑ منڈی گجرانوالہ)

خانصاحب کی اس عبارت کا اسکے بغیر کیا مفہوم ہو سکتا ہے کہ ظاہری اور روزمرہ حاصل عادی اسباب کے بغیر کسی کو نفع یا نقصان پہنچ رہا ہو تو خانصاحب کے عقیدہ میں ایسا تصرف ''خاصہ اُلوہیت'' ہے، صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، کسی اور کیلئے اللہ تعالیٰ کی عطا اور دین سے ماننا بھی شرک ہے۔ کیونکہ ''خاصہ الوہیت'' کسی اور میں پایا جا سکتا ہی نہیں۔

قارئین کرام: اس فقیر کا دعویٰ ہے کہ خانصاحب کے اس فتویٰ سے خود ان کے دیوبندی اکابر پر بھی کفر و شرک کا فتویٰ عائد ہوگا۔

مذکورہ بالا حوالہ تو ''نور ہدایت'' لکھے جانے سے پہلے کی کتاب کا ہے۔ ''نور ہدایت'' کے انکار میں خانصاحب نے جو تحریر کیا اسکا حوالہ بھی ملاحظہ ہو۔

''یہ بات اچھی طرح ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ غیر اللہ سے تدبیر و تصرف وغیرہ کی جو نفی کی جاتی وہ ما فوق الاسباب تصرف و تدبیر کی نفی ہے جو ظاہری اور عادی اسباب سے بالا اوپر ماوراء ہے''۔

راہ ہدایت صفحہ نمبر 145

''نور ھدایت'' کا مطالعہ کرنیوالے قارئین محترم کو چاہیے کہ ''مؤلف راہ ہدایت'' کے یہ الفاظ:

"جو ظاہری اور عادی اسباب سے بالا تر ہو"
"اگر ایسے اسباب نہ ہوں بظاہر کوئی سبب نظر نہ آتا ہو"

تو وہ "مافوق الاسباب" تصرف ہوگا۔ خانصاحب کے دونوں حوالوں میں مذکور ان الفاظ کو ہمیشہ یاد رکھیں تا کہ محل نزاع پیش نظر رہے اور خلط مبحث نہ ہو۔

مذکورہ بالا دونوں حوالے خانصاحب کے عقیدے کا ایک رُخ دکھاتے ہیں۔

خانصاحب کے عقیدے کا دوسرا رخ:

"دل کا سرور" اور "راہ ہدایت" کے مؤلف "نور ہدایت" کے رد میں اوراق سیاہ کرتے ہوئے چلتے چلتے پینترا بدل گئے اور مافوق الاسباب کا مفہوم ہی تبدیل کر دیا اگر یہ عرض کر دوں کہ نہ مانتے ہوئے بھی "نور ہدایت" کے انوار نے کچھ راہ دکھا ہی دی تو بے جا نہ ہوگا۔ اگر چہ کئی سال بعد نصیب ہوئی۔ دیر آید درست آید۔ جس کا بلفظہٖ حوالہ بعد کے صفحات میں آرہا ہے...... یہاں پر ان کے کلام کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

خانصاحب:

"نور ھدایت کے مؤلف کو معلوم ہونا چاہیے کہ تصرفات مافوق الاسباب" خاصہء اُلوہیت ہیں "تصرفات مافوق الاسباب" ایسا تصرف ہے کہ متصرف جب چاہے جسطرح چاہے اسکے ارادہ اور مشیت کو کوئی نہ روک سکے جو تصرفات اس قسم کے نہ ہوں ان میں نزاع نہیں کہ غیر اللہ کو حاصل ہو سکتے ہیں یا نہیں۔"

ملخص راہ ھدایت صفحہ نمبر 90

فائدہ: خانصاحب گکھڑوی نے "مافوق الاسباب" کا جو نیا معنی بیان کیا ہے اس پر بحث صفحہ ۱۴۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

دیکھا "دل کا سرور" اور "راہ ھدایت" کے پہلے صفحات میں بیان کردہ عقیدہ اور اس عقیدہ میں کتنا فرق ہے؟ وہاں شرک و کفر کا معیار اور تھا اور یہاں کفر و شرک کا معیار اور......

جو چاہے ان کا حسن کرشمہ ساز کرے

خانصاحب نے اپنی تالیف ''راہ ھدایت'' اگر بقائمی ہوش وحواس لکھی ہے تو پوچھ سکتا ہوں کہ: ایسا تصرف واختیار اس فقیر نے کس کیلئے مانا؟ اور کون سی عبارت سے انہوں نے اخذ کیا؟

جب ایسا الزام اس فقیر پر سراسر بہتان ہے تو محل نزاع کو چھوڑ کر کتابیں لکھنا صرف رقم بٹورنے کا ذریعہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اس فقیر نے تو اپنی کتاب کے ابتدائی صفحات اور دوسرے کئی مقامات پر صاف صاف لکھا ہے کہ اسباب عادی کے تحت بھی تصرف کرنے میں انسان اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ با اختیار ہو کر بے اختیار ہے اور بے اختیار رہ کر با اختیار، از خود بے اختیار ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت سے با اختیار ہے۔ انسان کو کتنے ہی اسباب میسر ہو جائیں، ہمارا ارادہ کتنا ہی مضبوط ہو، ہم کتنے ہی پرعزم ہو کر کوئی کام انجام دینا چاہیں، مگر قادر مطلق نہ چاہے، اسکی مشیت نہ ہو تو انسان کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

رہا ''محل نزاع'' تو وہ متعین ہے کیونکہ خانصاحب نے اپنی کتاب راہِ ہدایت ''نور ھدایت'' کے رد میں لکھی، جس سے محل نزاع آشکارا ہے۔ نورِ ہدایت میں خادم اہلسنت کا بیان کردہ معنی ومفہوم پیش نظر رکھ کر ہی اُس کا رد لکھنا چاہیے از خود کوئی مفہوم اختراع کر کے کسی دوسرے کا رد کرتے رہنا، یہ غیر کا رد نہیں بلکہ اپنی دیانت، امانت اور تحقیق کا رد کامل ہے۔

معجزات ماتحت الاسباب ہیں یا مافوق الاسباب؟

اس فقیر نے تصرف ''ما فوق الاسباب'' اور ما تحت الاسباب'' سے مراد واضح کرتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ معجزات اور کرامات میں ظاہری وعادی اسباب نہیں ہوتے۔ یہ ایسے اُمور ہیں جنہیں اہل علم ''خارق عادت'' امور سے تعبیر کرتے ہیں۔ چونکہ ایسے افعال وامور خلافِ عادت ہوتے ہیں۔ ظاہری وعادی اسباب سے بالاتر ہوتے ہیں؛ اس لئے اصطلاحِ جدید کے لحاظ سے ایسے تصرفات کو مافوق الاسباب تصرفات سے تعبیر کیا

جائے گا۔ جیسا کہ خود مؤلف راہِ ہدایت نے لکھا:

"جس فعل کا کوئی ظاہری سبب نہ ہو یا جو تصرف ظاہری و عادی اسباب سے بالا ہو وہ مافوق الاسباب تصرف ہے"

اِس اعتبار سے خارق للعادت اُمور .... یا...... مافوق الاسباب دونوں کا مصداق ایک ہی ہے۔ "جادو" میں چونکہ اَسباب عادی پائے جاتے ہیں اِس لئے اہلِ علم نے اُسے "خارق للعادت" نہیں کہا۔ معجزہ وسحر میں فرق بتاتے ہوئے علامہ کرمانی شارح بخاری لکھتے ہیں: "بِأَنَّهُ (السِّحرُ) يَحْتَاجُ إِلَى الْآلَاتِ وَالْأَسْبَابِ وَالْمُعْجِزَةُ لَا تَحْتَاجُ إِلَيْهَا" (حاشیہ بخاری ۲/۸۵۷ مطبوعہ انجمن نقشبندیہ قصور)

علامہ لکھنوی کا کہنا ہے:۔

إِعْلَمْ أَنَّ السِّحرَ لَيْسَ بِخَارِقٍ لِلْعَادَةِ فَأَنَّهُ يَظْهَرُ بِأَسْبَابِ مِمَّنْ بَاشَرَهَا وَكُلُّ مَاكَانَ ظُهُورُهُ بِالْأَسْبَابِ الْعَادِيَةِ لَيْسَ بِخَارِقٍ لِلْعَادَةِ.

ان عبارات اور دیگر اہل علم کے حوالہ جات بلکہ خود خانصاحب کے بزرگ گنگوہی صاحب کے فتاوٰی رشیدیہ میں ہے کہ: بلا اسباب ظاہری مکہ و مدینہ کی سیر کرانا کرامت ہے۔ اس کے علاوہ خود مؤلف راہِ ہدایت کے کئی حوالے پیش کئے کہ جس فعل کا کوئی ظاہری عادی سبب نہ ہو وہ مافوق الاسباب تصرف ہے۔

معجزہ وکرامت بالاتفاق خارق عادت امور ہیں؛ کیونکہ بظاہر ان میں کوئی سبب عادی مؤثر نظر نہیں آتا، اس اعتبار سے معجزہ وکرامت کو ما فوق الاسباب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اتنے صاف و شفاف حوالہ جات کے باوجود نہ معلوم خانصاحب کو کیا سوجھی کہ معجزات کے مافوق الاسباب امور ہونے کا انکار کرنا شروع کر دیا، اتنا بھی نہ سوچا کہ

''فر من الارنب وقع علی الاسد'' کا مصداق تو نہیں بن رہا؟ اگر سوچ سمجھ کر انکار کیا تو بھی دانشمندانہ بحث کا تقاضا تھا کہ متکلمین کے درج کردہ حوالہ جات بلکہ خود اپنی عبارات کا جواب دے کر پہلو بدلتے۔ ان سب باتوں سے آنکھیں بند کر کے بے بسی میں ایک عجوبہ اصطلاح کا سہارا لیا۔ اور بہ تکرار لکھنا شروع کر دیا کہ معجزات مافوق الاسباب نہیں اور محل نزاع مافوق الاسباب ہے۔ چنانچہ معجزہ اور کرامت کی حقیقت پر بحث سمیٹتے ہوئے خانصاحب گکھڑوی لکھتے ہیں:

> ''لیجئے! اب تو بحث ہی ختم ہوگئی ہے کہ معجزات وکرامات مافوق الاسباب نہیں جیسا کہ مؤلف نور ھدایت کا باطل عقیدہ اور مردود دعوٰی ہے بلکہ یہ اُمور اسبابی ہیں۔ انتہی بلفظہ (راہ ھدایت صفحہ ۷۶)
>
> معجزہ غیر اختیاری ماتحت الاسباب فعل ہوتا ہے۔ (راہِ ہدایت ص ۸۷)
>
> '' جمہور اہل اسلام معجزات اور کرامات کو بھی مافوق الاسباب تصرفات نہیں مانتے'' انتہی بلفظہ (راہ ھدایت صفحہ ۱۸۹)

مؤلف راہِ ہدایت خانصاحب کا غضبناک تیور دیکھئے! معجزہ وکرامت کو مافوق الاسباب کہنا باطل و مردود عقیدہ ہے۔ بالفاظ دیگران کا کہنا ہے کہ معجزات کو خرق عادت اُمور کہنا باطل ومردود عقیدہ ہے۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ علی العظیم.

خانصاحب کیلئے کلمات تشکر:

قارئین کرام! مجھے خانصاحب کا شکر گذار ہونا چاہیے کہ وہ کافی بحث ومباحثہ اور تحقیق وتفتیش کے بعد اس فیصلہ پر پہنچے ہیں، اور تسلیم کر لیا کہ خادم اہل سنت کا مؤقف: ''معجزہ کو نبی اللہ علیہ السلام کا مقدور کہہ سکتے ہیں'' بالکل درست ہے۔ یہی صحیح اور حق قول ہے؛ کیونکہ معجزہ مافوق الاسباب تصرف نہیں بلکہ ماتحت الاسباب، اسبابی اَمر ہے۔ یہی جمہور کا قول ہے۔

گویا **بقولِ** خانصاحب: ''حق یہی ہے کہ معجزہ کو مافوق الاسباب کہنا باطل عقیدہ ہے۔ اختلاف مافوق الاسباب تصرف میں ہے ماتحت الاسباب تصرفات میں نہیں کیونکہ ایسے تصرفات کے اختیاری ہونے پر فریقین کا اتفاق ہے''۔

اسی کی روشنی میں میرا کہنا ہے کہ جب ان کا یہ فیصلہ ہے کہ معجزہ مافوق الاسباب تصرف نہیں بلکہ ماتحت الاسباب اُمور ہیں۔ اس اعتراف کے بعد ان کا یہ کہنا کہ: معجزہ نبی کے قصد واختیار سے ظاہر نہیں ہوتا سراسر ہٹ دھرمی ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ اپنی تحقیق کی روشنی میں انہیں یہ تسلیم کرلینا چاہیے کہ:

''معجزات تحت الاسباب ہیں مافوق الاسباب نہیں'' نبی کے قصد واختیار سے ظاہر ہوسکتے ہیں؛ کیونکہ یہ بدیہی اور بہت روشن بات ہے کہ ماتحت الاسباب فعل وتصرف کا اختیار ہر انسان بلکہ ہر ذی روح کو اللہ تعالیٰ نے مرتبے اور حیثیت کے مطابق دے رکھا ہے۔ جو اپنے قصد واختیار سے کارنامے سرانجام دیتے ہیں، مقصد پورا کرتے ہیں، جنہیں اہلِ علم ''فعلِ اختیاری'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

جب خانصاحب کو بھی یہ تسلیم ہے کہ ہر حیوان کو علیٰ فرق مراتب اختیار وتصرف حاصل ہے تو اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے ''نبی'' سے اظہارِ معجزہ میں قصد واختیار کی مطلقاً نفی کرنا، کون سی نص کا مفاد یا منطقی دلیل کا لازمی نتیجہ ہے؟

محلِ نزاع: خانصاحب نے ''راہ ھدایت'' میں بار بار لکھا ہے کہ:

''محلِ نزاع صرف تصرفاتِ مافوق الاسباب ہیں''۔

اور اسی کتاب میں لکھا کہ: ''معجزہ اور کرامت مافوق الاسباب نہیں بلکہ انہیں مافوق الاسباب سمجھنا باطل عقیدہ اور مردود دعوٰی ہے''۔

تو پھر خود خانصاحب ہی عقدہ کشائی فرمائیں کہ معجزہ اور کرامت پر اتنا لمبا کیوں

لکھا؟ اور اس فقیر کو بار بار گالیوں سے کیوں نوازا؟

مزید براں خانصاحب کے عقیدہ میں اللہ کے سوا کسی کیلئے مافوق الاسباب امر ثابت کرنا شرک ہے اور ان کا یہ بھی دعوٰی ہے کہ معجزہ مافوق الاسباب نہیں ہے تو اس کا حاصل یہی ہوگا کہ: معجزہ کو اختیاری ماننا کفر وشرک نہیں ہے۔

کیا قرآن ماتحت الاسباب اَمر ہے؟

☆ خانصاحب کے نزدیک معجزہ مافوق الاسباب نہیں بلکہ اُس کو مافوق الاسباب کہنا باطل عقیدہ ہے، تو خانصاحب پر لازم ہے کہ اپنے اس دعوٰی کی روشنی میں گرہ کشائی فرمائیں، کہ ان کی ایجاد کردہ اصطلاح کے مطابق ''معجزۂ قرآن'' کو ''ماتحت الاسباب'' کہا جائیگا۔؟ کیونکہ انکے نزدیک معجزہ (خرقِ عادت) کو مافوق الاسباب کہنا باطل ہے۔

☆ خانصاحب کی تحقیق میں معجزہ مافوق الاسباب نہیں بلکہ اسبابی اَمر ہے، تو اس نرالے دعوے سے ثابت ہوگا کہ قرآن ''کلام اللہ تعالیٰ'' اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں؛ کیونکہ مافوق الاسباب، ہی خاصہ اُلوہیت ہے اور معجزہ مافوق الاسباب نہیں۔

جی ہاں خانصاحب! اب ہوئی منزل نصیب:

مؤلف ''راہ ہدایت'' متضاد باتیں لکھتے لکھتے یہاں تک عقل وخرد سے آگے نکل گئے کہ ''نورِ ہدایت'' سے چندھیائی چشم بینا کو بند کر کے آخر میں لکھتے ہیں:

> ''مگر ان تمام ابحاث میں مؤلف مذکور ''مافوق الاسباب'' اور ''ماتحت الاسباب'' کی سرے سے اصطلاح ہی کو نہیں سمجھا اور خواہ مخواہ دوسروں کو موردِ الزام قرار دیتا ہے۔ سچ کہا گیا ہے:
>
> وکَمْ من عائبٍ قَوْلاً صَحیحاً ... وآفتُهُ مِنَ الفَهْمِ السَّقِیمِ
>
> مؤلف کو معلوم ہونا چاہیے کہ خاصہءِ اُلوہیت وہ اختیارات اور تصرفات ہیں جو ''ما فوق الاسباب'' ہوں اور وہ جب چاہے جسطرح چاہے تو اسکے ارادہ

اور مشیت میں کوئی مانع نہ ہو سکے اور نہ اسکو کوئی روک سکے اگر مؤلف مذکور کو غیر اللہ کیلئے تصرفات ثابت کرنے ہی ہیں تو محل نزاع کو سمجھ کر اور پیش نظر رکھ کر دلائل تلاش کریں بلا وجہ اہل حق سے اختلاف اور جھگڑا کر کے کیوں اپنی آخرت برباد کرنے کے درپے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو صحیح سمجھ اور توحید خالص اور سنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے۔ یہ ہماری شرافت اور دیانت ہے کہ ہم نے باوجود فریق مخالف کی انتہائی تلخ کلامی کے بھی دامن انصاف اور زبان کو محفوظ رکھا ہے کہ:

ع زباں رکھتے ہوئے بھی رہے ہیں بے زبان اب تک ...... بلفظہٖ

(راہ ہدایت صفحہ ۱۹۰)

خادم اہل سنت:

خانصاحب نے اسی منزل پہ آرام کرنا تھا تو اتنے دور دراز کا سفر کر کے وقت کیوں ضائع کیا؟ ''مافوق الاسباب'' کا یہ مطلب پہلے ہی بیان کر دیتے کہ **''مافوق الاسباب''** کی اصطلاح سے ایسا تصرف مراد ہوتا ہے کہ:

''متصرف کے ارادہ و مشیت کو کوئی نہ روک سکے، یعنی اسکا ارادہ اور مشیت کسی اور کے ارادہ اور مشیت کے تابع نہ ہو، وہ جب چاہے جیسے چاہے کرے، کوئی بھی اسکی مشیت کو روکنے والا نہ ہو۔''

اگر ایسا پہلے ہی لکھ دیتے تو اہل سنت پر کتنا رحم فرماتے اور بہت سے وہ لوگ جو انکی تحریریں پڑھ کر راہِ حق سے برگشتہ ہو گئے ہیں، گمراہی سے بچ جاتے۔ جب ''مافوق الاسباب'' کا یہ مفہوم روشن ہو چکا ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ ایسا تصرف اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں تو انصاف نام کی کوئی چیز آپ کے گھر میں واقعی ہے جس کا آپ نے دعویٰ کیا ہے؟ تو انصاف کا دامن تھام کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس فقیر پر تقصیر نے کہاں لکھا ہے؟ کہ انبیائے کرام علیہم السلام یا اولیائے کرام کو ایسا تصرف حاصل ہے کہ جب چاہیں جس طرح چاہیں ان کے ارادہ و مشیت میں کوئی بھی مانع نہ ہو سکے اور نہ ہی ان کے ارادہ کو کوئی بھی روک سکے۔

الحمد للہ العظیم ! اہلسنت وجماعت کا کوئی بھی فرد اہل اللہ میں سے کسی شخصیت کیلئے ایسا تصرف واختیار ہرگز ہرگز نہیں مانتا، کہ اس تصرف کی چاہت میں اللہ کی مشیت وقدرت بھی مانع نہ ہوسکے۔ وہ جب چاہیں جیسے چاہیں کوئی نہ روک سکے۔ ہمارے عقیدہ میں تو تصرفات عادی واسبابی بھی ارادہ ومشیت باری تعالیٰ کے تابع رہیں۔

﴿ وَمَا تَشَآؤُونَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ﴾

خانصاحب نے ”راہ ھدایت“ نامی کتاب ، خادمِ اہل سنت کی کتاب ”نورھدایت“ کے رد میں لکھی ہے۔ زیادہ نہیں صرف ایک حوالہ دکھادیں کہ فقیر نے اس قسم کا تصرف اہل اللہ تعالیٰ میں سے کسی کیلئے ثابت کیا ہے؟ اب خود ہی فیصلہ کریں کہ محل نزاع سے کون بھٹکا۔

خانصاحب: ”محل نزاع (مافوق الاسباب) کو سمجھ کر اور پیش نظر رکھ کر دلائل تلاش کریں بلاوجہ اہلِ حق سے اختلاف اور جھگڑا کر کے کیوں اپنی آخرت برباد کرنے کے درپے ہیں۔“ (راہ ہدایت ص ۱۹۰)

خادم اہل سنت:

مؤلف راہِ ہدایت کی نگاہ میں اکابرین دیوبند یقیناً اہل حق سے ہوں گے، خانصاحب سے اپیل کی جاتی ہے کہ دن کی روشنی میں اپنے اکابر نانوتوی، گنگوہی، انبیٹھوی ،تھانوی اور دہلوی کی تصنیفات کی ایک ایک سطر بغور پڑھ کر مجھے بتائیں کہ ان اکابر نے اپنی کون سی تصنیف میں ”مافوق الاسباب“ کی اصطلاح استعمال کی ہے؟ اور کس مقام پر خانصاحب کا مزعومہ ومخترعہ مفہوم انہوں نے بتایا ہے؟ اگر ان کے اکابر نے یہ اصطلاح اور مفہوم کو سرے سے ذکر ہی نہیں کیا تو اس خادمِ اہل سنت کا ان سے جھگڑا اور اختلاف کیسے؟ جبکہ ”دل کا سرور“ وغیرہ میں بیان کردہ مفہوم کے مطابق ان کے اکابر تھانوی وغیرہ بھی انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء الرحمٰن کو مافوق الاسباب (خرقِ عادت) امور میں متصرف مانتے ہیں۔

خانصاحب کو چاہیے کہ بقولِ خود: اپنے اہل حق سے جھگڑا اور اختلاف کر کے اپنی عاقبت برباد نہ کریں۔

خانصاحب: محل نزاع کو سمجھ کر دلائل تلاش کریں۔

خادم اہل سنت: بفضل اللہ وبتوفیقہ فقیر نے خانصاحب کی تالیف ''دل کا سرور'' اور ''راہِ ہدایت'' میں بار بار بیان کردہ مفہوم کو پیش نظر رکھ کر ہی دلائل پیش کئے ہیں۔ جبکہ خود مؤلف نے محل نزاع کا خیال نہیں رکھا۔

تصرف مافوق الاسباب کے نئے معنی پر گیارہ سوالات:

خانصاحب نے اپنی تالیف ''دل کا سرور'' اور ''راہِ ہدایت'' وغیرہ میں اصطلاح ''مافوق الاسباب'' کا جو معنی سالہا سال بار بار لکھا، اس سے انحراف کرتے ہوئے جو نیا معنی و مفہوم ''راہِ ہدایت کے ص 190 پر رقم کیا اس پر کئی سوالات وارد ہوتے ہیں۔

1: اس کلام کو تصرف ''مافوق الاسباب'' کی تعریف نہیں کہا جا سکتا بلکہ متصرف حقیقی کی شان کہا جا سکتا ہے۔ (مؤلف کی عبارت کا لحاظ رکھتے ہوئے انکے کلام کو تعریف سے تعبیر کیا جائیگا۔)

2: خانصاحب اپنی اس تحریر کی روشنی میں ہمت کر کے تصرف مافوق الاسباب کی جامع، مانع تعریف بیان کریں۔

3: عبارت مذکورہ میں ''وہ جب چاہے'' سے تصرف مراد ہے یا متصرف۔ اگر تصرف مراد ہے (جیسا کہ محل تعریف کا تقاضا ہے) تو کلام درست نہیں۔ اگر متصرف مراد ہے تو اس کا کلام میں ذکر ہی نہیں۔

4: خانصاحب کا دعویٰ ہے کہ ''المعجزة فعل اللہ خاصة'' ازراہِ کرم بتائیں کہ تصرف ''مافوق الاسباب'' اور ''فعل اللہ خاصة'' دونوں عبارتوں کا مصداق و مفہوم

ایک ہے یا الگ الگ؟ اگر مفہوم میں تغایر ہے، تو اس کی مثال سے وضاحت کریں۔

اگر دونوں کا مصداق ایک ہے تو سوال پیدا ہوگا کہ مؤلف کی تحقیق انیق میں معجزہ کو "مافوق الاسباب" تصرف سمجھنا، کہنا نری جہالت وحماقت ہے، تو ان کی تحقیقات کا ماحاصل یہ ہوگا۔

(۱) معجزہ مافوق الاسباب تصرف نہیں۔ (۲) **المعجزة فعل الله خاصة**

(۳) خاصہ اُلوہیت تصرف مافوق الاسباب ہے۔

نتیجہ یہ حاصل ہوگا کہ:

معجزہ مافوق الاسباب اَمر نہیں۔ معجزہ مافوق الاسباب اَمر ہے۔

کیا ایسا کلام محال کو مستلزم نہیں؟

5: اللہ تعالیٰ "خلق افعال" میں کسی سبب کا محتاج نہیں، مگر سنتِ الٰہیہ ایسے ہی جاری ہے کہ بے شمار افعال اسباب ظاہرہ، عادیہ کے ذریعے بندوں کے ہاتھوں پر صادر فرماتا ہے۔

کیا بندوں کے ہاتھ پر صادر ہونے والے افعال کو "مافوق الاسباب" کہیں گے؟ کیونکہ ان پر "مافوق الاسباب" کی مذکورہ تعریف صادق آ رہی ہے جبکہ ایسے افعال کو خود مؤلف نے بھی "ماتحت الاسباب" لکھا ہے۔

6: خادم اہل سنت نے "نورِ ہدایت" میں اور خانصاحب نے "دل کا سرور" وغیرہ میں "مافوق الاسباب" کا جو معنی و مفہوم بیان کیا، اس کے اعتبار سے بندوں کے ہاتھ پر صادر ہونے والے افعال کی دو قسمیں ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب ہو سکتی ہیں۔ جبکہ مؤلف کی نئی تعریف کے لحاظ سے بندوں کے حق میں یہ تقسیم ممکن نہیں۔ خانصاحب وضاحت کریں کہ درست کیا ہے؟

7: متصرف حقیقی بالذات صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اسی کی شان ہے کہ اس کے ارادہ و

مشیت کو کوئی روک نہیں سکتا۔ کیا اس تعریف کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے افعال کو ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ؟

8: شرح عقائد نسفی میں ہے:

وَالمَقْدُورُ الْوَاحِدُ دَاخِلٌ تَحتَ قُدرَتَينِ لكِنْ بِجِهَتَينِ مُختَلِفَتَينِ فَالْفِعلُ مَقْدُورُ اللّٰهِ تعالیٰ بِجِهَةِ الإيْجَادِ وَمَقْدُورُ الْعَبْدِ بِجِهَةِ الْكَسبِ

(شرح عقائد ص ۱۵۴، ۱۵۵، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

عبارت مذکورہ کی روشنی میں ایک ہی ہاتھ پر صادر ہونے والا ایک ہی فعل ایک اعتبار سے مافوق الاسباب ہوگا اور دوسری جہت سے ماتحت الاسباب۔ یہ خرابی نئی تعریف کی وجہ سے لازم آتی ہے۔ اس کا کیا حل ہوگا؟

9: **محل نزاع** : نورِ ہدایت کے ''مقصد ہفتم'' میں خانصاحب اور ان کے اکابر کی کئی عبارات درج ہیں کہ:

انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء الرحمٰن کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے بھی بعض امور میں متصرف ماننا شرک ہے۔ جبکہ اس مقام پر جس تصرف کو خاصہ اُلوہیت قرار دیا گیا ہے۔ وہ تصرف بالذات اور بالاستقلال اولیاء کیلئے ماننا ہے۔ خانصاحب کے دونوں عقیدوں میں بُعد المشرقین ہے۔ اُن عبارات میں شرک کا معیار اور ہے اور اِس عبارت میں شرک کا معیار اور۔ یہ بنیادی مسئلہ ہے، اس کی تفسیر میں اتنا تضاد کیوں؟ گذارش ہے کہ ان میں سے جو نظریہ غلط ہے اس سے توبہ کریں۔ میرے خیال میں اس ساری خرابی کی جڑ اہلِ حق کی تحقیقات سے رُوگردانی ہے۔

10: خانصاحب کا کہنا ہے کہ محلِ نزاع کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنا جہالت و حماقت ہے، وقت کا ضیاع ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی تصریح کی ''کہ مخلوق میں سے کسی کو بھی ایسا متصرف ماننا کہ مستقل بالارادہ ہوسکے، اس کے ارادہ ومشیت کو رد کرنے کی کسی میں طاقت نہ ہو، ایسا عقیدہ شرک ہے۔ اس معنی میں مخلوق میں سے کسی کیلئے

بھی تصرف ثابت نہیں۔ مستقل بالارادہ ،متصرف بالذات ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔''

خانصاحب نے محل نزاع کا تعین اگر بقائمی ہوش وحواس کیا ہے ان سے درخواست ہے کہ ''نورِ ہدایت'' سے ایک ہی حوالہ دکھادیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام، ملائکہ عظام یا اولیاء میں سے کسی کیلئے ایسا تصرف مانا گیا ہو۔

خانصاحب نے ''راہِ ہدایت'' نامی کتاب یریدون أن یطفئوا نور اللہ بافواھھم کے مصداق ''نورِ ہدایت'' کے اطفاء (بجھانے) کیلئے لکھی، اس کتاب میں اہل سنت کا جو عقیدہ لکھا گیا ہے اس کا رد کرنا ہی ''محل نزاع'' ہوگا۔ لہٰذا وہ خود ہی اپنی ادا کو دیکھیں کہ نری جہالت وحماقت اور ضیاعِ وقت کا مظاہرہ کس نے کیا؟

(مقصد ہفتم میں ''خادم اہل سنت کا مسلک وموقف'' ایک نظر دیکھ لیا جائے)

11: جو اسماء وصفات اللہ تعالیٰ کی شان میں وارد ہیں اس طرح کے کلمات بندوں کے حق میں ذکر ہوں مثلاً سمیع، بصیر، عالم، فاعل ومتصرف وغیرہ، اہل سنت اس میں تطبیق کی یہ صورت بیان کرتے ہیں کہ سمع، بصر، علم، تصرف وغیرہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی ،مستقل اور قدیم صفات ہیں۔ جبکہ بندوں کیلئے عطائی اور حادث ہیں۔

خانصاحب اور ان کا ٹولہ اس تطبیق کو مسترد کرتا ہے جیسا کہ گذر چکا ہے۔ اس لئے ان سے سوال ہے کہ تصرف ذاتی اور تصرف ''مافوق الاسباب'' متصرف بالذات اور متصرف مافوق الاسباب کے معنیٰ میں واقعی فرق ہے؟ تو بتائیں خاصہء اُلوہیت کون سا تصرف ہے؟ اور اگر ان دونوں عبارات کے مصداق ومعنیٰ میں کوئی فرق نہیں تو نئی اصطلاح گھڑنے کی کیا ضرورت تھی؟

خانصاحب: ''زبان رکھتے ہوئے بھی بے زباں رہے اب تک''

خادم اہل سنت: ماشاء اللہ کیا خوب بے زبان ہیں! اس ناچیز کو پرلے درجے احمق، انتہائی جاہل، معتزلہ سے زیادہ گمراہ وغیرہا کی گردان کے ساتھ ساتھ اپنے مخالف کو یہودیوں سے بدتر کہنا ہی ان کی تہذیب وتمدن میں بے زبانی ہے، اور اگر زبان کھولتے تو کیا گل کھلاتے؟ مشرک سے بڑھ کر کون سی گالی ہے؟ مسلمان کو کافر، مشرک کہنا ہی سب سے بڑی گالی ہے۔

مؤلف راہِ ہدایت کی سب نوازشات کا ذکر مقصود نہیں، پاکدامنی کی جھلک دکھا کر اتنا ہی کہنا ہے۔ ؏ دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

شرک فی التصرف میں غلام خان صاحب کی رائے:

حزب مخالف کے شیخ القرآن (بزعم انکے) مولوی غلام خانصاحب لکھتے ہیں:

> "شرک فی التصرف: یعنی کسی پیر فقیر یا پیغمبر علیہ السلام کیلئے یہ ثابت کرنا کہ اس کو غائبانہ مافوق الاسباب نفع وضرر دینے کی طاقت ہے، یہ شرک فی التصرف ہے۔"

(جواھر القرآن رص،۱۳۸ ص ٦٦، ناشر کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی)

حسبِ ضرورت یہ لوگ قیدیں بڑھاتے رہتے ہیں۔ جواہر القرآن کے فتوی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مافی التصرف، متصرِّف سے غائب ہو تو ایسا مافوق الاسباب تصرف خلق کیلئے ماننا شرک ہوگا۔ کوئی ولی حاضر مافی التصرف میں مافوق الاسباب تصرف کرے تو جائز ہے۔ یعنی مافوق الاسباب تصرف دو قسم ہے۔ ناجائز و جائز۔

یہ بات پیش نظر رہنی چاہیئے کہ فاضل دیو بند خانصاحب کے پیر بھائی ہم استاد مولوی غلام خان راولپنڈی، اہلِ علم میں معروف طریقہء توفیق وتطبیق "ذاتی وعطائی" کو درست نہیں سمجھتے، بلکہ بزعم خویش اسے آج کل کے مشرک مولوی، پیروں کی خود ساختہ جہالت آمیز اصطلاح کہہ کر مسترد کر دیا ہے۔

شاید کہ آجکل کے مشرک مولویوں سے اُسکی مراد حاجی امداد اللہ، شیخ الطائفۃ اشرف علی تھانوی، رشید احمد گنگوہی، مرتضیٰ حسن در بھنگی وغیرہ ہوں؛ کیونکہ یہ حضرات بھی ذاتی اور عطائی تقسیم کے قائل ہیں۔

مگر تعجب خیز اور قابلِ صد تحسین ان کی یہ دلیل ہے جو ان الفاظ میں پیش کی گئی ہے:

"نیز بالذات کا معنی تو کسی ممکن الوجود کے اندر ہونا بھی محال ہے۔ وہ تو پہلے ہی سے منفی ہے۔ تو لازم آتا ہے کہ قرآن مجید میں بے فائدہ اور بے معنی نفی کی گئی ہے۔" (جواہر القرآن رص ر ۱۴۱)

(جواهر القرآن ص ٦٨ ناشر کتب خانه رشیدیه راولپنڈی)

"ذالک مبلغهم من العلم" یہ ان حضرات کا مبلغِ علم ہے۔

حزبِ مخالف اس دلیل پر جتنا بھی فخر کرے، کم ہے۔ یہ ان کے شیخ القرآن کا ہی حصہ ہے۔ اور کون ہے؟ جو ایسے لچر، جہالت آمیز، مضحکہ خیز دلائل پیش کرے۔

شیخ صاحب کے معتقدو! متوسلو! کاسہ لیسو! جان نثارو! کیوں خاموش ہو؟ داد کیوں نہیں دیتے؟ مرحبا کی آوازیں کیوں نہیں بلند ہوتیں؟ تمہارے شیخ اس سے بڑھ کر کب کوئی نکتہ بیان فرمائیں گے؟ اس زمزمہ سنجی پر جھومئے! اور اپنے شیخ القرآن کے اس کمالِ علمی پر سر دھنئے ! یا......

پراسرار خاموشی یا اعتراف جرم:

خانصاحب کیلئے اس سوال کا جواب دینا انتہائی مشکل تھا، سچ کہیں تو اپنے مسلک کے مشہور مناظر، استاد بھائی، بلکہ بالواسطہ خود اپنا شیخ، ہدفِ تنقید ٹھہرتا ہے۔ چونکہ اس انتہائی غلط دلیل کی صحیح توجیہ ممکن نہ تھی، اس لئے اس سوال کو شیرِ مادر سمجھ کر ہڑپ کر گئے۔

ع دو گونا رنج و عذاب است جان مجنون را

قارئین کرام! آپ بھی کچھ سمجھے ؟ کہ حزب مخالف کے شیخ القرآن کی مذکور عبارت سے کیا معلوم ہو رہا ہے ؟ یہ کہ محال اور ممتنع کی نفی بے فائدہ ہوتی ہے۔ جو چیز محال ہو اس کی نفی عبث ہے۔ تو ان کے نزدیک قرآن حکیم میں جتنی اشیاء کی نفی کی گئی ہے، وہ ممکن الوجود ہیں۔ ورنہ بقول اُن کے لازم آئے گا کہ قرآن مجید کے کئی مقامات پر بے معنیٰ نفی کی گئی ہے۔ قرآن مجید کی چند مثالیں ملاحظہ فرما کر دلیل مذکور کی صحت وسقم کا اندازہ کیجئے۔

قال اللہ تعالیٰ:

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ	اُسے نہ اونگھ آئے نہ نیند
لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ	نہ اسکی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ	اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی
لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ	اس جیسا کوئی نہیں
لَا شَرِيْكَ لَهٗ	اس کا کوئی شریک نہیں
وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ	حالانکہ اس کی عورت نہیں
لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ	جس کے سوا کوئی معبود نہیں
لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ	اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا

قرآن حکیم کے مذکورہ کلمات طیبات اور ان جیسی آیات واحادیث مقدسہ میں اللہ جل مجدہ سے نیند، اونگھ، ولد، والد، کفو، مثل، شریک، بیوی، دوسرے الٰہ، ظلم، موت، فنا وغیرہ کی نفی کی گئی ہے۔ تو اس **''دیوبندی اصول''** کے مطابق یہ تمام عیوب ونقائص اللہ جل مجدہ کیلئے ممکن ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے لڑکا، لڑکی، باپ، زوجہ، شریک اور مثل کا ہونا ممکن ہے۔ فناء ہوسکتا ہے، مٹ سکتا ہے، اونگھ اور نیند وموت کا اس پر آنا ممکن ہے...... مگر ایسا ہونا نہیں...... اسلئے کہ اگر یہ سب کچھ ممکن نہ مانا جائے تو **''دیوبندی اصول''** پر لازم آتا ہے کہ قرآن حکیم میں بے فائدہ وعبث نفی کی گئی ہو۔ العیاذ باللہ

گر همیں مکتب است وهمیں ملا — کار مکتب تمام خواهد شد

''امکان کذب'' کا مسئلہ تو ختم ہی نہ ہوا تھا کہ ایک اور شوشا چھوڑ دیا۔

جو لوگ نهی و نفی، نهی المنفی اور نفی المنفی میں امتیاز نہیں کر سکتے وہ حزب مخالف کے شیخ القرآن ہیں۔ (مؤلف راہِ ہدایت نے اس سوال کا جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں کی)

کاش ! ان لوگوں کو تنقیصِ شان رسالت، اہانتِ محبوبان خدا، نقص جوئی اہل اللہ سے فرصت ملتی، تو اصول الشاشی اور نور الانوار ہی دیکھ لیتے۔ بس ان کا تو ایک ہی رٹا ہوا سبق ہے کہ:

اہل سنت کو مشرک کہو، اہل اللہ کی تنقیص کرو، خواہ اپنا ایمان رفو چکر ہو جائے۔

خدارا! کچھ خیال کریں۔ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈریں۔ تعلل اندیشی، حجت بازی سے کام نہ لیں، بلکہ اصلاح کی کوشش کریں۔

دوزخ میں جھونکتی ہے یہ ٹھوکر لگی ہوئی

اَللّٰهُمَّ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم . وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آمین)

قارئین کی آگاہی و ہوشیاری کیلئے حزب مخالف کی اسی مسئلہ کے متعلق ایک اور خیانت کا پردہ چاک کردوں۔ یہی شیخ القرآن ذاتی وعطائی پر امام رازی کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ امام رازی علیہ رحمۃ الباری نے تفسیر کبیر میں زیر آیت ''فلا تجعلوا لله انداداً'' لکھا ہے۔

" اعلم انه ليس فى العالم احد يثبت لله شريكا يساويه فى الوجود والقدرة والعلم والحكمة وهذا مما لم يوجد الى الآن لكن الثنوية يثبتون الهين احدهما حليم يفعل الخير والثانى سفيه يفعل الشر، و اما اتخاذ معبود سوى الله تعالى ففى الذاهبين الى ذالک کثرة " (جواهر القرآن ص ۱۱۹)

شیخ القرآن صاحب نے کمال بے باکی اور بے حیائی سے امام فخر الدین رازی

کی عبارت میں قطع و برید کی اور خط کشیدہ عبارت جو مولوی صاحب کے اپنے عقیدہ مخترعہ کے بالکل مخالف تھی اسے سراسر اڑا دیا۔ (تفسیر کبیر / ج / ۱ / ص / ۱٦۸)

(حوالہ تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۱۲ پ ۱ آیۃ ۲۲، طبع لاہ

مستثنیٰ منہ ذکر کر دیا اور استثناء کو شیر مادر سمجھ کر نوش کر لیا۔ اول و آخر ذکر کر دیا مگر درمیان سے ندارد۔ انہیں یہ خیانت کرتے ہوئے اتنا خیال بھی نہ آیا کہ کسی سُنّی کے پاس بھی تفسیر کبیر ہوگی اور شاید کسی وقت کوئی میری اس غداری کو طشت از بام کر دے اور مجھے رسوائے عالم ہونا پڑے تو۔

بڑے ہی بے نوا ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے، کا مصداق بنیں گے۔

مگر ضد کا برا ہو ! انسان کو نتائج سے بے پرواہ کر دیتی ہے۔

یہ تلبیسا نہ حرکتیں کب تک پردہ راز میں رہتیں؟ کیا جن الفاظ کو جواہر القران میں ذکر نہیں کیا گیا، وہ حزب مخالف کے دعویٰ کے مخالف نہیں تھے؟ اگر مخالف تھے اور یقیناً تھے تو ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟

نیز مستثنیٰ منہ کا ذکر کرنا اور استثنا کو اپنی خواہش کے خلاف سمجھ کر اڑا دینا علمی خیانت نہیں ہے؟ جو لوگ اس قدر کھلی تحریف کرنے سے نہیں شرماتے وہ تحریف معنوی کرنے سے کب رکتے ہیں۔ ع۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

واقعی حزب مخالف نے تحریف میں یہود و نصاریٰ کو بھی مات کر دیا اور خصوصی کرتب دکھانے میں ان سے بھی دو قدم آگے نکل گئے۔ عوام الناس کو سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

ستم کیشی کو تیرے کوئی پہنچا ہے نہ پہنچے گا   اگرچہ ہو چکے ہیں تجھ سے پہلے فتنہ گر لاکھوں

”حافظ ابن قیم“، اشرف علی تھانوی کی نظر میں:

جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے، خادم اہل سنت نے سوال کیا ہے۔

”نیز ابن قیم کی عبارت میں مافوق الاسباب کے الفاظ موجود ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو

علامہ ابن قیم کی کیا مراد ہے؟ اور علامہ کی ان مسائل کلامیہ اعتقادیہ میں کیا حیثیت ہے؟

خانصاحب کیلئے چونکہ اسکا جواب دینا ناممکن تھا کہ حضرت حافظ ابن قیم نے مافوق الاسباب کا کیا مفہوم لکھا ہے؟ جواب سے مایوس ہوکر اشارۃً اس خادم اہل سنت پر اپنے غصہ کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

خانصاحب: نوٹ: اکثر اہل بدعت شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ اور حافظ ابن القیم کی رفیع شان میں بہت ہی گستاخی کرتے ہیں۔''

(راہ ہدایت ص ۱۴۷)

خادم اہل سنت: یہ سوال کرنا کہ علامہ ابن قیم کی ان مسائل میں کیا حیثیت؟ ان کی شانِ رفیع میں سخت ترین بے ادبی کرنا ہے، بہت ہی گستاخی کرنا ہے تو:

این گناهیست که در شهر شما نیز کنند

خانصاحب اپنے حکیم الامت اشرف علی تھانوی کے مرتبہ امداد الفتاوی المعروف ''فتاوی اشرفیہ'' میں درج ایک سوال کو پوری توجہ کے ساتھ پڑھیں اور پھر فیصلہ کریں کہ آپ کے فتوی کا مصداق کون ہے؟

''سوال: حافظ ابن قیم نے رسالہ ''شفاء العلیل'' و ''حاوی الارواح'' میں جمہور کے خلاف فناء نار کا دعویٰ کیا ہے جس سے کفار کیلئے خلود عذاب کی نفی ہوتی ہے، جو صراحۃً نصوص قطعیہ کے خلاف ہے۔ اور مسئلہ چونکہ ضروریات دین سے ہے اسلئے ان نصوص میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں۔ حافظ ممدوح نے اس دعویٰ میں گو بعض روایات حدیث سے بھی تمسک کیا ہے لیکن روایاتِ مذکورہ عموماً ضعاف اور مجروح ہیں، جو نصوص قطعیہ اور واضح دلائل کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتیں یا مؤول ہونگی اس لئے ان کے جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ البتہ جو چیز خلود نار کے بارہ میں کچھ تذبذب پیدا کرسکتی ہے وہ ان کا ایک عقلی استدلال ہے جس کا حاصل یہ ہے (الی ان قال) حافظ ابن قیم نے اس اشکال سے مرعوب ہوکر جمہور کا مسلک چھوڑا اور یہ فناء نار کا مسلک اختیار کیا

ہے۔اس کا کیا جواب ہے؟''

(امدادالفتاوی جلد ششم صفحہ ۱۲۸)

اس سوال میں حافظ ابن قیم پر جمہور اہل سنت کے خلاف مؤقف اختیار کرنے کا الزام ہے اور یہ بھی الزام ہے کہ ان کے مؤقف سے صراحتاً نصوص قطعیہ کے خلاف رائے قائم ہوتی ہے اور یہ بھی بیان ہے کہ یہ مسئلہ ضروریاتِ دین سے ہے اور اس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش بھی نہیں۔ جبکہ حافظ ابن قیم نے ان کمزوریوں کا اِرتکاب کیا ہے، اور یہ بھی الزام ہے کہ عقلی دلائل سے مرعوب ہوکر حافظ ابن قیم نے جمہور کا مسلک چھوڑ کر ان کے خلاف مسلک اختیار کیا۔ جناب تھانوی صاحب نے ان الزامات کو خاموش رہ کر درست تسلیم کیا ان کی تردید نہیں کی یہ ہرگز نہیں کہا کہ اہل بدعت کا حافظ ابن قیم پر سراسر غلط الزام ہے اور کہتے بھی کیسے؟ کیونکہ سوال کسی اہل سنت بریلوی کی طرف سے نہیں تھا بلکہ اپنے گھر والوں کے طرف سے تھا۔ پورے جواب میں تھانوی صاحب نے یہی کوشش کی کہ ابن قیم وغیرہ نے جو استدلال کیا ہے وہ کمزور ہے اور جمہور اہل سنت کے مسلک پر کوئی اشکال نہ رہا۔

ناظرینِ راہِ ہدایت خود فیصلہ کریں کہ اس مسئلہ میں حافظ ابن قیم کی کیا حیثیت؟ اور ان مذکورہ بالا الزامات میں کتنا زیادہ فرق ہے؟ کاش ''مؤلف راہِ ہدایت'' دوسرے کی آنکھ میں تنکا تلاش کرنے کی بجائے اپنی آنکھ کا شہتیر تو دیکھ لیتے۔ کسی صاحب علم سے علمی اختلاف رائے ہونا اور چیز ہے اور اسکے حق میں نامناسب الفاظ استعمال کرنا اور چیز، ضروریاتِ دین کا منکر، جمہورِ اہل سنت کا مخالف، ضعیف روایتوں کو نصوص قطعیہ کے مقابل بیان کرنیوالا، یہ الزامات خادم اہل سنت کی طرف سے نہیں انکے اپنے گھر والوں کے ہیں۔

اکابرین دیوبند کے حافظ ابن قیم پر شدید الزامات:

اِس حوالہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ خانصاحب کے حکیم الامت کے فتاوٰی امدادیہ میں حافظ ابن قیم پر چار شدید غلطیوں کا الزام ہے۔

1: نصوصِ قطعیہ کی مخالفت۔

2: ضروریات دین میں سے ایک ضروری عقیدہ کا انکار۔
3: حافظ ابن قیم نے جمہور اہل سنت کے مسلک کے خلاف قول کیا ہے۔
4: نصوصِ قطعیہ کے مقابل ضعیف اور مجروح روایات سے استدلال کیا۔

امداد الفتاویٰ میں حافظ ابن قیم پر جو الزام لگائے گئے ہیں وہ اگر غلط ہیں تو الزام لگانیوالے اہل دیوبند کا کیا حکم ہے؟ الزامات اگر درست ہیں تو حافظ ابن قیم کیلئے شرعاً کیا حکم؟ مدلل جواب دے کر اپنے بزرگوں کے دامن کو بچائیں یا راہِ صواب اختیار کریں۔

اگر گویم زباں سوزد   وگرنہ استخواں سوزد

حافظ ابن تیمیہ، محدثین اور علماءِ دیوبند کی نظر میں

خانصاحب: اکثر اہل بدعت شیخ الاسلام ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ رفیع الشان میں بہت ہی گستاخی کرتے ہیں۔ (راہِ ہدایت ص ۴۷)

خادم اہل سنت:

حافظ ابن تیمیہ جس طرح بعض عقائد و مسائل میں اپنے مخالفین پر سخت رویہ اپناتے اور انہیں تنقید کا نشانہ بناتے تھے اسی طرح خود بھی تنقید و جرح کا نشانہ رہے۔ جہاں ان کے عقید تمندوں کی ایک بڑی تعداد ہے وہاں بعض مسائل میں ان کی گرفت کرنے والوں میں بھی بڑے بڑے اہل علم شامل ہیں، اور اس دور میں مؤلف راہِ ہدایت کے ہم مسلک لوگ بھی ابن تیمیہ کے ناقدین کی صف میں شامل ہیں۔ مؤلف راہِ ہدایت کی چشم کشائی کیلئے گذارش ہے کہ جنہیں آپ نے اہل بدعت کہا ہے، دوسرے اکابر کے علاوہ خود ان کے ہم مسلک اکابرین دیوبند بھی شامل ہیں۔

علامہ انور شاہ کاشمیری دیوبندی کے افادات کو ان کے عقیدت کیش، احمد رضا بنوری دیوبندی نے کئی جلدوں میں ترتیب دے کر ''انوار الباری'' از افادات انور شاہ

کشمیری کے نام سے جمع کیا، جسے تالیفاتِ اشرفیہ ملتان نے شائع کیا۔

انوار الباری کی جلد ۱۳ ص ۳۲۵ سے لے کر ۵۳۰ صفحہ تک ان اہل علم کی تنقیدات و تحقیقات کو جمع کیا جنہوں نے حافظ ابن تیمیہ سے اختلاف کیا اور جن مسائل میں اختلاف کیا۔ دو سو صفحات پر مشتمل اتنی تفصیلی بحث کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے۔ گویا کہ انہوں نے ابن تیمیہ کی مخالفت میں دی گئی آراء پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

مؤلف راہِ ہدایت کو موقع میسر ہو تو اسے ملاحظہ فرما کر خود ہی فیصلہ کریں کہ جن اہل علم پر بدعتی اور گمراہ ہونے کا فتویٰ لگایا ہے وہ کون لوگ ہیں؟

مقصد سوئم:

المعجزات

و

الكرامات

☆ معجزہ کا لغوی معنی

☆ معزہ کا اصطلاحی معنی

☆ کرامتِ ولی کی تعریف

بحث المعجزات والکرامات

معجزہ کا لغوی معنی :

''معجزہ'' اعجاز سے مشتق ہے۔ اعجاز عجز سے ہے۔ عجز کا معنی ہے قادر نہ ہونا، کام نہ کرسکنا، عاجز ہونا۔ اعجاز کا معنی ہے کسی کو عاجز کرنا، معجز بمعنی عاجز کرنے والا، معجزہ عاجز کرنے والی۔ عام معنی کے بجائے اب لفظ معجزہ کا لفظ مخصوص معنی و مفہوم کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اس صورت میں تاء تانیث کیلئے نہیں اگرچہ تانیث کا احتمال موجود ہے۔

معجزہ کا اصطلاحی معنی :

''**ایسا امر جو خرق عادت ہو اور نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔**'' علماء اسلام کی اصطلاح میں اسے ''معجزہ'' کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ مفہوم اتنا معروف ہو چکا ہے۔ کہ عامۃ المسلمین بھی مخصوص معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ جب بھی لفظ بولا جائے تو سننے والے نبی اللہ علیہ السلام کا عجیب وخرق عادت کمال ہی سمجھتے ہیں۔

لفظ معجزہ مذکورہ اسلامی مفہوم کیلئے کب شروع ہوا؟ کس نے ''خرق عادت امور'' کیلئے یہ اصطلاح وضع کی ؟ اسکا جواب مشکل ہے۔ قرآن حکیم میں انبیاء کرام کے خرق عادت کمالات کو ''آیات'' اور ''برھان'' سے تعبیر کیا گیا۔ محدثین کرام نے ''علامت'' اور ''دلیل'' سے موسوم کیا، مگر آیت، برہان، علامت، دلیل، کے کلمات میں تنوع اور وسعت ہے۔ ان کا استعمال مختلف مطالب پر ہوتا ہے۔ کسی تشریح یا قرینہ کے بغیر مخصوص معنی مراد لینا انتہائی دشوار تھا۔ اہل علم کا طریقہ رہا ہے۔ کہ ایسے مفاہیم کو لمبی عبارات یا متعدد احتمال رکھنے والے لفظ کے بجائے کسی لفظ کو مخصوص معنی کیلئے وضع کر لیتے ہیں۔ اہل علم ہی نہیں ہر پیشے، ہر علاقے والے انسان بھی عام معنی والے لفظ کو خاص معنی کیلئے وضع کر لیتے ہیں جس سے اختصار کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ اور سامع مقصودی معنی تک پہنچ جاتا ہے۔

ایسے ہی مقاصد کیلئے ''انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق نبوت کیلئے جو خرق عادت امور ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے'' ان کو مختصر الفاظ میں بیان کرنے کیلئے ''معجزہ'' کی اصطلاح وضع کی گئی۔

مجھے اسکے واضع کا علم نہیں ہوسکا مگر اپنے کم مطالعہ کی روشنی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ بہت دیر بعد یہ استعمال شروع ہوا۔ قرآن حکیم میں جسے آیات و برہان سے ذکر کیا گیا۔ اسی مفہوم کو معجزہ کے لفظ سے ظاہر کیا گیا، یہ ہے تو بدعت مگر بدعتِ حسنہ۔

معجزہ کی تعریف:

1) آن امریست خارق عادت کہ ظاہر میگردد بوے دعوی نبوت (اشعۃ اللمعات)

2) هی امر یظهر بخلاف العادة علی یدِ من یَدّعِی النبوة عند تَحَدِّی المُنکرین علی وجہٍ یُعجِزُ المنکرین عن الاتیان بمثله.

3) هی فعل یخلقه الله تعالی خارقا للعادة علی ید مدعی النبوة

اس طرح کی عبارات سے ''معجزہ'' کا معنی سمجھایا گیا اس فقیر پر تقصیر کے خیال میں پہلی تعریف میں زیادہ جامعیت ہے۔ اور تیسری محل نظر۔ تعریف جتنی جامع مانع ہو، اتنی بہتر ہوتی ہے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے۔

(المُعْجِزَاتُ) جَمْعُ مُعْجِزَةٍ وَهِیَ أَمْرٌ یَظْهَرُ بِخَلَافِ الْعَادَةِ عَلٰی یَدِ مُدَّعِی النُّبُوَّةِ عِنْدَ تَحَدِّی الْمُنْكِرِیْنَ عَلٰی وَجْه یُعْجِزُ الْمُنْكِرِیْنَ عَنِ الْاِتْیَانِ بِمِثْلِهٖ"

یعنی معجزات، معجزۃ کی جمع ہے۔ اور وہ خلاف عادت ایک امر ہے جو ظاہر ہوتا ہے اللہ کے نبی ﷺ کے ہاتھ پر وقت معارضہ ومطالبہ منکرین کے اس طور پر کہ منکرین کو مثل لانے سے عاجز کر دیتا ہے

(شرح عقائد صـ ۹۸ ،مطبوعہ یوسفی ، بحث المعجزات)
شرح عقائد ص ۲۰۸، ۲۰۹ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

خادم اہل سنت نے ''نور ہدایت'' میں علامہ تفتازانی کی عربی عبارت اور اس کا اردو مفہوم لکھا، نہ تو اس پر کوئی تبصرہ کیا اور نہ ہی فوائد کا استنباط، جیسا کہ ناظرین کے سامنے ہے۔ مگر نا معلوم ''خانصاحب'' کو کیا سوجھی ؟ کہ موقع محل کا خیال رکھے بغیر نور ہدایت پر جارحانہ تنقید شروع کر دی۔ مغلوب الحال انسان کی طرح نامناسب زبان اختیار کی۔

مؤلف راہِ ہدایت کی وہ پوری عبارت ان شاء اللہ العزیز مقصد چہارم میں علامہ تفتازانی اور خرق عادت تصرفات، کے تحت ذکر کر کے تفصیلی تجزیہ کیا جائے گا۔ جس سے مؤلف مذکور کی دیگر کمزوریوں کے ساتھ جناب کی قوت استدلال کا بھی اندازا لگایا جائے گا کہ جناب اپنے مسلک کے خلاف کیسے مواد جمع کرتے رہتے ہیں؟

ملاحظہ ہو ص ۲۱۷

شرح مواقف میں کسی امر کے معجزہ ہونے کیلئے چند شرطیں ذکر کی گئی ہیں۔

(۱) وہ امر فعل الٰہی ہو یا اس کے قائم مقام۔

(۲) خرقِ عادت یعنی خلافِ عادت ہو۔

(۳) اس کا معارضہ و مقابلہ منکر نہ کر سکے۔

(۴) وہ فعل نبی اللہ سے صادر ہو وغیرہا۔

(شرح مواقف رص ر ۲۶۵،۲۶۶ المقصد الثانی طبع عالی نولکشور)

کرامتِ ولی کی تعریف:

اس ''خرق عادت ''فعل کا نام ہے جو مرد صالح، صاحب کمال، عارف باللہ وبصفاتہ ولی اللہ سے ظہور پذیر ہو۔ شرح عقائد نسفی میں ہے:

'' وَكَرَامَتُہٗ (الولی) ظُهُورُ أَمْرٍ خَارِقٍ لِلعَادَةِ مِنْ قِبَلِہٖ غَيْرَ مُقَارِنٍ لِدَعْوَى النُّبُوَّةِ '' شرح عقائد رص ر ۱۰۵

یعنی ولی اللہ کیطرف سے کسی امر خلاف عادت کا ظاہر ہونا ولی کی کرامت ہے مگر شرط یہ ہے کہ دعوی نبوت سے مقارن نہ ہو۔

شرح عقائد ص ۲۲۱ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی

شرح مقاصد میں ہے:

" وَالْكَرَامَةُ ظُهُورُ أَمْرٍ خَارِقٍ لِلْعَادَةِ مِنْ قِبَلِهِ بِلَادَعْوَى النُّبُوَّةِ وَهِيَ جَائِزَةٌ وَلَوْبِقَصْدِ الْوَلِيِّ"

(شرح مقاصد ص ۲۰۳ المبحث الثامن الولی ہو العارف باللہ تعالی دارالمعارف نعمانیہ کریم پارک لاہور)

ولی اللہ کے ہاتھ پر کسی خلاف عادت کام کا ظاہر ہونا دعویٰ نبوت کے بغیر کرامت ہے۔ خرقِ عادت فعل کا ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہونا شرعاً ثابت ہے اگرچہ ولی کے اپنے قصدوارادہ سے ہو۔

مذکورہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ کرامت اور معجزہ ''خرق عادت افعال'' ہیں۔ یعنی اسباب عادیہ کے بغیر ہی منصۂ شہود پر آجاتے ہیں۔ اسلئے ''مافوق الاسباب'' ام کہہ سکتے ہیں۔

شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ رقمطراز ہیں۔

" معجزه از اعجاز است بمعنی عاجز گردانیدن وآن امریست خارق عادت که ظاهر میگردد بوے دعوی نبوت ، وخوارق عادة که پیش از ظهور نبوت ظاهر شد آنرا ارهاصات گویند وارهاص محکم گردانیدن بنا ست بسنگ وگِل گویا که دروے استحکام امر نبوت ست، ومجموع خارق عادات را چهار قسم نهاده اند. آن چه از کفار وفساق ظاهر گردد

معجزہ اعجاز سے ہے جسکا معنی عاجز کرنا ہے اور معجزہ ایک خارق عادت امر ہے جس سے دعوی نبوت کی حقانیت ظاہر ہوتی ہے۔ جو امر خلاف عادت ظہور نبوت سے قبل نبی ﷺ سے ظاہر ہوں انہیں ارہاصات کہتے ہیں ارہاص کے معنی دیوار کو پتھر اور گارے سے مضبوط کرنا ہے۔ گویا ارہاص میں بھی نبوت کا استحکام ہے (اس وجہ سے اس امر کا نام ارہاص ہے) مجموعہ خوارق عادات کی چار قسمیں ہیں۔
جو کفار اور فساق سے ظاہر ہو اسے

آن را استدراج گویند وآن چه از عموم مسلمانان ظاهر شد آنرا معونت خوانند وآنچه از اولیاء بود کرامت وبقید دعوی نبوة این همه اقسام بیرون رفت.
وسحر خارق عادت نیست بلکه ظاهر میگردد باسباب از هرکه آنرا مباشرت کند وهرچه باسباب عادیه ظاهر گردد خارق عادت نبود چنانچه شفا بادویه طبیه وهرکه آنرا خارق عادة خواند باعتبار ظاهر آنست"
(اشعة اللمعات ج:۴ ص:۵۴۱ کتاب الفتن باب المعجزات طبع نولکشور)

استدراج اور جو عام مسلمانوں سے ہو اسے معونت، اور جو اولیاءاللہ سے ہو اسے کرامت کہتے ہیں۔ (معجزہ کی تعریف میں) نبوت کی قید لگانے سے یہ امور معجزہ سے خارج ہوگئے۔
جادو خرق عادت نہیں بلکہ اسباب سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ ہر اس شخص سے ہو سکتا ہے جو اس کا عمل سیکھے اور کسب کرے۔ جو امر اسباب عادیہ کے تحت ظاہر ہوں وہ خرق عادت نہیں جیسا کہ طبی دواؤں سے علاج۔ اور بعض کا جادو کو خرق عادت کہنا ظاہر کے اعتبار سے ہے۔

سبحان اللہ!

عبارت مسطورہ میں کیسا روشن بیان ہے کہ کرامات اور معجزات مافوق الاسباب تصرفات ہیں۔

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ سے جادو اور معجزہ کے فرق میں منقول ہے:

"بِاَنَّهٗ (السِّحْرُ) یَحْتَاجُ اِلَی الآلات وَالْاَسْبَابِ وَالْمُعْجِزَةُ لَا تَحْتَاجُ اِلَیْهَا" یعنی جادو آلات واسباب کا محتاج ہے مگر معجزہ اسباب کا محتاج نہیں۔
حاشیہ بخاری/ ص/۸۵۷/ ج/۲ کتاب الطب باب السحر مطبع انجمن نقشبندیہ قصور

مولانا عبدالحلیم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اِعْلَمْ اَنَّ السِّحْرَ لَیْسَ بِخَارِقٍ لِلْعَادَةِ یعنی جان لو کہ جادو خرق عادت نہیں کیونکہ یہ

فَإنَّهٗ يَظْهَرُ بِأسْبَابِ مِمَّنْ بَاشَرَهَا وَ كُلُّ مَا كَانَ ظُهُورُهٗ بِالأسْبَابِ الْعَادِيَةِ لَيْسَ بِخَارِقٍ لِلعَادَةِ "

اسباب سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو بھی اس کے اسباب کا استعمال کرے اس سے ظاہر ہوتا ہے اور جس امر کا ظہور اسباب عادیہ سے ہو وہ خارق عادت نہیں ہوتا۔

(نظم الدرر ۔ ص ۴)

یہی علامہ لکھنوی دوسرے مقام میں فرماتے ہیں :

" إنَّ الْكَرَامَةَ لاتَحْتَاجُ إلٰى مُزَاوَلَةِ الأسْبَابِ وَ مُبَاشَرَةِ الأعْمَالِ الْمَخْصُوصَةِ بِخِلافِ السِّحْرِ "

یعنی کرامت مزاولۃ اسباب اور مباشرۃ اعمال مخصوصہ کی محتاج نہیں ، بخلاف جادو کے کہ وہ اسباب مخصوصہ کا محتاج ہے۔

ان حوالہ جات سے روشن ہوا کہ جادو ماتحت الاسباب تصرف ہے اور کرامت ومعجزہ مافوق الاسباب، جادو اسباب عادیہ کا محتاج اور کرامت ومعجزہ ایسے اسباب کے محتاج نہیں۔

اگر اس پر بھی اطمینان نہ آئے تو لیجئے حزب مخالف کے قطب مولوی رشید احمد گنگوہی کی زبانی آپ کی تسلی کرادوں کہ کرامات بلا اسباب ظاہری کے ہوتی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

سوال: اولیاء اللہ کو عالم کی سیر کرانا ،مثلاً مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ بلا اسباب ظاہری کے یہ ممکن اور کرامت ہے یا نہیں ؟ ایسی بات کا اگر کوئی انکار کرے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: یہ کرامات اولیاء اللہ سے ہوتی ہے اور حق ہے کہ کرامت خرق عادت کا نام ہے۔ اس میں کوئی تردد کی بات نہیں، اس کا انکار گناہ ہے، کہ انکار کرامت کا کرتا ہے اور کرامت کا حق ہونا ،مسئلہ اجماعی اہل سنت کا ہے۔

فقط اللہ تعالی اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوھی عفی عنہ

(فتاوی رشیدیہ /ص/ ۹۳ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

گنگوہی کے قول سے معلوم ہوا کہ تصرف بلا اسباب ظاہری اور خرق عادت ایک ہی فعل کا نام ہے، بلا اسباب ظاہری دور کی سیر کرنا، کرانا ''کرامت'' ہے۔ کرامت کا حق ہونا اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہے، اور کرامت کا منکر گنہگار ہے۔

فائدہ :

معجزات وکرامات خارق للعادات امور تصرفات ہیں ۔ ان کے صدور میں ظاہری وعادی اسباب نہیں پائے جاتے۔ جس فعل کے ظہور وصدور میں اسباب عادیہ نہ ہوں اسے اصطلاحِ جدید کے طور پر ''مافوق الاسباب'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شیخ محقق، علامہ کرمانی اور علامہ لکھنوی نے معجزات وکرامات کو لاتحتاج الی الاسباب سے تعبیر کیا ہے۔ ان فضلاء کے علاوہ خانصاحب کے بزرگ گنگوہی صاحب نے کرامت کے تحقق میں بلا اسباب ظاہری کی قید لگائی۔

اس کے باوجود مؤلف راہِ ہدایت نے نیا انکشاف کیا کہ: معجزات مافوق الاسباب نہیں بلکہ ماتحت الاسباب (اسبابی اُمور) ہیں۔ مزید نادانی کا مظاہرہ یہ بھی کیا کہ معجزات کو بلا اسباب ظاہری (مافوق الاسباب، خارق للعادت) یعنی خارق للعادت کہنے والوں کو احمق ونادان کہا۔

خانصاحب نے معجزات کے مافوق الاسباب ہونے کا انکار تو سینہ زوری سے کر ہی لیا، بحث کا تقاضا تھا کہ نورِ ہدایت میں مذکور حوالہ جات کا کچھ نہ کچھ تو جواب دیتے۔ مؤلف کی اس سنگین غلطی کا تنقیدی جائزہ مقصد اوّل اور مقصد چہارم میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلاف کے خلاف غلط راہ اختیار کرنے سے ان کیلئے کوئی آسانی یا سوالات سے بچاؤ کی سبیل پیدا نہیں ہوئی، بلکہ ان کی مشکلات میں اور اضافہ ہوگیا ہے۔

فائدہ جلیلہ :

خانصاحب نے معجزہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کتاب کے مختلف مقامات پر کئی متضاد باتیں لکھی ہیں۔ کتاب کا مطالعہ کرنے والے کے فائدہ کیلئے انہیں ایک خلاصہ کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ تقابلی جائزہ لیتے ہوئے آسانی پیدا ہو۔

مؤلف (خانصاحب) کی تحقیقات کا خلاصہ :

۱: معجزہ میں خرقِ عادت ہونا شرط ہے۔

۲: اکابر علماءِ اہل سنت کے نزدیک خرقِ عادت ہونا بھی شرط نہیں۔

۳: معجزہ اسبابی اَمر ہے۔

۴: معجزہ کو مافوق الاسباب امر کہنا جہالت وحماقت ہے۔

۵: معجزہ ماتحت الاسباب اَمر ہے۔

اِن متفرق تحقیقات کو پڑھنے کے بعد یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ خانصاحب ''مؤلف راہِ ہدایت'' معجزہ کا مفہوم سمجھنے میں تذبذب وتضاد کا شکار ہیں۔

☆☆☆☆☆

مقصد چہارم:

معجزہ وکرامت کو
نبی وولی کا مقدور ماننا

- ☆ مؤقف اہل سنت
- ☆ شرح عقائد سے استشہاد
- ☆ علامہ قونوی کے کلام سے استدلال واستشہاد
- ☆ **اظہر النبی ﷺ المعجزۃ:**
- ☆ شرح مواقف کی عبارت کا مفہوم متکلمین کی نظر میں
- ☆ مقربِ خاص دور سے بھی تصرف فرماتا ہے
- ☆ علامہ انورشاہ کشمیری اور معجزۂ نبی
- ☆ بلغہ والوں کی اصطلاحِ جدید، ''مقدور نبی میں معجزہ''
- ☆ علامہ تفتازانی اور تصرفاتِ مافوق الاسباب:
- ☆ خواصِ نبوت اور امام غزالی و رازی رحمۃ اللہ علیہما
- ☆ استشہاد محدث عبدالرؤف المناویؒ
- ☆ اولیاء کرام کے تصرفات، شیخ محققؒ کی نظر میں

معجزہ وکرامت کو ولی ونبی کا مقدور ماننا

معجزہ اور کرامت کی تعریف اور بحث کے بعد ایک اور سوال باقی رہ جاتا ہے کہ:

کیا کرامت اور معجزہ کو ولی اور نبی کا مقدور کہہ سکتے ہیں؟

جس طرح یہ بحث ہے کہ انسان اپنے افعال میں اللہ تعالیٰ کی عطا سے بااختیار ہے یا اس نے اسے کوئی اختیار نہیں دیا؟ (یہ مسئلہ بہت تفصیل کے ساتھ کتاب کی ابتداء میں گذر چکا ہے) اسی طرح یہ مسئلہ بھی زیر بحث ہے کہ کسی نبی اللہ علیہ السلام سے جو خلاف عادت امور ظاہر ہوئے ان میں وہ بالکل بے اختیار تھے یا کچھ اختیار بھی تھا۔ معجزات ایک جیسے ہیں یا اس لحاظ سے مختلف؟

موقف اہل سنت: **مذہب حقہ اہل سنت وجماعت کا موقف ہے کہ:**

خرق عادت افعال اختیاری بھی ہیں اور غیر اختیاری بھی۔

عام افعال بھی دونوں طرح کے ہیں۔ قرآن حکیم، احادیث مبارکہ کے نصوص اور اہل علم کی تحقیق کی روشنی میں مسلک حق یہی ہے کہ: معجزہ کو نبی کا مقدور کہہ سکتے ہیں۔ بہت سے معجزات ان کے قصد واختیار سے ظاہر ہوئے۔ ان کے مولیٰ تعالیٰ کا اُن پر خاص انعام تھا جو عام انسانوں کو نہیں دیا گیا۔ ہاں مخصوص مومن، کامل افراد کو اتباعِ رسالت کی برکت سے ''کرامت'' کی نعمت ملی۔

خیال رہے عقائد قطعیہ کا اثبات دلائل قطعیہ سے ہوتا ہے۔ تاریخی واقعات اور اہل علم کے اقوال ''اثبات عقیدہ'' کیلئے نہیں بلکہ ''اظہارِ عقیدہ'' اور دیگر فوائد کیلئے پیش کئے جاتے ہیں۔

- غزوۂ بدر میں جب جنگ پورے شباب پر تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اسلحہ کی کمی، تعداد کی قلت، جنگی تیاری کے نہ ہونے کے باوجود نہایت شجاعت و بہادری سے

سنہری تاریخ رقم کر رہے تھے۔ عددی اکثریت، بہترین جنگی سامان، جنگ آزمودہ جنگجوؤں کا اکٹھ اور دیگر ذرائع و وسائل کو دیکھا جائے تو بظاہر غلبہ کے اسباب اہل مکہ کے پاس تھے۔ ایسے وقت میں نبی مکرم ﷺ نے دست نبوت بڑھا کر کنکریاں اٹھائیں، ہزار کے قریب کافروں کو شکست سے دوچار کرنے کیلئے ان کے منہ پر دے ماریں، کفار کا کوئی بھی فرد چاہے کھڑا تھا یا بیٹھا، اس کا منہ کسی طرف بھی تھا، سب کی آنکھیں ریت سے بھر گئیں، جس کی بدولت اہل مکہ ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوئے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تلوار، نیزہ اور تیروں سے حملہ کرنا ''اختیاری فعل'' تھا، رسول اللہ ﷺ کا کنکریوں سے حملہ کرنا بھی آپ کا ''اختیاری فعل'' تھا۔ صحابہ کبار کا مروجہ اسلحہ سے جہاد کرنا ''عادی فعل'' تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ کا اتنی اثر انگیز کنکریاں پھینکنا ''خرقِ عادت معجزہ'' تھا۔ فافہم

'' أَنَّهُ ﷺ فَعَلَهُ بِقُدْرَةٍ أُعْطِيَتْ لَهُ ﷺ مُؤَثِّرَةٌ بِاِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰی '' بیشک رسول اللہ ﷺ یہ فعل اللہ تعالیٰ کے اذن سے اُس قدرتِ مؤثرہ کے ذریعہ بجا لائے تھے جو آپ کو عطا کی گئی تھی۔ (روح المعانی)

اس نکتہ کو واضح کرتے ہوئے مفسر (علامہ نسفی) لکھتے ہیں۔

'' وَفِی الْاٰیَةِ بَیَانٌ اَنَّ فِعْلَ الْعَبْدِ مُضَافٌ اِلَیْهِ كَسْبًا وَاِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی خَلْقًا '' (سورۃ انفال آیۃ ۱۷، تفسیر نسفی ص ۵۸۱ قدیمی کتب خانہ کراچی) اس آیۃ مبارکہ میں اس حقیقت کا بیان ہے کہ انسان کے فعل کی اضافت خود اس کی طرف کسباً ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف خلقاً

یعنی کنکریاں پھینک کر کافروں کو شکست سے دوچار کرنے کا فعل ''معجزہ'' اللہ تعالیٰ کی خلق اور رسول اللہ ﷺ کے کسب سے ہے۔ اس معجزے کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے،

رسول اللہ ﷺ صرف ''کاسب'' ہیں خالق نہیں۔

❁ حضرت خضر علیہ السلام نے گرتی ہوئی دیوار کو ظاہری و عادی اسباب سے تعمیر نہیں کیا، بلکہ بطورِ خرقِ عادت (بلا اسباب ظاہری و عادی) ہاتھ لگا کر سیدھا کر دیا جس طرح آپ نے اپنے کسب و اختیار سے کشتی کو توڑا، غلام کو قتل کیا، ایسے ہی قصداً دیوار کو سیدھا کھڑا کر دیا۔ وہ فعل بھی اختیاری تھے اور یہ فعل بھی اختیاری۔ دو فعل ''اسباب عادی'' کے تحت اور تیسرا ''خرقِ عادت معجزہ'' تھا۔

❁ حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ ''اے میرے رب مجھے ایسا تصرف، قدرت اور ملک عطا فرما جو میرے لئے معجزہ ہو اور کسی اور کو نہ ملے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو چلتی ہواؤں پر حکمرانی عطا فرما دی اور مزید بھی قدرت و تصرف عطا فرمائے۔ عجیب و غریب خرق عادت نعمت دیکر آپ کو ایسا مالک و مختار بنایا ۔چاہے کہ کسی کو دیں یا نہ دیں آپ سے کوئی باز پرس نہ تھی۔ یہ غلبہء حکمرانی آپ کا معجزہ تھا جس کا اظہار آپ کے اختیار میں تھا اللہ تعالیٰ خالق و مالک ہے جس کو چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

❁ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دربار لگا ہوا ہے۔ ملکہء بلقیس ملاقات کیلئے ملک سبا سے روانہ ہو چکی ہے، آپ نے چاہا اُس کے آنے سے پہلے شانِ نبوت کے جلوے دکھائے جائیں، تو دربار والوں کو ملکہ کے پہنچنے سے پہلے اس کا تخت عظیم لانے کی دعوت دی، جس کے جواب میں طاقتور جن نے مجلس برخواست ہونے سے پہلے تخت لے آنے کا دعویٰ کیا، اس پر ایک صاحب علم ولی اللہ آصف بن برخیا نے جنات کی جسمانی قوت کے مقابلہ پر باطنی قوت کا مظاہرہ کرنے کیلئے ملکہ بلقیس کا تخت چشم زدن میں لانے کا دعویٰ کیا اور اسی وقت لا کر دکھا دیا، یہ خرق عادت (مافوق الاسباب

العادیہ) کارنامہ تھا، جسے سلیمان علیہ السلام کے صحابی ولی نے بطور کرامت کردکھایا۔

❁ دکھتی آنکھ کا آپریشن یا دوائی کے ذریعہ دنوں، ہفتوں علاج کرتے ہوئے درد کا ازالہ کرنا، مرض کا زائل ہونا، اسباب عادی کے تحت مریضوں کو فائدہ پہنچانا ہے۔ مگر آشوب چشم سے آنکھیں بند ہوں، درد کی شدت ہو، تو لعابِ دہن سے اتنا موثر علاج کرنا کہ نہ مرض کا نام و نشان اور نہ ہی کسی قسم کے درد کی کوئی کیفیت، خلاف عادت طریقہ علاج ہے۔

❁ ٹوٹے ہوئے بازو یا ٹانگ کی ہڈیوں کو اصلی مقام پر پہنچا کر جبیرہ (لکڑی وغیرہ باندھ دینا) یا پلستر چڑھا دینا، ہفتوں بعد پلاسٹر کھول کر بازو وغیرہ کا استعمال کرنا، اس طرح کا علاج اسباب عادی کے تحت ہے۔ مگر ٹوٹی ہڈی پر ہاتھ پھیر کر ایسا علاج کرنا کہ اسی لمحہ درد کافور ہو جائے اور ہڈی ایسی مضبوطی سے جڑ جائے گویا کبھی کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی یقیناً خرق عادت (بلا اسباب ظاہری) طریقہء علاج ہے۔

❁ ہاتھ کی لمبائی، بدن کے جھکاؤ کی مسافت پر رکھی چیز کو پکڑ لینا، اٹھا لینا، اَمرِ عادی (ماتحت الاسباب) فعل ہے، مگر ہاتھ بڑھا کر جنت کا پھل پکڑنا، خرق عادت (مافوق الاسباب العادیہ) کارنامہ ہے۔

❁ سامنے دیکھنا امر عادی ہے، لیکن پشت کے پیچھے بھی ایسے دیکھنا جیسے سامنے دیکھا جاتا ہے، خرق عادت (مافوق الاسباب العادیہ) فعل ہے۔

قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کی چند آیات و روایات کی طرف بطور اشارہ مفہوم اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے؛ تاکہ علما کے اقوال ذکر کرنے سے پہلے اصل نصوص کی طرف اشارہ کر دیا جائے، جن قرآنی نصوص یا احادیث صحیحہ کی طرف اشارہ کیا ہے، باب اوّل اور دوئم میں وہ درج ہیں۔

چونکہ حزبِ مخالف کے عقیدہ میں کسی بھی معجزہ وکرامت میں نبی ولی کے قصد واختیار کا کوئی تعلق نہیں، معجزہ کو نبی کا مقدور ماننا یہود کا عقیدہ ہے۔ خرق عادت (بلا اسباب ظاہری عادی) تصرف کی نسبت اللہ تعالیٰ کے کسی نبی، ولی کیطرف کرنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے تصرف پر کسی نبی، ولی کو قدرت نہیں دی۔ ایسا تصرف خاصہء اُلوہیت ہے۔

اس لئے اہل علم محققین اہل سنت کی تحقیقات ہدیہء قارئین ہیں۔

عقائد اہل سنت کی شہرہ آفاق کتاب ''مواقف'' میں ہے:

''وَ شَرَطَ قَوْمٌ فِي الْمُعْجِزِ اَنْ لَّا يَكُوْنَ مَقْدُوْرًا لِلنَّبِيِ وَلَيْسَ بِشَيْءٍ لِأَنَّ قُدْرَتَه' مَعَ عَدَمِ قُدْرَةِ غَيْرِهٖ عَادَةً مُعْجِزٌ''

(شرح مواقف/ص/٦٦٦ مطبع عالی نولکشور)

یعنی ایک جماعت نے معجزہ میں یہ شرط بیان کی ہے کہ وہ فعل نبی کا مقدور نہ ہو (نبی اس کے اظہار پر قادر نہ ہو) لیکن یہ قول ٹھیک نہیں کیونکہ نبی کا اس فعل پر قادر ہونا اور دوسروں کا نہ قادر ہونا عادتاً عاجز کرنیوالا ہے، اسلئے ایسے فعل کو معجزہ کہنا ٹھیک ہے

خلاصہ یہ نکلا کہ معجزہ کو نبی ﷺ کا ''اختیاری فعل'' کہنا جائز اور ان کے ''تحت قدرت'' کہنا ''صواب'' ہے۔

شمس المحدثین امام المتکلمین حضرت سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقمطراز ہیں۔

'' قَالَ الآمِدِیُّ هَلْ يُتَصَوَّرُ كَوْنُ الْمُعْجِزَةِ مَقْدُوْرَةً لِلرَّسُوْلِ أَمْ لَا ؟ اخْتَلَفَتِ الْأَئِمَّةُ فذهب بعضهم اِلٰى أَنَّ الْمُعْجِزَ فِيْمَا ذُكِرَ مِنَ الْمِثَالِ لَيْسَ هُوَ الْحَرْكَةُ بِالصُّعُوْدِ اَوِالْمَشْیُ لِكَونِهَا مَقْدُوْرَةً لَهُ بِخَلْقِ اللهِ فِيْهِ الْقُدْرَةَ عَلَيْهَا إِنَّمَا الْمُعْجِزُ هُنَاكَ هُوَ نَفْسُ الْقُدْرَةِ عَلَيْهَا.

علامہ آمدی نے فرمایا کیا معجزہ کو نبی ﷺ کا مقدور (اختیاری امر) تسلیم کیا جائے یا نہیں؟ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ مثال مذکور (الحرکۃ بالصعود والمشی) میں۔ ہوا میں صعود (پرواز) فرمانے، پانی پر چلنے کی (خرق عادت) حرکت (علی الاطلاق) عاجز کرنیوالی نہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی قدرت نبی میں پیدا فرما دی ہے۔ جسکی وجہ سے ایسی حرکت انکے مقدور میں ہے (یہ حرکت عاجز کرنیوالی نہیں) عاجز کرنیوالی صرف نفس قدرت ہے اس پر اور یہ قدرت اصلیہ نبی کی قدرت میں نہیں

وَهٰذِهِ الْقُدْرَةُ لَيْسَتْ مَقْدُورَةً لَهُ. وَذَهَبَ آخَرُونَ إِلَى أَنَّ نَفْسَ هٰذِهِ الْحَرْكَةِ مُعْجِزَةٌ مِنْ جِهَةِ كَوْنِهَا خَارِقَةً لِلْعَادَةِ وَمَخْلُوقَةً لِلّٰهِ تَعَالٰى وَإِنْ كَانَتْ مَقْدُورَةً لِنَبِيِّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ الْأَصَحُّ"

(شرح مواقف ص ٦٦٦ ،المقصد الثاني في حقيقة المعجزة مطبع عالي نولكشور)

(ان اہل علم کی رائے میں خرقِ عادت تصرف کا معجزہ نہیں بلکہ اس تصرف پر جو اللہ کی طرف سے قدرت حاصل ہے اس قوتِ اصلیہ کا نام معجزہ ہے) دوسرے ائمہ کی رائے و تحقیق میں اس (خرق عادت) حرکت کا نام ہی معجزہ ہے۔ خارق عادت اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کی قدرت کے تحت ہے۔ یہی اَصح مذہب ہے۔

اللہ اکبر ! ائمہ اہل سنت کی اتنی صاف ، شفاف اور واضح عبارت موجود ہوتے ہوئے معجزہ کے مقدور و اختیاری ہونے سے کیسے انکار ہوسکتا ہے؟ علامہ جرجانی رحمہ اللہ کی منقولہ عبارت نے تو جھگڑا ہی ختم کردیا۔ ہماری کوتاہ بینی کی وجہ سے اسلاف کی عبارات میں اختلاف وتضاد کا جو شبہ ہوسکتا تھا اسے رفع کردیا، کہ اصل میں نزاعِ لفظی ہے، حقیقی نہیں؛ کیونکہ جو علماء اہلسنت معجزہ کے مقدور نبی ہونے کے منکر ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ خلاف عادت فعل، مثلاً بغیر سبب ظاہری کے ہوا میں اڑنے، پانی پر چلنے کی قدرت نبی ﷺ کی مقدور ہے۔ جیسا کہ ہم اپنی قدرت وطاقت کو استعمال کر کے کسی فعل کو بجالانے پر قادر ہیں۔ مگر ایسے افعال کے اظہار کیلئے جو قدرت دی گئی وہ نفس قدرت وطاقت ہمارے قصد و اختیار سے نہیں، بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے۔ ان اہل علم کے نزدیک قدرت اصلیہ کا نام معجزہ ہے۔

اس قدرت کے استعمال مثلاً ہوا میں اڑنے، پانی پر چلنے کا نام معجزہ نہیں؛ کیونکہ یہ تو نبی ﷺ کا اختیاری فعل ہے۔ اور ان کے قصد و اختیار سے صادر ہوتا ہے اور معجزہ وہ ہونا چاہیے جو مخلوق میں سے کسی کا مقدور نہ ہو۔

تنبیہ: یاد رہے علماء کرام کی اس جماعت نے بھی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بلا اسباب ظاہری بطور خرقِ عادت ہوا میں اڑنے ، پانی پر چلنے اور اس قسم کے افعال کو

انبیائے کرام علیہم السلام کے ''اختیاری فعل'' ہونے کا انکار نہیں کیا۔ انہیں اختلاف صرف اتنی بات سے کہ معجزہ کونسی چیز کو کہیں گے؟ ان کے نزدیک اس تصرف کا نام معجزہ نہیں بلکہ قدرتِ اصلیہ کا نام معجزہ ہے۔ کیونکہ معجزہ ایسے امر کو کہنا چاہیئے جو کسی مخلوق کا اختیاری امر نہ ہو، اور اس قسم کے خرق عادت تصرفات تو نبی ﷺ کے اختیاری ہیں: یہ بات حضرت فاضل کی درج ذیل عبارت سے بھی عیاں ہے:

" المُعجزُ فيما ذكر من المثال لَيسَ هُوَ الحَرَكَةُ بِالصُّعُودِ اَوِالْمَشْىُ لِكَونِهَا مَقْدُورَةً لَهُ بِخَلْقِ اللهِ فِيْهِ الْقُدْرَةَ عَلَيْهَا " صعود اور مشیٰ کی حرکت معجز (عاجز کرنیوالی) نہیں اس لئے کہ ایسی حرکت پر قدرت اللہ تعالیٰ نے نبی میں پیدا فرمادی ہے۔

یعنی انسانی عادت کے خلاف ہوا میں بلند ہونے، پرواز کرنے، پانی پر چلنے کی حرکت (فعل) مطلقاً عاجز کرنے والی نہیں؛ کیونکہ ایسے تصرف وحرکت کی قدرت اللہ تعالیٰ نے نبی میں خلق فرمادی ہے، جس کے باعث ایسی حرکت اور تصرف پر اللہ تعالیٰ کا نبی قادر ہے۔ یہ خرقِ عادت فعل ان کی قدرت میں ہے۔ جبکہ معجزہ ایسے اَمر کو کہنا چاہیے جس کے اظہار سے اللہ کے سوا سب عاجز ہوں۔ مؤلف راہِ ہدایت (بخلقِ اللّٰہ فیه القدرة علیها) کو کسی فاضل سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

ائمہ اہل سنت کی دوسری جماعت کہتی ہے کہ اس حرکت کا نام بھی معجزہ ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں ایسا فعل کرنے پر کوئی منکر قادر نہیں۔ بایں معنی یہ تصرف بھی معجزہ (عاجز کرنیوالا) ہوا۔

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ائمہ متکلمین کا اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام خوارق عادت (مافوق الاسباب) افعال کے اظہار پر قادر ہیں۔

الحمدللہ علی ذالک .

قارئین یاد رہے! یہ وہی سید شریف ہیں جن کے متعلق حزبِ مخالف کے فاضل دیو بند

سرفراز خان گکھڑوی لکھتے ہیں:

''اہل سنت وجماعت کے مشہور محدث، فقیہ، فلسفی اور متکلم سید شریف جرجانی حنفی''
(دل کا سرور صفحہ ۲۹، طبع مدرسہ عربیہ گکھڑ منڈی)

خانصاحب گکھڑوی اپنے مزعومہ نظریہ کے خلاف ''شرح مواقف'' میں مندرج صاف فیصلے کو دیکھ کر کچھ بدحواس سے ہو گئے۔ طالب علمانہ کوشش کا جواب نہ پا کر اس فقیر کو کوسنا شروع کر دیا۔ کئی صفحات میں جو کچھ لکھ سکے، تضاد کا مجموعہ ہے۔ (جس مسئلہ کو ایک جگہ درست کہا اسے ہی دوسرے مقام پر غلط قرار دیا) خانصاحب نے زیر بحث عبارت کی توضیح میں جو کچھ کہا ان ہی سے کچھ عبارات قارئین کرام کے فیصلہ کیلئے نقل کی جاتی ہیں (دیکھئے، پڑھیئے اور سر دھنیئے) خانصاحب لکھتے ہیں:

''مؤلف نور ہدایت کی جہالت یا خیانت دیکھئے کہ وہ مواقف اور شرح مواقف سے معجزہ کی چند شرطیں بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ:
(ا) وہ امر الٰہی ہو یا اس کے قائم مقام الخ (نور ہدایت ص ۲۸) اور پھر معجزہ کی اس پہلی اور بنیادی شرط کو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل یا اسکے قائم مقام (ترک وغیرہ) ہو شیر مادر سمجھ کر ہڑپ اور ہضم کر گئے ہیں اور یہ ثابت کرنے کیلئے کہ معجزہ کو نبی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اختیاری فعل کہنا جائز اور ان کے تحت قدرت کہنا ثواب (صواب) بلفظہٖ (نور ہدایت ص ۳۳) ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا ہے اور خیر سے عبارات میں قطع و برید کے علاوہ کسی ایک عبارت کا مطلب بھی صحیح نہیں سمجھے کسی عبارت کی ابتداء نہیں دیکھی اور کسی کی انتہاء سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور اصل عبارتوں کی طرف مراجعت کرنیکی سرے سے تکلیف ہی گوارہ نہیں کی'' انتہی بلفظہ (راہ ہدایت مؤلفہ سرفراز خانصاحب گکھڑوی ص ۳۱)

خادم اہل سنت: آئندہ سطور میں ''شرح مواقف'' کی زیر بحث عبارت پر کلام کیا جائے گا۔ جس کی روشنی میں قارئین کو یہ فیصلہ کرنا آسان ہو گا کہ خیانت اور جہالت کا اعزاز کس کے حصے میں آتا ہے؟ میں خانصاحب کو اتنا جاہل نہیں سمجھتا کہ وہ

''شرح مواقف'' کی عبارت کو نہ سمجھے ہوں، البتہ خائن، ضدی اور ہٹ دھرم گمان کرتا ہوں کہ جان بوجھ کر حق کا انکار کر رہے ہیں۔ اس کی تائید وتوثیق ان شاء اللہ علماءِ دیوبند کی تحریروں سے کرائی جائے گی۔

مؤلف راہِ ہدایت کی مذکورہ بالا عبارت کا تجزیہ:

۱) خانصاحب: ''معجزہ کی بنیادی شرط ہضم کر گئے'' (راہ ہدایت)

خادم اہل سنت: خانصاحب کے عقلی طور پر اندھے پن کا شبہ گذرتا ہے خود اس شرط کا میرے حوالے سے ذکر بھی کرتے ہیں اور یہ بھی ارشاد ہوتا ہے اس بنیادی شرط کو شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر لیا ہے۔

۲) خانصاحب: ''عبارت میں قطع برید کی گئی'' (راہ ہدایت)

خادم اہل سنت: خانصاحب کو چاہئے کہ یہ واضح کریں اہل علم کے محاورات میں قطع و برید کس کو کہتے ہیں؟ پھر اس کی کوئی مثال میری کتاب سے پیش کریں۔ خصوصاً زیر بحث شرح مواقف کی عبارت سے۔ کیونکہ قطع و برید کا الزام اسی موقع پر لگایا گیا ہے اگر ایسا کر سکیں تو مشکور ہوں گا۔ آخری عبارت چھوڑ دینے سے شاید جناب کی مراد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت مراد ہو اسکی تفصیل حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حوالہ جات میں آئیگی۔

۳) خانصاحب: ''کسی ایک عبارت کا مطلب بھی صحیح نہیں سمجھے۔'' (راہ ہدایت)

خادم اہل سنت: ''سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ''

خانصاحب کے تلامذہ شیخ کی سچائی کیلئے دعویٰ میں کلیت اور عموم کو پیش نظر رکھیں۔

۴) خانصاحب: ''اصل عبارت کی طرف مراجعت کرنیکی سرے سے تکلیف ہی گوارہ نہیں کی'' (راہ ہدایت)

خادم اہل سنت : چشم بد دور ۔ خیر سے اب معلوم ہوا کہ خانصاحب کو اسلاف کی عبارتوں کا مفہوم بگاڑنے اور اپنے مخالف کے متعلق خود اختراع کر کے اسکا رد کرنے میں ہی ملکہ نہیں، بلکہ غیب دانی کا دعویٰ بھی ہے۔ اگر جناب کو غیب دانی کا دعویٰ نہیں تو انہیں کیسے علم مشاہدہ ہوا کہ اصل عبارتوں کی طرف مراجعت نہیں کی گئی؟ کیا فرماتے ہیں علماء دیوبند کہ غلط بیانی کرنیوالے، اشارۃً غیب دانی کا دعویٰ کرنیوالے شخص کیلئے شرعاً کیا حکم ہے؟

بتوفیق اللہ تعالیٰ وعونہ شرح مواقف کا مذکورہ حوالہ اصل کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے علم میں آیا، جسے نورِ ہدایت میں نقل کر دیا گیا، اس سے پہلے نہ ہی کسی کتاب میں پڑھا اور نہ ہی کسی اور کتاب سے دیکھ کر لکھا۔

۵) **خانصاحب:** شرح مواقف کی عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ معجزہ نبی کا فعل اور اس کے کسب واختیار کا کرشمہ ہوتا ہے جیسا مولف نور ہدایت نے سمجھ رکھا ہے۔ الخ

راہِ ہدایت ص:

خادم اہل سنت: فقیر نے اس عبارت کا جو مفہوم سمجھا اور ناظرین کتاب کے سامنے پیش کیا۔ الحمدللہ وہی صحیح اور درست ہے۔ علماء متکلمین کے علاوہ خود دیوبندی علماء نے بھی اسی مطلب کو صحیح اور درست کہا ہے۔ (اُن کی عبارات نقل کی جائیں گی)

مذکورہ بالا دعویٰ کے اثبات پر دوسرے دلائل پیش کرنے سے پہلے شرح مواقف کی زیر بحث عبارت کا خانصاحب نے جو ترجمہ اور اسکا جو مطلب ومفہوم لکھا ہے اسے درج کیا جاتا ہے۔

خانصاحب راہِ ہدایت ص ۴۹ پر لکھتے ہیں:

مواقف اور شرح مواقف کی عبارت کا حل:

"مواقف اور شرح مواقف میں معجزہ کی دوسری شرط بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ہم اسکا لفظی ترجمہ کر دیتے ہیں۔ (اور خط کشیدہ الفاظ متن کے ہیں) دوسری شرط یہ ہے کہ معجزہ

صرف وہی ہوگا جو خارق عادت ہو کیونکہ بغیر خرق عادت کے اعجاز متحقق نہیں ہوسکتا کیونکہ آئندہ بیان ہوگا کہ فعل معجزہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے قولی تصدیق کے قائم مقام ہے اور جو چیز خارق عادت نہ ہو بلکہ معتاد ہو جیسے ہر دن سورج کا طلوع کرنا اور موسم ربیع میں پھولوں کا ظاہر ہونا تو یہ نبی کے صدق پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ ان معتاد امور میں دوسرے لوگ بھی حتی کہ جھوٹا نبی بھی سچے نبی کیساتھ دعویٰ کرنے میں برابر ہے وہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ میرا معجزہ ہے۔ اور ایک قوم نے معجزہ میں یہ شرط لگائی ہے کہ معجزہ ایسے امر میں نہ ہو جو (عادۃ) نبی کی قدرت کے تحت ہے کیونکہ اگر اسکی قدرت کے نیچے داخل ہو مثلاً ہوا میں اڑنا اور پانی پر چلنا تو یہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے قائم مقام تصدیق کے نہ ہوگا۔ مگر یہ شرط کوئی حقیقت نہیں رکھتی کیونکہ نبی کا قادر ہونا درآنحالیکہ دوسرے لوگ اس پر عادۃ قادر نہیں ہوسکتے یہ بھی معجزہ ہے۔ علامہ آمدیؒ کہتے ہیں کہ کیا اسکا تصور کیا جاسکتا ہے؟ کہ معجزہ نبی کے مقدورات میں بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ معجزہ مثال مذکور میں ہوا میں صعود کرنے کی حرکت اور پانی پر چلنے کی قدرت نہیں ہے کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنیکی وجہ سے نبی کی قدرت میں داخل ہے بلکہ درحقیقت معجزہ اس مقام پر اس حرکت پر نفس قدرت کا نام ہے اور وہ قدرت نبی کی طاقت سے باہر ہے، اور دوسرے ائمہ یہ فرماتے ہیں کہ محض یہ حرکت ہی معجزہ ہے بایں وجہ کہ یہ خارق للعادۃ ہے اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور اگرچہ مقدور نبی بھی ہے اور یہی صحیح تر قول ہے۔ انتہی

(شرح مواقف طبع نولکشور صفحہ ۶۶۶) راہ ہدایت : ۴۹، ۵۰

خادم اہل سنت: (۱) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ خادم اہل سنت نے مذکورہ عبارت کا جو ترجمہ لکھا اسے مؤلف راہ ہدایت نے غلط نہیں کہا اگرچہ مؤلف نے ترجمہ کے دوران بصورت قوسین پیوند لگا کر اصل مفہوم کو مسخ کرنے کی سعیٔ ناتمام تو کی مگر نہ چاہتے ہوئے بھی درست مفہوم انکے قلم سے درج ہو ہی ہو گیا۔

جناب والا لفظی ترجمہ کرتے ہوئے "عادۃ" کا لفظ بطور توضیح لائے جس نے خود انہی کے مؤقف کو داغدار کر دیا، اس اضافہ کیساتھ عبارت کا مفہوم یوں بنے گا کہ:

اہل علم کی اس جماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے نبی کا بطور خرقِ عادت

(عادت کے خلاف) ہوا میں صعود فرمانا، خلاف معمول بلند ہونا، یا پانی پر چلنا عادۃً انکی قدرت کے تحت ہے، یعنی ایسا تصرف ان کی عادت میں شامل ہے۔

چونکہ ہوا میں اڑنا پانی پر چلنا نبی اللہ علیہ السلام کی قدرت و اختیار میں ہے، اسلئے اس طرح کے کمال کو معجزہ نہیں کہا جائے گا۔ (یونہی ولی اللہ کے اس طرح کے کمال کو کرامت نہیں کہیں گے؛ کیونکہ ایسا فعل ان کی عادت میں شامل ہے، خلافِ عادت نہیں۔ اس اعتبار سے اختلاف اس بات میں ہوگا کہ ایسے اختیاری اور عادی خرقِ عادت تصرف کو معجزہ وکرامت کہیں یا نہیں؟ خادمِ اہل سنت اسی خرقِ عادت امر کو معجزہ کہتا ہے۔

اہل عقل وشعور ہی فیصلہ فرمائیں گے کہ اس تقریر سے نور ہدایت کا رد ہوا یا تائید وتوثیق؟

۲: خانصاحب ذکر کرتے ہیں:

مگر یہ (جسے ایک قوم کا خیال درج کیا گیا ہے) شرط'' کوئی حقیقت نہیں رکھتی کیونکہ نبی کا قادر ہونا درآنحالیکہ دوسرے لوگ اس پر عادۃً قادر نہیں ہوسکتے یہ بھی معجزہ ہے۔''
(راہ ہدایت ص ۴۹)

خادم اہل سنت: اس کلام کا صاف صاف مفہوم یہ ہے کہ جن اہل علم کے خیال میں نبی علیہ السلام کا ظاہری اسباب کے بغیر ہوا میں معمولِ انسانی کے خلاف بلند ہونا، جسے عام محاورے میں ہوا میں اڑنا کہتے ہیں، یا پانی میں تیرنے کے بجائے اس پر چلنا، چونکہ یہ قوت وتصرف اللہ تعالیٰ کے نبی کو عادۃً حاصل ہے، لہٰذا اس کو معجزہ کہنا مناسب نہیں؛ اس لئے کہ معجزہ اسی کو کہیں گے جس پر مخلوق میں سے کوئی بھی قادر نہ ہو۔

حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ اس شرط کی کوئی حقیقت نہیں یعنی یہ شرط لگانا تحقیقی طور پر درست نہیں؛ کیونکہ اللہ کے نبی کا اس طرح کی فعل وتصرف پر قادر ہونا جب کہ عادۃً اور انسان اس پر قادر نہیں یہ صعود وطیران کی حرکت وتصرف ہی معجزہ کہلائے گی؛ کیونکہ اہل علم کی یہی تحقیق ہے کہ معجزہ میں سب کا عاجز ہونا ضروری نہیں بلکہ مدمقابل کا عاجز ہونا اور اس فعل کا خرقِ عادت ہونا ہی کافی ہے۔

گویا متکلمین کے دونوں گروہ اس پر متفق ہیں کہ نبی اللہ علیہ السلام بطور خرق عادت ہوا میں صعود فرمانے اور پانی پر چلنے پر قادر ہیں، ایسے تصرف وحرکت کی قدرت اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہے۔

۳: خانصاحب: ''علامہ آمدی کہتے ہیں کیا اسکا تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ معجزہ نبی کے مقدورات میں بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے''

(راہِ ہدایت ص ۴۹)

خادم اہل سنت:

''هَلْ يُتَصَوَّرُ كَوْنُ الْمُعْجِزَةِ مَقْدُورَةً لِلرَّسُولِ أَمْ لَا ؟ اخْتَلَفَتِ الْأَئِمَّةُ''

کا لفظی ترجمہ ''نبی کے مقدورات میں بھی ہوتا ہے یا نہیں'' کرنا، اسے دیوبندی محقق کا علمی کمال تصور کیا جائے یا علمی بددیانتی وبدنما پیوندکاری، حالانکہ اس طریق کے باوجود بھی کوئی فائدہ ہاتھ نہیں آیا جسکی وضاحت آرہی ہے۔ کیا علمی اصطلاحات مثلاً " الكلمة لفظ ...... الخ " کا ترجمہ یوں کیا جائے گا؟ کلمہ لفظ میں یا الفاظ میں جو معنی مفرد کیلئے وضع کئے گئے ہیں اگر یوں ہی اصطلاحات کے تراجم بگاڑے گئے تو ایک نیا علمی شاہکار ہوگا۔

المعجزة کی خبر مقدورة کو صیغہ جمع مقدورات سے تعبیر کرنا کیا صاحب کتاب کے ساتھ ناانصافی نہیں، اسطرح کے ترجمہ پر تو ایک طالب علم بھی کئی سوال اٹھا سکتا ہے۔

۴: معجزہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے بعض متکلمین کی رائے یہ ہے کہ معجزہ ایسا خرق عادت فعل ہے جو نبی اللہ علیہ السلام کے ہاتھ پر صادر ہو اُس فعل پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہ ہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا نبی بھی اس کے اظہار پر قادر نہ ہو ان متکلمین کی رائے کو خانصاحب گکھڑوی نے ان الفاظ میں رقم کیا:

''بعض ائمہ یہ کہتے ہیں کہ معجزہ مثال مذکور میں ہوا میں صعود کرنے کی حرکت اور پانی پر چلنے کی قدرت نہیں ہے کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کیوجہ سے نبی کی قدرت میں داخل ہے بلکہ درحقیقت معجزہ اس مقام پر اس حرکت پر نفس قدرت کا نام ہے اور وہ قدرت نبی کی طاقت سے باہر ہے۔ (راہ ہدایت ص ۴۹)

اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کا یہ گروہ بھی ظاہری اسباب کے بغیر ہوا میں بلند ہونے، خشک ہموار راستے کی طرح پانی پر چلنے کی حرکت و فعل نبی اللہ علیہ السلام کے قصد و اختیار سے صادر ہونے کو جائز تصور کرتا ہے، مگر وہ اس تصرف کو حقیقتاً معجزہ نہیں سمجھتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسی قدرت نبی میں پیدا کردی ہے جس کی وجہ سے یہ خرق عادت تصرف نبی کی قدرت میں داخل ہے۔ ان کی رائے میں یہ تصرف معجزہ نہیں بلکہ معجزہ اس نفس قدرت اور طاقت محض کا نام ہے جسکے پیدا کرنے پر اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس پر قادر نہیں۔

فائدہ : متکلمین کے بظاہر اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ معجزہ اعجاز سے ہے، اعجاز کا معنیٰ ہے عاجز کرنا، عجز پیدا کرنا، لغوی معنیٰ کے اعتبار سے معجز (عاجز کرنیوالا) حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی ہے؛ کیونکہ وہی عجز کا خالق ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے خرقِ عادت اَمر کو معجزۃٌ بطور مجاز کہا جاتا ہے۔ شرح مواقف میں اس مسئلہ کو اِس پہلو سے پیش کیا گیا کہ حركة الصعود فی الهواء اور مشی علی الماء اگرچہ خرقِ عادت امر ہے مگر اسے معجزہ نہیں کہنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں علی الاطلاق عجز نہیں پایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے بعض کامل افراد سے ایسا تصرف ثابت ہے، جبکہ معجزہ اس اَمر کو کہنا چاہیے جس کے صدور پر کوئی بھی قادر نہ ہو، اور وہ نفس قدرت ہے۔ قدرت کی ایجاد پر اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی قادر نہیں، اس لئے معجزہ نفسِ قدرت کو کہیں گے۔ خرق عادت تصرف کو معجزہ مجازاً کہا جائے گا۔

محققین، متکلمین کا دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ خرق عادت حركة الصعود فی الهواء اور مشی علی الماء جیسے امور کو بھی معجزہ کہنا درست ہے عموماً معجزہ کا اطلاق ایسے خرق عادت تصرفات پر ہی ہوتا ہے؛ کیونکہ نبی اللہ علیہ السلام کے اظہار معجزہ کے بعد منکر، مقابلہ کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے امر کو معجزہ کہا جائے گا صحیح تر یہی مذہب ہے۔

مؤلف راہِ ہدایت نے شرح مواقف کی عبارت کا جو ترجمہ کیا ہے اسکی روشنی میں محقق سید شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ: نفس قدرت اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے ،اسی کا فعل ہے۔ کسی اور کے قصد و ارادہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر خرقِ عادت تصرفات اور اُن کے اظہار پر اللہ تعالیٰ کے نبی قادر ہیں؛ کیونکہ ایسے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی وجہ سے نبی کی قدرت میں داخل ہیں۔

ماحصل: مؤلف راہ ہدایت نے اس موقع پر جو کچھ لکھا اسکی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ

☆ ہوا میں صعود کرنے اور پانی پر چلنے کی قدرت خارق للعادت حرکت ہے۔

☆ مؤلف راہِ ہدایت نے خود تسلیم کیا۔ کہ ایسے صعود اور مشی کی حرکت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی وجہ سے نبی کی قدرت میں داخل ہے۔

☆ یہ بھی طے شدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے ہاتھ پر جو خرق عادت امر ظاہر ہوا اسے اسلامی اصطلاح میں معجزہ کہا جاتا ہے۔

ان مسلمات سے **لازمی نتیجہ** یہی نکلتا ہے کہ:

☆ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ قوت کی وجہ سے معجزہ کا اظہار نبی کی قدرت میں داخل ہے۔

گذشتہ سطور میں اہل علم کے اختلاف کی صحیح توجیہ بیان کی جارہی تھی، لفظی نزاع اپنی جگہ مگر متکلمین کے دونوں گروہوں کا اس پر اتفاق ہے کہ **الصعود فی الھواء و المشی علی الماء** وغیرہ خرقِ عادت اُمور پر اللہ تعالیٰ نے نبی کو قدرت عطا فرمائی ہے۔ اس توجیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بجا ہے کہ متکلمین اہل سنت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ **المعجزة مقدورةٌ لنبی اللہ تعالیٰ**۔

علم کلام کے ماہر فضلاء میں سے کسی کا بھی ایسا قول میری نظر سے نہیں گذرا جس میں امام جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تقسیم کو تسلیم کرتے ہوئے مطلقاً معجزہ کو غیر مقدور نبی کہا گیا ہو، مؤلف راہِ ہدایت کی نظر میں کوئی ایسا قول ہو تو اسے منظر عام پر لائیں۔

۵: خانصاحب کے بیان کردہ ترجمہ کے آخری حصہ نے ہر قسم کے شک وشبہ بلکہ مغالطہ دہی کو ھباءً منثوراً کردیا ہے۔ جناب نے خود لکھا:

''اور دوسرے ائمہ یہ فرماتے ہیں کہ محض یہ حرکت ...... [مثلاً بلا سبب ظاہری ہوا میں صعود، پانی پر چلنا پھرنا از فقیر] ......ہی معجزہ ہے۔ بدیں وجہ کہ یہ خارق للعادۃ ہے اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے **اگرچہ مقدورِ نبی بھی ہے** اور یہی صحیح تر قول ہے۔ انتہیٰ شرح مواقف

(راہ ہدایت ص ۵۰)

اس عبارت کا اسکے سوا کیا مفہوم و مطلب ہوسکتا ہے کہ بطور خرقِ عادت ہوا میں بلند ہونا اڑنا پانی پر چلنا اگرچہ یہ خلاف عادت فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکے بجالانے کی قدرت نبی میں تخلیق فرمادی ہے، گو نبی اللہ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی عطا سے ایسے خرق عادت کام حرکت پر قادر و مختار ہیں، اور یہ تصرف نبی کی قدرت میں ہے، اسکے باوجود ایسے عجیب کام کو نبی اللہ علیہ السلام کا معجزہ کہا جائے گا۔ کیونکہ منکرین نبوت اس کے مقابلہ سے عاجز ہیں ان اہل علم کی رائے میں یہی صحیح تر مذہب ہے۔ مؤلف راہِ ہدایت کا جملہ **''اگرچہ مقدورِ نبی بھی ہے''** دلائل کا موازنہ کرتے وقت پیش نظر رکھا جائے۔

قارئین کرام! یہ عبارت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ قوت کی بدولت انبیاء کرام علیہم السلام اپنے قصد و ارادہ سے خرقِ عادت کاموں کے اظہار پر قدرت رکھتے ہیں۔ اس طرح کا خرقِ عادت تصرف ان کا ''اختیاری فعل'' ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوت سے انسان جو کام اپنے قصد و ارادہ سے کرتا ہے وہ اس کا ''کسبی فعل'' کہلاتا ہے۔ جیسا کہ شرح عقائد میں اس کی تصریح موجود ہے:

صَرْفُ الْعَبْدِ قُدْرَتَهٗ وَاِرَادَتَهٗ اِلَى الْفِعْلِ كَسْبٌ۔

(شرح عقائد ص ۱۵۴، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

لہذا انبیاء کرام علیہم السلام کے ایسے افعال وحرکات اختیاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار دیا ہے، غیر اختیاری واضطراری نہیں۔ اسی سے ولی اللہ تعالیٰ کی کرامات کا حکم بھی ظاہر ہوتا ہے۔

خیال رہے کہ اہل علم کا اپنا ایک طریقہ ہے کہ کوئی بات سمجھانے کیلئے ایک یا دو مثالیں پیش کر دیتے ہیں۔ اسکا حکم انہی دو مثالوں میں بند نہیں ہوتا، بلکہ حکم عام ہوتا ہے۔ جیسے نحوی فاعل کی مثال میں کہہ دیں: جاء زید، ذھب عمرٌو تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ زید اور عمرو ہی فاعل ہیں اور کوئی فاعل نہیں۔ انکا ذکر بات کو ذہن نشین کرانے کیلئے کیا گیا۔ زیر بحث مقام میں بھی یہ دو حرکات ہی مقصود نہیں بلکہ ان کے ذریعہ سے خرق عادت، خلاف عادت تصرف، معجزہ کا مفہوم ومعنٰی ذہن نشین کرایا جا رہا ہے۔

اہل علم سے اعتذار ! خانصاحب کے لفظی ترجمہ کو پورا ذکر کر کے پھر اس پر تبصرہ کیلئے قسط وار اعادہ کرنا اہل علم کیلئے ملالت طبع کا باعث ہوگا، ان سے معذرت خواہ ہوں۔ مگر درس وتدریس سے متعلق حضرات کو تجربہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کو سمجھانے کیلئے تفصیل درکار ہوتی ہے خصوصاً وہ کم علم افراد جن پر خوش اعتقادی کا غلبہ ہوتا ہے انہیں سمجھانا مشکل ہوتا ہے۔

خانصاحب کے مصلحہ فوائد پر ایک نظر:

مؤلف راہِ ہدایت نے مذکورہ بالا ترجمہ درج کر کے جو فوائد اخذ کئے ہیں ان پر بھی نظر ڈالنا مناسب ہوگا۔

۱۔ خانصاحب: ''اس عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ معجزہ نبی کا فعل اور اس کے کسب وکمال کا کرشمہ ہوتا ہے جیسا کہ مؤلف نورِ ہدایت نے اپنی جہالت سے سمجھا ہے۔'' راہ ہدایت ص ۵۰

خادم اہل سنت نے لکھا تھا:

''کیا کرامت اور معجزہ کو ولی اور نبی کا مقدور کہہ سکتے ہیں؟ عقائد اہل سنت کی

شہرہ آفاق کتاب مواقف میں ہے۔"

اس کے بعد مواقف اور شرح مواقف کی عبارت اور ترجمہ تحریر کیا۔ یہ تھا اس فقیر کا دعویٰ، جس کی تصدیق خود خانصاحب نے ان الفاظ سے کی:

"یہ خارق للعادۃ ہے اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور اگرچہ مقدور نبی ہے اور یہی صحیح تر قول ہے۔" بلفظہٖ (راہ ہدایت ص۔۵۰)

میں نے لکھا: معجزہ کو نبی کا مقدور کہہ سکتے ہیں؟ خانصاحب نے فرمایا: "کہ خارق للعادۃ (معجزہ) مقدور نبی ہے اور یہی صحیح مذہب ہے۔" فقیر نے جو سمجھا اسکا نام جہالت ہے تو یہی جہالت ان کی زلفِ تحقیق میں پہنچی تو حسن کیسے کہلائی؟ خانصاحب خود فرماتے ہیں:

"ہوا میں اڑنے، پانی پر چلنے کی حرکت بخلقِ اللہ مقدور نبی ہے۔" راہ ھدایت ص ۵۱

یا الٰہ العالمین! ضد و عناد سے محفوظ فرما! مؤلف راہِ ہدایت نے سوال کرتے وقت "حرکت" کا لفظ چھوڑ کر لفظ "فعل" استعمال کیا۔ غالباً وہ خاص فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں؛ کیونکہ خود بھی خرق عادت (معجزہ) کو نبی کی حرکت مانتے اور لکھتے ہیں، مگر "نبی کا فعل" کہنے سے بدکتے ہیں۔ کیا اس مشکل کو حل کرنے کیلئے بھی کسی بلند پایہ محقق کی حاجت ہے؟ نماز، حج، جہاد، کھانے پینے، چلنے پھرنے، دیکھنے گفتگو کرنے کی حرکات کو "فعل" کہہ سکتے ہیں کہ نہیں؟ اتنی بدیہی بات کا سمجھنا بھی جناب کیلئے متشابہات سے ہے۔ چلو تنازع ختم کرنے کیلئے معجزہ کو "خرق عادت حرکت" ہی کہہ دیتے ہیں، جیسا کہ خود انہوں نے لکھا کہ: عادۃً ایسی حرکت پر اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے نبی اللہ علیہ السلام قادر ہوتا ہے"۔ اس کے بعد مؤلف راہِ ہدایت کو یہی زیب دیتا ہے کہ وہ اقرار کرلیں کہ خرقِ عادت حرکت (معجزہ) پر اللہ تعالیٰ کا نبی قادر ہوتا ہے۔

خانصاحب: "اس عبارت میں منطقی طور پر بات ہی اور کہی گئی ہے جس کو مؤلف نور ہدایت بالکل نہیں سمجھا۔"

خادم اہل سنت: بقول خانصاحب اگر یہ فقیر بالکل نہیں سمجھا تو اس تحقیق پر ہی غور کر لیتے ہیں جسے بہت غور و فکر کے بعد خانصاحب سمجھے ہیں۔ خانصاحب نے ائمہ متکلمین کے کلام کا یہ نچوڑ نکالا۔

(الف) معجزہ ایسی چیز میں ہو جس پر نبی اللہ کو قدرت نہیں ہوتی۔

(ب) بلا سبب ظاہری ہوا میں بلند ہونا، پانی پر چلنا جیسے کام حرکات معجزہ نہیں

"یہ تو خود نبی کا مقدور ہے۔" ماخوذ از راہ ہدایت ص ۵۱

خانصاحب کے اس کلام سے واضح ہوا کہ نبی اللہ کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والا خرقِ عادت فعل اور معجزہ دونوں کا مصداق ایک ہے۔ نیز مؤلف راہِ ہدایت نے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ بطور خرقِ عادت ہوا میں پرواز فرمانے، پانی پر چلنے کی قدرت اللہ تعالیٰ نے نبی اللہ علیہ السلام کو عطا کر دی ہے، اہل سنت و جماعت کا اصح مذہب یہی ہے کہ ایسا خرق عادت فعل عادۃً نبی اللہ کا مقدور ہے۔ اعترافِ حق کے سوا اس کلام کا کیا نتیجہ ہے۔ نیز خود ان کے کلام سے معلوم ہوا کہ اصح مذہب یہی ہے۔ دوسرا مذہب ضعیف اور قولِ مجروح ہے۔

اہل علم کے مفہوم کو بگاڑ کر جس مصیبت سے بچنا چاہتے تھے۔ "معجزہ ایسی چیز میں" لکھ کر اسی مصیبت میں پھنس گئے۔

مقدور نبی میں معجزہ یا ایسی چیز میں معجزہ ہو جو نبی کی قدرت میں ہو، یا یوں کہنا: معجزہ نبی اللہ کا مقدور ہے۔ دونوں کلاموں کا مفہوم الگ الگ ہے یا ایک؟ اگر دونوں کا مطلب ایک ہے تو ارشاد فرمائیں۔ مؤلف نورِ ہدایت نے اس کے سوا کیا سمجھا؟ وہی سمجھا جو آپ نے لکھا۔

جناب اسی صفحہ پر لکھتے ہیں: "ہوا پر اڑنے اور پانی پر چلنے کی حرکت بخلق اللہ مقدور نبی ہے۔ اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا" اور معجزہ وہ ہوتا ہے جو مقدور نبی نہ ہو" خانصاحب اپنی بنائی ہوئی راہ ہدایت کا ص ۵۰ ذرا غور سے پڑھیں۔

خانصاحب نورِ ہدایت کا رد کرتے ہوئے کئی صفحات سیاہ کرنے کے بعد صحیح مذہب اور تحقیق کو ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''اور دوسرا گروہ ائمہ کرام رحمہم اللہ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ:

اِنَّ نَفْسَ هٰذِهِ الْحَرْكَةِ مُعْجِزَةٌ مِنْ جِهَةِ كَوْنِهَا خَارِقَةً لِلْعَادَةِ وَمَخْلُوْقَةً لِلّٰهِ تَعَالٰى وَاِنْ كَانَتْ مَقْدُوْرَةً لِنَبِيِّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ الْأَصَحُّ'' (شرح مواقف صـ ٦٦٦، المقصد الثانی مطبوعه عالی نولکشور)

یہ نفس حرکت ہی معجزہ ہے اس لئے کہ وہ خارق عادت فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اگرچہ وہ (عادۃً) نبی اللہ کی مقدور بھی ہے (مگر معجزہ کی صورت میں نبی کے قصد و اختیار کا دخل نہ ہوگا) اور یہی بات صحیح ہے۔ (راہ ہدایت ص ۵٦)

خادم اہل سنت: خانصاحب نے اعتراف کرلیا کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ قدرت سے نبی اللہ علیہ السلام کا خرقِ عادت ہوا میں تیرنے یا پانی پر چلنے کی حرکت معجزہ ہے، اور یہ خرق عادت فعل نبی اللہ کا مقدور بھی ہے۔ اور یہی بات صحیح ہے۔

اس عربی عبارت کے ترجمہ میں راہِ ہدایت کے فاضل مؤلف نے بین القوسین جو اضافہ کیا: ''مگر معجزہ کی صورت میں نبی کے قصد و اختیار کا دخل نہ ہوگا''۔

اس سے ظاہر ہوا کہ دوسرا مذہب یا دوسرا قول خود خانصاحب کے نزدیک بھی خلافِ تحقیق ہے صحیح نہیں ہے۔

نامعلوم خانصاحب نے شرح مواقف کی کس عبارت سے یہ مفہوم کشید کیا ہے، جبکہ یہ پیوندکاری ماتن کے کلام کے سراسر خلاف ہے۔

خانصاحب کی حاشیہ آرائی کے نتائج:

اُوپر دی ہوئی عربی عبارت اور اُس کے ترجمہ کے بعد خانصاحب نے جو حاشیہ آرائی کی اُسے ملاحظہ کریں۔

''اور ماتن یہ بیان کر چکے ہیں کہ نبی کا کسی چیز پر قادر ہونا اور دوسروں کا عادۃً قادر نہ ہونا ہی معجزہ ہے؛ کیونکہ المعجزۃ کے اندر خرق عادۃ کی شرط ہے وہ اس صورت میں پوری ہو جاتی ہے۔[الفضل ما شهدت به الاعداء ، از خادم اهل سنت] رہا یہ معاملہ کہ خرقِ عادت اور معجزہ کس کا فعل ہے؟ اور اس میں کس کا کسب واختیار نافذ ہے؟ تو اس کو وہ پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ معجزہ کی پہلی شرط ہی یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہوتا ہے اور بس۔ اس عبارت سے یہ ثابت کرنا کہ معجزہ نبی کا مقدور ہوتا ہے اور اس کے کسب واختیار کا اس میں دخل ہوتا ہے، ایک عجیب اور انوکھی جہالت ہے اور علماء کرام کی بات کو نہ سمجھتے ہوئے جہل مرکب کا شکار ہونا ہے، معجزہ کا مقدور نبی ہونا اور چیز ہے اور مقدور نبی میں معجزہ کا تحقق اور چیز ہے۔ وبینهما بونٌ '' انتہیٰ بلفظہٖ

(راہِ ہدایت ص۵۲،۵۱)

خان صاحب کی اس تحقیق سے مندرجہ ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں:

۱: نبی اللہ علیہ السلام کا ہوا میں صعود فرمانا، بلند ہونا، پانی پر چلنا خرقِ عادت فعل ہے، اور نبی کا معجزہ ہے۔

۲: نبی کا کسی چیز، کام پر قادر ہونا اور دوسروں کا عادۃً قادر نہ ہونا معجزہ ہے۔

۳: اگرچہ ایسے عجیب وغریب خرق عادت افعال معجزہ ہیں، اور ایسے افعال پر نبی اللہ علیہ السلام بعطائے الٰہی قادر ہیں مگر معجزہ ہونیکی صورت میں نبی کے قصد واختیار کا دخل نہ ہوگا۔

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی! اپنے ہاتھوں خودکشی اسے ہی کہتے ہیں

۴: اگرچہ وہ خرق عادت حرکات نبی اللہ علیہ السلام کی مقدور ہیں مگر معجزہ کا مقدور نبی ہونا اور چیز ہے۔ اور مقدور نبی میں معجزہ کا تحقق اور چیز ہے۔ ان میں بڑا فرق ہے۔ واقعی فرق ہے؟ (تفصیل آئندہ سطور میں آرہی ہے۔)

۵: اگرچہ نبی اللہ علیہ السلام ایسے خرق عادت فعل، معجزہ پر قادر ہوتے ہیں۔ اس کے

باوجوداسے معجزہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کامد مقابل اس طرح کے خرق عادت کاموں پر قادر نہیں ہوتا۔

خان صاحب کو ان باتوں کا اعتراف بھی ہے۔ ''مگر''......!

خانصاحب کے ''مگر'' (پیچھے) ایسا پڑا ہوا ہے کہ راہ حق پر چلنے نہیں دیتا۔ اعتراف بھی کرتے ہیں اور پھر فوراً منکر بھی ہو جاتے ہیں۔ خیر سے ہوا و پانی پر صعود اور چلنے کو خرقِ عادت فعل معجزہ بھی تسلیم کرتے ہیں اس سے بڑھ کر یہ بھی مانتے ہیں کہ خلاف عادت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا نبی عادۃً اس پر قادر ہے، جب کہ دوسرے ایسے افعال پر عادۃً قادر نہیں۔ اس حرکت کو نبی کا مقدور اور ان کی قدرت میں بھی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ بھی مانتے ہیں کہ اس عجیب وغریب خرقِ عادت فعل پر قدرت ان میں اللہ نے پیدا کی ہے، جس قدرت کی بدولت نبی اللہ علیہ السلام اس خرقِ عادت فعل پر قادر ہے۔ یہ سارا مفہوم اپنے قلم سے رقم کرنے کے باوجود بقول کسے:

''چور چوری سے جاتا ہے، ہیرا پھیری سے نہیں جاتا''

ترجمہ میں بطور توضیح بدنما ٹاٹ کا پیوند لگائے بغیر نہ رہ سکے۔ کوشش یہی ہے کہ ترجمہ پڑھنے والے کو کچھ تو بہکایا جا سکے۔ جناب لکھتے ہیں:

''اگر چہ وہ (عادۃً) نبی اللہ کا مقدور بھی ہے (مگر...... معجزہ کی صورت میں نبی کے قصد و اختیار کا دخل نہ ہوگا)''

نبی کا کسی چیز پر قادر ہونا اور دوسروں کا عادۃً قادر نہ ہونا معجزہ ہے۔

مثالِ مذکورہ میں خرقِ عادت حرکت، فعل عادۃً نبی اللہ کا مقدور ہے، وہ اس پر قادر ہیں، جبکہ عام انسان اُس پر قادر نہیں۔

مگر معجزہ کی صورت میں ارادہ کا دخل نہ ہوگا۔

اس عجوبہ کلام کا حل اہل دیوبند کے سپرد کرتا ہوں۔

خانصاحب کا یہ کلام بھی توجہ چاہتا ہے:

ماتن یہ بیان کر چکے ہیں کہ نبی کا کسی چیز پر قادر ہونا اور دوسروں کا عادۃً قادر نہ ہونا یہی معجزہ ہے۔ کیونکہ معجزہ کے اندر خرق عادت کی شرط ہے وہ اس صورت میں پوری ہوجاتی ہے [اس اعتراف حق کے باوجود، خادم اہل سنت] رہا یہ معاملہ کہ خرق عادت اور معجزہ کس کے اختیار میں ہوتا ہے معجزہ صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔'' [اصل عبارت گذشتہ ص پر درج ہے، خادم اہل سنت]

مؤلف راہِ ہدایت (خانصاحب)، خادم اہل سنت کے استدلال کے جواب میں نہ سمجھا جانے والا چیستان پیش کرنے کے بعد نعرہ زن ہے۔ ''اس عبارت سے یہ ثابت کرنا کہ معجزہ نبی کا مقدور ہوتا ہے انوکھی جہالت ہے''۔

قارئین خود انصاف کریں، انوکھی جہالت کا بار بار اعادہ کون کر رہا ہے۔

اصطلاحِ جدید، ''مقدور نبی میں معجزہ'':

''نور ہدایت'' میں شرح مواقف کی جس عبارت سے استدلال کیا گیا ہے اس کا مفہوم و مطلب بالکل واضح ہے۔ نور ہدایت میں پیش کردہ مفہوم کو غلط ثابت کرنے کیلئے بہت ہاتھ پاؤں مارے، متضاد باتیں لکھیں، مگر کوششِ بسیار کے باوجود کامیابی سے مایوس ہوکر بدحواسی میں ایک نئی اصطلاح اختراع کی:

> ''معجزہ کا مقدور نبی ہونا اور چیز ہے اور مقدورِ نبی میں معجزہ کا تحقق اور چیز ہے۔ وَبَیْنَهُمَا بَوْنٌ'' (راہ ہدایت ص ۵۲)

خانصاحب کے نزدیک یہ فیصلہ کن نکتہ آفرینی ہے جس کے منظر عام پر لانے کے بعد فتح ہی فتح ہے۔

''مقدورِ نبی میں معجزہ'' **اور کبھی فرمایا** ''نبی کے مقدورات میں معجزہ''

پھر ارشاد ہوا ''معجزہ ایسی چیز میں ہو جس چیز پر نبی اللہ کو قدرت نہیں ہوتی''

یہ بھی لکھا ''معجزہ ان کے مقدور میں ہو تو قائم مقام قول تصدیقی کے نہ ہوگا''

خادم اہل سنت: گذشتہ صفحات میں اس پر گفتگو گذر چکی ہے چونکہ خانصاحب نے بحث کے خاتمہ پر اسکا اعادہ فاتحانہ انداز میں کیا ہے اور ساتھ ہی دعویٰ کیا کہ جہل مرکب کا شکار لوگ اس فرق کو نہیں سمجھتے، لہذا خانصاحب کے اس اختراعی نکتہ کی خبر لینا ضروری ہے۔

(الف) بجا ہے: معجزہ کا مقدور نبی ہونا۔ اور وہ چیز (کھانا پانی وغیرہ) جو نبی کے مقدور میں ہے اس میں معجزہ کا اظہار۔

ان دونوں جملوں کے الفاظ میں بھی فرق ہے اور باہم معنیٰ میں بھی بُعد ہے لیکن ان میں فرق ہونے سے خانصاحب کے دعویٰ کی تاکید وتوثیق کیسے ہوگئی؟ بحث کا مدار اَلْمُعْجِزَۃُ مَقْدُوْرَۃٌ للنبی ﷺ'' پر ہے اس جملہ کا ترجمہ یا مطلب ''نبی کے مقدور میں معجزہ'' یا ''نبی جس چیز پر قادر ہے اس میں معجزہ'' بیان کرنا بتانا کونسی عظیم درسگاہ کا فیضان ہے؟

پہلے لکھ چکا ہوں کہ شائد مؤلف راہِ ہدایت ''اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًی مُفْرَدٍ'' کا مفہوم بھی طلباء کو ''کلمہ'' اس لفظ میں جو معنیٰ مفرد کیلئے وضع کیا گیا ہے'' بتاتے ہونگے۔

(ب) یہ فقیر تو غور کے باوجود اس کلام کا کچھ صحیح محمل تلاش نہیں کر سکا کہ وہ کون سا خرق عادت کام ہے جو اس چیز میں ظاہر ہو جو نبی کی مقدور ہے، جسے متکلمین کا پہلا گروہ معجزہ کہنے کے لئے تیار نہیں، جب کہ دوسرا گروہ اسے معجزہ مانتا ہے، اور انہیں کا قول صحیح بھی ہے۔ جناب نے اختراع کرتے وقت نہ تو اِخْتَلَفَتِ الْاَئِمَّۃُ کا خیال رکھا اور نہ ہی مقدورۃ کی تانیث کی طرف توجہ دی اور نہ ہی لامِ جارۃ اور اس کے متعلق کو سوچا۔ سادہ سی عام فہم عبارت جس کا معنیٰ مبتدی بھی جانتے ہیں اس کو بگاڑنے سے سوائے رسوائی کے کیا فائدہ حاصل ہوا؟

(ج) اس ایجادِ بندہ کو اگر درست بھی مان لیا جائے جو بقول ان کے اہل علم کی تحقیق ہے، تو

اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ رسول اللہ ﷺ فداہ ابی و امی و سائر عشیرتی کے دست مبارک پر کھانے پینے کی چیزوں، روٹی، کھجور، پانی، دودھ وغیرھا یا لعاب دہن، کنکریاں پھینکنے، درختوں کے اطاعت کرنے، پتھروں، گوشت کے کلام کرنے جیسے کمالاتِ نبوت جو آنحضور پُرنور ﷺ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے یا حضرت کلیم اللہ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک یا عصا میں جس خرقِ عادت بُرھان کا اظہار ہوا، ان کمالات کو معجزہ نہیں کہیں گے، اور بقول خانصاحب متکلمین کا ایک گروہ بھی اسی کا قائل ہے کہ ایسے خلاف عادت تصرفات کو معجزہ نہیں کہیں گے؛ کیونکہ یہ اعجازی کمال ان اشیاء میں ظاہر ہوا جو نبی کی مقدور ہیں۔ ''اور مقدورات نبی میں خرق عادت کے ظہور کا نام معجزہ نہیں'' بلکہ معجزہ کسی اور چیز کا نام ہے۔ یا للعجب۔

(و) مؤلف کی تحقیق میں جب یہ اہم ترین اصطلاح اور قاعدہ ہی درست ہے جس پر معجزہ کی حقیقت کا سمجھنا موقوف ہے، تو چاہئیے تھا کہ مؤلف مذکور علماء علم کلام علامہ سید شریف، علامہ تفتازانی، علامہ آمدی امام الحرمین اور امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہم وغیرھم جیسے کسی صاحبِ علم کا حوالہ پیش کرتے، بغیر دلیل کون اس اِدّعاء پر اعتماد کرتا ہے؟

خان صاحب کے گروہ نے جیسے فتویٰ بازی کیلئے مافوق الاسباب کی اصطلاح بنائی اور متضاد مفہوم بیان کئے، یوں ہی خانصاحب نے نرالا ترجمہ اور عجیب قاعدہ اختراع کیا۔ اختراع اسلئے کہہ رہا ہوں کہ اسلاف کرام کی کسی کتاب میں اشارۃً بھی یہ تحقیق میں نے نہیں دیکھی۔ خانصاحب نے کسی معتبر کتاب میں پڑھی ہو تو حوالہ دیکر احسان فرمائیں۔

مؤلف راہِ ہدایت خانصاحب فرق بتائیں!

مؤلف راہِ ہدایت نے مواقف کی عبارت ''شَرَطَ قَوْمٌ فِي الْمُعْجِزَانْ لَايَكُوْنَ مَقْدُوْرًا لِلنَّبِيِّ وَلَيْسَ بِشَيْءٍ'' معجزہ میں ایک قوم نے یہ شرط بیان کی ہے کہ وہ نبی کے تحت قدرت نہ ہو حالانکہ ایسی شرط کوئی شی ہی نہیں، اس عبارت کا مفہوم واضح

ہے، چونکہ یہ کلام مؤلف راہِ ہدایت کے مذہب کے خلاف ہے اسلئے انہوں نے اس کا لفظی ترجمہ ان الفاظ میں لکھا۔

"اور ایک قوم نے معجزہ میں یہ شرط لگائی ہے کہ معجزہ ایسے امر میں نہ ہو جو عادۃً نبی کے قدرت کے تحت ہے مگر یہ شرط کوئی حقیقت نہیں رکھتی"

(راہ ہدایت ص۲۹)

خانصاحب کی اس معنوی تحریف کو واضح کرنے کیلئے چند جملے درج کئے جاتے ہیں۔

"اَلْفِعْلُ مَقْدُوْرُ اللّٰهِ تَعَالٰی بِجِهَّةِ الْاِیْجَادِ"

"اَلْفِعْلُ مَقْدُوْرُ الْعَبْدِ بِجِهَّةِ الْکَسْبِ"

"اَلْمُعْجِزَةُ مَخْلُوْقَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰی"

"اَلْمُعْجِزَةُ مَقْدُوْرَةٌ لِنَبِیِّ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ"

مؤلف راہِ ہدایت نے مواقف کی عبارت سے جو مفہوم کشید کیا اسکی وضاحت کیلئے مندرجہ بالا جملوں کا ترجمہ کریں اور زیر بحث عبارت کے اعتبار سے فرق بتائیں۔

قارئین کرام! نورِ ہدایت میں بطورِ دلیل مواقف و شرح مواقف کی پیش کردہ جس عبارت پر مؤلف راہ ہدایت نے جو بے جا گرفت فرمائی، متعصّبانہ اعتراض کئے، اسی کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ مؤلف کا کلام تضاد کا شکار ہے، جسے مؤلف نے تحقیق انیق اور منطقی نتیجہ قرار دیا اسی باہم متصادم، مقصد سے دور کلام، اور ترجمہ میں تحریف کے بل بوتے پر مؤلف راہ ہدایت گویا یوں کہہ رہے ہیں:

"پکڑ لایا ہوں میں شیرِ تحقیق ــــ تم اپنے فیل معنی کو نکالو"

شرح عقائد سے استشہاد:

"هَلْ یُتَصَوَّرُ کَوْنُ الْمُعْجِزَةِ مَقْدُوْرَةً لِلرَّسُوْلِ اَمْ لَا ؟ اور "وَاِنْ کَانَتْ مَقْدُوْرَةً لِنَبِیِّ اللّٰهِ تَعَالٰی وَهُوَ الْاَصَحُّ"

(شرح مواقف ص ۶۶۲، مطبع عالی نولکشور)
مقصد چہارم (مقدوریۃ المعجزۃ والکرامۃ)

شرح مواقف کی عبارت کا مؤلف راہِ ہدایت نے ترجمہ کرنے میں ٹھوکر کھائی یا دھوکہ دیا اور مفہوم بھی غلط کشید کیا جبکہ نورِ ہدایت میں اس عبارت کا جو مفہوم پیش کیا گیا وہی درست ہے۔ تائید مزید کے طور پر شرح مواقف کی عبارت سے ملتا جلتا کلام شرح عقائد سے بطورِ استشہاد پیش کیا جاتا ہے۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جبریہ کے شبہات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وَالْمَقْدُوْرُ الْوَاحِدُ دَاخِلٌ تَحْتَ قُدْرَتَيْنِ لٰكِنْ بِجِهَتَيْنِ مُخْتَلِفَتَيْنِ فَالْفِعْلُ مَقْدُوْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى بِجِهَةِ الْاِيْجَادِ وَمَقْدُوْرُ الْعَبْدِ بِجِهَةِ الْكَسْبِ

ایک ہی مقدور دو قدرتوں (اللہ تعالیٰ اور بندے کی) کے تحت داخل ہے لیکن دو مختلف جہتوں سے وہی فعل اللہ تعالیٰ کا مقدور ہے ایجاد کی جہت سے اور بندے کا مقدور کسب کی جہت سے ہے۔

(شرح عقائد ص ۱۵۴، ۱۵۵ مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

شرح مواقف اور شرح عقائد دونوں علم کلام کی کتابیں ہیں۔ دونوں میں مسئلہ اختیارِ عبد (بندے کے اختیار وعدم اختیار) سے متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔ بندوں کے اختیار و قدرت کو تسلیم نہ کرنیوالوں کے شبہ کا رد کیا جا رہا ہے۔ دونوں کتابوں میں ملتی جلتی ایک انداز کی عبارات ہیں فرق یہ ہے، کہ سید شریف رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس مقام پر ایک امتیازی اَمر معجزہ سے بحث کر رہے ہیں کہ معجزہ کا اظہار نبی کی قدرت و اختیار میں ہے یا نہیں معجزہ کو نبی کا مقدور کہا جا سکتا ہے یا کہ نہیں جبکہ علامہ تفتازانی بندوں کے عام افعال سے متعلق تحقیق کرتے ہوئے بتا رہے ہیں " وللعباد افعال اختيارية " کہ بندوں کے افعال اختیاری ہیں۔

(شرح عقائد ۱۵۱)

منکرینِ اختیارِ عبد "جبریہ" کی طرف سے پیش کردہ ایک اشکال کا حل کرتے ہوئے علامہ تفتازانی بتا رہے ہیں کہ ایک ہی فعل، ایک ہی مقدور دو قدرتوں (اللہ تعالیٰ کی قدرت اور بندے کی قدرت) کے تحت داخل ہے۔ لیکن جہتیں مختلف ہیں۔ وہ فعل اللہ تعالیٰ کا

مقدور ہے ایجاد و خلق کے اعتبار سے اور بندے کا مقدور ہے کسب کے لحاظ سے۔ فعل ایک ہی ہے اس کی نسبت دونوں طرف ہے۔ (اللہ تعالیٰ کا فعل۔ انسان کا فعل) اللہ تعالیٰ بندے کے فعل کا موجد و خالق ہے اور بندہ اس فعل کا کاسِبْ۔ اس لئے یہ کہنا بالکل درست اور صحیح ہے کہ وَلِلْعِبَادِ اَفْعَالٌ اِخْتِيَارِيَّةٌ (شرح عقائد ۱۵۱) لہٰذا جبریہ کا پیش کردہ اشکال درست نہیں۔

حضرت علامہ مسئلہ "صحة التكليف" پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فلا نزاع فی وقوع التکلیف بہ لکونہ مقدوراً للمکلفِ بالنظر الی نفسہ

اس صورت میں بھی انسان کے مکلف ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ایسے فعل کا بجالانا مکلف کی قدرت میں ہے باعتبار اس کے نفس الامر کے

علامہ کے اس کلام میں واقع لکونہ مقدوراً للمکلف معنی و مفہوم بھی میرے دعویٰ کی دلیل ہے۔ یونہی سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت سے اُسکا عبد خاص نبی اللہ علیہ السلام جو خلافِ عادت امر ظاہر کرتا ہے چونکہ اُس پر قدرت اور طاقت اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے۔ اِس جہت سے کہا جائے گا۔ اَلْمُعْجِزَةُ فِعْلُ اللهِ تَعَالٰی

چونکہ وہ خرقِ عادت اَمر اللہ تعالیٰ کے نبی کے ہاتھ پر ان کے قصد و اختیار اور ان کے کسب سے ظاہر ہوا اس تعلق سے اس کی نسبت نبی کی طرف کی جاتی ہے۔ انسانوں کے جو بھی افعال و اعمال اُن کے قصد و اختیار سے ہوتے ہیں، اُن کو اختیاری افعال کہا جاتا ہے۔ اگر چہ وہ قصد و اختیار بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے۔

نہ عام انسانوں کا ہر کام فعل، حرکت، تصرف ہر وقت اختیاری ہیں اور نہ ہی نبی اللہ علیہ السلام کا ہر معجزہ اختیاری ہے۔ معجزات اختیاری بھی ہیں اور غیر اختیاری بھی۔

يَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَاءُ

سید شریف اور علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے کلام کو پھر ایک نظر دیکھ لیا جائے۔

"اَلْمُعْجِزَةُ مَقْدُوْرَةٌ لِنَبِيِّ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَام"

" اَلْفِعْلُ مَقْدُوْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى بِجِهَّةِ الْاِيْجَادِ"

" اَلْفِعْلُ مَقْدُوْرُ الْعَبْدِ بِجِهَةِ الْكَسْبِ"

" لِكَوْنِهٖ (الفعل) مَقْدُوْراً لِلْمُكَلَّفِ"

کیا فاضل مؤلف کی تحقیق انیق میں شرح عقائد کی مذکورہ عبارت کا ترجمہ اسطرح کیا جائے گا۔ "فعل اللہ تعالیٰ کے مقدورات میں ہوتا ہے، بجہت ایجاد اور فعل بندے کے مقدورات میں ہوتا ہے۔ بجہت الکسب" اگر کہیں کہ ایسا ترجمہ کرنا درست وصحیح ہے تو سبحان اللہ! ہمارا مدعا ثابت ہوگا، اور اگر کہیں: بالکل غلط ہے، یہ ترجمہ نہیں، بلکہ تحریف ہے تو شرح مواقف کا ترجمہ جو راہِ ہدایت میں کیا گیا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

شرح مواقف کی عبارت کا مفہوم متکلمین کی نظر میں:

مزید توضیح وتسلی کیلئے کہ نورِ ہدایت میں تحریر کردہ مفہوم اور استدلال ہی صحیح اور درست ہے۔ علم کلام میں ماہر فضلاء کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ کہ ان کی تحقیق میں شرح مواقف کی عبارت کا کیا مفہوم ہے؟ تو آیئے دیکھتے ہیں:

ع شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات

شرح "نبراس" میں علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" شَرَطَ بَعْضُ قَوْمٍ اَنْ لَّا يَكُوْنَ الْمُعْجِزَةُ مَقْدُوْرًا لِلنَّبِيِّ فَاِذَا مَشٰى عَلَى الْمَاءِ وَطَارَ فِي الْهَوَاءِ فَلَيْسَ الْمُعْجِزَةُ مَشْيُهٗ وَطَيَرَانُهٗ بَلْ نَفْسُ الْقُدْرَةِ عَلَيْهِمَا وَالْقُدْرَةُ لَيْسَتْ مَقْدُوْرَةً لَهٗ وَالصَّحِيْحُ اَنَّ نَفْسَ الْمَشْيِ وَالطَّيَرَانِ مُعْجِزَةٌ.

بعض اہل علم نے یہ شرط لگائی ہے کہ معجزہ نبی کا مقدور (انکی قدرت کے تحت) نہ ہو۔ تو اس شرط کے لحاظ سے جب نبی پانی پر چلے اور فضا میں بلند ہو تو اس کا یہ چلنا اور اڑنا معجزہ نہیں بلکہ اس اڑنے اور چلنے پر نفس طاقت وقدرت معجزہ ہے اور وہ قدرت نبی کی طاقت میں نہیں ہے (مگر) صحیح بات یہ ہے کہ (خلاف عادت) پانی پر چلنا اور ہوا میں بلند ہونا معجزہ ہے (اسلئے کہ اسمیں عاجز کرنیوالا معنی پایا جاتا ہے معجزہ کہنے کیلئے اتنا ہی کافی ہے)

(نبراس صـ ۴۳۱، بحث الخوارق)

اسی مسئلہ پر شرح نبراس کے حاشیہ میں علامہ برخوردار علی ملتانی لکھتے ہیں۔

قوله مقدوراً للنبى إِذْ لَو كَانَ مَقْدُوراً لَهُ لَمْ يَكُنْ نَازِلاً مَنْزِلَةَ التَّصْدِيقِ مِنَ اللهِ وَلٰكِنْ لَيْسَ بِشَيءٍ لِاَنَّ قُدْرَتَهُ مَعَ عَدَمِ قُدْرَةِ غَيْرِهِ عَادَةً مُعْجِزٌ.

(حاشیہ نبراس ص ۲۳۱ علامہ برخوردار علی ملتانی)

یعنی معترض کا یہ کہنا کہ اگر خرق عادت حرکت، کام نبی کی قدرت میں ہوتو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصدیق کے قائم مقام نہ ہوگا۔ مگر معترض کے اس شبہ میں کوئی وزن نہیں؛ کیونکہ نبی کا اس (خرقِ عادت) کام پر قادر ہونا جبکہ دوسرا اس پر عادۃً قادر نہ ہو، معجزہ ہے۔

کیونکہ اس اعتبار سے اس تصرف میں معجزہ (عاجز کرنے) والا معنی پایا گیا ہے۔

خادم اہل سنت: خانصاحب بار بار یہ اشکال دہراتے ہیں کہ اگر معجزہ کسی طرح بھی قصد وارادہ اور اختیار سے ظاہر ہوتو اللہ تعالیٰ کی تصدیقِ قولی کے قائم مقام کیسے ہوسکتا ہے؟ کیونکہ معجزہ بطورِ سند ہے اور سند خود کوئی نہیں بناتا اسے کوئی بنا کر دیتا ہے۔

خانصاحب کے اسی سوال کا جواب علامہ برخوردار علی ملتانی نے دیا ہے۔ اور اس اعتراض کو لیس بشیءٍ کہا ہے۔

نیز سند بنانا اور چیز ہے اور سند کا قبضہ میں ہونا اور بوقت حاجت اس کا استعمال کرنا، مخالف کو دکھانا دوسری بات ہے، اسے غیر اختیاری کہنے کی کوئی تک نہیں۔

کیا دار العلوم میں جو سند دی جاتی ہے اُس کے حاملین بوقتِ ضرورت پیش کرنے اور دکھانے میں بے اختیار ہوتے ہیں؟ جب بھی انہیں سند پیش کرنے کی ضرت پیش آئے تو دار العلوم والے ہر دفعہ نئی سند لکھ کر دیتے ہیں؟ دیدہ دانستہ، سند عطا کرنے اور پیش کرنے کو خلط ملط کر کے دھوکہ دہی سے کام لیا جا رہا ہے۔ سند والی مثال سے تو خادم اہل سنت کے مؤقف کی تائید ہوتی ہے، نہ کہ مؤلف راہِ ہدایت کے نکتہ نظر کی۔

محشی شرح نبراس کی بحث کو بڑھاتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

قوله معجزة: يَعْنِي مِنْ جِهَةِ كَوْنِهَا خَارِقَةً لِلعَادَةِ مَخْلُوقَةً لِلّٰهِ تَعَالٰى وَاِنْ كَانَتْ مَقْدُورَةً لِنَبِي اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ الأَصَحُّ. كذا في شرح المواقف"

شارح کے کلام کا مقصد یہ ہے کہ ہوا میں پرواز کرنے، پانی پر چلنے کا فعل معجزہ ہے، اس اعتبار سے کہ خارق عادت ہے، اللہ تعالیٰ کے خلق سے ہے اگرچہ نبی کا مقدور ہے، یہی اَصح ہے۔ جیسا کہ شرح مواقف میں ہے۔

حاشیہ علی نبراس ۴۳۱
علامہ برخوردار علی ملتانی

ان حوالہ جات سے واضح ہوا کہ علم کلام کے مسائل پر گہری نظر والے اہل علم نے "شرح مواقف" کا جو مطلب سمجھا، بیان کیا، فقیر نے بھی وہی لکھا۔ راہِ ہدایت کے مؤلف (خانصاحب) کو چاہئے تھا کہ سید شریف کے بعد آنیوالے کسی فاضل سے اس عبارت کی توضیح کا حوالہ پیش کرتے۔

علامہ قونوی کے کلام سے استدلال واستشہاد:

امام ناصر الدین عبد اللہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر قرآن حکیم، انوار التنزیل المعروف تفسیر بیضاوی میں سورۂ انفال کی آیت نمبر ۱۷ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الاية) کی تفسیر میں اپنے اسلوب کے مطابق جو کلام فرمایا اس پر بحث کرتے ہوئے حسام الدین اسماعیل محمد حنفی نے اپنے حاشیہ "حاشية القونوی علی تفسیر الامام البیضاوی" میں قاضی بیضاوی کے قول "وَلَمْ تَقْدِرْ عَلَيْهِ اِذْ رَمَيْتَ بِصُوْرَةِ الرَّمْيِ" کی گرہ کشائی کرتے ہوئے سید شریف رحمۃ اللہ علیہ شرح مواقف کی (نور ہدایت میں زیر بحث) عبارت پیش کی ہے۔

" قَالَ الآمِدِیُّ هَلْ يُتَصَوَّرُ كَوْنُ الْمُعْجِزَةِ مَقْدُورَةً لِلرَّسُوْلِ عليه السلام أَمْ لَا ؟ اخْتَلَفَتِ الْأَئِمَّةُ فذهب بعضهم إِلٰى أَنَّ الْمُعْجِزَةَ فِيهِ مِثْلِ صُعُوْدِهِ إِلَى الْهَوَاءِ وَمَشْيِهِ عَلَى الْمَاءِ لَيْسَ هُوَ الْحَرْكَةُ بِالصُّعُوْدِ وَالْمَشْيِ لِكَوْنِهَا مَقْدُوْرَةً لَهُ بِخَلْقِ اللّٰهِ تعالىٰ فِيهِ الْقُدْرَة عَلَيْهَا إِنَّمَا الْمُعْجِزُ هُنَاكَ هُوَ نَفْسُ الْقُدْرَةِ عَلَيْهَا. وَهٰذِهِ

الْقُدْرَةُ لَيْسَتْ مَقْدُورَةً لَهُ. وَذَهَبَ آخِرُونَ إِلَى أَنَّ نَفْسَ هٰذِهِ الْحَرَكَةِ مُعْجِزَةٌ مِنْ جِهَةِ كَوْنِهَا خَارِقَةً لِلْعَادَةِ وَمَخْلُوقَةً لِلّٰهِ تَعَالٰى وَإِنْ كَانَتْ مَقْدُورَةً لِنَبِيِّ اللهِ تعالٰى عَلَيْهِ السلام وَهُوَ الْأَصَحُّ" (حاشية القونوي ج ۹ ص ۴۳)

نوٹ: فاضل شراح اور اہل علم محشیانِ کرام کی عادت رہی ہے کہ اصل کتاب کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور مصنف کی مراد کو واضح کرتے ہیں۔ صاحب کتاب کے کسی مسئلہ سے اتفاق نہ بھی ہو تو بھی اصل کتاب کی تشریح کو ترجیح دیتے ہیں۔ مناسب سمجھیں تو اپنا اختلافی نوٹ اور رائے بھی لکھ دیتے ہیں۔

علامہ قونوی نے بھی اس مقام پر یہی اسلوب اختیار کیا، چونکہ ان کی بحث سے یہ غلط فہمی ہوسکتی تھی کہ محشی کی تحقیق میں تضاد ہے؛ کیونکہ سید شریف کا جو کلام جس حوالہ سے ذکر کیا ہے اس سے ظاہر وعیاں ہے کہ "المعجزة مقدورة للنبي ﷺ" اور اسی مقام پر علامہ بیضاوی کے قول "ولم تقدر عليه" کی جو تشریح کی ہے اس میں کھلا تضاد ہے جو کسی فاضل کو زیب نہیں دیتا۔ تو علامہ قونوی کے کلام میں جو اشکال تھا اس کا حل خود انہی کے قلم سے پڑھیے۔

إِذَا عَرَفْتَ هٰذَا فَقَوْلُ الْمُصَنِّفِ "وَلَمْ تَقْدِرْ عَلَيْهِ" بِنَاءً عَلَى الْقَوْلِ الْمَرْجُوحِ وَنَحْنُ نَتَمَشّٰى مَعَهُ فِي شَرْحِهِ وَحَلِّهِ وَإِلَّا فَهُوَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَادِرٌ عَلَى ذَالِكَ الرَّمْيِ بِخَلْقِ اللهِ تَعَالٰى فِيهِ الْقُدْرَةَ عَلَيْهِ دُونَ غَيْرِهِ عَلَيْهِ السَّلَام.

اس مقام کی شرح جب تو نے سمجھ لی تو بیضاوی کا کہنا ولم تقدر علیہ (آپ اس معجزانہ رمی پر قادر نہ تھے) بیضاوی کا یہ قول مرجوح رائے پر مبنی ہے ہم کلام بیضاوی کی شرح اور اس کے حل میں انہی کی رائے کے مطابق چلتے رہے ورنہ (تحقیق یہی ہے) کہ آنحضور ﷺ اس معجزانہ رمی پر قادر تھے اللہ تعالیٰ نے ایسی قدرت آپ میں پیدا فرمائی تھی جو آپ کے غیر میں نہیں۔

فَيَصِحُّ حِينَئِذٍ مَعْنَى "وَمَا رَمَيْتَ" خَلْقاً "إِذْ رَمَيْتَ" كَسْباً وَيَظْهَرُ مِمَّا ذَكَرْنَاهُ وَجْهُ التَّخْصِيصِ وَاتَّضَحَ أَيْضاً أَنَّ إِسْنَادَ الرَّمْيِ إِلَيْهِ ﷺ حَقِيقِيٌّ وَإِسْنَادَهُ إِلَيْهِ تَعَالَى مَجَازِيٌّ لِكَوْنِ كَسْبِ الْعَبْدِ مَدْخَلاً فِيهِ.

(حاشية القونوي على البيضاوي جلد ۹ ص ۴۳) دار الکتب العلمیہ بیروت

تو اس وقت یہ کہنا صحیح ہوگا کہ آپ نے خلقاً نہیں پھینکیں کسباً پھینکیں (یعنی آپ کاسب تھے خالق نہ تھے) ہم نے جو ذکر کیا ہے اس سے تخصیص کی وجہ ظاہر ہے نیز یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ رمی (پھینکنے) کی اسناد رسول اللہ ﷺ کی طرف حقیقی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی اسناد مجازی ہے اسلئے کہ بندۂ خاص رسول اللہ ﷺ کے کسب کا اس میں دخل ہے۔

امام قونوی کے اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ سید شریف کے کلام سے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا مقدور ہوتا ہے تو بیضاوی کے کلام "ولم تقدر علیه" پر جو کچھ بحث ہوئی بر بنائے قول مرجوح ہے، راجح قول وہی ہے جس کا ذکر شرح مواقف میں ہے۔

ہم نے بیضاوی کے اس قول کی تائید نہیں کی بلکہ ان کے کلام کی شرح کی اور ان کے کلام کی مشکلات کا حل کیا ہے۔ یعنی بیضاوی کے اس مرجوح قول کی تائید مقصد نہیں صرف ان کے کلام کی شرح اور مشکلات کا حل مراد ہے، وگرنہ حضور پُرنور ﷺ اس معجزانہ "رمی" پر قادر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی قدرت آپ ہی میں پیدا فرمائی تھی دوسرے لوگ ایسے معجزانہ فعل پر قادر نہ تھے۔ اس تحقیق کی بنا پر آیت کریمہ کا صحیح معنی "وَمَا رَمَيْتَ خَلْقاً إِذْ رَمَيْتَ كَسْباً" ہوگا۔

جس کا مفہوم ہے آپ ﷺ اُس مؤثر رمی کے خالق نہیں تھے، کاسب تھے۔

ہمارے اس کلام سے تخصیص کی وجہ بھی ظاہر ہوگئی۔ اور اس تحقیق سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ "رمی" کی اسناد رسول اللہ ﷺ کی طرف حقیقی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اسناد مجازی ہے؛ کیونکہ اس معجزانہ "رمی" میں آپ کے کسب کو دخل حاصل ہے۔

اسی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے علامہ قونوی لکھتے ہیں۔

فَذٰلِکَ الرَّمْیُ الأکملُ فِعْلُ اللهِ تَعَالٰی خَلْقاً

پس یہ (معجزانہ) رمی اکمل خلقاً اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔

وَفِعْلُ الرَّسُولِ عَلَیْهِ السَّلام کَسْباً

اور کسباً رسول اللہ ﷺ کا فعل ہے

فَالظَّاهِرُ أَنَّ إسْنَادَہٗ إِلَیْهِ تَعَالٰی مَجَازٌ عَقْلِیٌّ وَالی الرَّسُولِ عَلَیْهِ السَّلام حَقِیْقَةٌ عَقْلِیَّةٌ کَمَا أَوضَحْنَاہُ انِفاً

ظاہر بات یہ ہے کہ (رمی) کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف مجاز عقلی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف حقیقت عقلیہ ہے اسے ہم ابھی ابھی واضح کر چکے ہیں۔

(سورۃ انفال آیۃ ۱۷،
حاشیۃ القونوی علی البیضاوی جلد ۹ ص ۴۴)

علامہ قونوی کے کلام سے ویسے تو بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں سر دست اتنا کہنا کافی ہے۔

(ا) شرح مواقف کی زیر بحث عبارت کا جو مطلب و مفہوم نور ہدایت میں بیان کیا گیا وہی درست اور صحیح ہے، علامہ قونوی نے بھی بہت پہلے یہی مفہوم اخذ کیا۔

(ب) جن حضرات کی یہ رائے ہے کہ قصہ بدر میں جس معجزانہ رمی کا ذکر ہے یہ محض فعل الٰہی ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے کسب کا کوئی دخل نہیں، آپ ﷺ اس معجزانہ فعل پر قادر نہ تھے، ''یہ قول مرجوح ہے، یعنی ضعیف قول ہے۔ راجح اور صحیح مذہب یہی ہے کہ اس معجزانہ ''رمی'' پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو قادر بنایا تھا۔ مافوق الاسباب یعنی خرق عادت تصرف کی قوت آپ کو عطا کی گئی تھی۔

(ج) معجزہ کو نبی علیہ السلام کا فعل کہنا اہلسنت کا مسلک ہے، یہود و نصاریٰ کی بولی نہیں۔

(د) آیۃ کریمہ میں ''رمی'' کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف بھی اور رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی کیا گیا ہے۔ اہل علم کی مقرر کردہ اصطلاحات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف اسناد

مجاز عقلی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف اسناد حقیقت عقلیہ ہے۔ اسلئے کہ یہ معجزہ بطورِ کسب رسول اللہ ﷺ کا فعل ہے۔ کیونکہ! بندے کا فعل دو قدرتوں کے تحت واقع ہو تو اس میں ایسی ہی توجیہ کی جاتی ہے، یہاں حقیقت مجاز کے مقابل ہے، قدرت حقیقی بالذات کے معنی میں نہیں۔

''شرح مواقف'' کی عبارت پر علمائے دیوبند کا فیصلہ:

شرح مواقف کی زیر بحث کلام کا مفہوم بالکل واضح اور صاف ہے کہ معجزہ نبی کے اختیار اور قدرت سے بھی ہوسکتا ہے۔ جو ائمہ متکلمین معجزہ کو مقدور نبی بالکل نہیں مانتے ان کے نزدیک معجزہ نفس قدرت اور طاقت کا نام ہے۔ اس عطا کردہ قوت اور طاقت کو اپنے ارادے سے استعمال میں لانے کا نام معجزہ نہیں اور خود وہ طاقت واستطاعت نبی کے کسب سے نہیں بلکہ اللہ تعالٰی کے خلق سے ہے۔

شرح مواقف میں اختلفت الائمة سے ائمہ متکلمین کے درمیان جس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے وہ اختلاف نزاع لفظی ہے، حقیقی نہیں۔ جو حضرات نفسِ قوت و طاقت کو معجزہ کہتے ہیں ان کے نزدیک نبی کے قصد وارادہ اور کسب کا کوئی دخل نہیں، مگر ائمہ کرام کا وہ گروہ جو خرقِ عادت اَمر میں خداداد قوت وطاقت کے استعمال کو اور اس کی بدولت خلافِ عادت، ظاہری اسباب کے بغیر کسی عجیب امر کے ظاہر ہونے کو معجزہ کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک '' المعجزة مقدورة للنبی ﷺ ''(معجزہ نبی اللہ کا مقدور ان کی قدرت کے تحت ہے)۔

حضرت مصنف نے اسی کو صحیح قول کہا اور درست قرار دیا، کسی بھی عربی دان ماہر سے لفظی ترجمہ کرا کر دیکھ لیا جائے یہی مفہوم بتائے گا۔ بلکہ خود خانصاحب نے اسی طرح ترجمہ کیا، خانصاحب نے چونکہ نہ ماننے کا وظیفہ یاد کیا ہوا ہے اسلئے میں ان سے عرض کرتا ہوں کہ اس فقیر کی نہ مانئے! علمائے دیوبند سے پوچھ لیتے ہیں کہ اس عبارت کا کیا مفہوم اور اس کا کیا مفاد ہے؟ کسی صاحب نے مسلک دیوبند کے بڑے دار العلوم، ان کے حکیم الامت کی یادگار، جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور کے دار الافتاء میں اس عبارت سے

متعلق استفتاء بھیجا۔ مفتیانِ جامعہ نے جو اس کا جواب لکھا، عام قارئین کو عموماً
اور خانصاحب کو خصوصاً ہدیہ پیش کرتا ہوں۔

(۱) جامعہ اشرفیہ کا فتویٰ: ''معجزہ نبی کا فعل اور مکسوب ہے''

''الجواب باسمہٖ سبحانہ:

بندہ کے خیال میں یہ نزاع لفظی ہے اور عبارت مذکورہ کا مفہوم میرے خیال میں یہ ہے کہ اختلاف اس میں ہے کہ معجزہ کیا ہے؟

(۱) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ محض وہ فعل جو نبی سے صادر ہو۔

کطیرانہ فی الھواء و مشیہ علی الماء

وہ بذات خود معجزہ نہیں ہے بلکہ اس فعل کے صدور پر قدرت یہ معجزہ ہے اور یہ قدرت بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔

(۲) اس کے برخلاف دیگر حضرات کی رائے یہ ہے کہ محض وہی فعل جو کہ خارق عادت ہے اور نبی علیہ السلام سے صادر ہوا ہے وہ بذات خود معجزہ ہے اور وہ فعل بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اگرچہ وہ مقدور للنبی بھی ہے اور یہاں مقدور سے مراد ''مکسوب'' ہے۔ مطلب یہ کہ اس فعل کے صدور میں بھی ''خلق'' اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اگرچہ ''کسب'' نبی کا ہے۔ اور قول اوّل میں جو فعل کے صدور کی قدرت ہے یہ خلق کے معنی میں اور دوسرے کسب کے معنی میں جیسا کہ شرح مواقف ص ۶۲۵ سے واضح ہو رہا ہے اور مسئلہ مذکور میں اپنے دونوں معانی میں استعمال ہوا ہے: جیسا کہ اوپر بتلایا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عبدالخالق عفی عنہ دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور (دارالافتاء کی مہر)

الجواب صحیح:

حمید اللہ جان عفی عنہ مہر پر لکھا ہے
المفتی حمید اللہ جان رئیس دارالافتاء جامعہ اشرفیہ''

فتویٰ اپنے مفہوم، معنی پر واضح دلالت کر رہا ہے شرح کرنے کی حاجت نہیں تاہم خانصاحب سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ فتویٰ میں مذکور:

"وہی فعل جو نبی اللہ کے ہاتھ پر صادر ہوا بذاتِ خود معجزہ ہے۔"

"وہ فعل بھی اللہ تعالیٰ کا مخلوق ہے"

"اگرچہ مقدورِ نبی بھی ہے یہاں مقدور (النبی) سے مکسوب مراد ہے۔"

"اس فعل (معجزہ کے صدور) میں بھی خلق اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اگرچہ یہ فعل معجزہ کسب نبی کا ہے"

مؤلف راہِ ہدایت وہی فعل مقدور بمعنی مکسوب، اللہ کی خلق، نبی کا کسب کو بار بار پڑھیں، صریح الدلالت الفاظ کو پیش نظر رکھ کر بتائیں کہ اس خادمِ اہل سنت نے اس سے بڑھ کر کیا کہا ہے۔ اس موقع پر مؤلف راہِ ہدایت نے اس خادم اہل سنت پر جو خصوصی عنایات فرمائیں ہیں ان میں سے کچھ مفتیانِ دیوبند کے حصہ میں بھی آئیگا کہ نہیں؟ اور یہ بھی فیصلہ دیں کہ یہود کی بولی کون بول رہا ہے؟

(۲) فتویٰ از جامعہ اشرفیہ پشاور:

باسمہٖ تعالیٰ الجواب اقول و باللہ التوفیق

احقران دنوں بیمار ہے مطالعہ کیلئے برابر نہیں ہے، اور نہ ہی بڑے اور نازک مسائل پر رائے زنی کے قابل ہے البتہ آپ نے جو سوال بھیجا ہے اور اسکے ساتھ شرح مواقف کی جو عبارت نقل فرمائی ہے اس میں صاحب کتاب نے فیصلہ دیا ہوا ہے۔

کہ ذهب آخرون .... هو الصحيح اور یہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔

هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

جامعہ اشرفیہ پشاور 2001. 11 .21

[مفتی صاحب کا دستخطی نام نہ پڑھا جاسکا]

یہ عبارت اپنے مدعا پر واضح مگر بہت مختصر ہے شاید خانصاحب اس اختصار سے قارئین کو دھوکا دیں کہ یہ مطلب نہیں، وہ مطلب ہے۔ تو قارئین کرام! فتویٰ سوال کے جواب میں دیا جاتا ہے سوال اس طرح تھا کہ: معجزہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے، زید کہتا ہے: معجزہ کے صدور میں نبی علیہ السلام کے قصد وارادہ کو دخل ہوتا ہے۔ عمرو کہتا ہے: نبی علیہ السلام کے قصد وارادہ کو دخل نہیں۔ زید بطور استدلال شرح مواقف کی مندرجہ عبارت پیش کرتا ہے۔ عمرو کہتا ہے اس عبارت کا یہ مفہوم نہیں الی اخرہ۔ اسی سوال کا جواب لکھا گیا۔

ع ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں

علامہ تفتازانی اور تصرفات مافوق الاسباب:

سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ معتزلہ کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"وَهُمُ الْمَلٰئِكَةُ الَّذِيْنَ لَا أَبَ لَهُمْ وَلَا أُمَّ لَهُمْ يَقْدِرُوْنَ بِإِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى أَفْعَالٍ أَقْوٰى وَأَعْجَبَ مِنْ إِبْرَاءِ الْأَكْمَهِ وَالْأَبْرَصِ وَإِحْيَاءِ الْمَوْتٰى"

شرح عقائد ص۲۵۸ مطبع ایچ ایم سعید کمپنی

اور وہ فرشتے ہیں جنکے ماں باپ نہیں اور وہ باذن اللہ اندھے مادرزاد اور کوڑھی کو شفا بخشنے، مردوں کو زندہ کرنے سے بھی زیادہ قوی اور عجیب فعلوں پر قادر ہیں۔

اس عبارت سے بھی ملائکہ کرام کیلئے صراحۃً اور عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ضمناً مافوق الاسباب متصرف ہونے کا ثبوت ملا کہ وہ ایسے افعال پر باذن اللہ تعالیٰ قادر ہیں۔ اور اسی کی مثل سید شریف جرجانی رحمہ اللہ نے شرح مواقف ص ۷۰۱ المقصد الثامن فی تفضیل الانبیاء علی الملائکہ پر لکھا ہے نیز علامہ تفتازانی کی شرح مقاصد ج ۲ ص ۲۰۲ ملاحظہ ہو۔

متکلمین اہل سنت کے عقیدہ میں ملائکہ کرام، اندھے، مادرزاد کوڑھی کو شفا دینے اور مُردے زندہ کرنے سے بھی عجیب تر افعال پر قادر ہیں۔

علامہ تفتازانی اس کی بھی تصریح فرماتے ہیں کہ کرامت، ولی اللہ کے قصد واختیار

سے بھی صادر ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ مقاصد میں لکھتے ہیں:

"وَالکَرَامَةُ ظُهُوْرُ اَمْرٍ خَارِقٍ لِلعَادَةِ مِنْ قِبَلِهِ بِلاَ دَعْوَى النُّبُوَّةِ وَهِيَ جَائِزَةٌ وَلَوْ بِقَصْدِ الْوَلِيِّ وَمِنْ جِنْسِ الْمُعْجِزَاتِ لِشُمُوْلِ قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى

(شرح مقاصد صـ ۲۰۳، المبحث الثامن دار المعارف نعمانیہ کریم پارک لاہور

یعنی دعویٰ نبوت کے بغیر ولی اللہ کے ہاتھ پر کسی امر خارق للعادۃ کا ظہور کرامت ہے اور کرامت ثابت ہے، اگر چہ ولی کے قصد سے ہو اور کرامت معجزات کے جنس سے بھی ہوتی ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سب کو شامل ہے۔

علامہ تفتازانی شرح عقائد میں اثبات کرامات کی بحث میں لکھتے ہیں:

كَاِتْيَانِ صَاحِبِ سُلَيْمٰنَ عَلَيْهِ السلام وَهُوَ آصِفُ بْنُ بَرْخِيَا عَلَى الْأَشْهَرِ بِعَرْشِ بِلْقِيْس قَبْلَ اِرْتِدَادِ الطَّرْفِ مَعَ بُعْدِ الْمَسَافَةِ

(شرح عقائد صـ ۱۲۲ طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی کا آنکھ جھپکنے سے پہلے ملکہ بلقیس کے تخت کو (بہت دور سے) لے آنا۔ زیادہ مشہور قول کے مطابق وہ صاحب آصف بن برخیا تھے

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کی تحقیق میں ملکہ بلقیس کا تخت دور دراز سے بطور خرقِ عادت چشم زدن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش کرنا آصف بن برخیا کی کرامت ہے۔

مفہوم معجزہ میں علماء کلام کی تحقیق:

معجزات پر کلام کرتے ہوئے علامہ تفتازانی نے معجزہ کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا۔

(الْمُعْجِزَاتُ) جَمْعُ مُعْجِزَةٍ وَهِيَ اَمْرٌ يَظْهَرُ بِخِلَافِ الْعَادَةِ عَلٰى يَدِ مُدَّعِي النُّبُوَّةِ عِنْدَ تَحَدِّي الْمُنْكِرِيْنَ عَلٰى وَجْهٍ يُعْجِزُ الْمُنْكِرِيْنَ عَنِ الْاِتْيَانِ بِمِثْلِهِ.

(شرح عقائد صـ ۹۸، مطبوعہ یوسفی باب المعجزات)
(شرح عقائد ص ۲۰۸، ۲۰۹، ایچ ایم سعید کمپنی)

یعنی معجزات معجزۃ کی جمع ہے معجزہ وہ خلافِ عادت امر ہے جو دعویٰ نبوت کرنے والے شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ منکرین کے معارضہ اور تحدی کے وقت اس طور پر کہ منکرین کو اس کی مثل لانے سے عاجز کردے

نورِ ہدایت طبع اوّل ص ۲۸ پر شرح عقائد کی صرف خط کشیدہ عبارت اور اس کا ترجمہ درج کیا گیا۔ اس پر کوئی تبصرہ یا فائدہ نہیں لکھا گیا، یہ عبارت نورِ ہدایت کے مقصد سوئم میں ہے جس میں معجزہ اور کرامت کا معنی بیان کیا گیا، نیز کرامت اور سحر میں یہ فرق بتایا گیا، کہ جادو اسبابِ عادیہ کے ماتحت ہوتا ہے جبکہ معجزہ اور کرامت میں اسباب ظاہری عادی نہیں پائے جاتے، اسلئے معجزہ اور کرامت کو مافوق الاسباب کہہ سکتے ہیں جبکہ جادو کو مافوق الاسباب نہیں، بلکہ ماتحت الاسباب فعل کہیں گے۔ مقصد سوئم میں معجزہ اور کرامت کے اختیاری یا غیر اختیاری ہونے کی سرے سے بحث ہی نہیں اس لئے علامہ تفتازانی سے صرف معجزہ کی تعریف نقل کی گئی۔

مگر نتیجہ سے بے خبر مؤلف ''راہِ ہدایت'' خانصاحب کو معاندانہ، سرسری نظر ڈالنے سے جو وسوسہ پیدا ہوا، اسے یقین کا درجہ دے کر بے سروپا سوالات شروع کر دیئے۔ علامہ تفتازانی نے معجزہ کی جو تعریف کی ہے خانصاحب کو اگر اس سے کوئی اختلاف تھا تو اس کا ذکر کرتے یا شرح عقائد کا حوالہ نقل کرنے میں کوئی اہم حصہ معجزہ کی تعریف کا چھوڑ دیا گیا ہوتا تو اس پر حرف گیری کرتے تو کوئی بات بھی ہوتی۔ مگر مقصد سوئم کے اصل موضوع کو چھوڑ کر تنقید کا رُخ ادھر پھیر دیا جس کا ذکر پوری داستان میں نہیں، معجزہ اور کرامت کے اختیاری ہونے کی بحث مقصد چہارم میں موجود ہے وہاں پر یہ حوالہ دیا جاتا اور کہا جاتا کہ علامہ تفتازانی کے اس عبارت سے معلوم ہوا کہ معجزہ نبی علیہ السلام کے قصد سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ تو اعتراض کرنے کی کوئی تک بھی تھی لیکن انتہائی ناسمجھی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ الزام لگایا کہ مؤلف نورِ ہدایت نے متن کی عبارت جو ان کے مدعا باطل کے خلاف تھی بدیانتی کے طور پر اُسے ذکر نہ کیا۔

اس مقام پر مؤلف راہِ ہدایت آبروئے دیوبند جناب سرفراز خان گکھڑوی نے جو خامہ فرسائی فرمائی ہے وہ اگرچہ طویل ہے مگر اس کو بلفظہٖ من وعن لکھ کر اس کا تجزیہ کیا جاتا ہے

طویل عبارت کونقل کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ خادم اہل سنت کے تجزیہ وتنقید اور خانصاحب کی تحقیق کا موازنہ کرتے وقت قاری کتاب کواصل کتاب دیکھنے کی زحمت نہ ہو، نیز کسی کو قطع برید کرنے کا الزام لگانے کا موقع بھی ہاتھ نہ آئے۔

خانصاحب کے جاہلانہ سوالات اوران کا تجزیہ:

مؤلف راہِ ہدایت لکھتے ہیں:

”مؤلف نورِ ہدایت کی جہالت یا خیانت دیکھئے کہ وہ مواقف اور شرح مواقف سے معجزہ کی چند شرطیں بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں۔ [الی ان قال] اور خیر سے عبارات میں قطع وبرید کرنے کے علاوہ کسی ایک عبارت کا مطلب بھی صحیح نہیں سمجھے۔ کسی عبارت کی ابتداء نہیں دیکھی اور کسی کی انتہاء سے آنکھیں بند کرلی ہیں اور اصل عبارتوں کی طرف مراجعت کرنے کی سرے سے تکلیف ہی گوارہ نہیں کی۔ شرح عقائد کی یہ عبارت کہ المعجزات جمع معجزةٍ وهى امر يظهر بخلاف العادة الخ تونقل کردی ہے اوراس سے قبل کی طویل عبارت چھوڑ دی ہے جومتن میں امام نجم الدین عمر بن محمد النسفی الحنفی المتوفٰی سنہ 537ھ نے لکھی ہے اور شرح میں علامہ تفتازانی نے تحریر فرمائی ہے کہ:

قَدْ أَرْسَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى رُسُلاً مِنَ الْبَشَرِ إِلَى الْبَشَرِ (إلى أن قال) وَأَيَّدَهُمْ أى الْأَنْبِيَاءَ بِالْمُعْجِزَاتِ النَّاقِضَاتِ لِلْعَادَاتِ جَمْعُ مُعْجِزَةٍ وَهِيَ أَمْرٌ الخ“

مؤلف نورِ ہدایت کا وأيدهم الخ کا جملہ جو ان کے باطل مدعا کے خلاف تھا جسے گیارہویں شریف کا لذیذ اور مجرب حلوا سمجھ کر کھا گئے ہیں۔ یا اس کو بقول اعلیٰ حضرت شامی کباب یا سیب کا پانی ہی تصور فرما لیا ہوگا۔ آخر منطقیوں کا کہنا ہے کہ التصور يتعلق بكل شىء اور مؤلف مذکور کو بزعم خود منطقی ہونے کا دعوٰی بھی ہے، یہ عبارت انہوں نے نورِ ہدایت کے ص ۲۸ میں لکھی ہے اور صفحہ ۲۷ میں وہ اپنے مخالفین کو یوں پند ونصیحت کرتے ہوئے دل ماؤف کی گرم بھڑاس نکال رہے ہیں: جولوگ اس قدر کھلی تحریف کرنے سے نہیں شرماتے وہ تحریف معنوی کرنے سے کب رکتے ہیں۔

ع اِیں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

واقعی حزبِ مخالف نے تحریف میں یہود ونصاریٰ کو بھی مات کر دیا ہے اور اپنے خصوصی کرتب دکھانے میں ان سے دو قدم آگے نکل گئے، عوام الناس کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

ستم کیشی کو تیرے کوئی پہنچا ہے نہ پہنچے گا
اگرچہ ہو چکے ہیں تجھ سے پہلے فتنہ گر لاکھوں

(بلفظہٖ نورِ ھدایت ص ۲۷، ۲۸)

خان صاحب سلسلہ سوال کو بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور آپ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد بخوبی اس امر کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ معجزات و کرامات کو انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اختیاری افعال کہہ کر اور پھر ان کو ما فوق الاسباب امور قرار دے کر اور اس طرز استدلال سے ان کا ما فوق الاسباب متصرف اور مختار کل قرار دینا ایک ایسی شرمناک تحریف ہے کہ اس تحریف کے سامنے یہود و نصاریٰ بھی ان کا منہ تکتے رہ جائیں۔ اور فن تحریف اور خداع میں فریق مخالف کو اپنا سردار اور پیر تسلیم کرلیں۔'' (انتھی بلفظہٖ راہِ ھدایت ص ۳۲، ۳۳)

خادم اہل سنت : واقعی تعصب و عناد، انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ جیسے مغلوب الغضب اندھا ہر طرف لاٹھی لہراتا ہے۔ اسے پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اس کی ضرب کس پر پڑ رہی ہے۔ ایسے ہی متعصب انسان بھی، نتیجہ سے بے خبر لکھتا اور کہتا رہتا ہے۔

مؤلف راہ ہدایت کی اس طویل عبارت کو کئی پہلوؤں سے دیکھا جائے گا۔

1) خانصاحب نے ''یہ عبارت'' (نورِ ہدایت صفحہ ۲۷، ۲۸، طبع اوّل) سے لکھی اور نقل کیا کہ: جو لوگ اس قدر کھلی تحریف کرنے سے نہیں شرماتے وہ تحریف معنوی کرنے سے کب رُکتے ہیں۔ (راہِ ہدایت ص ۲۸)

خادم اہل سنت : جیسا کہ گذشتہ صفحات میں واضح کر دیا گیا ہے کہ معجزہ کا صرف اصطلاحی معنیٰ، شرح عقائد کی عبارت اور ترجمہ لکھا اس عبارت پر مزید نہ تو کوئی تبصرہ کیا گیا اور نہ ہی فوائد کا استنباط۔ اس استدلال پر خان صاحب گکھڑوی نے جو بے موقع سوالات

اٹھائے ہیں ان کے جوابات نذر قارئین ہیں یہ کہ:

مؤلف راہِ ہدایت سوال میں درج طرز تحریر سے کتاب کے قاری کو یہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ شرح عقائد کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے میں نورِ ہدایت میں تحریف کی گئی ہے اسکا جواب یہ ہے **هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ آبروئے دیوبند سرفراز خان گکھڑوی، انکی پوری جماعت اور تمام علمی ذرّیت کو دعوت دیتا ہوں کہ نورِ ہدایت طبع اوّل میں نقل کردہ حوالہ میں تحریف لفظی اور معنوی ثابت کریں۔**

نورِ ہدایت سے بے بہرہ، ایسا کیوں کرتے ہیں؟

جن دنوں میں گکھڑ میں تھا خانصاحب کے دوتین رسالے پڑھنے کا موقع ملا جن کے مطالعہ سے انکشاف ہوا کہ اہل دیوبند کے فاضل محقق خود تراشیدہ الزام اپنے مخالف پر لگا کر اس کا رَدّ شروع کر دیتے ہیں، اور بناء فاسد علی الفاسد کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے غلیل صدری کو ٹھنڈک پہنچانے کی سعی ناتمام کرتے ہیں۔ اس طریقہ واردات کی کئی مثالیں قارئین زیر مطالعہ کتاب میں پائیں گے۔

2) خانصاحب: أيدهم الخ کا جملہ انکے باطل مدعا کے خلاف تھا جسے...... کھا گئے ہیں۔

خادم اہل سنت: خانصاحب کی اس عبارت میں دو سوال پنہاں ہیں اوّل یہ کہ حوالہ دیتے وقت قطع برید سے کام لیا گیا ہے اور دوسرے یہ کہ أَيَّدَهُمْ مدعا کے خلاف سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ اِن دونوں سوالات کا اصولی جواب:

(ا) أَيَّدَهُمْ کے جملہ کا موضوع و مقام سے تعلق ہی نہیں نہ اس کے ذِکر کی حاجت اور نہ ہی اس کا ذکر نہ کرنا عیب۔

(ب) کسی مصنف کے کلام کو نقل کرتے وقت اس حصے کو چھوڑ دینا جو ناقل کے مؤقف کے خلاف ہو یا کسی سے کتاب کے بعض حصے کو نقل کرنا اور بعض ایسے کو چھوڑ دینا جس سے مصنف کا معنی مقصودی بدل جائے، اس طرح حوالہ نقل کرنا عیب ہے۔ مگر کسی

مُشَرَّح کتاب کے متن کا حوالہ دینا۔ شرح یا حاشیہ کی عبارت نہ نقل کرنا یا حسب ضرورت صرف شرح کی عبارت نقل کرنا اور متن کا ذِکر نہ کرنا اسے قطع و برید سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ کیا فتویٰ لکھتے وقت شروح کنز الدقائق مثلاً بحر الرائق وغیرہ کا حوالہ ذکر کرنا اور متن کی عبارت درج نہ کرنا، یا ہدایہ کی عبارت نقل کرنا اور قدوری وغیرہ کی عبارت نہ لکھنا، بدیانتی اور خیانت کے زُمرے میں آتا ہے؟ ہر گز نہیں! شرح عقائد کا حوالہ نقل کرتے ہوئے یہ دوسری صورت ہی پیدا ہوئی ہے جس کا ناقلین کے ہاں اکثر رواج ہے، کوئی بھی دانشمند اِسے معیوب، قطع و برید سے تعبیر نہیں کرتا۔

2: اَیَّدَھُمْ کا معنیٰ قوت دینا ہے یا عاجز کرنا؟

نا معلوم کس خوش فہمی میں یا غلط فہمی میں خانصاحب نے یہ سمجھ لیا کہ ماتن کا قول أیدھم اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام معجزہ کے اظہار سے عاجز ہیں۔

(ایدھم تائید سے ہے اور تائید کا مجرد اید ہے اس کا معنیٰ قوت شدیدہ ہے ارشاد خداوی ہے:

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ (الذاریات، آیت نمبر ۴۷، پ ۲۷)

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ (صٓ آیت نمبر 17، پ 23)

أید کا استعمال بمعنیٰ ہاتھ، نعمت اور قوتِ شدیدہ کے ہے۔ حضرت امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: (اید تک) فعلت من الاید اید کا معنیٰ قوۃ شدیدہ ہے۔ تائید کا معنیٰ ہے قوت دینا، مضبوط کرنا، ثابت کرنا، بار بار قوت دینا، تائید کرنا، لہٰذا أَیَّدَھُمْ کا ترجمہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی مدد فرمائی رتائید فرمائی، قوت بخشی۔

حضرت امام راغب لکھتے ہیں: واللّٰہ یؤید بنصرہٖ من یشآء ای یکثر تائیدہ.

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ
(پ ۲۸، سورۃ الصف، آیۃ ۱۴)

اور ہم نے ایمان والوں کو ان کے دشمنوں پر مدد دی تو غالب ہو گئے۔
(کنز الایمان)

کیا اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی تائید سے طاقتور اور غالب ہوئے یا مجبور و عاجز ہو گئے تھے؟

کیا اللہ تعالیٰ کی تائید کے بعد دشمن پر غلبہ و فتح پانے میں ان کی خداداد قوت جسمانیہ کا کوئی دخل نہیں تھا؟ یقیناً ان کی ہمت، قوت اور جسمانی تصرف کا اس فتح میں بہت تعلق تھا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا سے۔ اہل ایمان کا یہ تصرف اختیاری تھا، غیر اختیاری فعل نہیں تھا۔

خانصاحب! مزید غور کریں کہ کسی کے قول اور فتوی کی تائید کرنا اس فتویٰ کی صحت کو تقویت پہنچانا ہے یا اس کو کمزور کرنا ہے۔

"راہِ ہدایت" کے مطالعہ سے خانصاحب کی جس درجہ کی قوت استدلال کا مجھ پر انکشاف ہوا، نامعلوم ان کا مبلغ علمی اتنا ہے یا راہِ ہدایت لکھتے وقت لاپرواہی کے مرض کا شکار تھے؛ کیونکہ میرا خیال یہی تھا کہ شعبہ درس و تدریس سے وابستہ انسان اتنی کمزور روش اختیار نہیں کرسکتا۔ مسلکی اختلاف کے باوجود میں ان کو جاہل نہیں سمجھتا لیکن ببانگِ دہل یہ بات کہتا ہوں کہ حرکتیں جاہلوں والی کرتے ہیں۔ جواب سے عاجز ہو کر ایسی باتیں لکھتے ہیں، یا تحریف کی عادت پیچھا نہیں چھوڑتی۔

3) گیارہویں کا حلوہ لذیذ ہے یا کوّے اور کپورے؟

خانصاحب: گیارہویں شریف کا مجرب حلوہ سمجھ کر کھا گئے ہیں۔ راہِ ہدایت ص ۲۸

خادمِ اہل سنت: یہ تو اپنے اپنے نصیب، قسمت اور پسند کی بات ہے کسی کو گیارہویں شریف سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ایصالِ ثواب کا پاکیزہ تبرک پسند ہے اور کسی کو زاغِ معروف اور کپوروں کا گوشت۔

4) خانصاحب کا افتراء مزید:

خانصاحب: ''اس طرزِ استدلال سے ان کا مافوق الاسباب متصرف اور مختارِ کل قرار دینا ایک ایسی شرمناک تحریف ہے'' ....راہ ہدایت ص ۲۸

خادمِ اہل سنت: مؤلف راہِ ہدایت خوردبین لگا کر بغور نورِ ہدایت صفحہ ۲۸ طبع اوّل کو پڑھیں اس میں کہیں لکھا ہے کہ: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مافوق الاسباب متصرف اور مختارِ کل ہیں۔

یاد رہے! یہاں صرف مؤلف راہِ ہدایت کے طریقہ وارِدات کی نشاندہی کرنا مقصود ہے۔ ورنہ اہلسنت و جماعت کے عقیدہ میں رسول اللہ ﷺ مافوق الاسباب العادیہ اُمور میں متصرف ہیں۔ اس کتاب میں اِسی کا مدلل بیان ہے اور آپ ﷺ اپنی شانِ محبوبیت اور عظمت رسالت کے مطابق مختارِ کل ہیں۔ مگر شرح عقائد کی مسطورہ عبارت کے بعد نہ تو مختار کل کا ذکر ہے اور نہ ہی مافوق الاسباب کا، اور نہ ہی مسئلہ مختارِ کل اس کتاب کا موضوع ہے۔

5) مدعا کے خلاف عبارت کو کس نے چھپایا؟

خانصاحب: نے یہ الزام بھی لگایا ہے کہ خادم اہل سنت نے عبارت میں قطع و برید کے ساتھ جو جملہ ان کے باطل مدعا کے بالکل خلاف تھا اسے کھا گئے۔

خادم اہل سنت: مؤلف راہِ ہدایت کا یہ انتہائی حقیر استدلال ہے، کئی حوالوں سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ تائید کا معنی عاجز کرنا ہرگز نہیں ہے، بلکہ قوت، طاقت، نعمت دینا ہے۔ لہٰذا أیدهم کا جملہ میرے دعوٰی کے خلاف نہیں، بلکہ دعوٰی کی تائید ہے۔

ہاں مؤلف مذکور کے طرزِ استدلال کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شرح عقائد کا حوالہ نقل کرنے میں مؤلف راہ ہدایت نے خود کھلی تحریف کی ہے، جو عبارت ان کے باطل مدعا کے خلاف تھی اسے ذکر نہیں کیا بلکہ ''الخ'' کے پردہ میں دھوکہ دہی کا مظاہرہ کیا۔

شرح عقائد کی مذکورہ عبارت اس طرح ہے:

جَمْعُ مُعْجِزَةٍ وَهِيَ أَمْرٌ يَظْهَرُ بِخِلَافِ الْعَادَةِ عَلَى يَدِ مُدَّعِي النُّبُوَّةِ عِنْدَ تَحَدِّي الْمُنْكِرِيْنَ عَلَى وَجْهٍ يُعْجِزُ الْمُنْكِرِيْنَ عَنِ الْإِتْيَانِ بِمِثْلِهِ" (شرح عقائد ص ۲۰۹ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی)

خانصاحب نے خط کشیدہ حصہ نقل کر کے باقی کو قارئین سے پوشیدہ رکھنے کی مذموم کوشش کی؛ کیونکہ اُس میں علامہ تفتازانی نے معجزہ کی تعریف میں واضح طور پر لکھا: علی وجہٍ یعجز المنکرین عن الاتیان بمثلہ "یعنی نبی اللہ علیہ السلام کے ہاتھ صادر ہونیوالا خلاف عادت ایسا امر جو منکرین کو اس کی مثال لانے سے عاجز کردے معجزہ ہے۔"

اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اعجاز کا معنی پائے جانے کیلئے اتنی شرط ہی کافی ہے کہ منکرین اس کی مثل لانے سے عاجز ہوں۔ یہ شرط ہرگز نہیں کہ انبیاء بھی اُس سے عاجز ہوں۔ ان کے قصد واختیار کا اُس فعل سے کوئی تعلق و واسطہ نہ ہو۔

ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اپنے مدعا کے خلاف عبارت کو کس نے چھپایا؟

خانصاحب نے کبھی شرح عقائد پڑھائی ہے یا ویسے ہی اچھی طرح مطالعہ کیا ہے تو اسکی نظر سے مولانا حسن علی سنبھلی کا حاشیہ نظم الفرید گزرا ہوگا جو اس پر چھپ چکا ہے۔ حزب مخالف کے کتب خانوں پر بکثرت فروخت کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ حاشیہ ان کے ہاں معتبر و متداول ہے۔ فاضل محشی شرح عقائد کی زیر نظر عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" وَكَوْنُهُ خَارِقًا لِلْعَادَةِ وَلَوْ بِالْغَيْرِ وَإِلَّا فَلَا إِعْجَازَ وَلَا يَلْزَمُ عَدَمُ قُدْرَةِ النَّبِيِّ عليه وَعَدَمُ كَوْنِهِ مُعْتَادًا لَهُ بَلْ يَكْفِيهِ عَدَمُ قُدْرَةِ الْعَامَّةِ وَتَعَذُّرِ مُعَارَضَتِهِ . (شرح عقائد ص ۲۰۹ طبع ایضا)

یعنی تحقق معجزہ کیلئے لازم ہے کہ وہ خارق عادت ہو، چاہے بالغیر، وگرنہ اعجاز (عاجز کرنے) کا معنی نہ پایا جائے گا۔ اور یہ لازم نہیں ہے کہ نبی کو معجزہ پر قدرت حاصل نہ ہو، اور یہ بھی لازم نہیں انکے معتاد نہ ہو بلکہ معجزہ کیلئے عامۃ الناس کا اس پر قادر نہ ہونا اور اسکے معارضہ ومقابلہ سے عاجز ہونا معجزہ کیلئے کافی ہے۔

محشی کا یہ کلام اپنے مفہوم پر ظاہر ہے کہ معجزہ کا لغوی معنیٰ پائے جانے کے لحاظ سے اتنا ہی کافی ہے کہ عامۃ الناس خصوصاً منکر نبوت اس فعل کی مثل لانے سے عاجز ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ نبی بھی ایسے فعل پر قادر نہ ہو، اور یہ بھی لازم نہیں کہ ایسا فعل بجالانا نبی علیہ السلام کی عادت میں شامل نہ ہو، بلکہ عادتاً قادر ہونا بھی صحیح ہے۔

مگر خانصاحب نے اس سے یہ سمجھا کہ نبی بھی معجزہ کے اظہار میں عاجز ہوتا ہے۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

علامہ تفتازانی شارح عقائد کے کلام: "علی وجه یعجز المنکرین عن الاتیان بمثله" کا یہی حاصل مفاد ہے کہ: معجزہ کے لئے شرط ہے کہ وہ خرقِ عادت امر ہو، اور عامۃ الناس کو ایسے فعل پر قدرت حاصل نہ ہو۔ منکرین اس امر کے مقابلہ اور معارضہ سے عاجز ہوں، معجزہ کے تحقق کیلئے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ نبی کی قدرت سے باہر ہو اور ان کیلئے محال ہو۔ صاحبِ راہ ہدایت، محشی کی اس عبارت کو پوری توجہ سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ کیا اس کلام کا مفاد ان کے موقف کے خلاف نہیں؟ اور ان کے دعوی باطل کا رد نہیں؟ ایک دفعہ پھر ملاحظہ فرمائیں:

وَلَا يَلْزَمُ عَدَمُ قُدْرَةِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ وَعَدَمُ كَونِهِ مُعْتَادًا لَهُ بَلْ يَكْفِيهِ عَدَمُ قُدْرَةِ الْعَامَّةِ

(شرح عقائد ص ۲۰۹ طبع ایضاً)

پھر اپنے ضمیر سے فتویٰ لیں کہ خادمِ اہلسنت، اہل ایمان کی عبارات سمجھنے سے قاصر اور راہِ صواب سے بچتا ہے، یا خانصاحب نے عمداً گمراہی کا راستہ اختیار کیا؟ اور یہ فیصلہ آسان ہے کہ اہل علم کی عبارات میں لفظی بالخصوص معنوی تحریف کا ارتکاب کس نے کیا؟

خانصاحب کی ایک اور کمزوری کی نشاندہی:

چلتے چلتے یہاں ایک اور کمزوری کی نشاندہی کرتا چلوں کہ دوسروں کو اصل

عبارات کی طرف مراجعت نہ کرنے کا الزام دینے والا خود اس کا ملزم ہے۔

خانصاحب لکھتے ہیں کہ ''شرح عقائد کی یہ عبارت المعجزات جمع معجزۃٍ وھی امر یظھر بخلاف العادۃِ الخ کو نقل کردیا ہے۔

شرح عقائد میں المعجزات کا لفظ نہیں ہے بلکہ شرح عقائد کی عبارت جمع معجزۃٍ سے شروع ہوتی ہے اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ نورِ ہدایت میں المعجزات کا لفظ شرح کی عبارت کو مربوط کرنے کیلئے لکھا گیا۔ جسے مؤلف راہ ہدایت نے علامہ تفتازانی کا کلام سمجھ کر ان کی طرف منسوب کردیا۔ اب خود ہی انصاف کریں اصل عبارات کی طرف مراجعت نہ کرنے کا مصداق کون ٹھہرے گا؟

قارئین کرام! میں سمجھتا ہوں کسی متن بمع شرح یا شرح بمع متن کی عبارت نقل کرتے ہوئے اس قسم کے انتساب میں مسامحت ہوتی رہتی ہے یہ کوئی عیب نہیں بشرطیکہ کسی فاسد مقصد کیلئے ایسا نہ کیا گیا ہو۔

6) کیا بھیڑیئے کو بھیڑ تصور کر کے کھایا جاتا ہے؟

خانصاحب: یا اس کو بقول اعلیٰ حضرت، شامی کباب یا سیب کا پانی تصور فرما لیا ہوگا

آخر منطقیوں کا کہنا ہے: التصور یتعلق بکل شی.

خادم اہل سنت: کیا مؤلف مذکور نے ''التصور یتعلق بکل شیٔ'' منطقی ضابطہ پر عمل کرتے ہوئے ''انتہائی ممنوع حیوان'' ......کو بھیڑ کا ہم شکل تصور کر کے کبھی کھانے کا تجربہ کیا ہے؟ غالباً ہرگز نہیں کیا ہوگا۔ یا شرعاً ممنوع مشروبات کو شربتِ بنفشہ یا روح افزاء تصور کر کے انڈیل دیا ہوگا۔ تنگ نظری و ذہنی خلفشار کی وجہ سے بچگانہ حرکتیں کرنے کا خمیازہ خود ہی بھگتنا پڑے گا۔

7) " كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ "

خانصاحب: "اور مؤلف مذکور کو بزعم خود منطقی ہونے کا دعویٰ بھی ہے۔"

یہی بات خانصاحب نے کچھ الفاظ کی تبدیلی کیساتھ دوسری جگہ بھی لکھی ہے۔

خادم اہل سنت: خانصاحب نے خود تو اس طرح کے الفاظ میری زبان سے ہرگز نہیں سنے، اگر ان کے جھوٹے حواریوں نے میرے دروس سے متاثر ہو کر اپنی ذہنی اختراع کو ان الفاظ سے خانصاحب سے بیان کیا تھا تو بھی وہ " اِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا پر عمل کرتے، تا کہ فَتُصْبِحُوا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ کا مصداق نہ ٹھہرتے، مگر یہ حکم ان کیلئے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ...... دیا ہو کہ وہ اپنی غلطی پر نادم ہونے کا احساس کرتے ہیں۔ بعض ذرائع سے میں نے سنا ہے کہ خانصاحب ایک دارالعلوم میں حدیث پڑھاتے ہیں، غالباً یہ حکیمانہ ناصحانہ ارشاد گرامی آپ کی نظر سے گذرا ہوگا:

" كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ " صدق النبی ﷺ

8) اَظْهَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى الْمُعْجِزَةَ سے استدلال کا جواب:

خانصاحب: " اَمَّا كَوْنُهٗ مُوْجِباً لِلْعِلْمِ فَلِلْقَطْعِ بِاَنَّ مَنْ اَظْهَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى الْمُعْجِزَةَ عَلٰى يَدِهٖ تَصْدِيْقاً لَهٗ فِي دَعْوَى الرِّسَالَةِ كَانَ صَادِقاً فِيْمَا اَتٰى بِهٖ ، اَلْخ " (ص ۱۳ شرح عقائد) ۲۶ (ایچ ایم سعید کمپنی)

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ معجزہ کا ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کا کام اور اس کا فعل ہے نبی کے ہاتھ پر اس کی تصدیق کے لئے وہ صادر کرتا ہے۔ نبی کا اختیاری فعل نہیں ہوتا۔"

(راہِ ہدایت ص ۳۵)

خادم اہل سنت: علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذکورہ کلام "مولف راہ ہدایت" کے باطل دعویٰ "اظہارِ معجزہ میں قصد نبی کا تعلق نہیں ہے" کی تائید ہرگز نہیں کرتا اس کلام سے استدلال کی کوئی تُک نہیں اِس عبارت کا مفاد اتنا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی خبر قطعاً

صادق ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انکی تصدیق کیلئے خرقِ عادت امور (معجزات) ان کے ہاتھوں پر ظاہر فرماتا ہے جس سے یقین حاصل ہوتا ہے کہ یہ شخص عالی دعویٰ رسالت میں سچا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی جملہ، کوئی کلمہ، اس طرف اشارہ بھی نہیں کرتا کہ معجزہ کے اظہار میں نبی کے قصد کا کوئی تعلق نہیں۔

مؤلف راہِ ہدایت نے عبارت مذکورہ کو حصر کے معنی میں لے کر غلط مطلب کشید کیا، ہوسکتا ہے اظهر الله تعالىٰ المعجزة میں اسم جلالت کی طرف اظهر کی اسناد سے غلط فہمی ہوئی ہو یا قاری کتاب کو دھوکہ میں رکھنے کیلئے ایسا کیا ہو، اغلب خیال اسی طرف جاتا ہے۔ ورنہ میں ان کو اتنا ان پڑھ نہیں سمجھتا کہ انہیں اتنا بھی علم نہ ہو کہ اس اسلوب کلام میں نہ حصر ہے نہ ہی کوئی کلمہ حصر۔ اِس طرح کے اِسناد روزمرہ کے استعمال میں ہیں، کوئی بھی ہوشمند اس طرح کے جملوں سے حصر مراد نہیں لیتا۔ اس کلام کو معنی حصر میں لینا مؤلف راہِ ہدایت کی اختراع ہے۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اس طرح استدلال ہوا کہ اظہار معجزہ کا اسناد اللہ کی طرف ہے اور جس فعل کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اس کا اور کسی طرف اسناد کرنا غلط ہے، چاہے اللہ کا نبی ہی ہو، لہٰذا معلوم ہوا کہ اظہار معجزہ میں نبی کے قصد واختیار کا کوئی تعلق نہیں۔ (شکل منطقی بنانے سے عمداً گریز کیا گیا) اس طرح کا نتیجہ کشید کرنا انہی کا کام ہے۔ مؤلف راہِ ہدایت نے شرح عقائد کی عبارت سے یہ غلط مفہوم کشید کیا اس کا غلط ہونا خود علامہ تفتازانی کے کلام سے ثابت ہے۔

اظهر النبی ﷺ المعجزة:

علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں "محمد رسول الله" (ﷺ) کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" وَحُجَّتُنَا اَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ادَّعَى النُّبُوَّةَ وَاَظْهَرَ الْمُعْجِزَةَ وَكُلُّ مَنْ كَانَ كَذٰلِكَ فَهُوَ نَبِيٌّ لِمَا بَيَّنَّا "

(شرح مقاصد ص ۱۸۳، الجزء الثانی، دار المعارف نعمانیہ لاہور)

(آپ ﷺ کے نبی برحق ہونے پر) ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے نبوت کا دعویٰ فرمایا اور معجزہ ظاہر فرمایا اور جس کی بھی یہ شان ہو وہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

مؤلف راہ ہدایت اپنے طرزِ استدلال کو دیکھ کر بتائیں کہ شرح مقاصد کی اس عبارت کو دیکھ کر ایسا کہنا درست ہو سکتا ہے؟

کہ اظہار معجزہ صرف نبی مکرم شافع محشر ﷺ کا منصب ہے، کیونکہ اس کلام میں اظہار معجزہ کی اسناد آپ ﷺ کی طرف ہے، لہٰذا کسی اور نبی کیلئے یہ منصب نہیں ہو سکتا۔

" لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم "

شرح عقائد کی عبارت میں اظہر اللّٰہ المعجزۃ ہے (ص ۴۶)

اور شرح مقاصد میں اظہر (النبی) المعجزۃ ہے۔

(ص ۱۸۳ البحث الرابع)

اظہارِ معجزہ کی اسناد اللہ کی طرف بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی ہے۔ قرآن وحدیث اور اہل علم کے کلام میں اَن گنت ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ ایک فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہو اور اسی فعل کی نسبت مخلوق میں سے بھی کسی کی طرف ہو، اور ایسے مقام پر اہل علم نے ایک تطبیق یہ فرمائی ہے کہ ایسی صورت میں اس فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بطور خلق و ایجاد ہے اور مخلوق کی طرف نسبت بطورِ کسب ہے۔

عام متکلمین کے علاوہ خود علامہ تفتازانی نے بھی " وللعباد افعال اختیاریۃ " پر بحث کرتے ہوئے اسی تطبیق کو اختیار فرمایا۔ مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں:

" التَّفَصِّی عَنْ هٰذَا الْمَضِيْقِ اِلٰی یعنی اس مشکل سے خلاصی کی یہی صورت ہے کہ

لقول بِأَنَّ اللّٰهَ خَالِقٌ، وَالعَبْدَ كَاسِبٌ وتحقِيقُه' أَنَّ صَرْفَ العَبْدِ قُدرَتَه' وإرادتَه' إلَى الْفِعْلِ كَسْبٌ وَإِيْجَادُ اللّٰهِ تعالٰى الْفِعْلَ عقيب ذٰلک خَلْقَ والمَقْدُورُ الْوَاحِدُ دَاخِلٌ تَحْتَ قدرَتَيْنِ لكِنْ بِجِهَتَيْنِ مُخْتَلِفَتَيْنِ فَالْفِعلُ مقدُورُ اللّٰهِ تَعَالٰى بِجِهَةِ الإِيْجَادِ ومقدُورُ الْعَبْدِ بِجِهَةِ الْكَسْبِ.

کہا جائے اللہ تعالٰی خالق ہے اور بندہ کاسب، اس کی تحقیق یہ ہے کہ بندے کا اپنی قدرت اور ارادہ کو فعل کی طرف صرف کرنا کسب ہے اور اللہ تعالٰی کا اس فعل کا ایجاد کرنا خلق ہے۔ ایک ہی مقدور دو قدرتوں کے ماتحت ہے لیکن دو مختلف جہتوں سے تو (خلاصہ) یہ ہوا کہ فعل اللہ تعالٰی کا مقدور ہے بجہت الایجاد اور بندے کا مقدور ہے کسب کی جہت سے۔

(شرح عقائد ص ۱۵۴، ۱۵۵ مطبوعه ایچ ایم سعید

مقدورُ اللّٰهِ تعالٰی بجهة الایجاد و مقدورُ العبد بجهة الكسب

یہاں پر اس سینہ زوری کی کوئی گنجائش نہیں اظہارِ معجزہ کی اسناد محض مجازی ہے اسناد الی السبب وغیرہ کے قبیلہ سے ہے۔

اگر چہ اسناد کی اقسام پر بحث کی گنجائش ہے تاہم اس میں الجھے بغیر کہا جاتا ہے کہ اہل علم کی کتابوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث کے نصوص بالخصوص برزخ معجزات، کرامت وغیرہا شرع شریف میں جس طرح وارد ہوئے ہیں، ان کو اپنے ظاہر ہی پر محمول کیا جائے، جب تک ان کے خلاف کوئی دلیل عقلی، قطعی یا نص نہ پائی جائے۔

مفسرین، محدثین اسی ضابطہ کا اعادہ فرماتے ہیں چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شرح مسلم شریف میں لکھتے ہیں:

" وَإِذَا وَرَدَ لَفظٌ فِي الشَّرْعِ وَلَمْ يَمْنَعُ مِنْ إِجْرَائِهِ عَلٰى ظَاهِرِهٖ عَقلٌ وَلَاشَرْعٌ وَجَبَ حَمْلُه' عَلٰى ظَاهِرِهٖ "

(شرح مسلم شریف ص ۳۲۰ باب تحریم الظلم حاشیة)

جب شریعت میں کوئی لفظ واقع ہو اور اس کو ظاہری معنی پر جاری کرنے سے عقل اور شرع مانع نہ ہو تو ضروری ہے کہ اس عبارت کا اپنے ظاہری معنی پر ہی حمل کیا جائے گا۔

شرح عقائد میں ہے: اَلنُّصُوصُ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ تُحْمَلُ عَلٰی ظَوَاهِرِهَا مَالَمْ یَصْرِفُ عَنْهَا دَلِیْلٌ قَطْعِیٌّ (شرح عقائد ص ۱۹۹)

اہل علم کا یہ ضابطہ قرآن وحدیث کی نصوص سے متعلق ہے۔ یہاں تو ایک فاضل محقق انسان کا کلام ہے اس میں اسناد کو محض مجاز سمجھنا اہل علم کی روش سے دور ہے۔

اس مقام پر یہ بھی تطبیق دی جاسکتی ہے کہ دونوں جگہ اسناد حقیقی ہے ایک جگہ اسناد حقیقی ذاتی ہے اور دوسری جگہ اسناد حقیقی عطائی ہے۔ کما فعله القونوی جلد ۹ ص ۴۳

اظهر النبی ﷺ افعالاً علی خلاف المعتاد:

علامہ تفتازانی دعوی نبوت اور اظہار معجزہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَ أَمَّا إِظْهَارُ الْمُعْجِزَةِ فَلِأَنَّهٗ أَتٰی بِالْقُرْآنِ وَ أَخْبَرَ عَنِ الْمُغَیَّبَاتِ وَأَظْهَرَ أَفْعَالاً عَلٰی خِلَافِ الْمُعْتَادِ وَبَلَغَتْ جُمْلَتُهَا حَدَّ التَّوَاتُرِ وَإِنْ كَانَ تَفَاصِیْلُهَا مِنَ الْآحَادِ.

شرح المقاصد ص ۱۸۳، الجز الثانی
دار المعارف نعمانیہ

البتہ معجزہ کا ظاہر کرنا (اس کی دلیل یہ ہے) کہ آپ ﷺ قرآن لے کر آئے اور غیب کی باتوں سے خبر دی اور بہت سے افعال خلاف عادت (معجزات) ظاہر کیے جن کا مجموعہ حد تواتر کو پہنچتا ہے اگرچہ ان کی تفاصیل خبر احاد کے قبیلہ سے ہے۔

اپنے اس کلام میں بھی علامہ تفتازانی نے خرقِ عادت افعال (معجزات) کے اظہار کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی ہے۔ اور واضح کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خرقِ عادات افعال (معجزات) ظاہر فرمائے۔

ازالہء وہم: ممکن ہے خانصاحب یہاں پر یہ گرہ لگائیں، دیکھئے دیکھئے! مؤلف نور ہدایت کی جہالت، خیانت، نادانی کہ وہ معجزۂ قرآن کو نبی کا فعل اختیاری کہہ رہا ہے، کیونکہ علامہ تفتازانی نے اظہارِ معجزہ کی مثال میں سب سے پہلے اتٰی بالقرآن کا ذکر کیا ہے، کیا آج تک کسی نے قرآن عزیز کو رسول اللہ کا ''اختیاری فعل'' کہا ہے؟

چونکہ خانصاحب اس طرح کا غلط استدلال اپنی کتاب میں کئی دفعہ کر چکے ہیں،
یں وجہ سوال کی یہ صورت لکھ کر اس کا جواب لکھا جا رہا ہے۔ ویسے اس مقصد چہارم میں
یسے سوالات کے شافی و وافی جوابات موجود ہیں۔

اس مقام پر اس طرح کا سوال کرنے کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ اس طرح کے غلط
یہام کا تفتازانی کی عبارت میں کھلا رد موجود ہے۔

یہاں تین فعل ہیں اَتٰی ، اَخبر ، اَظہر کون دانشمند، کس دلیل کے طور پر یہ
عوای کر سکتا ہے کہ اتی اور اظہر میں اسناد محض مجازی ہے اور اَخبر میں حقیقی۔ مذکورہ بالا
یہام کی یہاں پر اسلئے بھی گنجائش نہیں کہ یہاں تینوں فعل متعدی ہیں، تینوں میں فاعل کا
عل اختیاری ہے۔ غیب کی خبریں دینا یقیناً آپ ﷺ کا فعل اختیاری ہے۔ یہ نہیں کہ رعشہ
الے کی طرح آپ سے ان خبروں کا بیان اضطراری طور پر صادر ہوتا تھا۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهِ الْعَظِيْم.

جیسے آپ ﷺ کا غیب کی بات کا بیان کرنا اختیاری ہے یونہی آپ کا معجزہ صادر
کرنا بھی قصد و اختیار پر دلالت کرتا ہے۔ اس عبارت میں قرآن پاک کے نزول کی بات
نہیں، تاکہ کوئی اعتراض ہو سکے، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ پر جو کلام نازل ہوتا اسے
قوم تک پہنچا دیتے۔ اس معجزانہ کلام کو لے کر مخلوق کی راہنمائی فرمائی، قرآن پاک کا
تلاوت کرنا حضور ﷺ کا اختیاری فعل ہے۔ یہ ہے اصل صورتِ حال، علامہ کے کلام اَتٰی،
اخبر اور اَظہر کے افعال کی۔ اسی مسئلہ کو علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں اس طرح
بیان کیا:

وَاَمَّا نُبُوَّةُ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصلوٰةُ والسَّلَامُ فَلِاَنَّهُ ادَّعَى النُّبُوَّةَ وَأَظْهَرَ
الْمُعْجِزَةَ أَمَّا دَعْوَى النُّبُوَّةِ فَقَدْ عُلِمَ بِالتَّوَاتُرِ أَمَّا إِظْهَارُ الْمُعْجِزَةِ

فَلِوَجْهَيْنِ أَحَدُهُمَا أَنَّهُ أَظْهَرَ كَلَامَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَتَحَدّٰى بِهِ الْبُلَغَاءَ.

(شرح عقائد ص ۲۱۰، ایچ ایم سعید کمپنی)

شرح مقاصد میں اتی بالقرآن اور شرح عقائد میں اظہر کلام اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں، کیا اظہار کلام اللہ تعالیٰ (تلاوت کرنا) آپ ﷺ کا اختیاری فعل نہیں؟

رہا یہ سوال کہ علامہ تفتازانی کے کلام

اظہر اللہ ﷻ المعجزة اور اظہر النبی ﷺ المعجزة

میں تطبیق کیا ہوگی؟ اس کے حل میں کہا جا سکتا ہے کہ پہلے کلام میں اسناد حقیقی ذاتی ہے اور دوسرے میں حقیقی عطائی، جیسا کہ علامہ قونوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ کی تفسیر میں تطبیق ذکر کی۔

9) قطع و برید کا الزام اور اس کا انجام:

خانصاحب: عبارات میں قطع و برید کی گئی۔ (راہ ہدایت)

خادمِ اہل سنت: شرح عقائد کا جو مقام زیر بحث ہے اس کی منقولہ عبارت میں قطع و برید ثابت کرنا مؤلف راہِ ہدایت کیلئے ناممکن ہے، بلکہ میری پوری کتاب نورِ ہدایت سے ایک بھی حوالہ اپنے باطل دعویٰ کی تائید میں نہیں پیش کر سکے، الزام تراشی اور اثبات الزام میں فرق ہے۔

10) کلام فہمی کا زعم اور تعلّی کی انتہاء:

خانصاحب: ''خیر سے کسی ایک عبارت کا مطلب بھی صحیح نہیں سمجھے۔'' راہِ ہدایت ص ۳۳

خادم اہل سنت: مؤلف راہِ ہدایت کا یہ متکبرانہ دعویٰ کہ ''خادم اہل سنت کسی ایک عبارت کا مطلب بھی صحیح نہیں سمجھا''، تعلّی اور دیوانے کی ''بڑ'' کا نمونہ تو ہے سچائی کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ خانصاحب اگر خود ذہن پر زور نہیں دینا چاہتے تو کسی اپنے شاگرد سے پوچھ لیں کہ کسی ایک عبارت کا مطلب نہیں سمجھے، کے ساتھ ''بھی''

کو ملانے سے جو کلام کا مفاد بنتا ہے، اس طرح کا دعویٰ کرنا کسی عقلمند سے سرزد ہو سکتا ہے؟ کیا یہ الزام سراسر جھوٹ کے زُمرے میں نہیں آتا؟ تاہم اس اعتراض کو پھیلانے کے بجائے اصل مقصد کی طرف آتا ہوں۔

بتوفیق اللہ تعالیٰ اس خادمِ اہل سنت نے اہل علم کی عبارات کا جو مفہوم سمجھا، لکھا، وہی درست اور حق ہے۔ خانصاحب اپنی پوری کتاب میں ایک بھی حوالہ پیش نہیں کر سکے کہ خادم اہل سنت نے اہل علم کی عبارات کا غلط مطلب پیش کیا ہے۔ اس کے برعکس خانصاحب نے کئی مقامات پہ جو سمجھا اور لکھا ہے وہ حقیقت کے خلاف ہے۔

خانصاحب کسی ایک عبارت کے مفہوم کو بھی دلائل کی روشنی میں غلط ثابت کر دیتے تو میں مشکور ہوتا جبکہ مؤلف مذکور نے کئی عبارات کا غلط مطلب کشید کیا، یا جانتے سمجھتے ہوئے دھوکہ دہی کا ارتکاب کیا۔ اختصاراً چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

الف: ''نورِ ہدایت'' میں خانصاحب کے شیخ واستاد اور بقول ایشاں اہل سنت کے امام مولوی حسین علی کی کتاب بلغۃ الحیران پر گرفت کی گئی۔ دلائل کے ساتھ اس حقیقت کی نشاندہی کی گئی کہ تفسیر بلغۃ الحیران کی یہ عبارت سخت گمراہ کن، اہل سنت و جماعت کے اجماعی مسلک کے سراسر خلاف ہے۔

مؤلف راہِ ہدایت (خانصاحب) نے مغلوب الغضب ہو کر نامناسب زبان استعمال کرنے پر وقت تو ضائع کیا، ایک بھی ایسی دلیل پیش نہ کر سکے جس سے ثابت ہو کہ خادم اہل سنت نے بلغۃ الحیران کی اس عبارت کا جو مفہوم سمجھا، لکھا، وہ غلط ہے۔

جبکہ خادم اہل سنت نے دیگر دلائل و بینات کے ساتھ ساتھ کئی علماء دیوبند، مفتی اعظم دار العلوم دیوبند، خصوصاً ان کے حکیم الامت تھانوی صاحب کی صریح الدلالت، ناقابل تاویل کئی عبارات پیش کر دی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بلغۃ الحیران نامی

تفسیر انتہائی گمراہ کن ہے، **سخت خطرناک ہے**، اس کی بعض عبارات سے لزوم کفر آتا ہے۔ یہ کتاب اس لائق نہیں ہے کہ اسے اپنے کتب خانوں میں رکھا جائے۔ بلغۃ الحیران کی متذکرہ عبارت اور دیگر عبارات پر بحوالہ تفصیلی بحث ''مقدمہ نورِ ہدایت'' میں گزر چکی ہے۔ اسے پڑھ کر قارئین فیصلہ کر سکتے ہیں کہ مؤلف مذکور میں کلام فہمی کا کتنا ملکہ ہے۔

ب) علامہ آمدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق۔

" هَلْ يُتَصَوَّرُ كَونُ الْمُعْجِزَةِ مَقْدُورَةً لِلرَّسُولِ أَمْ لَا (إلى أن قال) أَنَّ نَفْسَ هٰذِهِ الْحَرْكَةِ مُعْجِزَةٌ مِنْ جِهَةِ كَونِهَا خَارِقَةً لِلعَادَةِ وَمَخْلُوقَةً لِلّٰهِ تَعَالٰى وَاِنْ كَانَتْ مَقْدُورَةً لِنَبِيِّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ الأَصَحُّ"

(شرح مواقف ص ۶۶۲ المقصد الثانی فی حقیقۃ المعجزۃ مطبع عالی نولکشور)

خادم اہل سنت نے شرح مواقف کی اس عبارت سے ثابت کیا تھا ''کہ انبیاء کرام علیہم السلام، معجزات اپنے قصد و اختیار سے بھی ظاہر فرماتے ہیں۔ اور یہ کہنا بجا اور درست ہے کہ معجزہ نبی کا مقدور ہے یعنی اس کے اظہار میں نبی کی قدرت و ارادہ کا بھی ان کی شان کے مطابق تعلق ہے۔''

خانصاحب نے اس کا توڑ کرنے میں کئی غوطے کھائے مگر خیر سے ساحل مراد تک نہ پہنچ سکے، تحریف معنوی کا الزام تو ڈال دیا، لیکن کوئی دلیل ہاتھ نہ آئی۔ صحیح دلیل ملتی بھی کہاں؟ عبارت کا مفہوم تو بگاڑا، مگر اپنے مدعاء باطل پر کسی ایک شارح یا محشی کا حوالہ پیش نہیں کر سکے، کہ مؤلف نورِ ہدایت نے جو مفہوم تحریر کیا وہ غلط ہے اور مؤلف راہِ ہدایت کا مفہوم درست ہے۔ لا نسلم کے سوا کوئی دلیل اپنے مؤقف پر پیش نہیں کر سکے جبکہ اس خادم اہل سنت نے علامہ عبدالعزیز پرہاروی کی شرح شرح عقائد النبراس، اسکے محشی علامہ برخوردار علی، علامہ ناصر الدین قونوی کے حاشیہ البیضاوی، حاشیہ شرح عقائد نظم الفرائد اور بطور استشہاد شرح عقائد تفتازانی بلکہ دیوبندی مفتیان کی کئی عبارات بقید حوالہ نقل کر دی ہیں۔ جو اس پر شاہد عدل ہیں کہ شرح مواقف کی زیر بحث عبارت کا جو مفہوم اور مطلب

خادم اہل سنت نے پیش کیا وہی حق ہے اور خانصاحب کی روش روز روشن میں دن کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔ ان حوالہ جات میں خانصاحب کی جانِ ناتواں پر دیوبندی مفتی نے ناقابل برداشت پہاڑ کا بوجھ رکھ دیا۔ یہاں تک کہ لکھ دیا کہ: ''معجزہ خلقاً اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور کسباً نبی اللہ علیہ السلام کا فعل۔''

ج) علامہ رازی کی المباحث المشرقیہ، حافظ ابن حجر کی فتح الباری اور بانی دار العلوم دیوبند کی تحذیر الناس سے نقل کردہ عبارات کا مفہوم بیان کرنے میں ''مؤلف راہِ ہدایت'' نے کلام فہمی کے جو جوہر دکھائے ہیں اُس پر اُن کے اپنے بھی شرمسار ہونگے۔

''میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا''

د: مؤلف راہِ ہدایت نے شرح عقائد کی عبارت نقل کرنے میں اس کے متن اَیَّدَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی کی عبارت نقل نہ کرنے کو خیانت اور قطع و برید سے تعبیر کیا، حالانکہ اصول نگارش کی روشنی میں اس جملہ کا ساتھ لکھنا ضروری نہیں۔ اسکے علاوہ عقائد کے متن کو شرح عقائد کے ساتھ ملا کر پڑھا، دیکھا جائے تو بھی مضمون کلام میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نورِ ہدایت میں شرح عقائد کی عبارت معنیٰ و مقصود تک مکمل لکھی گئی۔

" (المعجزات) جَمْعُ مُعْجِزَةٍ وَهِیَ اَمْرٌ یَظْهَرُ بِخَلَافِ الْعَادَةِ عَلٰی یَدِ مُدَّعِی النُّبُوَّةِ عِنْدَ تَحَدِّی الْمُنْكِرِیْنَ عَلٰی وَجْهٍ یُعْجِزُ الْمُنْكِرِیْنَ عَنِ الْاِتْیَانِ بِمِثْلِهٖ "

[اس پر بحث گزشتہ سطور میں گزر چکی ہے] جبکہ مؤلف راہِ ہدایت نے اپنے وضع کردہ اصول کے مطابق واضح خیانتوں کا ارتکاب کیا۔

ھ خانصاحب نے اپنی تالیف میں نورِ ہدایت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ:

''شرح عقائد کی یہ عبارت المعجزات جمع معجزة وهی امر یظهر بخلاف العادة الخ تو نقل کردی اور اس سے قبل کی طویل عبارت چھوڑ دی۔''

خانصاحب نے نورِ ہدایت میں نقل کردہ حوالہ ادھورا لکھ کر الخ کے پردہ میں

شکار کھیلا اور ساتھ ہی یہ الزام بھی داغ دیا کہ مؤلف نور ہدایت نے متن کی عبارت نقل کر کے خیانت کا ارتکاب کیا جبکہ خود شرح عقائد کی عبارت میں جو جملہ ان کے زُعم باطل کے خلاف تھا اسے قصداً نہ ذکر کر کے خیانت کا ارتکاب کیا۔ کیا شرح عقائد کے چھوڑے ہوئے کلام کا یہ حصہ :

علی وجه یعجز المنکرین عن الاتیان بمثله

یعنی منکرین ایسا خرق عادت کام کرنے سے عاجز ہوں۔

اس عبارت میں میرے مؤقف کی دلیل نہیں؟ جسے مؤلف مذکور نے کتمان حق کے طور پر ذکر نہیں کیا۔ چاہئے تھا کہ جب یہ عبارت نورِ ہدایت میں موجود ہے تو اسے ذکر کرتے، پھر اس کے جواب میں یہ بتاتے کہ معجزہ کی تعریف میں اس قید کے لانے کا کیا مفاد ہے؟ جب کہ اہل تحقیق تعریفات میں حشو وزوائد لانے سے اجتناب کرتے ہیں۔

علامہ تفتازانی نے اس قید کو کس مقصد کیلئے ذکر کیا؟ اس قید کا صاف مفاد یہی ہے کہ وجہ تسمیہ پائے جانے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ منکرین نبوت ایسا خرقِ عادت اَمر لانے سے عاجز ہوں۔

خیال رہے تحدی حقیقی اور معنوی کے اعتبار سے بعض متکلمین نے عجز المنکرین اور بعض نے عجز المُرسَل الیهم کا مفہوم بطورِ قید اختیار کیا ہے۔

یونہی علامہ سعد الدین تفتازانی کے کلام کا وہ حصہ تو نقل کر دیا جس میں اظهر الله تعالٰی المعجزة کی عبارت موجود ہے۔ لیکن وہ عبارت جس میں (اَنَّه ﷺ) اتی افعالا علی خلاف المعتاد اس حصہ کو قاریٔ کتاب سے مخفی رکھا۔ عبارات کو نقل کرنے کا یہی انداز ہے، جسے مؤلف راہِ ہدایت خیانت و بد دیانتی سے تعبیر کرتا ہے۔ کیا ایسے عیوب ان کی زلفِ تحریر میں پہنچ کر حسن بن جاتے ہیں؟

مقدوریتِ معجزات وکرامات، امام رازیؒ کی نظر میں:

معروف مفسر، متکلم، حکیم، امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب مباحثہ المشرقیہ کے اختتام پر نبوت اور توابع نبوت کی بحث میں ان کمالات کا ذکر فرماتے ہیں جو نبی اللہ علیہ السلام کے لئے ضروری ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

﴿ وَثَالِثُهَا أَنْ تَكُونَ نَفْسُهٗ مُتَصَرِّفَةٌ فِي مَادَةِ هٰذَا الْعَالَمِ فَيَقْلِبُ الْعَصَا ثُعْبَانًا وَالْمَاءَ دَمًا وَيُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ إِلٰى غَيْرِ ذَالِكَ مِنَ الْمُعْجِزَاتِ ﴾

(المباحث المشرقیہ ص/ ۵۲۳ ج/ ۲)
ص ۵۵۶، جلد دوم، ناشر دار الکتاب العربی)

اور نبی کا تیسرا خاصہ یہ ہے کہ ان کی ذات اس عالم کے مادہ میں متصرف ہو پس بدل دیں عصا کو سانپ سے، پانی کو خون سے اور اندھے اور کوڑھی کو شفا دیں۔ وغیرہ ذالک معجزات سے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے نبی کو یہ قدرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ ایک بے جان لکڑی کو سانپ اور پانی کو خون بنا دیں کوڑھی اور اندھے کو تندرست کر دیں اور اس قسم کے اور تصرفات انہیں حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جن کمالات و تصرفات کو خاصہ نبوت بتایا ہے۔ مؤلف راہ ہدایت کے عقیدہ میں اسطرح کے تصرفات اللہ تعالیٰ کی عطا سے کسی نبی و رسول کیلئے ماننا شرک و کفر کی بدترین قسم ہے۔ انکے مسلک میں ایسا عقیدہ رکھنے والا چاہے اسے اللہ تعالیٰ کی عطا و انعام ہی کیوں نہ قرار دے، ان کے خیال میں اس کا عقیدہ اتنا گندہ عقیدہ ہے جتنا کہ مکہ شریف کے مشرک بت پرستوں کا بھی نہیں تھا، جتنا بُرا عقیدہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام کیلئے عطاء الٰہی سے ایسے تصرفات ماننے والوں کا ہے۔

مؤلف راہِ ہدایت کیلئے المباحث المشرقیہ کے حوالہ کا جواب دینا انتہائی مشکل تھا اور ان کے عقیدہ کے مطابق اس کا صحیح جواب دیا بھی نہیں جا سکتا تو انہوں نے نہایت دلیری سے کھلی تحریف کا راستہ اختیار کیا۔

مؤلف راہِ ہدایت (خانصاحب) کی کھلی خیانت:

خانصاحب نورِ ہدایت میں دیا گیا حوالہ اور اسکا مذکورہ بالا مطلب نقل کر کے لکھتے ہیں:

''مؤلف نور ہدایت کی ڈبل علمی خیانت: اصل بات یہ ہے کہ فلاسفہ، ابالسہ اور حکماء سفہاء کے نبوت و رسالت کے بارے میں چند باطل اور غلط نظریات ہیں اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی کی ذات اور نفس مقدس کو اس عالم میں تصرف حاصل ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے عالم میں خوارق ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ امام رازی نے فلاسفہ، حکماء کے یہ غلط اور باطل نظریات ایک ایک کر کے نقل کیے اور پھر ان کے جوابات دیئے ہیں متکلمین کا یہ مسلک ہرگز نہیں ہے کہ ذات رسول ﷺ مادہ عالم میں متصرف ہے۔ حاشا و کلا مؤلف مذکور کو کسی ماہر فن اور کامل استاد سے المباحث المشرقیہ پڑھنی چاہئے تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ امام رازی نے یہ کس کا مسلک اور مذہب لکھا ہے اور پھر اس کی کس انداز سے تردید کی ہے اور خیر سے مؤلف نور ہدایت کیا سمجھے ہیں۔ اور دوسروں کو غلط الزام دینے کی بجائے پہلے ذرا اپنی ننھی آنکھ کا شہتیر دیکھیں کہ:

ع میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا۔

انتہیٰ بلفظہ راہ ھدایت ص ۹۲، ۹۳

خادم اہلسنت: کسی علمی بات کو سمجھنے کیلئے اہل علم سے رجوع کرنا اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے استفادہ کا مشورہ سر آنکھوں پر، فقیر اہل علم کے آستانوں پر دریوزہ گری کیلئے حاضری کو سعادت سمجھتا ہے، اسے عیب تصور نہیں کرتا۔ مگر خانصاحب کی خدمت میں گذارش ہے کہ دوسروں کو حقیر جاننے کے مرض کا علاج کسی مردِ کامل سے کرائیں

مذکورہ بالا جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ خانصاحب گکھڑوی نے المباحث المشرقیہ نامی کتاب دیکھی تک نہیں چونکہ کتاب کمیاب ہے، سوچا ہو گا کہ کون غلط بیانی کا پول کھولے گا؟ خانصاحب کو دنیا میں رسوائی کا ڈر نہیں تھا تو بھی قیامت کے دن سے ڈرتے ہوئے امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر اتنا بڑا الزام نہ لگاتے کہ کتاب میں مسطور خوا

بوت، ابلیس صفت گمراہ فلاسفہ کے ہیں، جن کا رد لکھنے کے لئے امام رازی نے ذکر کیا، اور
پھر ایک ایک کا رد بھی کیا۔ استغفر اللہ تعالیٰ اگر خانصاحب نے یہ بات لکھنے سے پہلے
کتاب پڑھی تھی تو میں پھر ان سے کہوں گا کہ آپ کسی ماہر فن کی بجائے عربی دان پروفیسر
یا شاگرد سے ترجمہ کرا لیتے تو اتنی بڑی علمی خیانت کے مرتکب نہ ہوتے۔

قارئین کرام! المباحث المشرقیہ پرانا چھاپہ دو ضخیم جلدوں میں ہے، دوسری
جلد پانچ سو چوبیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، کتاب کے آخری دو صفحات پانچ سو تئیس اور
پانچ سو چوبیس پر نبوت اور اس کے توابع کا بیان ہے اسی پر کتاب ختم ہو جاتی ہے۔
المباحث المشرقیہ (**نیا ایڈیشن**) (الناشر دار الکتاب العربی بیروت) دو ضخیم جلدوں
میں ہے، دوسری جلد پانچ سو ستاون صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ کتاب کے آخری تین
صفحات ۵۵۵ تا ۵۵۷ پر نبوت اور اس کے توابع کا بیان ہے، اسی پر کتاب ختم ہو جاتی ہے۔

مذکورہ صفحات کا عکس شامل کتاب کیا جا رہا ہے تا کہ خانصاحب کے عقیدتمند اور
تلامذہ اپنے شیخ واستاد کے ارشاد اور امام رازی کے کلام کو پڑھتے رہیں اور شرمندہ ہوتے
رہیں، تاہم امام رازی کی مزید عبارتیں ملاحظہ کرنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین رہے کہ
اہل علم کا یہ طریقہ رہا ہے اَصل مسئلہ پر اتفاق کے باوصف پیش کردہ کئی دلائل پر فضلاء میں
علمی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اثبات واجب الوجود بالدلائل، عقیدۂ توحید، ضرورتِ نبوت،
ضرورتِ وحی اور آخرت پر مسلمان فلاسفہ نے اپنے انداز پر دلائل پیش کئے۔ متکلمین اور
محدثین نے بعض دلائل سے اختلاف کیا۔ قطعی ویقینی عقائد میں سے اصل عقیدہ سے کسی
مسلمان کو اختلاف نہیں ہوسکتا، یہ اختلاف اندازِ استدلال کا اختلاف ہے، دیگر اہل علم کی
تصانیف کے علاوہ خود امام رازی کی تصنیفات میں اس طرح کی علمی بحثیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔

مگر نورِ ہدایت میں المباحث المشرقیہ کے جس مقام سے حوالہ پیش کیا گیا وہاں
اس طرح کی کوئی بحث سرے سے ہے ہی نہیں، چہ جائیکہ اَصل مسئلہ کو باطل عقیدہ کے طور پر

پیش کر کے ایک ایک کا رد کیا گیا ہو۔ مؤلف راہِ ہدایت نے بلا تحقیق امام رازی پر الزام لگا دیا۔ امام رازی کے اُس کلام کا مختصر مفہوم اُردو خواں طبقہ کیلئے تحریر کیا جاتا ہے جبکہ پوری عربی عبارت بھی بعد میں نقل کر دی جائے گی۔ حضرت امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"اَلْبَابُ الرَّابِعُ فِي النُّبُوَّاتِ وَتَوَابِعِهَا" چوتھا باب نبوت اور اسکے توابع کے بیان میں

"وَفِيهِ فَصْلٌ وَاحِدٌ أَنَّهُ لَابُدَّ مِنَ النَّبِيِّ" اس میں ایک ہی فصل ہے جس میں بیان ہوگا کہ نبی کیلئے (کیا) ضروری ہے

(المباحث المشرقیہ الجز الثانی ص ۵۵۳تا۵۵۵ الناشر دار الکتاب العربی)

اس کے بعد ان اوصاف و تصرفات کا ذکر کیا جو ان کے عقیدہ میں نبی اللہ علیہ السلام کے لئے ضروری ہیں۔ قارئین! اب آپ ہی انصاف فرمائیں کہ امام فخر الدین رازی جس صفت اور کمال کو نبی کیلئے ضروری قرار دے رہے ہیں خانصاحب اسی کمال کو بیوقوف حکماء اور شیطان صفت فلسفیوں کا گمراہ عقیدہ قرار دے رہے ہیں۔

اس مقام پر امام رازی نے جو بحث فرمائی اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔ "ایک بدیہی بات ہے کہ انسان اپنی بود و باش، رہن سہن میں دوسرے حیوانات سے الگ ہے یہ اجتماعی، معاشرتی زندگی گذارنے پر مجبور ہے، تاکہ انسانی ضروریات کی ذمہ داریاں مل جل کر بانٹ کر پوری کریں اور اس اجتماعی زندگی کو اچھے طریقے سے بسر کرنے کیلئے انصاف پر مبنی قانون کے محتاج ہیں۔ اجتماعی زندگی بسر کرنے کیلئے ایسا قانون کوئی وضع کرنیوالا اور مقرر کرنیوالا ہو جس سے وہ مل سکیں اور بالمشافہ گفتگو کر سکیں۔

فَيَكُونُ ذٰلِكَ الشَّارِعُ لَامَحَالَ إِنْسَانًا وَهُوَ لَابُدَّ وَأَنْ يَكُونَ مَخْصُوصًا بِمُعْجِزَاتٍ وَخَوَارِقِ عَادَاتٍ لِيَنْقَادَ لَهُ النَّاسُ.

تو ضروری ہے کہ وہ راہبر و راہ نما قانون کا شارع انسان ہو اور اس کیلئے ضروری ہے کہ معجزات اور خوارق عادات کے ساتھ مخصوص ہو تا کہ لوگ اس کی اطاعت کریں

(المباحث المشرقیہ ص ۵۵۲، دار الکتاب العربی)

س کے بعد امام رازی لکھتے ہیں۔:

وَخَوَاصُ النَّبِيِّ كَمَا ذَكَرْنَا ثَلٰثٌ — نبی علیہ السلام کے تین خواص ہیں جیسے ہم نے بیان کیا

پھر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے نبی اللہ تعالیٰ کے خواص میں سے

اولاً: قوت عاقلہ ، بیان کی ہے۔ ثانیاً: قوت متخیلہ

نبی اللہ علیہ السلام کی قوت متخیلہ کے اعلیٰ اور ممتاز ہونے کی یہ صورت بیان کی

کہ وہ ملائکہ کرام کو بیداری میں دیکھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں۔ ماضی اور مستقبل

ں ہونے والے مغیبات کی خبر دیتے ہیں۔

ثالثاً وہ خاصہ لکھا ہے جس کی پوری عبارت گزشتہ سطور میں درج ہو چکی ہے۔ اس وقت

ہی زیر بحث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح کے تصرفات اور معجزات عطا کئے ہیں۔

س خاصہ کو ہم ''قوتِ متصرفہ'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

امام رازی نے نبی اللہ علیہ السلام کی قوت عاقلہ ، قوت متخیلہ ، قوت باصرہ اور قوت متصرفہ کے امتیازی شان کو جامع الفاظ میں قلم بند کیا۔ خیال رہے کہ سید شریف اور علامہ تفتازانی نے بھی ضرورتِ نبوت کے مسئلہ کو عقلی ، فلسفی دلائل سے مبرہن کیا۔ بعض امتیازات کا صراحۃً ذکر بھی کیا جس سے یہ حقیقت مبرہن ہوتی ہے کہ ایسا اندازِ استدلال متکلمین اور اہل اسلام فلاسفہ کا ہے۔ بے دین ، ابلیس صفت فلسفیوں کا نہیں۔

قارئین محترم ! نا معلوم کون سی حالت میں خانصاحب نے ان خواص کو ابلیس فلسفی کا عقیدہ کہا؟ اگر انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے ان تصرفات کو نہیں مانتے جن کا ذکر امام رازی نے کیا ہے تو ان کی مرضی ، اسے ابلیس صفت فلاسفہ کا عقیدہ کہنے کی جسارت تو نہ کرتے۔ علمائے دیوبند کی خدمت میں میں مقدمہ پیش کرتا ہوں کہ وہی انصاف فرمائیں کہ مقدسان بارگاہِ قدس ، حاملانِ وحی الٰہی خصوصاً جانِ دو عالم ، رحمت کائنات اعلم الخلق ، تبیاناً لکل شیئ کے حامل ، رسول اللہ ﷺ کی شان کمال میں کہنا کہ وہ قوت عاقلہ اور قوت

متخیلہ میں سب انسانوں سے افضل و اعلیٰ ہیں فرشتوں کو دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں اور ان کی شان ہے کہ وہ مغیبات کی خبریں دیتے ہیں۔

کیا ایسا کہنا فلاسفہ ابالسہ کا عقیدہ ہے یا اہل السنّت والجماعت کا موقف؟

علمائے دیو بند فتویٰ دیں کہ ان خداداد کمالات کا انکار کرنیوالا اور ان کمالات کے ماننے والوں کو ابلیس و احمق کہنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

خانصاحب کیلئے مزید المیہ یہ ہے کہ خواص نبوت لکھنے کے بعد حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فَاِذَا عَرَفْتَ اَنَّهٗ لَابُدَّ مِنْ وُجُوْدِ هٰذا الشَّخْصِ الَّذِی بِهٖ نِظَامُ الْعَالَمِ فَنَقُوْلُ اِنَّ الْعِنَايَةَ الْاِلٰهِيَّةَ لَمَّا لَمْ تُهْمِلُ الْمَنَافِعِ الْجُزْئِيَّةَ الخ

(المباحث المشرقیہ ص ۵۵۶،۵۵۷ جلد دوم)

جب تو نے یہ پہچان لیا کہ ضروری ہے کہ ایک ایسا شخص ہونا چاہئے جس سے جہان کا نظام (درست) ہو تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت نے جب جزوی منافع کو مہمل نہیں چھوڑا سب ایک عمدہ اور اعلیٰ انداز سے پیدا کر دیئے تو ایسی شخصیت جو نظام عالم کو درست رکھنے کا سبب ہو اور خلق کی تعلیم و تربیت اسکی ذمہ داری ہو تو اسے کمالات عالیہ سے کیسے محروم رکھا جاتا۔

خان صاحب! دکھے دل کی وجہ سے کچھ تلخ نوائی ہوئی ہوگی مگر نہایت سنجیدگی سے، مسلکی اختلافات سے بالاتر ہو کر مشورہ دیتا ہوں، ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا، بُرے عقائد سے توبہ کریں۔

چیلنج: خادم اہل سنت مؤلف راہِ ہدایت بلکہ اُس کی پوری جماعت کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ خانصاحب کے دعوٰی کے مطابق المباحث المشرقیہ سے وہ عبارات دکھائیں جن میں امام رازی نے زیر بحث عبارت کو فلاسفہ کا مسلک قرار دے کر ایک ایک کا رد کیا۔

المباحث المشرقیہ کے الباب الرابع "النبوۃ و توابعھا" کی بحث سے اگر ایسا کر دکھائیں تو یہ خادم اہل سنت اپنی غلط فہمی پر معذرت کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریگا۔

وگرنہ اپنی غلطی کا اعتراف کریں کیونکہ توبہ کے علاوہ اس کا کوئی جواب ہوسکتا ہی نہیں۔

شاید کتاب کی صورت تک نہیں دیکھی:

میں غیب تو نہیں جانتا لیکن قرائن سے کہتا ہوں کہ راہِ ہدایت لکھتے وقت خانصاحب گکھڑوی نے المباحث المشرقیہ کی شکل بھی نہیں دیکھی ہوگی۔ کتاب کا پڑھنا، مطالعہ کرنا اور سمجھنا تو بہت دور کی بات ہے۔

کیا ایسے ہی کارناموں کی وجہ سے ان کے عقیدت کیش جناب کو آبروئے دیوبند اور دیگر بڑے بڑے القابات وخطابات سے نوازتے ہیں۔

المباحث المشرقية — ٥٢٤ — ج - ٢

(وثالثها) ان تكون نفسه متصرفة فى مادة هذا العالم فيقلب العصا ثعبانا والماء دماو يبرئ الاكمه والابرص الى غير ذلك من المعجزات *

(فاذا عرفت انه) لا بد من وجود هذا الشخص الذى به نظام العالم (فنقول) لان العناية الالهية لما لم تهمل المنافع الجزئية مثل تقعير الاخمص و انبات الشعر على الاهداب والحاجبين فكيف تهمل وجود هذا الشخص الذى هو سبب نظام العالم فهذا ما نقوله فى اثبات النبوة (واما ان النبى) كيف ينبغى ان يشتغل بدعوة الخلق وكيف ينبغى ان يبين الشرائع فذلك يتعلق بالسياسات *

(واما بيان) تأثير العبادات والطاعات فى تزكية النفوس وتفصيل القول فيه فذلك مما يتعلق بعلم الاخلاق (ولو) اخر الله تعالى فى الاجل لجمعنا فى تهذيب العلمين كلاما محررا وضممناه الى هذا الكتاب (واما الآن) فلما وفقنا الله تعالى لجمع هذه المسائل الطبيعية و الالهية على هذا الترتيب والتهذيب الذى لم يسبقنا اليه احد —

فلنختم الكتاب حامدين لله تعالى

ومصلين على نبيه محمد و على

آله واصحابه اجمعين

آمين آمين

خواصِ نبوت اور امام غزالی و رازی رحمۃ اللہ علیہما :

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دادا استاد حجۃ الاسلام حضرت امام محمد الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خواصِ نبوت کا ذکر کیا ہے، جسے محدثین کرام، حضرتِ حافظ ابن حجر عسقلانی، امام محمد بن عبدالباقی زرقانی، محدث عبدالرؤف مناوی نے بھی بطورِ استدلال اپنی تصنیفات میں ذکر کیا ہے۔ اہل علم قارئین کے فائدہ اور آسانی کیلئے دونوں اماموں کی عبارت کو آمنے سامنے نقل کیا جا رہا ہے تاکہ ان کی آراء پر نظر ڈالنے کیلئے آسانی رہے۔

کلام الغزالی

إِذ يُعلَمُ أَنَّ النُّبُوَّةَ عِبارَةٌ عَمَّا يَختَصُّ بِهِ النَّبِيُّ وَيُفارِقُ بِهِ غَيرَه، وَهُوَ يَختَصُّ بِأَنواعٍ مِنَ الْخَواصِ أَحدُها أَنَّه، يَعرِفُ حَقائِقَ الْأُمُورِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِاللهِ وَصِفاتِهِ وَالمَلائِكَةِ وَالدَّارِ الْآخِرَةِ لَا كَمَا يَعلَمُه، غَيرُه، بَلْ مخالفاً له، بِكَثرَةِ الْمَعلُومَاتِ وَبِزِيادَةِ الْيَقِينِ وَالتَّحقِيقِ والكشف وَالثَّانِي أَنَّ لَه، فِي نَفسِه صِفَةٌ بِهَا تَتِمُّ لَه، الْأَفعالُ الْخارِقَةُ لِلعاداتِ كَمَا أَنَّ لَنَا صِفَةٌ بِهَا تَتِمُّ الْحَرَكاتُ الْمَقرُونَةُ بِإِرادَتِنا وَبِاختِيارِنا وَهِيَ الْقُدرَةُ وَإِن كَانَتِ الْقُدرَةُ وَالْمَقدُورُ جَمِيعاً مِن فِعلِ اللهِ تَعالَى وَالثَّالِثُ أَنَّ لَهُ صِفَةً بِهَا يَبصُرُ الْمَلائِكَةَ وَيُشاهِدُهُم كَمَا أَنَّ لِلبَصِيرِ صِفَةً بِهَا يُفارِقُ الْأَعمَى حَتَّى يُدرِكَ بِهَا الْمُبصَراتِ وَالرَّابِعُ أَنَّ لَه، صِفَةً بِهَا يُدرِكُ مَا سَيَكُونُ فِي الْغَيبِ إِمَّا فِي الْيَقظَةِ أَو فِي الْمَنامِ إِذ بِهَا يُطالِعُ اللَّوحَ الْمَحفُوظَ فَيَرَى مَا فِيهِ مِنَ الْغَيبِ فَهٰذِهِ كَمالاتٌ وَصِفاتٌ يُعلَمُ ثُبُوتُها لِلأَنبِياءِ.

(احیاء علوم الدین ج ۴، ص ۱۹۴)

کلام الرازی

الْبَابُ الرَّابِعُ فِي النُّبُوَّةِ وَتَوابِعِهَا وَفِيه فَصْلٌ وَاحِدٌ فِي أَنَّهُ لا بُدَّ من النبي وَخَواصُ النَّبِيِّ كَمَا ذَكَرنَا ثَلٰثٌ أَحدُها فِي قُوَّتِهِ الْعَاقِلَةِ وَهُوَ أَن يَكُونَ كَثِيرَ الْمُقَدَّماتِ سَرِيعَ الانتِقالِ مِنهَا إِلى الْمَطالِبِ مِن غَيرِ غَلَطٍ وَخَطَأٍ يَقَعُ لَه فِيهَا (وَثانِيها) فِي قُوَّتِهِ الْمُتَخَيِّلَةِ وَهُوَ أَن يَرَى فِي حَالِ يَقظَتِهِ مَلائِكَةَ اللهِ تَعالَى وَيَسمَعُ كَلامَ اللهِ وَيَكُونُ مُخبِراً عَنِ الْمُغَيَّباتِ الْكائِنَةِ وَالْمَاضِيَةِ وَالَّتِي سَتَكُونُ (وثالثها) أَن تَكُونَ نَفسُهُ مُتَصَرِّفَةً فِي مَادَّةِ هٰذا الْعَالَمِ فَيَقلِبُ الْعَصا ثُعبَاناً وَالْمَاءَ دَماً وَيُبرِئُ الْأَكمَهَ وَالْأَبرَصَ إِلَى غَيرِ ذٰلِكَ مِنَ الْمُعجِزاتِ فَإِذا عَرَفتَ أَنَّهُ لَابُدَّ مِن وَجُودِ هٰذا الشَّخصِ الَّذِي نِظَامُ الْعَالَمِ فَنَقُولُ: ان العناية الالهية لما لم تهمل المنافع الجزئية فكيف تهمل وجود هذا الشخص الذي هو سبب نظام العالم.

المباحث المشرقيه ج ۲ ص ۵۲۳،۵۲۲،

مکتبہ عبدالوکیل الدروبی دمشق درویشیہ. المباحث المشرقیہ ج ۲ ص ۵۵۳،۵۵۷، الناشر دار الکتاب العربی

علامہ تفتازانی کے کلام سے امام رازی کی تائید:

مؤلف راہِ ہدایت کو اگر المباحث المشرقیہ کا مطالعہ نصیب نہیں ہوا تھا، شرح عقائد تو پڑھی ہوگی جو کہ درسِ نظامی کے نصاب کا حصہ ہے۔ اُس میں عقیدۂ تفضیل پر بحث کے دوران علامہ تفتازانی نے ملائکہ کرام کے متعلق لکھا۔

(الملائکة) یقدرون باذن الله تعالیٰ علی افعال اقوی واعجب من ابراء الاکمه والابرص واحیاء الموتیٰ "

(شرح عقائد ص ۲۵۸ طبع ایچ ایم سعید)

یہی عقیدہ وموقف علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد ج ۲ صفحہ ۲۰۲، پر درج فرمایا۔

تائید مزید از مواقف شرح مواقف:

مواقف وشرح مواقف میں ہے

" ان النصاریٰ استعظموا المسیح لمارأوه قادرا علی احیاء الموتیٰ ولکونهٖ بلا اب فاخرجوه عن کونه عبدالله وادعوا له الالوهیة والملائکة فوقه فیها فانهم قادرون علی مالایقدر علیه " شرح مواقف ص ۷۰۱ المقصد الثامن طبع نول لکشور)

خانصاحب کے مسلک میں انبیاء اکرام علیہم السلام اور ملائکہ عظام کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا ابلیس صفت فلاسفہ کی پیروی کرنا ہے۔ تو شرح عقائد پڑھنے پڑھانے والے دیابنہ کیلئے کیا فتویٰ ہے؟ یونہی سید شریف کی تحقیقات سے استفادہ کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟ ان فضلاء اہل سنت کے کلام میں واقع الفاظ: یقدرون . افعالاً . اقویٰ . اعجب کا کیا مفاد ہے۔؟ ان تصرفات کو افعالاً سے تعبیر کر کے ملائکہ کو ان پر قادر مان کر مؤلف راہِ ہدایت "خانصاحب" کے مسلک باطل پر ایک اور ضربِ کاری لگادی۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے مزید ارشادات:

گذشتہ سطور میں گزری بحث سے صاف شفاف، آفتاب نیم روز کی طرح یہ بات

واضح ہو رہی ہے کہ حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام خرق عادت تصرفات فرماتے ہیں، ایسی قوت کا ہونا ان کیلئے ضروری ہے، ایسے کمالات ان کی خصوصیات سے ہیں، اور ایسے تصرفات ان کے معجزات ہیں۔ تاہم مزید تنویر کیلئے موضوع سے متعلق امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مزید عبارات ہدیہ قارئین ہیں۔

حضرت امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی معروف و مشہور تفسیر مفاتیح الغیب المعروف تفسیر کبیر میں...... سورۃ کہف کی تفسیر میں ولی کی تعریف، مقام ولایت، عظمت اور کرامات اولیاء کے حق اور واقع ہونے پر قرآن، حدیث اور دلائل عقلیہ کی روشنی میں کافی مفصل بحث کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ولی سے خرق عادت کے ظاہر ہونے اور کرامت کے حق ہونے پر کئی دلائل رقم فرمائے۔

پانچویں دلیل کا ماحصل یہ ہے کہ ہم روزمرہ یہ مشاہدہ کرتے ہیں، دیکھتے ہیں کہ دنیوی بادشاہ جب کسی کو اپنی خدمت خاص پر مامور کرتا ہے اور اس کو اپنی خصوصی مجلس میں حاضر ہونے کا شرف بخشتا ہے، تو:

فَقَدْ یَخُصُّهٗ أَیْضاً بِأَنْ یُقْدِرَهٗ عَلٰی مَا لَا یُقْدِرُ عَلَیْهِ غَیْرَهٗ.

تو اس کو ایسی قدرت واختیار کے ساتھ خاص کرتا ہے جو دوسرے کو نصیب نہیں ہوتی۔

(سورۃ کہف آیت ۹ ، تفسیر کبیر ج ۲۱ ص ۹۰ طبع ثالث)

یہ تو دنیادار بادشاہوں کی عادت ہے۔ بادشاہوں کا بادشاہ رب العالمین جب کسی اپنے بندے کو اپنی خدمت وعبادت کی چوکھٹ پہ پہنچاتا ہے اور عزت کی سیڑھیوں پر چڑھنے کا موقع دیتا ہے تو اپنے اسرار پر اس کو آگاہ کرتا ہے، بُعد کے حجابات اُٹھا دیتا ہے۔ اپنے قُرب کی بساط پر اس کو بٹھانے کا شرف بخشتا ہے۔

فَاَیُّ بُعْدٍ فِی اَنْ یُّظْهِرَ بَعْضَ تِلْکَ الْکَرَامَاتِ فِی هٰذَا الْعَالَمِ مَعَ أَنَّ کُلَّ هٰذَا الْعَالَمِ بِالنِّسْبَةِ اِلٰی ذَرَّةٍ مِن

تو اس میں کون سا بُعد ہے کہ اس قسم کی کرامات کو اس عالم میں ظاہر کرے باوجودیکہ سارا جہان ان سعادات روحانیہ

تِلْکَ السَّعَادَاتِ الرُّوحَانِيَّةِ وَالْمَعَارِفِ الرَّبَّانِيَّةِ کَالْعَدَمِ الْمَحْضِ
(سورۃ کہف آیت ۹، تفسیر کبیر ج ۲۱، ص ۹۰،۹۱)

اور معارف ربانیہ (جو ولی اللہ کو حاصل ہوتے ہیں) کے مقابلے میں ایک ذرہ ہے گویا عدم محض ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ولی کو ایسی قدرت عطا کرتا ہے جس پر دوسرے لوگ قادر نہیں ہوتے، یہی وہ قدرت ہے، جسے خرق عادت یاما فوق الاسباب العادیہ قدرت کہا جاتا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بتادیا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کو معارف واسرار اور قرب کے اعلیٰ وارفع مدارج عطا کردیتا ہے تو عالم میں یہ تصرف ان کے مقابلے میں ایک ذرّہ کی حیثیت رکھتا ہے، بلکہ عدم محض کہنا مناسب ہوگا۔ جو لوگ تصرف وکرامت کے منکر ہیں، وہ اس عظمت کو سمجھنے سے عاجز و عاری ہیں۔ یا تعصب اور انکار کے دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں۔

امام رازی نے صاف کہہ دیا: اولیاء کرام کے ان خرق عادت تصرفات وکرامات کا وہی شخص انکار کرے گا جو اہل اللہ کے مقام کو سمجھتا ہی نہیں یا انتہائی متعصب اور ضدی انسان۔ مقامِ ولایت کے بیان میں بھی امام رازی نے منطقیانہ، حکیمانہ اندازِ استدلال اختیار کیا جیسا کہ مقام نبوت کے بیان میں اختیار فرمایا۔

مقربِ خاص دور سے بھی تصرف فرماتا ہے:

امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کرامات اولیاء پر بحث کرتے ہوئے چھٹی دلیل کے اختتام پر لکھتے ہیں:

وَکَذٰلِکَ الْعَبْدُ اِذَا وَاظَبَ عَلَی الطَّاعَاتِ بَلَغَ الی الْمُقَامِ الَّذِی یَقُوْلُ اللّٰہُ: کُنْتُ لَہٗ سَمْعاً وَبَصَراً فَاِذَا صَارَ نُوْرُ جَلَالِ اللّٰہِ سَمْعاً لَہٗ سَمِعَ الْقَرِیْبَ وَالْبَعِیْدَ وَاِذَا صَارَ

اور ایسے ہی جب بندہ نیکیوں کی پابندی کرتا ہے تو اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ میں اس بندے کی سمع وبصر ہو جاتا ہوں پس جب نور جلالیت اس کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ نزدیک و دور سے

ذَالِکَ النُّوْرُ بَصَراً لَهُ رَأَى الْقَرِيْبَ وَالْبَعِيْدَ وَإِذَا صَارَ ذَالِکَ النُّوْرُ يَداً لَهُ قَدَرَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِي الصَّعْبِ وَ السَّهْلِ وَالْبَعِيْدِ وَالْقَرِيْبِ.
(تفسیر کبیر. ص۴۶۷/ج ۵)
تفسیر کبیر ص ۹۱، جز ۲۱ سورۃ کھف آیت ۹)

سنتا ہے اور جب یہ نور اس کی بصر ہو جاتا ہے تو وہ بندہ قریب وبعید سے دیکھتا ہے اور جب یہ نُور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے تو وہ بندہ مشکل وآسان، نزدیک و دور امور میں بھی تصرف کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی کی جزء بننے سے پاک ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مردِ کامل پر نورِ الٰہی کا اتنا فیضان ہوتا ہے کہ وہ نورِ الٰہی کا ایک چشمہ ہو جاتا ہے اور اس نورِ خاص کی وجہ سے دیگر کمالات کے ساتھ بندہ خاص، ولی اللہ مشکل وآسان قریب وبعید میں تصرف فرماتا ہے۔ ''اللہ تعالیٰ کی عطا سے مافوق الاسباب العادیہ متصرف ہوتا ہے۔''

اثبات کرامات کے دلائل میں امام رازی نے یہ نکتہ بھی بیان فرمایا کہ:

''اس میں شک نہیں کہ افعال کے انجام دینے کا متولی روح ہے بدن نہیں، اور یہ بات بھی شک وشبہ سے بالا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت روح کیلئے اس طرح ہے جیسے روح بدن کیلئے، جیسے ہم نے اس بات کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ﴾ کی تفسیر میں ثابت کیا ہے ۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی" میں اپنے رب کے حضور رات بسر کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔''

اور اسی حقیقت کی وجہ سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ جسے بھی عالم الغیب کے احوال کا زیادہ علم ہے۔ اس کا دل قوی زیادہ ہے اور ضعیف کم:

وَلِهٰذَا قَالَ عَلِيُّ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ، وَاللّٰهِ مَا قَلَعْتُ بَابَ خَيْبَرَ بِقُوَّةٍ جَسَدَانِيَّةٍ وَلٰكِنْ بِقُوَّةٍ رَبَّانِيَّةٍ وَذَالِکَ لِأَنَّ عَلِياً كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ، فِي ذٰلِکَ الْوَقْتِ إِنْقَطَعَ نَظْرُهُ عَنْ

اسی وجہ سے حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم خیبر کا دروازہ میں نے جسمانی قوت کی بدولت نہیں اکھیڑا بلکہ ربانی قوت سے توڑا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نظر اس وقت

عَالَمِ الْأَجْسَادِ وَأَشْرَقَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَنْوَارِ عَالَمِ الْكِبْرِيَاءِ فَتَقَوّٰى رُوْحُهُ وَتَشَبَّهَ بِجَوَاهِرِ الْأَرْوَاحِ الْمَلَكِيَّةِ وَ تَلَأْلَأَتْ فِيهِ أَضْوَاءُ عَالَمِ الْقُدُسِ وَالْعَظَمَةِ فَلَا جَرَمَ حَصَلَ لَهُ مِنَ الْقُدْرَةِ مَا قَدَرَ بِهَا عَلَى مَالَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ غَيْرُهُ

(تفسیر کبیر ص ۹۱ سورۃ کھف آیت ۹ ،طبع ثالث)

عالم اجساد سے منقطع ہو چکی تھی (یعنی جسمانی قوت پر بھروسہ نہیں تھا) اور ملائکہ عالم کبریا کے انوار سے چمک رہے تھے جسکی بدولت آپ کی روحانی قوت میں اضافہ ہوا اور آپ ارواح ملائکہ کے جواہر کے مشابہ ہو گئے اس وقت عالم قدس اور عالم عظمت کی ضیا پاشیاں ہونے لگیں تو یقیناً آپ کو وہ قدرت حاصل ہوئی جس پر ان کا غیر، قادر نہ تھا۔

امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نفیس کلام کا کچھ حصہ بلفظہٖ اور باقی کا مختصر مفہوم بیان کر دیا گیا، آپ کے کلام میں نہ ابہام ہے نہ اشکال، بلکہ واضح دلیل ہے کہ حضرت مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہ نے خداداد قوت کی بدولت اپنے اختیار وارادہ سے خیبر کا دروازہ اکھیڑ پھینکا۔ بلاشبہ یہ آپ کا فعلِ اختیاری ہے، کوئی ''لانسلم'' کا معتقد ہی انکار کرسکتا ہے۔ پس حضرت امام رازی نے تو وہابیت کی ننھی جان پر مزید ناقابل برداشت پہاڑ ڈال دیا کہ:

''اس وقت مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو وہ قدرت و طاقت حاصل تھی جس پر آپ کے سوا کوئی قادر نہیں تھا''

فلا جرم حصل له من القدرةِ ما قدر بها علی ما لم یقدر علیه غیره

. یہ خرق عادت تصرف (کرامت) آپ کا اختیاری وارادی فعل نہیں تو اختیاری فعل ہونے کا اور مفہوم کیا ہوسکتا ہے؟

حضرت امام رازی کے یہ چند اقوال جہاں ہمارے دعویٰ کے مستقل دلائل ہیں۔ وہاں مؤلف راہِ ہدایت کے اس سوچ...... کہ: ''امام رازی نے المباحث المشرقیہ میں فلاسفہ حکماء کے غلط اور باطل نظریات ایک ایک کر کے نقل کئے اور پھر انکے جوابات دیئے'' ......کا واشگاف رد و ابطال ہے۔

بَلُ عِندَه' مِنْ كَثْرَةِ الْمَعْلُوْمَاتِ وَزِيَادَةِ الْيَقِيْنِ وَالتَّحْقِيْقِ مَا لَيْسَ عِنْدَ غَيْرِهٖ وَالثَّانِیْ أَنْ لَه' صِفَةٌ بِهَا تَتِمُّ لَه' الْاَفْعَالُ الْخَارِقَةُ لِلْعَادَاتِ كَالصِّفَةِ الَّتِی بِهَا تَتِمُّ لِغَيْرِهٖ الْحَرَكَاتُ الاِخْتِيَارِيَّةِ.

کو جانتا ہے بلکہ نبی کو بہت زیادہ معلومات دوسروں سے بڑھ کر یقین وتحقیق کی کیفیت نصیب ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ نبی اللہ علیہ السلام کو ایسی صفت کاملہ حاصل ہوتی ہے جس کے سبب خارق العادۃ افعال (معجزات) پایہ تکمیل کو پہنچتے۔ یہ صفت کمال قدرت ان کیلئے ایسے ہی ہے جیسے غیر نبی کو افعالِ اختیاریہ پر قدرت حاصل ہوتی ہے جس کی بدولت ان کے کام پورے ہوتے ہیں۔ (یعنی جس طرح عام انسانوں کے افعال اختیاری ہیں انبیاء علیہم السلام کے خرقِ عادت افعال بھی اختیاری ہوتے ہیں)

وَالثَّالِثُ أَنَّ لَه صِفَةٌ بها يُبْصِرُ الْمَلَائِكَةَ وَ يُشَاهِدُ بِهَا الْمَلَكُوتَ كَالصِّفَةِ الَّتِی يُفَارِقُ بِهَا الْبَصِيْرُ الأَعْمٰی وَالرَّابِعُ أن لَه' صِفَةٌ بِهَا يُدْرِکُ مَا سَيَكُوْنُ فِی الْغَيْبِ وَيُطَالِعُ بِهَا ما فی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ كَالصِّفَةِ الَّتِی يُفَارِقُ بِهَا الذَّكِیُّ الْبَلِيْدَ.

شرح المواهب للزرقانی ص ۱۹،۲۰ (مطبع الازهریه المصریه)، فتح الباری شرح بخاری (ج۱۲، ۳۰۹) شرح جامع الصغیر للمناوی ص ۳۴۱ الجز الثانی مکتبه مصر

تیسرے یہ کہ نبی کو صفت رؤیت اس درجہ کی حاصل ہوتی ہے جس کے سبب وہ ملائکہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور عالم بالا کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ اس صفت میں دوسروں سے ایسے ممتاز ہوتے ہیں جیسے صفتِ رؤیت کے ذریعے بینا، نابینا سے ممتاز وجدا ہوتا ہے۔ چوتھے یہ کہ نبی اللہ علیہ السلام کو علمی صفت اس درجہ کمال کی حاصل ہوتی ہے جس کے سبب جو کچھ غیب میں ہونے والا ہے اس کا ادراک کرتا ہے اور اسی صفت کمال کی وجہ سے لوح محفوظ میں لکھے کا مطالعہ فرماتا ہے جیسے صفتِ علم کے باعث ایک ذکی کند ذہن سے ممتاز وجدا ہوتا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے کلام کو بطور دلیل پیش کرنے والوں کی تحقیق سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی بہت سے اوصاف میں دوسروں سے ممتاز ہے۔ کتنے ہی وہ کمالات ہیں جو صرف نبی کی ذات میں پائے جاتے ہیں، کسی دوسرے کو اس درجہ کے حاصل نہیں ہوتے۔ امام صاحب کا فرمانا بالکل بجا و برحق ہے کہ نبی کی شخصیت اوروں سے

ممتاز و مکرم ہے۔ جس کی عظمتوں تک ہمارے عقول ناقصہ کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

زیر بحث مسئلہ کے اعتبار سے ان اہل علم نے دوسری خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے عام انسانوں میں ایک قوت وقدرت رکھی ہے جس کی بدولت اپنے قصد و ارادہ سے افعال اختیاریہ بجا لاتے ہیں اسی قدرت کے ارادۃً استعمال کرنے پر افعال، حرکات تمام ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اللہ علیہ السلام کو اس صفت قدرت میں ممتاز فرمایا ہے۔ جس کی بدولت افعال عادیہ سے بڑھ کر خرقِ عادت امور (معجزات) تمام ہوتے ہیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے افعال اختیاریہ کیساتھ تشبیہ دے کر یہ بتایا ہے کہ جیسے اُمور عادیہ بندوں کے اختیار میں ہیں خرقِ عادت امور انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار میں ہیں۔

حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری میں، علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی نے شرح المواھب اللدنیہ میں اور محدث عبد الرؤف المناوی نے شرح جامع الصغیر میں امام غزالی کا یہ کلام بطور دلیل ذکر کیا ہے جو اس بات کی روشن سند ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے ایسے خرقِ عادت تصرفات کو اختیاری کہنا متکلمین اور محدثین کا مسلک برحق ہے۔ ایسا نظریہ فلاسفہ ابالسہ کا باطل عقیدہ نہیں، بلکہ اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے۔

الحمد للہ العظیم! اپنے مؤقف کے ثبوت پر اہل علم کے حوالہ جات بڑی تعداد میں پیش کر دیئے ہیں۔ ان حوالہ جات کی روشنی میں یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ اہل سنت و جماعت کے متکلمین و محدثین، صوفیاء و فقہاء کا عقیدہ و مسلک ہے کہ خاصانِ حق کو ان کے مولا تعالیٰ نے متصرف و مختار بنایا ہے۔

نوٹ: چونکہ یہ حوالہ بہت عرصہ پہلے المواھب اللدنیہ کی شرح زرقانی میں پڑھا تھا اسکے بعد فتح

الباری شرح بخاری میں دیکھنے کا موقع ملا، احیاء العلوم میں بعد میں تلاش کیا گیا اسی مناسبت کا لحاظ کرتے ہوئے زرقانی کا حوالہ پہلے درج کیا ہے۔

مواقع عبارت :

مذکورہ عبارت اصل میں امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معروف ومقبول کتاب احیاء علوم دین کی ہے، احیاء علوم یونانی فلسفہ کی کتاب نہیں بلکہ دینی اسلامی علوم کے احیاء ترویج اور اشاعت کی بہترین کوشش ہے جس میں نہایت حکیمانہ انداز میں اسلامی عقائد عبادات، معاملات، اخلاق واعمال پر بحث کی گئی ہے۔ روحانی امراض کے نقصانات بتا کر اس سے بچنے کی عمدہ تدبیریں بتائی گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے عقائد پر پختگی، عبادات پر استقامت، اخلاق، اقوال اور احوال کی اصلاح ہوتی ہے اور منکرات سے بچنے کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ اس کتاب کو شریعت وطریقت کا جامع سمجھا جاتا ہے۔ علماء وصوفیاء نے ہمیشہ اس کتاب سے استفادہ کیا۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فقر وزہد کی فضیلت وحکمت بیان کرتے ہوئے حدیث "الرؤیۃ الصالحۃ جزء من ستۃ و اربعین جزءً من النبوۃِ" کو نقل کر کے اس کی تشریح فرمائی، چونکہ اس روایت میں النبوۃ کا لفظ ہے اس لئے آپ نے مناسب سمجھا کہ نبوۃ کی تعریف کر دی جائے۔ جسے آپ نے کمالات وخواصِ نبوت کے انداز میں پیش فرمایا۔

شرح مواہب لدنیہ کے حوالہ سے جو عبارت درج ہوئی ہے، احیاء العلوم میں کچھ الفاظ اس سے زائد ہیں۔ مثلاً:

الف: اصل عبارت اِن الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ "اِذْ یُعْلَمُ انَّ النبوۃ عبارۃٌ عما یختص بہ النبی الخ" متکلمین عموماً علم کے لفظ کا استعمال ظن وشک کے معنی میں نہیں کرتے بلکہ یقین کے درجہ میں استعمال کرتے ہیں، اسلئے اس انداز سے آغاز کا مفہوم کچھ یوں ہوگا کہ نبوت کے اِن خصوصیات کو یقیناً درست سمجھا جائے۔

ب: دوسری صفت قدرت کے بیان میں اُصل کتاب میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ وان

کانت القدرۃُ والمقدور جمیعاً من فعل اللہ تعالیٰ یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قدرت سے روزمرہ کے افعالِ عادیہ اپنے قصد و اختیار سے ادا کرتے ہیں جبکہ انبیاء کرام علیہم السلام خرقِ عادت افعال بھی اپنے قصد و ارادہ سے انجام دیتے ہیں، مگر قدرت و مقدور دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے فعل ہیں۔ (اس کی تخلیق سے صادر ہوتے ہیں) اس سے معلوم ہوا افعالِ خارق للعادات معجزات کو ایک اعتبار سے فعل النبی بھی کہا جاسکتا ہے جبکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اسی تطبیق کی طرف امام غزالی نے وان کانت القدرۃُ والمقدور جمیعاً من فعل اللہ تعالیٰ میں اشارہ کیا ہے۔

ج) امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے یہ کلمات بھی قابل توجہ ہیں فھذہٖ کَمَالَاتٌ وَ صِفَاتٌ یُعلم ثُبُوتُھا للانبیاءِ یہ وہ کمالاتِ فاضلہ اور صفاتِ عالیہ ہیں جن کا نبی کیلئے ثابت ماننا یقینی وضروری ہے۔ جس فائدہ کیلئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یعلم کا لفظ اختیار کیا ہے، امام رازی نے اسے لابد سے ذِکر کیا۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے عقیدہ میں جو کمالات وصفات، شانِ نبوت کیلئے ضروری ہیں اور جنہیں نبی کیلئے تسلیم کرنا لازمی ہے، کیا خانصاحب اِسی عقیدہ کا انکار نہیں کر رہا؟ بلکہ عقیدۂ سلف صالحین کو ''فلاسفہ، ابالسہ'' کا گمراہ نظریہ کہہ رہا ہے۔ العیاذ باللہ۔

استناد و استشہادِ ابن حجرؒ:

حافظ الحدیث امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتح الباری شرح بخاری میں حدیث الرؤیہ الصالحۃ پر طویل کلام کرتے ہوئے لفظ نبوت کی شرح میں امام غزالی کی مذکورہ عبارت بطور استناد اور دلیل پیش کی، اس حوالہ سے اس موقف کو حافظ ابن حجر کا مسلک وعقیدہ کہنا بجا ہوگا۔

استناد و استشہادِ امام زرقانی:

علامہ محمد بن عبدالباقی المالکی الزرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علامہ ابن حجر قسطلانی کی متداول کتاب المواہب الدنیہ کے المقصدالاول فِی تَشْرِیْفِ اللّٰہِ تَعَالٰی لَہٗ عَلَیْہِ الصلوٰۃ والسلام بِسَبْقِ النُّبُوَّۃِ (پہلا مقصد کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے نبوت کے بلند منصب وعظمت کی شرافت بخشی) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وَلَمْ یَشْتَغِلِ الْأَکْثَرُ بِتَعْرِیْفِ النُّبُوَّۃِ وَالرِّسَالَۃِ بَلْ بِالنَّبِیِّ وَالرَّسُوْلِ وَقَدْ عَرَّفھا اِمَامُ الْحَرَمَیْنِ أَنَّھا صِفَۃٌ کَلَامِیَّۃٌ ھِیَ قَوْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی ھُوَرَسُوْلِی وَتَصْدِیْقُہٗ بِالْأَمْرِالْخَارِقِ. کما مر (شرح المواھب ص ١٩ الطبع اولیٰ مطبع الازھریہ المصریہ)

یعنی اکثر اہل علم نے نبوت و رسالت کی تعریف کی طرف توجہ نہیں فرمائی بلکہ لفظ رسول اور نبی کی لغوی اور شرعی معنی اور ان میں فرق پر بحثیں لکھیں امام الحرمین رحمہ اللہ نے نبوت کی تعریف میں کہا نبوت صفت کلامیہ ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا وہ میرا رسول ہے اور اس کی تصدیق امر خارق (معجزہ) سے کرنا جیسا کہ گزر چکا ہے

علامہ زرقانیؒ، امام الحرمین سے نبوت کی تعریف نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''وقال الغزالی النبوۃ عبارۃ عما یختص بہ النبی الخ'' زرقانی کی عبارت بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، جو شانِ نبوت کا اظہار، جس میں وسعت علم مشاہدہ اور قدرتِ تصرف کا ذکر ہے۔ یہ فلاسفہ اَبالسہ کے باطل عقائد نہیں، بلکہ رسول اللہ فداہُ ابی و اُمی ﷺ کی رفعتوں، عظمتوں کا بیان ہے۔ جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اسلام میں جس مرتبہ کو نبوت و رسالت سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ کیا ہے؟ اور اس کی خصوصیات کیا ہیں؟

استشہاد محدث عبدالرؤف المناویؒ:

محدث عبدالرؤف المناوی نے حدیث کی کتاب جامع الصغیر کی شرح فیض القدیر میں الرؤیہ الصالحۃ روایت کی شرح لکھتے ہوئے نبوت کا معنی بتانے کیلئے امام غزالی

کے مذکورہ کلام سے استدلال واستنباط کیا۔ (ص ۴۴۱۔الجزالثانی، الناشر مکتبہ مصر)

اِتنی صاف عبارت پر اِتنی تفصیل سے لکھنا اگر چہ اہل علم کی طبیعت پر گراں گزر سکتا ہے مگر عوامِ اہل سنت کو اس دھوکہ سے بچانے کیلئے یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ نبوت کیلئے جس وسعت علم، مشاہدہ، قوت وتصرف کوضروری قرار دیا گیا ہے۔ یہ فلاسفہ کے باطل عقائد نہیں بلکہ اہل سنت، اہل حق کا عقیدہ ہے اور شانِ نبوت کا تقاضا ہے۔قوتِ سمع وبصر، قوتِ علم اور قوتِ تصرف میں بھی انبیاء کرام علیہم السلام باقی مخلوق سے ممتاز ہیں۔ نبی اللہ علیہم السلام کیلئے ان کا تسلیم کرنا ایمان بالنبوت اور آمنت برسولہ کا ایمانی تقاضا ہے۔افسوس صد افسوس کہ اہل دیوبند جس شخص کو بلند پایہ محقق، مدرس، مصنف اور آبروئے دیوبند کہتے ہیں وہ اَیسے کمالاتِ نبوت کوفلاسفہ، اَبالسہ کا باطل عقیدہ کہتا ہے۔ یَا لَلْعَجَب!

حضرت امام نووی اور کرامت:

الشیخ محی الدین ابوزکریا نووی شارح مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں (اس روایت سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں):

"وَمِنْهَا اِثْبَاتُ كَرَامَاتِ الْاَوْلِيَاۤ وَهُوَ مَذْهَبُ اَهْلِ السُّنَّةِ خِلَافاً لِلْمُعْتَزِلَةِ.

(۱) اولیاء کرام سے کرامات (خرقِ عادت اُمور) کا صدور ثابت ہے اہل سنت کا یہی مذہب ہے بخلاف معتزلہ کے وہ کراماتِ اولیاء کے منکر ہیں

وَفِيْهِ اَنَّ كَرَامَاتِ الْاَوْلِيَاءِ قَدْ تَقَعُ بِاخْتِيَارِهِمْ وَطَلَبِهِمْ وَهٰذَا هُوَ الصَّحِيْحُ عِنْدَ اَصْحَابِنَا الْمُتَكَلِّمِيْنَ وَمِنْهُمْ مَنْ قَالَ لَاتَقَعُ بِاخْتِيَارِهِم وَطَلَبِهِمْ. وَفِيْهِ اَنَّ الْكَرَامَاتِ قَدْ تَكُوْنُ بِخَوَارِقِ الْعَادَاتِ عَلٰى جَمِيْعِ اَنْوَاعِهَا وَمَنَعَهُ بَعْضُهُمْ. وَادَّعٰى اَنَّهَا

(۲) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء کی کرامات انکے اختیار اور طلب سے بھی واقع ہوتی ہیں متکلمین اہلسنت کا یہی صحیح مذہب ہے جبکہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کوئی کرامت بھی ولی کے اختیار وتصرف سے واقع نہیں ہوتی (یہ قول صحیح نہیں) (۳) اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ کرامات ہر قسم کے خرقِ عادت امور میں ظاہر ہوتی ہیں۔جبکہ بعض نے اس کا انکار کیا ہے۔

تَخْتَصُّ بِمِثْلِ اِجَابَةِ دُعَاءٍ وَنَحْوِهٖ وَ هٰذا غَلَطٌ مِنْ قَائِلِهٖ وَاِنْكَارٌ لِلْحِس.

(۴) ان بعض کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ کرامت اجابت دعا کے ساتھ خاص ہے (اظہار کرامت میں ولی کا صرف اتنا اختیار ہے کہ وہ دعا مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرما کر خرقِ عادت امور انکے ہاتھ پر ظاہر فرماتا ہے) امام نووی فرماتے ہیں ایسا کہنے والے کا قول غلط ہے، محسوس کا انکار ہے۔

(جن بعض نے خرقِ عادت امور میں اظہار کرامت کا انکار کیا ان کے جواب میں امام نووی فرماتے ہیں):

بَلِ الصَّوَابُ جَرَيَانُهَا بِقَلْبِ الْاَعْيَانِ وَاِحْضَارِ الشَّيْءِ مِنَ الْعَدَمِ وَنَحْوِهٖ. (شرح صحیح مسلم ج ثانی ص ۳۱۲)

بلکہ صواب یہ ہے کہ کرامتیں حقیقتوں کے بدلنے اور عدم سے اشیاء کو حاضر کرنے وغیرہ کی صورت میں بھی پائی جاتی ہیں۔"

مؤلف راہِ ہدایت (خانصاحب) کا یہ کہنا کہ: "معجزہ کے صدور میں نبی کا کچھ اختیار ہے، تو صرف اتنا کہ وہ دعا مانگیں تو اللہ تعالیٰ قبول فرما دے"۔ یعنی دعا کی قبولیت ہی ان کا معجزہ ہے۔ حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق میں اس طرح کا خیال "انتہائی ضعیف اور غلط" ہے۔ جسے آپ نے هٰذَا غَلَطٌ مِنْ قَائِلِهٖ سے بیان کیا۔ اَصل میں یہ باطل نظریہ منکرینِ کرامات معتزلہ وغیرہ کا ہے۔

معجزات و کرامات ابن حجرؒ کی نظر میں:

حافظ الحدیث ابن حجر قدس سرہٗ سے معجزہ کی تعریف ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

" بِاَنْ يَقُوْلَ : اِنْ فَعَلْتُ كَذالک اُتُصَدِّقُ بِاَنِّيْ صَادِقٌ اَوْيَقُوْلَ مَنْ يَتَحَدَّاهُ: "لَا اُصَدِّقُکَ حَتّٰى تَفْعَلَ كَذَا"

(حاشیہ بخاری ص ۵۰۴ (فتح الباری ج السادس ص ۴۵۳، مطبع بهيه المصريه ۱۳۴۸ھ

یعنی کہ نبی اللہ کا یہ کہنا کہ اگر میں ایسا کردوں تو کیا تو تصدیق کرے گا؟ یا منکر کہے کہ میں تسلیم نہیں کرتا جب تک تم ایسا نہ کر دکھاؤ۔

تو اس قسم کے کلام کے بعد نبی اللہ علیہ السلام سے جو فعل خرقِ عادت صادر ہو اُسے معجزہ کہا گیا۔ حافظ الحدیثؒ کی کلام سے واضح ہوا کہ معجزہ کو نبی کا فعل کہہ سکتے ہیں، اوران کے قصد و اختیار سے صادر ہوتا ہے۔

مؤلف راہِ ہدایت (خانصاحب) کو اس استدلال پر اتنا جلال آیا کہ مغلوب الحال ہو کر بزعم خویش جو تحقیقی گرفت کی اس کا تجزیہ پیش خدمت ہے۔

خانصاحب کے مؤاخذہ کا تجزیہ:

خانصاحب ''نورِ ہدایت'' کی مذکورہ عبارت پر مؤاخذہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' معجزہ کی تعریف اور اس کی حقیقت۔ معجزہ صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے مگر نبی کا اُس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۹۲ھ کہتے ہیں کہ:

وَسُمِّيَتِ الْمُعْجِزَةُ مُعْجِزَةً لِعجزِ مَنْ يَقَعُ عِنْدَهُمْ ذَالِکَ عَنْ مُعَارِضَتِهَا وَالْهَاءُ فِيْهَا لِلْمُبَالَغَةِ اَوْ هِیَ صِفَةُ مَحْذُوفٍ وَاَشْهَرُ مُعْجِزَةٍ لِلنَّبِیِّ ﷺ اَلْقُرْآنُ الخ

(فتح الباری ج٦ ص ۴۴۲)

اور معجزہ کو اس لئے معجزہ کہا جاتا ہے کہ جن کے پاس وہ پیش کیا جاتا ہے وہ اس کے معارضہ سے عاجز آ جاتے ہیں اور حرف ہا اس میں مبالغہ کے لئے ہے (جیسا کہ لفظ علامہ میں) یا لفظ معجزہ صفت ہے اور اس کا موصوف (مثلاً آیۃ وغیرہ) محذوف ہے اور آنحضرت ﷺ کا مشہور ترین معجزہ قرآن کریم ہے۔

حافظ الدنیا نے معجزہ کی تعریف کرنے کے بعد مشہور تر معجزہ (قرآن کریم) کا تذکرہ بھی کر دیا ہے۔ مؤلف نور ہدایت ص ۳۷ نے اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے بحوالہ حاشیہ بخاری ص ۵۰۴ حافظ ابن حجر سے جو معجزہ کی تعریف نقل کی ہے کہ وہ معجزہ کی تعریف نہیں ہے بلکہ وہ تو انہوں نے تحدی کی صورت بیان کی ہے۔ حیف ہے اس تحقیق پر کہ مؤلف مذکور کو معجزہ کی تعریف اور تحدی کی تصویر میں بھی تمیز نہیں ہے۔ اور پھر حافظ ابن حجر کی ادھوری عبارت کو نقل کر کے اور اصل مطلب کو نہ سمجھتے ہوئے جو یہ بہتان مؤلف مذکور نے قائم کیا ہے کہ حافظ حدیث کی تعریف سے واضح ہوا کہ معجزہ کو نبی کا فعل کہہ سکتے ہیں اور ان کے فعل واختیار سے صادر ہوتا ہے تو یہ ان کی نری خوش فہمی بلکہ جہالت کا عبرت ناک مظاہرہ ہے حافظ حدیث تو آنحضرت ﷺ کے معجزات میں سے قرآن کریم کو مشہور تر معجزہ کہتے ہیں کیا مؤلف نور ہدایت کے نزدیک قرآن کریم جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے کسب وفعل اور اختیار سے بنایا تھا؟ اور کیا حافظ ابن حجر اس کے قائل تھے؟ ہوش میں آ کر جواب دیں۔

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی

گو مشتِ خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

انتھی بلفظہ راہِ ہدایت ص ۱۹، ۲۰

زبردست علمی اشکال کے جوابات اور پوسٹمارٹم:

خانصاحب کے اس زبردست علمی اشکال کا جواب اور پوسٹمارٹم متعدد طریقوں سے ہوسکتا ہے۔جن میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

(۱) بہت خوب! حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر متکلمین کے طریق پر معجزہ کی تعریف نہیں فرمائی جیسا کہ شرح عقائد میں ہے:

" هی امر یظهر بخلاف العادة علی ید مدعی النبوة عند تحدّی المنکرین علی وجه یعجز المنکرین عن الاتیان بمثله."

(ص ۲۰۹، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

ایسا انداز نہیں اپنایا، بلکہ اپنے انداز میں معجزہ کا تعارف پیش کیا۔نیز معجزہ وکرامت میں فرق بیان کیا، مگر اہلِ علم جانتے ہیں کہ اربابِ فنون کے ہاں معروف اصطلاحی معنوں میں تعریف ہو یا حافظ کے انداز پر تعارف، دونوں کا مقصد معجزہ کی معرفت ہوتی ہے۔

حضرت حافظؒ کے کلام میں گو "حد اور تعریف عُرفی" نہیں مگر معجزہ کا تعارف ہے، تحدّی کی صورت کسی اور سے نہیں اللہ تعالیٰ کے نبی سے پائی جارہی ہے۔ نبی اللہ علیہ السلام کا منکرِ نبوت کو چیلنج کرنا: (اِنْ فَعَلْتُ کَذا اَتُؤمِنُ بِی) اگر میں ایسا فعل بجالاؤں تو کیا تو مجھ پر ایمان لے آئیگا؟ یا منکر نبوت کا یوں کہنا کہ:

لا اُومِنُ بِکَ حَتّٰی تَفْعَلَ کَذا جبتک تم مجھے ایسے ایسے نہ کر دکھاؤ میں آپکو سچا تسلیم نہیں کرتا اس طرح کے کلام کے بعد اللہ تعالیٰ کا نبی جو (خرق عادت امر) فعل کر دکھاتا ہے اسی کا نام معجزہ ہے، اس سے معجزہ کا مفہوم معلوم ہوا کہ: "تحدّی کی صورت میں نبی کے ہاتھ پر جو

خرقِ عادت امر ظاہر ہو، وہ معجزہ ہے"

مثال: اعرابی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہنا کہ مجھے کیسے پتہ چلے آپ اللہ کے نبی ہیں؟ آپ کا فرمانا: درخت پر لگے گچھے کو بلاؤں اور وہ حاضر ہو کر میری نبوت کی شہادت دے، تو کیا تصدیق کرے گا؟ آنحضرت ﷺ کا گچھے کو حاضری کا حکم دینا، اس کا حاضر ہو کر شہادت دینا، پھر آپ کے حکم پر درخت سے پیوستہ ہو جانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا۔

مؤلف راہِ ہدایت کی نظر سے غالباً اہل علم کا یہ قول گذرا ہوگا۔

"الموصل الی المجهول التصوری قول شارح (معرف)"

(۲) مکافاتِ عمل کا اظہار:

خانصاحب کا سوال واقعی تدریسی تناظر، طالب علمانہ بحث اور نیک نیتی پر مبنی ہوتا تو خود بڑی لغزش کا شکار نہ ہوتے۔ مگر مکافاتِ عمل کے طور پر یہاں خود بڑی خطاء کا ارتکاب کر کے "میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا" کا مصداق ٹھہرے۔

میں پوچھنا چاہتا ہوں، صاحبِ تحقیق انیق کی نگاہِ التفات اس طرف کیوں نہیں گئی؟ کہ معجزہ کی تعریف میں خود کسی بڑی غلطی کا شکار تو نہیں ہو رہا؟ پہلے ہوش نہیں آیا تو اب توجہ فرمالیں۔ راہِ ہدایت کے صفحہ ۱۹ پر عنوان قائم کیا۔

"معجزہ کی تعریف اور اس کی حقیقت" اُس کے بعد حافظ ابن حجر کے اس کلام سے استدلال کیا۔ " سُمِّيَتِ الْمُعْجِزَةُ مُعْجِزَةً الخ "

دوسری بار اسی دعوی کا اعادہ کرتے ہوئے صفحہ ۲۰ پر تحریر کیا کہ:

"حافظ الدنیا نے معجزہ کی تعریف کرنے کے بعد مشہور تر معجزہ (قرآن کریم) کا تذکرہ کیا"

قارئین کرام ! خانصاحب کی پیش کردہ عبارت کو پیش نظر رکھیں۔ کیا خانصاحب کے اندازِ تحریر کے مطابق یہ کہنا بے جا ہوگا؟

حیف ہے اس تحقیق پر کہ مؤلف راہِ ہدایت معجزہ کی تعریف اور وجہ تسمیہ میں تمیز نہیں کرسکتا، کوتاہ فہمی سے ''وجہ تسمیہ'' کو بار بار ''تعریف'' لکھ رہا ہے، یہ ان کی نری خوش فہمی، بلکہ جہالت کا عبرت ناک مظاہرہ ہے۔ کیا وجہ تسمیہ اور حدّ اصطلاحی میں کوئی فرق نہیں ہوتا؟

جن درسگاہوں سے استفادہ کرنے کیلئے خانصاحب اس فقیر کو ترغیب دیتے ہیں، کیا ان مدارس میں نحوی کلمہ کی تعریف اس طرح بتائی جاتی ہے۔ '' سُمِّيَتِ الْكَلِمَةُ كَلِمَةً الخ '' ؟ کیا ان کے مدارس میں وجہ تسمیہ اور تعریف عرفی میں کوئی امتیاز نہیں؟ ایسی تحقیق انیق انہیں ہی نصیب رہے، اس خادمِ اہل سنت طالبِ علم کو ایسے ویسے کسی فاضل سے حاصل کرنے کی حاجت نہیں۔

(۳) کتمانِ حق یا تغافل؟

خانصاحب نے یہ الزام لگایا کہ حافظ ابن حجر کی ادھوری عبارت نورِ ہدایت میں نقل کی گئی۔ بیشک اس مقام پر فتح الباری کی پوری عبارت پورے کلام کو درج نہیں کیا گیا اور نہ ہی حوالہ میں پوری کتاب نقل کی جاتی ہے، بلکہ مقصودی حصہ ہی بطور حوالہ ذکر کیا جاتا ہے۔

مختصر حوالہ لکھنے میں کسی علمی کوتاہی کا ذرہ بھی شائبہ نہیں، فتح الباری کی باقی عبارت میرے دعویٰ کے خلاف ہوتی اور اس حصہ کو قارئین سے چھپایا جاتا تو الزام کی کوئی گنجائش نکل بھی سکتی تھی، مگر یہاں ایسا نہیں ہوا۔ ہاں خود خانصاحب نے دیدہ دانستہ کتمان حق کرتے ہوئے نورِ ہدایت کے حوالے کو چھپانے کی کوشش کی؛ کیونکہ فتح الباری کی عبارت ان فعلت اور حتی تفعل میں ان کے نظریہ کا بطلان ہے؛ لہٰذا انتہائی مبہم انداز میں ''تحدی کی تصویر'' کہہ کر الفاظ کی شعبدہ بازی تو دکھادی ہے، مگر اسکا تحقیق سے کوئی

واسطہ نہیں۔ اسے کتمانِ حق کا شاندار مظاہرہ ہی قرار دیا جائیگا اگر واقعی کتمانِ حق کی نیت سے ایسا نہ ہوا تو بھی مقامِ اظہار میں کسی چیز کا ظاہر نہ کرنا بطور تغافل بھی کیا جائے تو بھی اس تغافل کا سبب ضرور ہوگا۔

خانصاحب نے جس صداقت کو اجمال وابہام کے پردے میں لپیٹا اُسی میں اُس (مؤلف راہِ ہدایت) کے مؤقف کا کھلا رد ہے۔

حافظ ابن حجر کے نزدیک معجزہ اور کرامت میں فرق:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ معجزہ اور کرامت میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والفرق بینهما ان المعجزة اخصّ لانه یشترط فیها ان یتحدی النبی من یکذبه "بِاَنْ یَقُوْلَ اِنْ فَعَلْتُ کَذَا أَتُصَدِّقُ بِاَنِّیْ صَادِقٌ اَوْ یَقُوْلُ مَنْ یَتَحَدَّاهُ لَااُصَدِّقُکَ حَتّٰی تَفْعَلَ کَذَا"

(فتح الباری الجز السادس ص۴۵۳ باب علامات النبوۃ فی الاسلام، مطبع بهیه المصریه ۱۳۴۸ھ)

یعنی معجزہ اور کرامت میں فرق ہے معجزہ کرامت کی بنسبت خاص ہے اسلئے کہ معجزہ میں شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی ﷺ اپنے جھٹلانے والے کو اس طرح تحدی فرمائے، اس سے یوں کہے اگر میں ایسا فعل کردوں تو کیا اس بات کی تصدیق کرے گا؟ کہ میں سچا ہوں، یا وہ منکر نبوت یوں کہے: میں آپ کی تصدیق نہیں کرتا یہاں تک کہ آپ ایسا کام کردکھائیں۔

خط کشیدہ عبارت سے "نور ہدایت" میں استدلال کیا گیا، چونکہ اس عبارت میں مؤلف راہِ ہدایت (خانصاحب) کا کھلا رد ہے اسلئے اس کو چھپا کر اس کے بعد والی عبارت سُمِّیَتِ الْمُعْجِزَۃُ سے نقل کردی۔ خانصاحب! آپ کی سوچ کے مطابق کیا ایسے حوالہ نقل کرنے کو ادھوری عبارت کہنا، نادرست ہے؟

(۴) لا ینحل سوال کی حیثیت:

مؤلف راہِ ہدایت نے "نور ہدایت" پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ:

"حافظ ابن حجر نے آنحضور ﷺ کے معجزات میں سے قرآن پاک کا ذکر کیا ہے، کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قرآن حکیم اپنے کسب وفعل اور اختیار سے بنایا تھا؟ کیا حافظ ابن حجر اس کے قائل تھے؟ اس لئے حافظ کے کلام سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ معجزہ نبی کا

فعل اختیاری بھی ہوتا ہے۔انتہائی غلط ہے۔''

خانصاحب اگر فاضل اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے تو انکی توجہ اس طرف ضرور مبذول ہوتی کہ حافظ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کسی عام انسان کی تحدی کا ذکر نہیں کر رہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کی طرف سے تحدی کا بیان فرمارہے ہیں۔

ابن حجر نے یتحدی النبی ﷺ لکھ کر تصریح کر دی ہے کہ یتحدی کا فاعل نبی اللہ علیہ السلام کی ذات عالی ہے، اس کے بعد لفظ فعل کا دو دفعہ ذکر کیا جیسے ''بان یقول ان فعلت کذا'' اور '' بان یقول حتی تفعل کذا'' پہلی مثال میں یقول کا فاعل بھی نبی علیہ السلام کی شخصیت ہے اور '' فعلت ''میں مذکور فعل کا فاعل بھی نبی اللہ علیہ السلام ہیں۔فقیر تو یہی سمجھا ہے کہ فعلت فعل سے ماخوذ ہے۔یہ متکلم کا صیغہ ''فاعل متکلم'' کے کسی فعل کے بجا لانے اور کام کرنے کیلئے وضع کیا گیا ہے۔اور دوسری مثال حتی تفعل میں نبی کی ذات ہی مخاطب ہے۔

مؤلف راہِ ہدایت غصہ تھوک کر یہ بتائیں اگر کوئی شخص کسی مباحثہ ،مقابلہ میں کہتا ہے کہ میں ایسے ایسے کام کر دکھاؤں تو مجھے سچا تسلیم کرے گا؟ یا مدمقابل کہے تو ایسا ایسا کمال کر دکھائے تو تیرا دعویٰ سچا ہے۔

☆ اس پر وہ شخص کام کر دکھائے تو کیا یہ اُس کا فعل نہیں ہوگا؟

☆ کیا ان کی تحقیق میں وہ عدم فعل کہلائے گا؟

☆ اِنْ فَعَلْتُ کے دعویٰ کے بعد جو فعل بجالاتا ہے کیا وہ فعل اس کا نہیں ہوگا؟

☆ ایسے کام کو اختیاری نہیں غیر اختیاری کہیں گے؟

کسی کے مقابلہ میں مؤلف راہ ہدایت کہہ دے: میں اپنے دعویٰ پر دلیل پیش کر دوں یا دوسرا فریق کہے آپ حوالہ دکھادیں تو میں مان جاؤنگا۔ ایسے کلام کے بعد دلیل کا پیش کر دینا، حوالہ دکھادینا یہ ''غیر اختیاری فعل'' کہلاتا ہے؟

جدھر گھومیں، پھریں زمین گول ہی نظر آئیگی۔ خانصاحب کے بقول: معجزہ کو کسی بھی حوالہ سے نبی کا فعل کہنا، کھلی اعتقادی غلطی ہے ایسا کہنے والا یہود کی بولی بولتا ہے۔

اس باطل مفروضہ کو درست ماننے کی صورت میں کیا حافظ الحدیث رحمہ اللہ تعالیٰ کا دامن داغدار نہیں ہوتا؟

خانصاحب، حافظ الحدیثؒ کی بیان کردہ تحدی (چیلنج) کی اس صورت کو صحیح اور درست تسلیم کرتے ہیں تو معجزہ پر ''اطلاقِ فعل'' سے کیوں گریزاں ہیں؟ حافظؒ کے کلام میں مذکور '' اِن فعلتُ یا حتی تفعل کو فعل کے معنی میں نہیں لیا جائیگا تو اسے کیا کہا جائیگا؟

تعصب میں اتنا دور نہیں نکل جانا چاہیے کہ جس لفظ کا معنیٰ معمولی شُد بُد رکھنے والے بھی جانتے ہوں، اس کا انکار کرنا پڑ جائے، یہ تو اَمر بدیہی کا انکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مؤلف راہ ہدایت نے حضرت حافظ کے اس کلام ان فعلتُ کذا (اگر میں ایسا کر دوں) یا حتی تفعلَ کذا (آپ ایسا فعل کر دکھائیں) کے کلمات جو اصل حوالہ تھے، نہ تو انہیں نقل کیا اور نہ ہی اس پر کوئی تبصرہ لکھا، بلکہ قاری کتاب کے سامنے لانے سے دیدہ دانستہ گریز کیا۔ اور حافظ کے کلام کے مرتبہ کو نہ سمجھتے ہوئے، خوش فہمی میں ''واشھر المعجزات النبی ﷺ القرآن'' بطور استدلال پیش کیا۔

چونکہ مؤلف راہ ہدایت فتح الباری سے پیش کردہ دلیل کے جواب سے عاجز تھے اس لئے زاغ معروف سمجھ کر اصل عبارت کھا گئے۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں:

ع میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا۔

(۵) مزعومہ نا قابل حل سوال اور اس کا جواب:

مؤلف راہِ ہدایت نے اپنے خیال کے مطابق ''نورِ ہدایت'' پر ایسا اعتراض کیا جس کا جواب اُن کے زُعم میں ممکن نہیں۔

خانصاحب کے زُعم میں نا قابلِ جواب اعتراض کی صورت یوں بنتی ہے کہ: '' حافظ

ابن حجرؒ نے آنحضور ﷺ کے معجزات میں سے قرآن پاک کا ذکر کیا ہے، کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قرآن حکیم اپنے کسب وفعل اور اختیار سے بنایا تھا؟ کیا حافظ ابن حجر اس کے قائل تھے؟''

حافظ ابن حجرؒ کے کلام میں اشکال اور اس کا حل:

خانصاحب (مؤلف راہ ہدایت) نے اگر فاضل اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہہ کیے ہیں تو انہیں سوچنا چاہئے تھا کہ: اِن فعلتُ یا حتی تفعل کی مثال میں قرآن حکیم کوبطور مثال کیسے پیش کیا جا سکتا ہے؟ کلام فہمی کا ملکہ رکھنے والوں کو اس پر توجہ دینی چاہئے تھی۔ یہ کہہ دینا: ''ہوش میں آ کر جواب دیں'' ان کو زیب دیتا ہے جو بقائمی ہوش وحواس لکھتے ہیں۔ خانصاحب کو تو مزید سوال کرنا زیب نہیں دیتا۔

خانصاحب نے حافظؒ کے کلام سے جس انداز سے استدلال کیا ہے، اس کی وجہ سے حافظ کے کلام پر ایک قوی اشکال کا شبہ ہوتا ہے۔ چاہئے تھا کہ پہلے خانصاحب اُس کا حل فرماتے جیسا کہ درس وتدریس سے تعلق رکھنے والوں کا طریقہ ہے۔ ممکن ہے اُن کا دھیان بھی اس طرف نہ گیا ہو، یا اُس کا حل اُن کے بس میں نہ ہو۔

سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ حافظ جیسے عظیم محدث کے کلام میں موزونیت نہیں؛ کیونکہ معجزہ کی تفہیم میں ان فعلت کذا (اگر میں ایسے کردوں) یا حتی تفعل کذا (آپ ایسا فعل کر دکھائیں) سے تحدی کی مثال میں قرآن حکیم کو پیش کرنا مناسب نہیں؛ کیونکہ ''القرآن کلام اللّٰہ تعالٰی غیر مخلوقٍ''

اس خادم اہل سنت کے خیال میں فتح الباری میں اس موقع پر قرآن حکیم کا تذکرہ معجزہ کی تفہیم کیلئے ہے۔ ان فعلت یا حتی تفعل سے تحدی کی مثال نہیں؛ کیونکہ قرآن حکیم

ے تحدی "ان فعلت" کی صورت میں نہیں بلکہ ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ سے کی گئی ہے۔

مؤلف راہ ہدایت ﴿وَمَا كَانَ لَنَا اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ سے استدلال کرتا ہے کہ کسی بھی معجزہ کے اظہار میں نبی کو کوئی اختیار نہیں، مؤلف کے اس طرزِ استدلال اور حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحدّی کی مثال میں جو تضاد دکھائی دیتا ہے اس کا جواب کیا ہوگا؟

(۶) خانصاحب کا غیر شعوری اعترافِ حقیقت:

مؤلف راہ ہدایت نے فتح الباری کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں "اَلْمُعْجِزَةُ" کی وجہ تسمیہ میں کہا گیا ہے:

"معجزہ کو اس لئے معجزہ کہا جاتا ہے کہ جن کے پاس وہ پیش کیا جاتا ہے۔ وہ اس کے معارضہ سے عاجز آجاتے ہیں"۔ (راہ ہدایت ص ۱۹)

یہ حوالہ دے کر خانصاحب غیر شعوری طور پر اس بات کا اعتراف کر رہے ہیں کہ معجزہ کے تحقق کیلئے یہ ضروری نہیں کہ نبی اللہ علیہ السلام بھی اس سے عاجز ہوں بلکہ جن کے سامنے معجزہ پیش کیا جاتا ہے وہ اس کے معارضہ سے عاجز ہوتے ہیں۔ وگرنہ حافظ کے کلام لِعجزِ مَنْ يَّقَعَ عِنْدَهُمْ" میں عِنْدَهُمْ کی قید کا مفاد کیا ہے؟

(فتح الباری جلد ۶ ص ۴۵۳، طبع ایضاً)

(۷) غیر حقیقی و غیر منطقی استدلال:

قرآن حکیم یا بعض دیگر معجزات کی مثال دے کر یہ ثابت کرنا کہ کوئی بھی معجزہ اختیاری نہیں، غیر حقیقی اور غیر منطقی استدلال ہے۔ اس قسم کے حوالہ جات اس وقت یا اس

شخص کے خلاف پیش کئے جا سکتے ہیں جو، ہر معجزہ کو نبی کا اختیاری فعل مانتا ہو۔ اہل سنت و جماعت تو **بعض معجزوں کو اختیاری** مانتے ہیں اور **بعض کو غیر اختیاری**۔

اہل سنت کا اس بارے میں عقیدہ بہت تفصیل کیساتھ گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے کہ: اسباب عادی کے تحت انجام پانیوالے افعال اختیاری بھی ہیں اور غیر اختیاری بھی، اختیار ہے تو کس قدر؟ اہل سنت کے عقیدہ سے صرف نظر کر کے بزعم خویش رد میں صفحات پر صفحات لکھتے چلے جانا، اپنی آتشِ غضب کو ٹھنڈا کرنے اور تسکینِ نفس کی ناکام کوشش تو ہے، اس کا تحقیق کیساتھ کوئی واسطہ نہیں۔

(۸) خرقِ عادت افعال (معجزات) پر اختیار:

مذکورہ حوالہ جات سے یہ سمجھنا بہت عجیب بات ہے کہ حافظ ابن حجر کسی بھی معجزہ کا صدور نبی کے قصد و اختیار سے نہیں مانتے، جبکہ حافظ ابن حجرؒ، حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تحقیقی کلام بطور استدلال نقل کرتے ہیں، جس میں شانِ نبوت کی کئی خصوصیات کا ذکر ہے انہی میں سے نبی کی ایک خصوصیت، جس میں نبی، غیر نبی سے ممتاز ہوتا ہے۔ ان الفاظ میں ذکر کی گئی:

"وَلَهٗ صِفَةٌ تُتِمُّ لَهٗ بِهَا الْأَفْعَالُ الْخَارِقَةُ لِلْعَادَاتِ كَالصِّفَةِ الَّتِي بِهَا تُتِمُّ لِغَيْرِهِ الْحَرَكَاتُ الْاِخْتِيَارِيَّةُ"

(فتح الباری ج ۱۲، ص ۳۶۷)

(فتح الباری ج ۱۲، ص ۳۰۹ طبع بهیه المصریه ۱۳۴۸ھ)

یعنی نبی کو ایک ایسی صفت قدرت حاصل ہوتی ہے جس سے افعال خارق للعادات (معجزات) ان سے صادر ہوتے ہیں۔ جیسے غیر نبی کو ایک ایسی صفت (قدرت) حاصل ہے جس سے حرکات اختیاریہ اُس سے صادر ہوتی ہیں۔

حضرت حافظؒ کی نقل کردہ اس دلیل کا صاف مفہوم یہ ہے کہ جیسے دوسرے لوگ

افعال عادیہ اپنے قصد واختیار سے بجالاتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام اسباب عادیہ سے بالاتر خارق للعادات افعال (معجزات) اپنے قصد واختیار سے ظاہر فرماتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جس کلام سے استدلال کیا ہے اس میں واقع: ''وان کانت القدرۃ والمقدور جمیعا من فعل اللّٰہ تعالیٰ'' کا جملہ غور طلب ہے۔ حافظؒ کے اس کلام کے بعد یہ کہنا کہ: ''حافظ کسی انداز سے بھی معجزہ کو نبی کا اختیاری نہیں مانتا'' حقیقت واضحہ کا انکار کرنا ہے۔

(امام غزالی کے جس کلام سے حضرت حافظؒ نے استدلال کیا اس کا مکمل حوالہ ''امام غزالی اور خصوصیاتِ نبوت'' کے تحت گذر چکا ہے)۔

نبوت کے کمالات ومعجزات کا اپنا ایک مقام ہے، حافظ رحمۃ اللہ علیہ تو کرامت کو بھی ولی اللہ کا اختیاری فعل مانتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے شرح بخاری میں کئی دفعہ لکھا:

''وَفِيهِ اِثْبَاتُ كَرَامَاتِ الْأَوْلِيَاءِ وَوُقُوعُ الْكَرَامَةِ لَهُمْ بَاخْتِيَارِهِمْ وَطَلَبِهِمْ'' اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء کرام کی کرامات حق ہیں اور ان کے اختیار اور طلب سے واقع ہوتی ہیں۔

(فتح الباری جلد ۶ ص ۳۷۴، طبع ایضا)

(۹) ہلدی کی گٹھلی ملنے پر پنسار کی دکان سجانا:

مؤلف راہِ ہدایت نے حافظ الحدیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے معجزہ کی تعریف (وجہ تسمیہ) کو کتاب کی زینت تو بنا دیا مگر ہلدی کی گٹھلی پا کر پنسار کی دکان سجانے کے شوق میں بے جا خوشی میں اتنا بھی نہ سوچا کہ یہ حوالہ خود میرے مؤقف کے خلاف تو نہیں؟ کیونکہ حضرت حافظؒ کے کلام سے یہی تحقیق عیاں ہوتی ہے کہ خرق عادت امر جو نبی اللہ علیہ السلام کے ہاتھوں ظاہر ہوتا ہے اسے معجزہ (عاجز کرنے والا) اسلئے کہا جاتا ہے کہ نبی اللہ علیہ السلام ایسے فعل کو جن کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں وہ اس کی مثل لانے سے عاجز ہوتے ہیں۔ جیسا

کہ خود خانصاحب نے اس عبارت کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا: "معجزہ کو اسلئے معجزہ کہا جاتا ہے کہ جن کے پاس پیش کیا جاتا ہے وہ اسکے معارضہ سے عاجز ہوتے ہیں۔"

حضرت حافظؒ کی اس تحقیق کے بعد یہ "بڑ" ھانکنا کہ معجزہ صرف وہ امر ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہ ہو۔ خلافِ تحقیق مطلب کشید کرنا ہے۔ جبکہ معجزہ کی وجہ تسمیہ میں "لعجز من یقع عندھم" کی قید میں اسی حقیقت کا بیان ہے کہ معجزہ کے تحقق کیلئے اتنی شرط ہی کافی ہے کہ جن کے سامنے معجزہ واقع ہو وہ اس طرح کا فعل بجالانے سے عاجز ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی عادت ایسے ہی جاری ہے۔ معجزہ کیلئے یہ ضروری نہیں کہ نبی اللہ علیہ السلام بھی ایسے امر سے عاجز ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اس پر قدرت نہ عطا کی ہو۔ اگر کوئی معجزہ ایسا ہو جس کی مثل لانے سے نبی اللہ علیہ السلام بھی عاجز ہوں جیسے قرآن حکیم، ایسا امر بطریق اولیٰ معجزہ ہوگا کیونکہ اس میں صفت اعجاز پائی جاتی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی اور کرامت:

شیخ المحدثین امام بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عمدۃ القاری شرح بخاری میں "حدیث جریج" سے حاصل ہونیوالے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" وَفِیْهِ اِثْبَاتُ الْكَرَامَةِ لِلْاَوْلِيَاءِ وَوُقُوْعُ الْكَرَامَةِ لَهُمْ بِاخْتِيَارِهِمْ وَطَلَبِهِمْ " اس حدیث میں اولیاء کرام کیلئے کرامت کا اثبات ہے اور یہ کہ اولیاء کرام کی کرامت ان کے اختیار اور طلب سے بھی واقع ہوتی ہے۔

(عمدة القاری شرح بخاری ج ١٦ ص ٣١
عمدة القاری ص ١٩١ جلد ١١ مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان

یہی امام عینی دوسرے مقام پر اس طرح رقم فرماتے ہیں:

" وَفِیْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى صِحَّةِ وُقُوْعِ یعنی یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ

الْكَرَامَاتِ مِنَ الْاَوْلِيَاءِ وَهُوَ قَوْلُ جُمْهُوْرِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْعُلَمَاءِ خِلَافًا لِلْمُعْتَزِلَةِ وَفِيْهِ اَنَّ كَرَامَةَ الْوَلِيِّ قَدْ تَقَعُ بِاخْتِيَارِهٖ وَطَلَبِهٖ وَهُوَ الصَّحِيْحُ عِنْدَ جَمَاعَةِ الْمُتَكَلِّمِيْنَ كَمَا فِيْ حَدِيْثِ جُرَيْجٍ وَمِنْهُمْ مَنْ قَالَ لَا تَقَعُ بِاخْتِيَارِهٖ وَطَلَبِهٖ وَفِيْهِ اَنَّ الْكَرَامَةَ قَدْ تَقَعُ بِخَوَارِقِ الْعَادَاتِ عَلٰى جَمِيْعِ اَنْوَاعِهَا وَمَنَعَهٗ بَعْضُهُمْ وَادَّعٰى اَنَّهَا تَخْتَصُّ بِمِثْلِ اِجَابَةِ دُعَاءٍ وَنَحْوِهٖ قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ هٰذَا غَلَطٌ مِنْ قَائِلِهٖ وَاِنْكَارٌ لِلْحِسِّ"

کرامت کا اولیاء سے واقع ہونا صحیح ہے یہی جمہور اہلسنت اور علماء کا قول ہے۔ بخلاف معتزلہ کے (وہ کرامت کے قائل نہیں) اس حدیث میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ ولی کی کرامت اس کے اختیار اور طلب سے بھی واقع ہوتی ہے۔ متکلمین کی ایک جماعت کے نزدیک یہی مذہب صحیح ہے۔ جیسا کہ جریج کی حدیث میں ہے اور بعض نے کہا کہ کرامت ولی کے اختیار اور طلب سے واقع نہیں ہوتی۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کرامت ہر قسم کے خوارق عادات امور میں واقع ہوتی ہے بعض نے اس کا انکار کیا اور بعض نے دعوی کیا کہ ولی کی کرامت صرف اتنی ہے کہ انکی دعا قبول ہوجاتی ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے اس قائل کا یہ قول غلط ہے اور حس کا انکار ہے۔

(عمدۃ القاری جلد ۷ ص ۲۸۳) عمدۃ القاری جلد۵ ص۶۰۷ دار الفکر بیروت لبنان

محدثین نے جس قول کو غلط کہہ کر محسوسات کا انکار کرنا، کہا ہے۔ مؤلف راہِ ہدایت اسی غلط اور مردود قول کے معترف ہیں۔ علامہ عینی نے واضح طور پر لکھا کہ متکلمین کے نزدیک صحیح مذہب یہی ہے کہ: "کرامت ولی کے قصد واختیار سے واقع ہوتی ہے۔"

حضرت امام علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور کرامات:

حضرت امام ابن حجر قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد الساری شرح بخاری میں کرامات کے اختیاری وغیر اختیاری ہونے کے بارے میں یوں فیصلہ فرماتے ہیں:

وَفِيْ هٰذَا اِثْبَاتُ كَرَامَاتِ الْاَوْلِيَاءِ وَوُقُوْعِ ذَالِكَ لَهُمْ بِاِخْتِيَارِهِمْ وَطَلَبِهِمْ.

(ارشاد الساری شرح بخاری ج ۵ ص ۴۱۲) دار الفکر بیروت لبنان

اس حدیث میں اولیاء کرام کیلئے کرامت کا اثبات ہے اور اس حدیث کے فوائد سے یہ بھی ہے ان کے اختیار اور طلب سے بھی واقع ہوتی ہے۔

بخاری اور مسلم شریف کے اِن فاضل شارحین نے دو باتیں بیان کی ہیں: ایک یہ
کہ اولیاءِ کرام سے کرامت کا صدور حق مذہب ہے اور معتزلہ کی مخالفت باطل ہے۔ دوسرا
یہ کہ ولی سے کرامت اس کے اختیار اور طلب سے بھی واقع ہوتی ہے یعنی بعض غیر اختیاری
کرامات کو دیکھ کر سب کرامات کے بارے میں کہہ دینا کہ کوئی بھی کرامت ولی کے اختیار
اور طلب سے واقع نہیں ہوتی، درست نہیں ہے۔ بلکہ حق اور صحیح بات یہ ہے کہ ولی کے
اختیار اور طلب سے بھی کرامات واقع ہوتی ہیں۔

معتزلہ اولیاء کرام سے کرامات (خرقِ عادت) کے صدور کے منکر ہیں۔ بعض کا
کہنا ہے ولی اللہ کو کرامت کے صدور میں صرف اتنا اختیار ہے کہ وہ کسی خرق عادت کام
کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے وہ کام کر دیتا ہے، کسی
بھی خرق عادت کے صدور میں ولی اللہ کے قصد و اختیار کا کوئی تعلق نہیں۔ خانصاحب
گکھڑوی معتزلہ اور انکی بولی بولنے والوں کی رائے اور تحقیق کو پسند کرتے ہیں، تو ہزار دفعہ
پسند کریں انہیں کون منع کر سکتا ہے؟ مگر اہل سنت کے صحیح قول کے قائلین کو کافر و مشرک کہہ
کر اپنی جانِ ناتواں پر مزید ظلم نہ ڈھائیں۔

حضرت امام سبکیؒ اور تصرفات ولی:

خانصاحب نے اپنی ''راہ ہدایت'' میں دعوت دی ہے کہ معجزات کی مزید بحث
کیلئے طبقات لابن سبکی مضمون خرق عادت ملاحظہ فرمایئے! راہ ھدائیت صـــ ۴۸

خادم اہل سنت:

حضرت امام تاج الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' کئی
جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے، بہت عمدہ کتاب ہے۔ اس فقیر نے بھی کئی مقامات سے
استفادہ کیا ہے، خصوصاً تحمید، تسمیہ، یا صلوٰۃ سے ابتداء کرنے کے بارے میں جو اہل علم میں

بحث جاری ہے، میں نے سب سے پہلے اس موضوع پر جامع اور نہایت مفید کلام اسی کتاب میں دیکھا اور اس سے خوب استفادہ کیا۔ جزاہ اللہ خیراً

خانصاحب نے اپنے مؤقف کی تائید میں امام سبکی کے کلام پڑھنے کا مشورہ دیا لیکن آپ نے کوئی حوالہ نہیں دیا کہ کس مقام پر امام سبکی نے معجزہ کے اختیاری یا غیر اختیاری ہونے پر کلام کیا ہے؟ اور خرق عادت پر کہاں بحث کی ہے؟ آپ حوالہ دیتے تو اس معین مقام کا تجزیہ کیا جاتا۔ امام سبکی نے اس کتاب میں الشیخ ابو تراب نخشبی کے ترجمہ جو کہ تقریباً صفحہ نمبر 55 تا صفحہ 87 تک پھیلا ہوا ہے...... میں صوفی کامل ابو تراب نخشبی کی کرامات کا ذکر خیر کرتے ہوئے کرامت پر اہلسنت کے مؤقف کے مطابق بحث قلمبند فرمائی اور کئی کرامات کا ذکر کیا ہے۔

امام سبکی کے طویل کلام میں سے چند مقامات سے کہیں اصل عبارت اور کہیں انکے کلام کا مفہوم وخلاصہ، نذر قارئین کیا جاتا ہے، جسے دیکھ کر عام قاری بھی اندازہ لگا سکتا ہے کہ گکھڑوی صاحب نے شاید اصل کتاب پڑھے بغیر ہی اس کا حوالہ دیدیا، اور اگر واقعی پڑھی ہے تو، یا تو سمجھنے میں انتہائی غفلت کا مظاہرہ کیا یا قصداً قاری کو دھوکہ دیا، آنجناب کی عادت کے مطابق یہی احتمال اقرب الی الصواب نظر آتا ہے۔

حضرت امام سبکیؒ کرامت پر بحث، منکرین کرامت کے رد اور کرامت کے بارے میں ضعیف مذہب کی طرف اشارہ کرنے کے بعد ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جب کرامت اولیاء کرام کی منزل نہیں اور نہ ہی انکا اصلی مقصود و مطلوب، بلکہ خطرہ ہے کہ کرامت کا اظہار اہل اللہ کیلئے نقصان دہ ثابت ہو، تو کیا وجہ ہے کہ بعض اولیاء کرام نے قصداً کرامات کو ظاہر فرمایا؟ حضرت امام سبکی نے اس سوال کے جواب میں کہا کہ:

"کرامت کا ظہور کئی طور پر ہوتا ہے بسا اوقات صاحب کرامت کے اختیار کے بغیر کرامت کا ظہور ہوتا ہے بہت سی کرامات ایسے ہی ہیں یہاں تک کہ

بعض نے کہا کہ کرامت ہمیشہ غیر اختیاری ہوتی ہے۔"

وَلٰكِنْ هٰذَا مَذْهَبٌ ضَعِيفٌ غَيْرُ مَرْضِيٍّ عِنْدَ الْمُحَصِّلِيْنَ وَلَا سُؤَالَ عَلَيْهِ وَرُبَّمَا كَانَ هُوَ الْمُظْهِرُ بِهَا وَاِنَّمَا يَكُوْنُ ذَالِكَ لِفَائِدَةٍ دِيْنِيَّةٍ مِنْ تَرْبِيَةٍ اَوْ بِشَارَةٍ اَوْ نَذَارَة اَوْغَيْرَ ذَالِكَ حَيْثُ يُؤْذَنُ فِيْهِ.

طبقات الشافعیہ ص ۲۰ ج ۲، الطبع اولی الحسنیہ المصریہ

لیکن اہل تحقیق کے نزدیک یہ مذہب ناپسندیدہ [اور] ضعیف ہے ایسے لوگوں کی رائے پر مذکورہ بالا سوال وارد نہیں ہوتا مگر تحقیق یہی ہے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کا [ولی] کرامت قصداً ظاہر کرتا ہے اور ایسا کسی دینی فائدے کے لئے ہوتا ہے۔ مثلاً تربیت، بشارت یا انذار وغیرہ جہاں بھی ظاہر کرنے کا انہیں اذن دیا جائے۔

خلاصہ کلام امام سبکی :

حضرت امام سبکی کے سوال وجواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں پر ایک سوال ہوتا ہے کہ جب اولیاء کرام کی منزل کرامت نہیں کیونکہ کرامت عطیہ خداوندی اور اس کا انعام ہے جبکہ ولی اللہ کی نظر منعم پر ہے، وہی مقصودِ حقیقی ہے۔ کرامت مقصود نہیں، بلکہ سالک منزل پر ایک انعام ہے۔ صوفیاء کرام کا کہنا ہے کہ بعض اوقات راہ روِ منزلِ حقیقت کیلئے کرامت خطرہ بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ جب صورت حال یہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ بعض کاملین نے کرامات کا اظہار قصداً فرمایا؟۔

امام سبکی نے اس سوال کے جواب میں کہا کہ اظہارِ کرامت کے مسئلہ پر دو گروہ ہیں ایک کی رائے ہے کہ ولی اللہ اظہارِ کرامت کا کسب کرتا ہی نہیں، بغیر اس کے قصد [و] اختیار کے اس کی عزت کیلئے اللہ تعالیٰ خرقِ عادت اس کے ہاتھوں پر صادر فرما دیتا ہے۔ اس مذہب کے اعتبار سے مذکورہ بالا سوال وارد ہی نہیں ہوتا، لیکن اہل تحقیق کے نزدیک یہ مذہب ضعیف ومرجوح ہے۔

صحیح یہی ہے کہ بسا اوقات اولیاء کرام اپنے قصد و اختیار سے کرامات کا اظہار فرماتے ہیں، مگر ان پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا؛ کیونکہ ایسے کاملین کرامات کا اظہار کسی نفسانی تسکین کیلئے نہیں فرماتے بلکہ دینی فائدہ اور عبادت گذاری کے طور پر قصداً فرماتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے جسے وہ بجا لاتے ہیں۔

اِسی مسئلہ کو تھانوی صاحب نے اس طرح بیان کیا کہ: ایسے اولیاء کرام اہل خدمت کہلاتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامی طور پر انہیں اس خدمت کے بجالانے پر مامور کیا جاتا ہے۔

حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے **معجزات** ابراء الاکمہ والأبرص، احیاء الموتی اور بعض دیگر **معجزات** پر بحث کرتے ہوئے اسی انداز کی تقریر فرمائی ہے کہ: **انبیاء ان معجزات کے اظہار پر ماذون و مامور تھے اور حکم خداوندی بجالاکر ماجور ہوئے۔**

سلسلہ کرامات میں امام سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے **شیخ ابوتراب نخشبی** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک کرامت بیان کی، فرماتے ہیں:

فَقَالَ لَهٗ بَعْضُ اَصْحَابِهٖ اَنَا عَطْشَانٌ فَضَرَبَ بِرِجْلِهٖ فَاِذَا عَيْنٌ مِنْ مَاءٍ زَلَالٍ فَقَالَ الْفَتٰى اُحِبُّ اَنْ اَشْرَبَهٗ فِيْ قَدَحٍ فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْاَرْضَ فَنَاوَلَهٗ قَدَحًا مِنْ زُجَاجٍ اَبْيَضَ كَاَحْسَنِ مَا رَاَيْتُ فَشَرِبَ وَسَقَانِيْ وَمَا زَالَ الْقَدَحُ مَعَنَا اِلٰى مَكَّةَ (الطبقات للسبکی صف ۵۹ طبع ایضاً)

(مکہ معظمہ کے راستے پر آپ کے ایک رفیق سفر نے گزارش کی) کہ میں پیاسا ہوں اسکی درخواست پر آپ نے زمین پر پاؤں مارا، ٹھنڈا میٹھا پانی کا چشمہ جاری ہوگیا۔ اس نوجوان نے کہا میری خواہش ہے کہ میں پیالے سے پانی پیوں تو آپ نے زمین پر ہاتھ مار کر شیشے کا بہت خوبصورت پیالہ اس کو دے دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ پیالہ مکہ معظمہ کے سفر میں ہمارے پاس موجود رہا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کا زمین پر تصرف:

اسی کتاب (طبقات شافعیہ) میں امیر المؤمنین حضرتِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اس کرامت کا ذکر فرمایا، کہ حضرت فاروق اعظم کے زمانے میں مدینہ منورہ میں زلزلہ آیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد اپنا کوڑا زمین پر مارا اور کہا:

اِقِرِّيْ اَلَمْ اَعْدِلْ عَلَيْكِ فَاسْتَقَرَّتْ مِنْ وَقْتِهَا (الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص ٦٦ ،طبع ایضاً)

ٹھہر جا! کیا میں تجھ پر عدل وانصاف کا مظاہرہ نہیں کرتا؟ تو زمین ٹھہر گئی اسکی جنبش ختم ہوگئی۔

اس حدیث پر فائدہ لکھتے ہوئے امام مذکور لکھتے ہیں:

قُلْتُ كَانَ عُمَرُ رضی اللہ تعالٰی عنہ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْحَقِيقَةِ فِي الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ وَخَلِيفَةُ اللهِ فِي أَرْضِهِ وَفِي سَاكِنِي أَرْضِهِ فَهُوَ يُعَزِّرُ الْأَرْضَ وَيُؤَدِّبُهَا بِمَا يَصْدُرُ مِنْهَا كَمَا يُعَزِّرُ سَاكِنِيهَا عَلَى خَطَايَاهُمْ

طبقات الشافعية الكبرىٰ ص ٦٦ طبع ایضاً

میں کہتا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ظاہر و باطن میں فی الحقیقۃ امیر المؤمنین تھے اللہ کی زمین میں اور اس کے خلیفہ تھے اور زمین پر بسنے والوں کے بھی خلیفہ تھے آپ زمین کو تعزیر و تادیب فرماتے تھے اسکو سزا دیتے، تنبیہ فرماتے، جو زمین سے حرکت صادر ہوتی جس طرح زمین پر بسنے والے انسانوں کی خطاؤں پر تعزیری حکم نافذ فرماتے۔

امام سبکی کے اتنے صاف اور واضح بیان کے بعد یہ جسارت کرنا کہ کرامت کو ولی کا اختیاری تصرف ماننا یہود کا نظریہ ہے انتہائی دیدہ دلیری ہے۔

امام موصوف علامہ سبکیؒ مزید بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ زمین تو غیر مکلّف ہے اس پر تعزیر کیسے جاری ہوئی ہے؟

تو آپ کا کہنا ہے کہ ایسا سوال جہالت اور قصور فہم کی وجہ سے ہے۔ یہ تو صرف ظواہر فقہ ہی کو دیکھنا ہے حقیقت کو نہ سمجھنا ہے۔ یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ کا امر اور اسکی قضاء سب مخلوق میں متصرف ہے پھر کچھ تصرف ظاہر ہے اور کچھ باطن،

1: ظاہر وہ ہے جس سے فقہاء کرام بحث کرتے ہیں کہ مکلفین کیلئے کیا احکام ہیں؟

2: باطنی تصرف وہ جسکا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے گاہ بگاہ اپنے چنے ہوئے صالح بندوں کو ان احکام پر آگاہ کر دیتا ہے۔

انہی اصفیاء میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاں ظاہر و باطن برابر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب زمین میں جنبش پیدا ہوئی تو حضرت عمر نے اس پر تعزیر فرمائی، جیسے حاکم کے سامنے کوئی انسان خطا کرے تو وہ اس کو سزا دیتا ہے (کیا حاکم وقت کا سزا دینا غیر اختیاری فعل ہے؟) اسی طرح فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے زمین کی تعزیر فرمائی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تصرفات کا منکر جاہل و گمراہ ہے:

اسی بحث کو جاری رکھتے ہوئے امام موصوف دعوتِ نظر و فکر دیتے ہیں۔

فَانْظُرْ اِلٰی عُمَرَ کَیْفَ یُخَاطِبُ الْمَاءَ وَیُکَاتِبُهٗ وَیُکَلِّمُ الْاَرْضَ وَیُؤَدِّبُهَا وَاِذَا قَالَ لَکَ الْمَغْرُوْرُ اَیْنَ اَصْلُ ذٰلِکَ فِی السُّنَّةِ قُلْ اَیُّهَا الْمُتَعَثِّرُ فِیْ اَذْیَالِ الْجَهَالَاتِ اَیُطَالَبُ الْفَارُوْقُ رضی اللہ عنہ بِاَصْلٍ ......الخ

طبقات الکبری ـ ج ۲، ص ۶۷، طبع ایضاً

ذرا غور سے دیکھو! حضرت عمر کی طرف کہ کیا شان ہے کہ پانی کو مخاطب کر رہے ہیں اسکی طرف مکتوب روانہ کر رہے ہیں زمین سے گفتگو کر رہے ہیں اور اسے ادب سکھا رہے ہیں اگر کوئی مغرور و متکبر تجھ سے کہے کہ اسکی اصل سنت میں کہاں ثابت ہے تو اس سے کہہ: جہالت کے دامنوں میں پاؤں پھنسا کر ٹھوکریں کھانیوالے! کیا حضرت فاروق اعظم سے بھی کسی اصل، دلیل کا مطالبہ کیا جائیگا؟۔

امام سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رائے میں، جہالت کے دامن میں پاؤں پھنسا کر ٹھوکریں کھانیوالے مغرور و متکبر ہی اہل اللہ تعالیٰ کے روحانی تصرفات کے منکر ہو سکتے ہیں۔

امام سبکی نے حضرتِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ کرامت بھی ذکر کی ہے کہ آپ کے زمانے میں ایک پہاڑ کے غار سے آگ نکلی (جیسے لاوا پھٹتا ہے) آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی کو حکم دِیا کہ وہ جا کر اُس آگ کو پہاڑ میں واپس کر دے۔ چنانچہ آپ نے اپنی چادر سے اس آگ کو پیچھے دھکیلا، یہاں تک کہ اسے غار کے اندر کر دیا۔(حتی ادخلها الکهف فلم تخرج بعدُ) (الطبقات للسبکی ج ۲، ص ۶۷)

خانصاحب گکھڑوی نے کھلے چیلنج کے بعد چند کتابیں ملاحظہ کرنیکی دعوت دی تھی، آپکی ذکر کردہ آخری کتاب جسکے مضمون "خرق عادات" مطالعہ کرنیکی دعوت دی اسکا کچھ بیان ناظرین کتاب کو پیش کر دیا ہے "مشتے نمونہ از خروار" اتنا ہی کافی ہے۔

تنبیہ: مؤلف راہِ ہدایت یا اُس کی ذرّیت اسناد کی بحث چھیڑ کر قاری کو تذبذب میں مبتلا نہ کریں، بلکہ یہ دیکھیں، کہ امام سبکی جیسے فضلاءِ اہل سنت کا نظریہ کیا ہے؟

حضرت امام شعرانیؒ اور کرامت:

نامعلوم کس بھلے مانس کے مشورہ سے خانصاحب اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ امام العارفین، امام عبدالوہاب بن احمد شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کے قائل ہیں کہ: معجزہ کے اظہار میں نبی اللہ علیہ السلام کو کسی بھی قسم کا اختیار نہیں ہوتا، نہ ہی ان کے قصد کا معجزہ سے کوئی تعلق ہے۔

اہل تصوف خصوصاً امام الواصلین شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے کلام کو پیش کرنے والے ائمہ تصوف امام شعرانی وغیرہ کے مطالب کو سمجھنے کے لئے صوفیائے کرام کی ذکر کردہ اصطلاحات کا صحیح مفہوم جاننا ضروری ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ کے کلام کو بہت مشکل سمجھا جاتا ہے وہ ایک ہی چیز کا اثبات کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس کی نفی بھی کرتے ہیں دونوں باتیں درست ہوتی ہیں کیونکہ دونوں کا محل اور مصداق الگ الگ ہوتا ہے۔ کرامت (خرقِ عادت) کے اختیاری وغیر اختیاری ہونے کے متعلق عبدالوہاب شعرانی کا کیا عقیدہ ہے؟ اسے سمجھنے کیلئے امام شعرانی کی۔ ''الیواقیت والجواھر فی بیان عقائد الاکابر'' سے چند مقامات اہل علم کے استفادہ کیلئے پیش کئے جاتے ہیں۔

ولی کامل کرامت کے اظہار پر قادر ہوتا ہے:

امام شعرانیؒ کی تفصیلی عبارات ملاحظہ فرمانے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کرامات پر صوفیانہ انداز میں بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

'' فَالْکَامِلُ مَنْ قَدَرَ عَلَی الْکَرَامَةِ وَ کَتْمِهَا '' (الیواقیت والجواھر ج ثانی ص ۳۵۹، طبع دار صادر بیروت)

پس ولی کامل وہ ہے جو کرامت کے اظہار اور اس کے چھپانے پر قادر ہو۔

امام شعرانی کا یہ کلام اپنے معنیٰ پر صریح الدلالت ہے کہ ولی کامل کرامت کے

اظہار پر قدرت رکھتا ہے اور اس میں یہ بھی حوصلہ ہوتا ہے اسے ظاہر نہ کرے۔ بلکہ اپنے اختیار کو پوشیدہ رکھے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں کاملین کرامت کے اظہار پر قادر ہونیکے باوجود اظہارِ کرامت کو پسند نہیں کرتے؛ کیونکہ انکی منزل نعمت کرامت نہیں ان کا مقصودِ اعظم، منعم حقیقی کا قرب ہے۔ (جیسا کہ الطبقات للسبکی کے حوالہ سے گذر چکا ہے)

اس پر یہ سوال ہوسکتا تھا کہ پھر کیا وجہ ہے کہ بعض کاملین سے کتنی ہی کرامات قصداً ظاہر ہوئی ہیں؟ اس کا جواب آپ نے یہ پیش فرمایا کہ ایسے اہل اللہ کرامات کا اظہار کسی خاص دینی مقصد کیلئے فرماتے اور یہ کہ کسی خاص فائدہ کیلئے انہیں اظہارِ کرامت کا حکم ہوتا ہے جس پر عمل کر کے وہ اظہارِ عبودیت کررہے ہوتے ہیں۔

جیسا کہ امام شعرانی ایک خاص معجزے کے قصداً اظہار پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" وَلِاَنَّهٗ كَانَ مَاذُوْنًا لَهٗ فِيْ اِظْهَارِ الْمُعْجِزَاتِ "

(الیواقیت والجواھر ج اوّل ص ۱۹۲ طبع ایضاً)

کیونکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا تھا، اجازت دی گئی تھی معجزات ظاہر کرنے کی۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس عُقدہ کا حل فرماتے ہیں کہ خلق (پیدا کرنا) اللہ تعالیٰ کی شان ہے تو کیا وجہ ہے کہ خَلق کی نسبت حضرت عیسیٰ روح اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف قرآن پاک میں کی گئی ہے؟

(خاتمہ) اِنْ قِيْلَ مَا الْمُرَادُ بِاِضَافَةِ الْخَلْقِ اِلٰى عِيْسٰى عليه الصلوٰة والسلام مَعَ اَنَّ عِيْسٰى فِيْ ذَالِكَ عَبْدٌ مَخْلُوْقُ الذَّاتِ وَمِنْ شَاْنِ الْمَخْلُوْقِ اَنْ لَّا يَخْلُقَ وَلَا يَقْدِرَ عَلٰى ذَالِكَ ؟

(خاتمہ) اگر کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف خلق پیدا کرنے کی اضافت فرمانے سے کیا مراد ہے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس معاملہ میں عبد، مخلوق الذات ہیں۔ مخلوق کی شان یہ ہے کہ کچھ خلق نہ کرے اور نہ ہی خلق پر قادر ہو

(فَالْجَوابُ) قَدْ صَرَّحَ الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ بِاَنَّ خَلْقَ عِيسٰى عَلَيْهِ الصلوٰة والسَّلام لِلطَّيْرِ اِنَّمَا كَانَ بِاِذْنِ اللهِ تَعَالٰى فَكَانَ عِيسٰى فِي ذَالِكَ كَالْمَلَكِ الَّذِي يُصَوِّرُ الْجَنِينَ فِي الرَّحِمِ بِاِذْنِ اللهِ

(امام شعرانی فرماتے ہیں) اس سوال کا جواب یہ کہ قرآن میں صراحۃً موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا پرندہ کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اس تصرف پر ایسے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے فرشتہ رحم مادر میں بچے کی صورت بناتا ہے۔

فَكَانَ خَلْقُهُ عَلَيْهِ الصلوٰة وَالسَّلَامُ ، لِلطَّيْرِ مِنْ جُمْلَةِ الْعِبَادَةِ الَّتِي يَتَقَرَّبُ بِهَا إِلَى اللهِ تَعَالٰى لِاِذْنِهٖ تَعَالٰى لَهٗ فِي ذَالِكَ

(اليواقيت والجواهر الجز الاوّل ص ٢٦٣ تا ٢٦٦) (اليواقيت والجواهر ج ١ ص ١٩٥ طبع دار صادر بيروت

چونکہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بناتے تھے آپ کا یہ تصرف ان عبادات میں شامل ہے جن سے قرب الٰہی حاصل کیا جاتا ہے، یعنی اظہارِ معجزات اطاعت الٰہی کا مظاہرہ تھا۔

حضرت امام شعرانیؒ نے اس کلام میں جو وضاحت کی ہے اسکا ایک نکتہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خلق کے تصرف سے اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالا رہے تھے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم بجالا کر اسکی اطاعت گزاری کا مظاہرہ کررہے تھے۔ اس معجزانہ تصرف میں بھی ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت کا اعتراف اور اپنی عبودیت کا اظہار کرنا تھا۔

قرآنِ حکیم میں باذن اللہ یا باذنی کا اس مقام پر جو ذکر آتا ہے یہاں اذن بمعنی ''حکم'' ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانا واجب ہے۔ اگرچہ ان معجزات کے اظہار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت وشرف کا بھی اظہار ہورہا تھا، مگر آپ کا مقصد اپنی عظمت کا اظہار نہیں تھا، بلکہ آپ کی منزل، اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری تھی۔ بایں طور آپ اظہارِ معجزہ سے عبادت کررہے تھے۔ عبادت گزاری میں اَصل یہی ہے کہ بندہ اپنے قصد واختیار سے فعل

عبودیت بجالائے تا کہ اجر وثواب اور رضوان کا انعام پائے۔

(''باذن اللہ'' پر بحث باب اوّل معجزاتِ عیسیٰ علیہ السلام میں ملاحظہ فرمائیں)

کیا کلمہ کن کے ساتھ کسی کو تصرف کا اختیار دیا گیا؟

1: امام شعرانی قدس سرہ النورانی اس مسئلہ پر بحث فرماتے ہوئے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے خواص، مقبولوں کو بہت سے کمالات دیئے ہیں تو کیا ''کُن'' کے ساتھ تصرف کرنے کا مرتبہ بھی کسی مقرب کو بخشا ہے؟ اس مسئلہ کو سوال و جواب کی صورت میں آپ نے یوں پیش فرمایا:

(فَاِنْ قِيلَ) فَاِذَا اَعْطَى الْحَقُّ تَعَالٰى بَعْضَ خَوَاصِّهٖ فِي هٰذِهِ الدَّارِ حَرْفَ كُنْ هَلْ يَتَصَرَّفُ بِهَا اَمِ الْاَدَبُ تَرْكُهٗ؟ (فَالْجَوَابُ): كَمَا قَالَهُ الشَّيْخُ فِي الْبَابِ السَّابِعِ وَالسَّبْعِيْنَ وَمِائَةٍ: اِنَّ مِنْ اَدَبِ اَهْلِ اللهِ تَعَالٰى اِذَا اَعْطَاهُمُ اللهُ تَعَالٰى التَّصَرُّفَ بِلَفْظَةِ كُنْ فِي هٰذِهِ الدَّارِ لَا يَتَصَرَّفُوْنَ بِهَا لِاَنَّ مَحِلَّهَا الدَّارُ الْاٰخِرَةُ وَلٰكِنَّهُمْ جَعَلُوْا مَكَانَ لَفْظَةِ كُنْ

اگر کہا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض خواص کو کلمہ ''کُن'' کے ساتھ تصرف کرنے کا اختیار دارِ دُنیا میں دیا تو کیا وہ کُن کے ساتھ تصرف فرماتے ہیں یا (اجازت کے باوجود) ادباً ایسا تصرف نہیں فرماتے۔
تو اس کا جواب حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے باب ۱۷۷ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حضورِ اقدس اہل اللہ کے اَدب کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کلمہ کن کے ساتھ تصرف اس جہان میں جب انہیں عطا فرمادے تو وہ اس طرح تصرف نہ فرمائیں کیونکہ اس طرح کے تصرف کے اظہار کا موقع ومحل دارِ آخرت ہے، لیکن جب انہیں ایسے تصرف کی نعمت عطا کی گئی

بِسْمِ اللّٰهِ لِيَكُونَ التَّكْوِيْنُ لِلّٰهِ تَعَالٰى ظَاهِراً كَمَا هُوَ لَهُ تَعَالٰى بَاطِناً	تو وہ کلمہ کن کی بجائے بسم اللہ ادا فرماتے ہیں تا کہ ظاہر میں بھی تکوین اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جیسے باطناً (حقیقتاً) اس کیلئے ہے۔

(الیواقت والجواهر جز اوّل ص ۱۹۶ طبع ایضاً)

امام شعرانی کا مسلک وموقف روشن وعیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو خرقِ عادت (مافوق الاسباب) تصرفات کا اختیار ہونا۔ان پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے وہ اس جہاں میں بھی متصرف ہیں اور آخرت میں تو ان کی شان ہی کچھ اور ہوگی اہل اللہ اس جہان میں بھی اللہ تعالیٰ کے بندے اور آخرت میں بھی اُسی کے عبد ومملوک ہیں، اللہ کی عطا کردہ قوت سے تصرفات کرنا خاصہ اُلوہیت نہیں ،عطیہ خداوندی ہے بلکہ ایسا تصرف اللہ تعالیٰ کے حضور عبودیت کا اظہار ہے۔

حضرت شیخ نے پہلے بیان کیا کہ بعض اہل اللہ کو حرف کن کے ساتھ تصرف کی قدرت عطیہ ءخداوندی ہے مگر ادباً وہ اس کا اظہار نہیں فرماتے۔اس پر شبہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کیلئے ثابت ہے کہ آپ نے لفظ کن کے ساتھ تصرف فرمایا جبکہ مقام ادب میں آپ ﷺ سب سے بڑھ کر ہیں، عظمتِ خداوندی کا جتنا آپ کو عرفان ہے اتنا اور کسی کو نہیں، تو کیا وجہ ہے کہ آپ نے اس طرح تصرف کا اظہار فرمایا؟

امام شعرانی نے اس مسئلہ پر اظہار رائے ان الفاظ سے کیا۔

(فَاِنْ قِيْلَ) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَكْثَرُ الْخَلْقِ اَدَباً وَقَدْ اِسْتَعْمَلَهَا فِي بَعْضِ الْغَزَوَاتِ . (فَالْجَوَابُ) : اِنَّمَا اِسْتَعْمَلَهَا ﷺ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ بِحَضْرَةِ اَصْحَابِهِ بَيَاناً لِلْجَوَازِ وَلِاَنَّهُ كَانَ مَاْذُوناً لَهُ فِي اظْهَارِ الْمُعْجِزَاتِ وَهٰذِهِ الْمَسْئَلَةُ مِنْ قَبِيْلِهَا .	اگر کہا جائے بیشک رسول اللہ ﷺ ساری مخلوق سے زیادہ ادب والے ہیں حالانکہ آپ نے بعض غزوات میں لفظ کن کے ساتھ تصرف فرمایا۔تو اسکا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے غزوہ تبوک میں بیان جواز کیلئے کلمہ کن کا استعمال فرمایا اور یہ کہ بیشک آپ ﷺ معجزات کے اظہار پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماذون تھے یہ مسئلہ اسی قبیل سے ہے۔

فَقَالَ ﷺ "کُنْ اَبَاذَرٍ" فَکَانَ اَبَاذَرٌ آپ ﷺ نے فرمایا: ابوذر ہوجا، تو وہ ابوذر
وَقَالَ لِعَسِیْبِ النَّخْلِ: کُنْ سَیْفاً تھا۔ آپ نے کھجور کی شاخ کو حکم دیا تلوار
فَکَانَ سَیْفاً۔ ہوجا! وہ تلوار بن گئی۔

الیواقیت والجواھر الجز الاوّل ص۱۹۶، طبع ایضاً

آپ کے کلام کا خلاصہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو معجزات کے ظاہر کرنے کا حکم تھا اسی وجہ سے آپ معجزات ظاہر فرماتے اور آنخضور ﷺ نے کلمہ کن کے ساتھ بھی تصرف فرمایا: ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ۔

ممکن ہے خانصاحب قارئین کے ذہن کو مذبذب کرنے کیلئے جرح و تعدیل کی بحث چھیڑ کر اصل استدلال سے رُخ پھیرنے کی کوشش کرے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ میرا استدلال ابوذر یا ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے واقعات یا روایت عسیب النحل کی روایت سے نہیں بلکہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اور امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے نظریہ و عقیدہ سے ہے۔

حضرت امام شعرانی کا کلام اس حوالہ سے بھی بالخصوص پیش کیا جارہا ہے کہ مؤلف راہ ہدایت نے یہ بتانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ حضرت امام شعرانی کسی بھی معجزہ کو نبی اللہ علیہ السلام کا مقدور نہیں مانتے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اور امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قدرت عبد کے بارے میں کیا تصور ہے؟ اس سلسلہ میں امام شعرنی کا کلام نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے معجزۂ خلق طائر (پرندہ بنانے) سے خیال اس طرف جاتا ہے کہ کیا پرندہ ہی خلق کیا جاسکتا ہے یا انسان بھی؟ اسے آپ نے اس عبارت میں ذکر فرمایا۔

(فَاِنْ قُلْتَ): فَھَلْ یَصِحُّ لِاَحَدٍ مِنَ الْخَلْقِ اَنَّہٗ یَخْلُقُ اِنْسَاناً بِاِذْنِ اللّٰہِ تَعَالٰی اَمْ غَایَۃُ اَمْرِ الْخَلْقِ اَنْ یَّخْلُقُوا الطَّیْرَ کَمَا وَقَعَ لِعِیْسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ، فِیْ خَلْقِہِ الْخُفَّاشَ؟

(فَالْجَوَابُ) اَنَّ هٰذَا السُّوَالَ اَوْرَدَهُ الشَّيْخُ مُحْيُ الدِّيْنِ فِي الْبَابِ الْخَامِسِ وَالثَّلاثِيْنَ وَثَلاثَمِائَةِ: وَلَفْظُه'. اِذَا خَلَقَ الْاِنْسَانُ بِاِذْنِ اللهِ تَعَالٰى اِنْسَاناً لَوْ فُرِضَ فَهَلْ هُوَ اِنْسَانٌ اَوْ حَيْوَانٌ فِي صُوْرَةِ جِسْمِ اِنْسَانٍ لِاَنَّ اللهَ تَعَالٰى أَعْجَزَ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ اَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَاباً وَلَوِاجْتَمَعُوْا لَه' فَضْلاً عَنْ صُوْرَةِ اِنْسَانِ الَّتِيْ هِيَ أَكْمَلُ الصُّوَرِ وَلٰكِنْ قَدْ ذَكَرَ لَنَا فِي الْفَلاحَةِ النَّبَطِيَّةِ أَنَّ بَعْضَ الْعُلَمَاءِ بِعِلْمِ الطَّبِعِيَّةِ كَوَّنَ مِنَ الْمَنِيِّ الْاِنْسَانِيِّ بِتَعْفِيْنٍ خَاصٍ عَلٰى وَزْنٍ مَخْصُوْصٍ مِنَ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ اِنْسَانًا بِالصُّوْرَةِ الْاٰدَمِيَّةِ وَاَقَامَ سَنَةً يَفْتَحُ عَيْنَه' وَيُغْلِقُهَا وَلَا يَتَكَلَّمُ وَلَايَزِيْدُ عَلٰى مَا يَتَغَذّٰى بِه شَيْئاً فَعَاشَ سَنَةً وَ مَاتَ قَالَ الشَّيْخُ : فَلااَدْرِيْ أَكَانَ اِنْسَاناً حكمه حُكْمٌ أَخْرَسَ اَوْ كَانَ حَيْوَاناً فِيْ صُوْرَةِ اِنْسَانٍ. اِنْتَهٰى . وَاللهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ .

(الیواقیت والجواهر الجز الاوّل ص ١٩٦ طبع ابد)

حضرت شیخ کی اس عبارت کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مؤلف راہِ ہدایت امام شعرانی کی کسی ایک عبارت کو دیکھ کر اپنے مطلب کا معنیٰ نہ پہنائیں بلکہ ان کی ان واضح عبارات کی روشنی میں توجیہہ بیان کریں۔

2: ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ اور تصرفات:

محدث شہیر علی بن سلطان المعروف بملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مشکوٰۃ کی شرح "مرقات المفاتیح" میں مسئلہ غیب پر بحث کے دوران نفی واثبات کے دلائل میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَاَمَّا عَنِ الثَّانِيْ فَلِاَنَّ لِلْغَيْبِ مَبَادِئُ وَلَوَاحِقُ فَمَبَادِيْهِ لَايَطَّلِعُ عَلَيْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ .وَاَمَّا اللَّوَاحِقُ فَهُوَ مَا أَظْهَرَهُ اللهُ عَلٰى بَعْضِ اَحِبَّاءِهٖ لَوْحَةَ عَمَلِهٖ وَخَرَجَ ذَالِكَ عَنِ الْغَيْبِ الْمُطْلَقِ وَ صَارَ غَيْبًا اِضَافِيًّا وَ ذَالِكَ اِذَا تَنَوَّرَ الرُّوْحِ

دوسرے سوال کا جواب۔ پس غیب کیلئے مبادی و لواحق ہیں مبادی پر ملک مقرب اور نبی و مرسل بھی مطلع نہیں۔ البتہ لواحق تو وہ غیب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض محبوب بندوں پر ان کے عمل کے نور سے ظاہر فرمایا (اللہ تعالیٰ کی عطا کی وجہ سے) وہ غیب مطلق نہ رہا، غیب اضافی ہوگیا (یعنی اسے غیب سب مخلوق کی وجہ سے نہیں کہا جائے گا بلکہ بعض کے اعتبار سے غیب کہا جاتا ہے) اسکی وجہ یہ ہے

الْقُدْسِيَّةُ وَازْدَادَ نُوْرِيَّتُهَا وَاِشْرَاقُهَا بِالْاَعْرَاضِ عَنْ ظُلْمَةِ عَالَمِ الْحِسِّ وَ تَحْلِيَةِ مِرْآةِ الْقَلْبِ عَنْ صَدَاِ الطَّبِيْعَةِ وَالْمُوَاظِبَةِ عَلَى الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ وَفَيْضَانُ الْاَنْوَارِ الْاِلٰهِيَّةِ حَتّٰى يَقْوٰى النُّوْرُ وَيَنْبَسِطُ فِي فِضَاءِ قَلْبِهٖ فَتَنْعَكِسُ فِيْهِ النُّقُوْشُ الْمُرْتَسِمَةُ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَيَطَّلِعُ عَلَى الْمُغَيَّبَاتِ وَيَتَصَرَّفُ فِي اَجْسَامِ الْعَالَمِ السِّفْلِيِّ بَلْ يَتَجَلّٰى حِيْنَئِذٍ الْفَيَّاضُ الْاَقْدَسُ بِمَعْرِفَتِهِ الَّتِي هِيَ اَشْرَفُ الْعَطَايَا فَكَيْفَ بِغَيْرِهَا؟

کہ خاصانِ حق جب عالم محسوسات کی ظلمتوں سے منہ پھیر لیتے ہیں اور میل وکچیل سے آئینہ دل کو صاف کر کے دل کو چمکانے اور علم وعمل پر مواظبت کرنے اور مسلسل انوارِ الٰہیہ کے فیضان سے نور قوی ہو کر قلب کی فضا میں پھیل جاتا ہے تو اسکی بدولت لوح محفوظ کی تحریر کا عکس ان کے دل پر پڑتا ہے تو کاملین مغیبات پر مطلع ہوجاتے ہیں (اور اسی نورِ خاص کی بدولت) عالم سفلی میں تصرف بھی فرماتے ہیں، انہیں اتنا ہی کمال نہیں ملتا بلکہ فیاض اقدس جل شانہ، اپنی معرفت کی تجلیات اُن پر فرماتا ہے، جو بہت اعلیٰ عطیہ ہے (جب انہیں یہ نعمت نصیب ہے) تو اس کے سوا کا کیا کہنا؟

مرقات ص ۶۲ جلد اوّل مکتبہ امدادیہ ملتان)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علم غیب اور تصرفات کے مسئلہ میں اپنا مسلک پوری وضاحت کے ساتھ تحریر فرما دیا، کہ جب صالحین دُنیا کی آلائشوں سے دامن بچا کر آتش محبت سے دِلوں کو صیقل کرتے اور انوار قدس سے ارواح کو مجلّٰی فرماتے ہیں تو وہابِ حقیقی فیاضِ اقدس جل شانہ، ان کو خصوصی تجلیات سے نوازتا ہے۔ جس کی بدولت لوح محفوظ کا عکس اُن کے قلب کے آئینہ پر پڑتا ہے، وہ مغیبات پر مطلع ہوتے ہیں، اِن اَنوارِ قدس کی وجہ سے اُن میں ایسی روحانی قوتیں پیدا ہوتی ہیں جن کی بدولت جہان میں تصرف فرماتے ہیں جب فیاضِ اقدس کی معرفت وتجلی کی عظیم تر نعمت اُنہیں عطا ہوتی ہے تو دیگر کمالات کا کیا کہنا جو کہ اِس کی بنسبت کم تر ہیں۔ ایسا انداز استدلال امام رازی کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے۔

عارف باللہ تعالیٰ امام جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل اشعار میں
اسی حقیقت بالا کا ذکر ہے۔

صاف کن آئینہ دِل از غُبار — آتش زن دَر دِلِ اِیں بے قرار
لوحِ محفوظ است پیش اولیاء — اَز چہ محفوظ است محفوظ اَز خطاء
اولیاء را ہست قدرت از اِلٰہ — تیر جستہ باز گرداند زِ رَاہ

3: شیخ محقق اور تصرفات

برکت المصطفیٰ ﷺ فی الھند شیخ المحدثین امام الاصفیاء والربانیین شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض عبارات سے مؤلف راہ ہدایت نے یہ نتیجہ کشید کیا ہے کہ حضرت شیخ کی تحقیق میں خرقِ عادات امور، معجزہ و کرامت صرف اللہ تعالیٰ کا فعل و تصرف ہے۔ انبیاء و اولیاء کے قصد و اختیار کا اُن کے اظہار میں کوئی تعلق نہیں۔ ایسا تصرف اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے، کسی بھی خلافِ عادت تصرف کی طاقت وقوت انبیاء و اولیاء کو عطا نہیں ہوئی۔

قارئین پڑھ چکے ہیں کہ حقیقت معجزہ میں اہل علم کا اختلاف ہے، بعض فضلاء کی یہ رائے ہے کہ معجزہ حقیقۃً اس قوت کا نام ہے جس کے باعث خرق عادت امور وحرکات ظاہر پذیر ہوتے ہیں۔ وہ قدرت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے، اسی کا فعل ہے۔ نبی یا ولی کو اس کی تخلیق و ایجاد میں کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔ اس قوت کا وجود صرف اللہ تعالیٰ کے تصرف سے ہے۔ اسی سے عجز کا معنی پایا جاتا ہے اس لئے اسے ہی معجزہ کہا جائے گا۔

اس رائے کے اعتبار سے معجزات صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جیسا کہ سید شریف اور دیگر متکلمین کے حوالہ سے گذر چکا ہے۔ اسی اعتبار سے شیخ محقق نے معجزہ کو صرف اللہ تعالیٰ کا فعل قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی پہلے گذر چکا ہے کہ معجزہ کے دوسرے معنی کے اعتبار سے جو

اہل علم معجزہ اور کرامت کو نبی یا ولی کے قصد و اختیار اور ارادہ سے کہتے ہیں جیسا کہ سید شریف، امام غزالی، امام رازی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر اہل علم بلکہ حزب مخالف کے اکابرین کے بہت سے حوالہ جات سے ثابت کیا گیا ہے۔ ان حضرات کی رائے میں بھی سب معجزات اختیاری نہیں۔ معجزات و کرامات قصد و اختیار سے بھی ہیں اور بعض معجزات و اختیارات غیر اختیاری غیر قصدی۔ انہی بعض معجزات اور ایسی ہی کرامات کے حوالہ سے ان کو غیر اختیاری قرار دیا جا سکتا ہے۔

حضرت شیخ کی اس عبارت میں اسی اختلاف کی طرف اشارہ ہے۔

حق جواز و قوع است بقصد و اختیار و بے قصد و جنس معجزہ وغیر معجزہ (اشعة اللمعات)

یعنی حق بات یہ ہے کہ کرامت کا وقوع قصد و اختیار سے بھی ہے اور بغیر قصد کے بھی نیز معجزہ کی جنس سے بھی واقع ہوتی ہے۔

کلام مذکورہ سے معلوم ہوا کہ کرامات اختیاری اور اضطراری دونوں طریق پر صادر ہوتے ہیں۔

شیخ محقق اُن صالحین اور مصنفین میں شامل ہیں کہ جن کے کلام و قلم کو اللہ تعالیٰ نے تضاد سے محفوظ رکھا اور ویسے بھی تحقیق کا تقاضا یہی ہے کہ کسی صاحب کے کلام کا مفہوم اس کے دوسرے کلام کو ملحوظ رکھ کر لینا چاہئے۔ یہ کہہ دینا کہ حضرت شیخ محقق کی رائے میں انبیاء و اولیاء معجزہ و کرامت...... جنہیں خرق عادت امور کہا جاتا ہے...... کے اظہار میں بے اختیار ہیں۔ ان سے اس قسم کے امور غیر اختیاری و اضطراری طور پر صادر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ رعشہ والے کے ہاتھ کی حرکات یا کاتب کے ہاتھ میں قلم کی حرکت، یہ بظاہر متحرک تو دکھائی دیتے ہیں مگر ان حرکات میں اس آدمی اور قلم کا کوئی اختیار و تصرف نہیں۔ ایسا کہنا بالکل غلط ہے؛ کیونکہ حضرت شیخ کا کلام اس تصور کی نفی کرتا ہے۔ آپ کے کلام کو سمجھنے کیلئے آپ ہی کے کلام کو بطور تفسیر و توضیح پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بہت سے حوالہ جات میں سے چند ایمان افروز محبت وعقیدت افزا عبارات پیش کی جاتی ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے۔

1: معلوم میشود کار همه بدست همت و کرامت اوست ﷺ هر چه خواهد هر کرا خواهد باذن پروردگار خود بدهد

(اشعة اللمعات ج اوّل ص ۳۹۶، کتب خانه مجیدیه ملتان)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کام (تمام امور) رسول اللہ ﷺ کے دست کرم میں ہیں، جو چاہیں، جس کیلئے چاہیں۔اللہ کے اِذن سے عطا کریں۔

2: داد خدائے تعالٰی عزت وقدرت و مکنت و مدد ونصرت و قوت و شوکت که برهمه بالا برآمد کار او وبرهمه بیشی گرفت اختیار او لاوالله سوگند بخدائے که مسخر گردانید او را ایں همه امور شک نمی کند دریں هیچ عاقلے.

(مدارج النبوة ج ۱ ص ۲۱۰ مطبوعه نول کشور
مدارج النبوة جلد ۱ ص ۱۷۴، باب ششم معجزات
طبع مرکز اهل سنت برکاتِ رضا گجرات

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو سب سے بڑھ کر عزت وقدرت، طاقت و مدد، قوت اور شوکت عطا فرمائی رسول اللہ ﷺ کا کام اور اختیار سب سے بڑھ کر ہے۔ اللہ کی قسم یہ چیزیں آپ کے لئے مسخر کردی گئیں کسی عقل مند کو اس میں شک نہیں

یعنی رسول اللہ ﷺ کو عزت وعظمت وشوکت اور ایسے وسیع اختیارات حاصل ہیں جن میں کسی عقل مند کیلئے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کیلئے مسخر ہے، اس صداقت کے تسلیم کرنے میں کسی عقلمند کیلئے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

3: تصرف وے ﷺ بتصرف الٰهی جل جلاله و عم نواله زمین وآسمان را شامل است بلکه تمام شراب ها و طعام هائے دنیا

اللہ تعالیٰ کے تصرف سے آں حضور ﷺ کا تصرف زمین وآسمان کو شامل ہے بلکہ دنیا وآخرت کے تمام مشروب، طعام، حسی و

و آخرت و ارزاق حسی ، روحانی و نعمت ھائے ظاھری و باطنی بواسطه وطفیل آن حضرت است .
ع آخراے باد صبا ایں همه آورده تست
(مدارج النبوه ج ا ص ۴۷۷، ۴۷۸)

روحانی ورزق ظاہری اور باطنی نعمتیں آپ ہی کے واسطہ اور طفیل سے ہیں۔
اے بادِ صبا یہ سب کچھ تیرا لایا ہوا ہے۔

حقیقی مالک ومختار جل جلالہ، وعم نوالہ نے اپنے حبیب معظم ﷺ کو زمین وآسمان میں متصرف ومختار بنایا۔

فائدہ : صرفی تصرف کی وجہ سے مختار کے دو معنی ہیں اختیار والا۔ اختیار دِیا ہوا، چنا ہوا اللہ تعالیٰ اختیار والا مختار ہے، اختیار دِیا ہوا مختار ہرگز نہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ اختیار دیئے ہوئے بھی مختار ہیں اور اختیار والے مختار بھی۔ مختلف جہت کی وجہ سے آپ کی شان میں فاعل ومفعول دونوں صیغوں کا استعمال درست ہے۔ مختار بصیغہ مفعول اللہ تعالیٰ کی صفت ہوسکتی ہی نہیں بلکہ اسے مختار (اختیار دِیا ہوا) کہنا، ماننا کفر بواح، جبکہ رسول اللہ ﷺ کو اختیار دِیا ہوا مختار کہا جاتا ہے تو آپ ﷺ کو مختار کہنا ماننا شرک کیسے ٹھہریگا؟ اس میں تو شرک کا ادنیٰ رائحہ تک نہیں۔ اس مسئلہ کی وجہ سے اہل سنت پر شرک ،شرک کے فتوے کی رَٹ لگانیوالے کچھ تو اللہ تعالیٰ کا خوف کریں۔

4: تصرف و قدرت سلطنت وے ﷺ زیاده بران بود و ملک و ملکوت و جن وانس و تمامه عالم بتقدیر و تصرف الٰهی عز و علا در حیطه قدرت و تصرف وے بود .
(اشعة اللمعات جلد ا ص ۴۶۳)

حضور ﷺ کا تصرف، آپ کی قدرت و سلطنت حضرت سلیمان علیہ السلام کی قدرت وسلطنت سے زیادہ تھی، ملک وملکوت، جن وانس اور سارا جہاں، اللہ کے تصرف اور اُس کے تابع کر دینے سے رسول اللہ ﷺ کی قدرت وتصرف کے احاطہ میں تھے۔

مزید فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے اختیار وتصرفات سیدنا سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ

والسلام کے تصرفات واختیارات سے بڑھ کر تھے۔ آنحضور پُرنور ﷺ اللہ تعالیٰ کی عطا سے تمام عالم میں متصرف ہیں۔

5: زیرا که همه از خدا است و خدا د ر همه جا پیغمبر خود را تصرف داده است.
(اشعة اللمعات جلد ۳ ص ۷۶ مطبع نولکشور)

کیونکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو سب جگہوں پر تصرف فرمانے کا اختیار عطا فرمایا ہے۔

ع یعنی محبوب ومحبّ میں نہیں میرا تیرا

6: ولیکن قدرت و قرب، وقوتِ تصرفِ پیغمبرِ ما ﷺ در کائنات و قرب عزت او در حضرت صمدیت بیش ازاں (از قدرت و تصرف سلیمان علیه السلام) بود وایں قوت و تصرفات آں حضرت ﷺ را تمام بود.
(شرح سفر السعادة ص ۴۴۲ مکتبه نوریه رضویه سکھر پاکستان)

ہمارے نبی ﷺ کی قدرت اور کائنات میں تصرف کی قوت اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت وقرب، سلیمان علیہ السلام کی قدرت اور تصرف اور عزت سے زیادہ تھی اور یہ قوت اور تصرفات حضور ﷺ کو مکمل علی وجہ الاتم حاصل تھے۔

7: چوں روح مقدس حضرت ﷺ جان همه عالم ست باید که در همه اجزائے عالم متصرف باشد.
(اخبار الاخیار صفحه ۲۵۵ اخبار میر سید عبدالاوّل)

یعنی حضور ﷺ کی روح مقدس تمام جہان کی جان ہے، تو اس کا تمام اجزائے عالم میں متصرف ہونا مسلم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم جانِ کائنات ہیں آپ کی روحانیت کائنات کے ذرہ ذرہ میں حاضر ہے، اس لئے کائنات کی ہر چیز میں آپ متصرف ہیں۔

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کے اِن ایمانی وعرفانی ارشادات...... جن میں نبی مکرم شفیع معظم باعث ایجادِ عالم ﷺ کی قوت وقدرت، وسیع سلطنت اور خرق عادت تصرفات کا بیان ہے ...... کے بعد یہ کہنا کہ حضرت شیخ کے خیال میں رسول اللہ ﷺ کو خرقِ عادت امور میں اللہ تعالیٰ نے کوئی اختیار عطا نہیں کیا۔ آفتابِ نیم روز کا انکار کرنا ہے۔

اولیاء کرام کے تصرفات، شیخ محقق رح کی نظر میں:

حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ اولیاء کرام کے خرقِ عادت تصرفات (کرامات) بعد از وصال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

8: و اولیاء را کرامات و تصرف در اکوان حاصل است و آں نیست مگر ارواح ایشان را و ارواح باقی است .	اور اولیائے کرام کو کرامات اور کائنات میں تصرف حاصل ہے، یہ تصرف ان کی روحوں کا ہے، اور رُوحیں باقی ہیں۔

(اشعۃ اللمعات صفحہ ۷۱۶ جلد اوّل، مطبع نولکشور)

غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے تصرفات وکرامات:

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے غوث الاغیاث قطب الاقطاب محبوب سبحانی شیخ سید عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال وکمالات بیان کرتے ہوئے آپ کے خرقِ عادت تصرفات، اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اختیارات اور کراماتِ عالیہ جاریہ کے بارے میں جس نظریہ وعقیدہ کا اظہار کیا ہے، آپ کی فارسی عبارت کا ترجمہ علمائے دیوبند کی قلم سے پیش کیا جاتا ہے:

اخبار الاخیار میں آپ نے فرمایا:

"شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا" شیخ عبدالقادر جیلانی بادشاہ طریقت اور موجودات میں تصرف کرنے والے تھے اور منجانب اللہ آپ کو تصرف کرامتوں کا ہمیشہ اختیار رہا۔

امام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ کا ارشاد ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامتیں حد تواتر تک پہنچ گئی ہیں۔ غرضیکہ آپ سے لاتعداد کرامتیں ظاہر ہوئیں ...... مخلوقات کے ظاہر و باطن میں تصرف کرنا، انسان اور جنات پر آپکی حکمرانی،

لوگوں کے راز اور پوشیدہ امور سے واقفیت ، عالم ملکوت کے بواطن کی خبر، عالم جبروت کے حقائق کا کشف ، عالم لاہوت کے سربستہ اسرار کا علم ، مواہب غیبیہ کی عطاء، باذن اللہ حوادث زمانہ کا تصرف و انقلاب، مارنے اور جلانے کے ساتھ متصف ہونا، اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرنا، مریضوں کی صحت، بیماروں کی شفاء، طی زمان و مکان، زمین و آسمان پر اجرائے حکم، پانی پر چلنا، ہوا میں اُڑنا، لوگوں کے تخیل کا بدلنا، اشیاء کی طبیعت کا تبدیل کرنا، غیب کی اشیاء کا منگانا، ماضی اور مستقبل کی باتوں کا بتلانا، اور اس طرح کی دوسری کرامات مسلسل اور ہمیشہ عام و خاص کے درمیان، ...... آپ کے قصد و ارادہ سے بلکہ اظہار حقانیت کے طریقہ پر ظاہر ہوئیں اور مذکورہ کرامتوں میں سے ہر ایک کے متعلق اتنی روایات و حکایات ہیں کہ زبان و قلم اِن کے احاطہ سے قاصر ہیں۔

(اخبار الاخیار اُردو ترجمہ از مولانا سبحان محمود صاحب استاد الحدیث دار العلوم و مولانا محمد فاضل صاحب طبع مدینہ پبلشنگ کمپنی بند روڈ کراچی ص ۴۴، ۴۵)

حضرت محدث دہلویؒ کے نظریہ میں سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو، حوادثات زمانہ میں تصرف و انقلاب، زمان و مکان، زمین و آسمان پر حکمرانی، مارنے، زندہ کرنے کا اختیار، بطور خرقِ عادت (کرامت) پانی پر چلنا، ہوا میں تیرنا، ذہنی تخیلات کو توجہ سے بدل دینا، غیب سے اشیاء کا حاضر کرنا، ماضی و مستقبل کی چھپی باتیں بتانا، انسانوں اور جنات پر حکمرانی فرمانا وغیرہ، اس طرح کے تصرفات اور کرامات اختیاری کا اظہار اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل تھے اور ان کرامات کے اظہار سے اپنی حقانیت و سچائی کا بیان کرنا مقصود تھا۔

سرکارِ غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ عجیب و غریب خرقِ عادت تصرفات کمالات تواتر سے ثابت ہیں، جن میں شک و شبہ کرنے کی ذرا بھی گنجائش نہیں۔ تعداد میں اتنے زیادہ ہیں کہ زبان و قلم اِن کے احاطہ سے قاصر اور عاجز ہیں۔

سبحان اللہ العظیم! اللہ کریم نے اپنے اس محبوب بندے کو جن کمالات سے نوازا انہیں کون شمار کر سکتا ہے؟

کیا فرماتے ہیں راہ ہدایت کے مؤلف خانصاحب؟ ان بزرگانِ دین خصوصاً شیخ محقق کے بارے میں اُنکے نظریات وعقائد برحق ہیں، اہل سنت کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہیں تو راہ ہدایت میں دیئے گئے باطل فتووں کا کیا حکم ہے؟

خانصاحب کا اب بھی اگر یہی خیال ہے کہ راہ ہدایت کے فتوے درست ہیں میرے خیال میں درست ہی سمجھ کر لکھے ہوں گے تو ان صالحین، کاملین، محدثین، متکلمین کے بارے میں خاکم بدہن کیا کہتے ہیں؟

خانصاحب اگر کہیں کہ شیخ محقق کی مذکورہ بالا عبارات کو درست مانتا ہوں، مگر کرامت کو ولی کا اختیاری تصرف ہرگز نہیں مانتا تو میرے خیال میں کسی بحث میں پڑے بغیر ان کا اتنا مان لینا ہی کافی ہے۔ کرامات کو اختیاری کہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

"جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا"

4: شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور تصرفات واختیارات:

خلیفہ اوّل سیدنا آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام کے تصرف واختیار کے بارے میں خاتم المحدثین شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر عزیزی میں آیت کریمہ ﴿انی جاعل فی الارض خلیفہ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بہ تحقیق من گردانندہ ام در زمین خلیفہ را کہ خلافت من نماید و در اشیاء زمین تصرف کند وچون تصرف در اشیاء زمین بدون تصرف در اسباب آں اشیاء.....الخ

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بتحقیق میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں جو میرے خلیفہ کے طور پر زمین کی چیزوں میں تصرف کرے جبکہ زمین کی اشیاء میں تصرف کرنا اس کے بغیر متصور نہیں کہ ان کے اسباب میں جو کہ آسمان کے ساتھ مربوط ہیں اس میں تصرف کرے۔

اگرچہ وہ خلیفہ زمین کے عناصر سے پیدا ہو اور کون ومکان کے محل میں رہائش رکھتا

ہو، مگر میں اس میں آسمانی روح پھونکوں گا جس کے سبب وہ آسمان کے رہنے والوں اور کواکب کے مؤکلوں پر بھی حکمرانی کرے اور ان کو اپنے کام میں مصروف رکھے۔ جیسا کسی شاعر نے کہا ہے: اگرچہ مست خانے کا گدا ہوں لیکن میری شان مستی کے وقت دیکھ کہ آسمان پر ناز اور ستاروں پر حکمرانی کرتا ہوں۔

تفسیر عزیزی فارسی ص ۱۵۵ مطبوع افغانی دار الکتب دھلی

یعنی حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام عام انسانوں کی طرح نہیں، بلکہ قادر مطلق اللہ جل شانہ، کے کمالات کے مظہر اور اس کے خلیفہ ہیں، منصب خلافت کا تقاضا ہے کہ وہ زمین و آسمان میں تصرف کرنے کے مُجاز ہوں، کواکب اور ان کے مؤکلوں پر حکمران ہوں۔

اسی بحث کو بڑھاتے ہوئے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"باز اورا قدرتے دادند کہ نمونہ قدرت خوداست ......الخ

تفسیر عزیزی فارسی ص ۱۵۵ مطبوع افغانی دار الکتب دھلی

یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے اس خلیفہ کو ایسی قدرت دی جو اس کی قدرت کاملہ کا نمونہ ہے بایں معنیٰ کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ حقائق متاصلہ ثابت الآثار کا سبب ہے اس خلیفہ کی قدرت بھی جمع وتفریق، تحلیل و ترکیب، حکایت وتصویر و دیگر بیشمار مصنوعات کا سبب ہے

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت سیدنا آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے بارے میں یہ عقیدہ و مؤقف کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اتنی اور اس طرح کی قدرت و طاقت عطا فرمائی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا نمونہ ہے۔ اور پھر سمجھانے کیلئے کہا جبکہ حقائق متاصلہ ثابت الآثار کیلئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سبب حقیقی ہے، اس نے اپنے خلیفہ کو عظمت کا نمونہ بنایا، اسلئے حضرت آدم کو بڑی قوت حاصل ہے۔ نیز آپ فرماتے ہیں۔

پس در جمیع صفات و آثار آنہا......الخ

تفسیر عزیزی ص ۱۵۵، طبع ایضاً

پس تمام صفات اور انکے آثار میں آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی صفات علیا کا نمونہ ہوگئے اور خلافت کی معنیٰ ثابت ہوئے

حضرت شاہ صاحب نے یہ بھی فرمایا:

وبایں علم شریف درملکوت آسمان نیز تصرف کردن	اور اس علم شریف کے باعث خلیفہ مملکت سماوی میں بھی تصرف کیا۔

تفسیر عزیزی ص ۱۵۵ مطبع ایضاً

5: علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے تصرفات:

امام الاولیاء مولائے کائنات سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے روحانی تصرفات و اختیارات اور فیض رسانی کا ذکر خیر خاتم المحدثین الشاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس انداز میں فرمایا۔

حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وذریتِ طاھرہ او را تمام امت برمثال پیراں و مُرشداں می پرستند واُمور تکوینیہ را بایشاں وابستہ می دانند وفاتحہ و درود وصدقات و نذر برائے ایشاں رائج و معمول گردیدے چنانچہ بجمیع اولیاء اللہ ھمی معاملہ است.	امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور اُن کی اولاد پاک کا ساری امت مرشد و پیروں کی طرح انتہائی ادب واحترام کرتی ہے اور امور تکوینیہ کو انہی نفوس قدسیہ کے ساتھ وابستہ سمجھتی ہے۔ (انکے ایصالِ ثواب کیلئے) فاتحہ، درود، صدقات و نذر کا طریقہ ان میں معمول ہے۔ جیسا کہ تمام اولیاء کرام کے ساتھ معاملہ جاری ہے۔

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۳۰، ۳۳۹، مطبوعہ ثمرھند لکھنو)

خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک امور تکوینیہ کا ظہور اہل بیت نبوت سے وابستہ ہے۔ کسی ایک گروہ کا یہ مسلک نہیں، بلکہ تمام امت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

خانصاحب اپنے فتاویٰ اور خصوصاً اپنے پیش رو "شاہ اسماعیل دہلوی" کے فتویٰ جات کی روشنی میں بتائیں کہ ان غلط فتووں کی وجہ سے سندالمحدثین، امام

الفقہاء، مرجع الاولیاً حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر شرک وکفر کا فتویٰ نہیں لگتا؟

حضرت شاہ صاحب کی عظمتوں کو سلام، وہ صالحین وکاملین سے تھے۔ شرک وکفر کا فتویٰ دینے والوں پر ہی ان کا فتویٰ لوٹ رہا ہے۔

تصرفات بعد از وصال اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر مظہری میں ﴿بل احیاء﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللہَ تَعَالٰی یُعْطِی لِأَرْوَاحِھِمْ قُوَّۃَ الْأَجْسَادِ فَیَذْھَبُوْنَ مِنَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ وَالْجَنَّۃِ حَیْثُ یَشَاؤُوْنَ وَیَنْصُرُوْنَ أَوْلِیَاءَ ھُمْ وَیُدَمِّرُوْنَ أَعْدَاءَ ھُمْ اِنْ شَاءَ اللہُ تَعَالٰی وَمِنْ أَجْلِ ذٰلِکَ الْحَیٰوۃِ لَا تَأْکُلُ الْأَرْضُ أَجْسَادَھُمْ وَلَا أَکْفَانَھُمْ. وَقَدْ تَوَاتَرَ عَنْ کَثِیْرٍ مِنَ الْأَوْلِیَاءِ أَنَّھُمْ یَنْصُرُوْنَ أَوْلِیَاءَ ھُمْ وَیُدَمِّرُوْنَ أَعْدَاءَ ھُمْ وَیَھْدُوْنَ اِلَی اللہِ تَعَالٰی مَنْ یَشَاءُ اللہُ تَعَالٰی.

(تفسیر مظہری ادارہ اشاعت العلوم لندوۃ المصنفین دھلی ص ۱۴۱، ۱۴۲ سورہ بقرۃ آیت ۱۵۴

یعنی اللہ تعالیٰ شہداء کی روحوں کو جسموں کی قوت عطا فرماتا ہے، تو شہداء زمین و آسمان اور جنت میں جہاں چاہیں، تشریف لے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے اپنے دوستوں کی مدد فرماتے اور دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ اسی حیات کی وجہ سے مٹی ان کے اجسام کو نہیں کھاتی اور نہ ہی ان کے کفنوں کو اور بہت سے اولیاء کرام سے بدرجہ تواتر ایسے تصرفات ثابت ہیں کہ اپنے دوستوں کی مدد فرماتے اور دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ اور جنہیں اللہ چاہتا ہے، اولیاء کرام ان کو ہدایت فرماتے ہیں۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی شہداء کرام اور اولیاء عظام کے بعد از وصال تصرفات فیض رسانی کے معترف ہیں۔ ان کی تحقیق میں اولیاء کرام اپنے دوستوں کی مدد اور رہنمائی فرما رہے ہیں۔ جبکہ دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ یہ رائے کسی ایک فرد کا

رووہ کی نہیں، بلکہ تواتر سے ثابت ہے۔ خانصاحب! قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس موقف کو بار بار پڑھیں۔

" قد تواترعن کثیر من الاولیاءِ انهم ینصرون اولیاء هم ویدمرون اعداء هم "۔

6: شاہ اسماعیل دہلوی اور کرامت:

امام الطائفہ جناب شاہ اسماعیل دہلوی کا حزب مخالف (خانصاحب) کے ہاں جو اعلیٰ وارفع مرتبہ ومقام ہے، وہ اُن کی کتابوں کا مطالعہ کرنیوالوں سے پوشیدہ نہیں۔ جناب اپنی کتاب "صراطِ مستقیم" میں لکھتے ہیں:

"اور حضرت علی المرتضیٰ ؓ کیلئے شیخین رضی اللہ عنہما پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے، وہ فضیلت آپ کے فرمانبرداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت بلکہ قطبیت اور غوثیت اور ابدالیت اور "وہ جیسے باقی خدمات آپ کے زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہونا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔"

(صراطِ مستقیم اردو ترجمہ مولانا حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی، ص ۹۸ ناشر کلام کمپنی کراچی)

شاہ اسماعیل صاحب کے مذکورہ بالا عقائد اصل میں ان کے شیخ ...... جو اُن کے خیال میں اپنے دور کے قاطع بدعت اور مجدد ملت تھے...... کے ارشادات عالیہ ہیں۔ عبارت مذکورہ کا مفاد یہ ہے کہ:

۱) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرات شیخین کریمین، حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے

۲) وہ فضیلت بایں طور حاصل ہے کہ آپکے فرمانبردار شیخین ؓ کے فرمانبرداروں کی بہ نسبت زیادہ ہیں۔

۳) ولایت کے مقامات رفیعہ...... جیسے قطبیت، غوثیت، ابدالیت...... آپکے زمانے سے لے کر قیامت تک آپ ہی کے واسطہ سے حاصل ہوں گے۔

۴) ولایت کے یہ مراتب عالیہ محض اعزازات ہی نہیں، اصل میں خدمات ہیں۔ آپکی ذمہ داری ہے کہ آپ ولایت کے مراتب تقسیم کرنے کی خدمت بجالاتے رہیں

۵) آپ کو یہ بھی فضیلت حاصل ہے کہ بادشاہوں کی بادشاہت یعنی ان کے تقرر و عزل اور امیروں کی امارت میں آج بھی آپ کا دخل ہے۔

۶) آپ کا یہ روحانی تصرف کہ بادشاہتیں عطا کرنے میں آپ کو دخل ہے، عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔ یعنی روحانیت سے عاری انسان کو یہ مرتبہ بظاہر نظر نہ آتا ہو، تو انکار نہ کرے۔ عالم ملکوت کی سیر کرنیوالے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، اولیاء صوفیاء کے مشاہدہ پر یقین کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس تصرف کو تسلیم کرنا چاہیئے۔

خادم اہل سنت! مذکورہ بالا عبارت دارالعلوم بریلی کے پڑھے ہوئے کسی عالم کی تحریر نہیں، بلکہ اہل دیوبند کی ایک عظیم، مقتدیٰ، عظیم علمی، روحانی اور عسکری شخصیت کے ارشادات ہیں۔ اس کے باوصف یہ رٹا لگانا کہ کرامت کے اظہار میں ولی اللہ کے کسی قصد وارادہ کا دخل نہیں ہوتا، اندھیر نگری نہیں تو اور کیا ہے؟

کیا فرماتے ہیں خانصاحب! کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم منصب ولایت کے اِن جیسے روحانی تصرفات کا تذکرہ کسی سنی عالم دین کی زبان وقلم سے بیان ہو جائے، اس پر تو شرک وکفر کے فتووں کی بمبارمنٹ ہو جائے۔ جناب اسماعیل دہلوی صاحب اور جناب سید احمد بریلوی صاحب کا یہ عقیدہ ہو اور اسے بیان بھی کریں، تو وہ عین صواب اور حق ہو۔ آپ کے بڑے تو، علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو بادشاہتیں عطا کرنیوالا، تخت سلطنت سے اتارنے والا، مدبّرِ عالم مانیں، تو وہ اہل حق کا عقیدہ ومسلک کہلائے

،جب کہ وہ یہ دعویٰ بھی کریں کہ اہل نظر کیلئے یہ مرتبہ مخفی و پوشیدہ نہیں، بلکہ ظاہر و بدیہی ہے۔
یہ بھی خیال رہے کہ علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا یہ تصرف وصال کے بعد کا ہے، جسے "تَصَرُّفِ اَصحابِ القبور" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اہل قبور کو متصرف ماننا، جس درجہ کا جرم ہے اس کا ذکر راہ ہدایت میں موجود ہے۔ تو فرمائیے! جس عقیدہ کو آپ کے اکابر درست اور حق مانیں اُس کا اعتقاد کوئی سنی رکھے تو کفر و باطل کیسے قرار پائے گا؟۔

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہ بات کہیں ننگ

حزبِ مخالف: شاہ اسماعیل دہلوی کے عقائد تقویۃ الایمان میں صاف وعیاں ہیں، آپ کی متعدد عبارات میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے بھی کسی کو متصرف و مختار ماننا شرک ہے۔ چاہے بعض اشیاء ہی میں متصرف مانے۔ آپ نے صاف طور پر لکھا ہے کہ جس کا نام محمد و علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔

خادم اہل سنت: ہمارے سامنے تقویۃ الایمان کی عبارات پیش کرنے کا کیا فائدہ؟ اہل سنت و جماعت کے متعدد فضلاء کرام اس کتاب کی ایسی عبارات کا مدلل رد کر چکے ہیں۔ اس کتاب کی گمراہ کن عبارات کی نشاندہی فرما چکے ہیں۔ حزب مخالف کی ذمہ داری ہے کہ منصب امامت کی بعض عبارات اور صراط مستقیم کے مذکورہ حوالہ اور تقویۃ الایمان کی عبارات میں جو ایمان و کفر کا فرق نظر آتا ہے، بتایا جائے کہ ان میں سے حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ اور اگر بالفرض شاہ اسماعیل دہلوی نے پہلے عقائد سے رجوع کر لیا تھا تو شرعی توبہ کا ثبوت کیا ہے؟

7: معجزہ اور بانی دارالعلوم دیوبند محمد قاسم نانوتوی:

حزبِ مخالف کے قاسم العلوم والخیرات محمد قاسم نانوتوی صاحب تحریر کرتے ہیں:

"اور یہی وجہ ہے معجزۂ خاص جو ہر نبی کو مثل پروانہ تقرری بطور سند نبوت ملتا ہے اور بنظرِ ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے۔ مثل عنایات خاصہ، گاہ و بیگاہ کا قبضہ نہیں ہوتا۔ (تحذیرالناس ص ۷)

بحمد اللہ تعالیٰ ائمہ اہل سنت اور خود حزبِ مخالف کے اکابرین کی زبانی ثابت ہوگیا کہ معجزات اور کرامات انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے قصد واختیار سے بھی صادر ہوتے ہیں۔ یہی ہمارا دعویٰ اور مقصد اس بحث کا تھا، جسے دلائل واضحہ سے مبرہن کیا گیا۔ اگرچہ بحث طویل ہوگئی ہے، لیکن ازبس اہم ومفید بھی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ بِجَاهِ النَّبِيِّ الْكَرِيمِ ﷺ

حزبِ مخالف کے اعتراضات اور اُنکے جوابات:

خادم اہل سنت نے معجزہ کے اختیاری اور مقدور نبی ﷺ ہونے پر دارالعلوم دیوبند کے بانی جناب محمد قاسم نانوتوی کا جو حوالہ پیش کیا اس صریح الدلالت عبارت کا جواب چونکہ مؤلف راہِ ہدایت کے پاس نہیں تھا اس لئے غیر متعلقہ باتیں لکھ کر مشکلات کا ہار اپنے گلے کیلئے تیار کرلیا۔

خانصاحب لکھتے ہیں: "صریح بہتان: الامام الکبیر المجاہد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ المتوفی ۱۲۹۶ھ پر مؤلف نور ہدایت نے صریح بہتان باندھا ہے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ "خود حزب مخالف کے قاسم العلوم والخیرات محمد قاسم نانوتوی تحریر کرتے ہیں: اور یہی وجہ ہے کہ معجزۂ خاص جو ہر نبی کو مثل پروانہ تقرری بطور سند نبوت ملتا ہے اور بنظر ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے مثل عنایات خاصہ گاہ وبگاہ قبضہ نہیں ہوتا۔
۱۲ تحذیرالناس ص ۷ مطبوعہ سرکار پریس۔
بحمد اللہ تعالیٰ ائمہ اہل سنت (صرف مؤلف نور ہدایت کے ذہن نارسا مبارک میں صفدر) اور خود حزب مخالف کے اکابرین کی زبانی ثابت ہوگیا کہ معجزات اور کرامات

انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے قصد واختیار سے بھی صادر ہوتے ہیں۔ یہی ہمارا دعوی اور مقصد اس بحث کا تھا جسے دلائل واضحہ سے مبرہن کیا گیا بلفظہٖ (نور ہدایت ص ۳۷،۳۸)

مؤلف نور ہدایت نے نہ تو پوری عبارت ہی نقل کی ہے اور نہ حضرت مولانا کے مطلب کو سمجھے ہیں اور یہ صرف مولانا ہی کی عبارت سے ان کا وطیرہ نہیں ہے۔ **وہ تو خیر سے کسی عبارت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے اور بہت ممکن ہے کہ وہ اس کی اہلیت بھی نہ رکھتے ہوں**۔ اور رونا اور مصیبت بھی تو صرف اس امر کی ہے کہ اہل علم کی علمی اور دقیق عبارتیں جہلاء کے ہاتھ چڑھ گئی ہیں۔

ع   زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

حضرت مولانا کے پوری عبارت اس طرح ہے:

''اور یہی وجہ ہوئی کہ معجزہ خاص جو ہر نبی کو مثل پروانہ تقرری بطور سند نبوت ملتا ہے اور بنظرِ ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے مثل عنایات خاصہ گاہ وبگاہ کا قبضہ نہیں ہوتا ہمارے حضرت ﷺ کو قرآن ملا جو تبیاناً لکل شیء ہے تا کہ معلوم ہو کہ آپ اس فن میں یکتا ہیں کیونکہ ہر شخص کا اعجاز اسی فن میں متصور ہے جس فن میں اور اس کے شریک نہ ہوں اور وہ اس میں یکتا ہو (بلفظہٖ تحذیر الناس ص ۵)

حضرت مولانا اس مقام پر معجزۂ خاص کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ (جیسے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضاء اور عصا وغیرہ) نہ کہ عام معجزات کا جو گاہ وبگاہ اور وقتاً فوقتاً انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر صادر ہوتے ہیں اور اس کی بھی تصریح کرتے ہیں کہ معجزہ مثل پروانہ تقرری کے نبی کو بطور سند نبوت ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ سند وہی معتبر ومستند ہوا کرتی ہے جو معطی کی طرف سے ملا کرتی ہے جس کو خود انسان اپنے ہاتھ سے اور فعل وکسب سے تیار کرتا ہے وہ معتبر نہیں ہوا کرتی اور اس عبارت میں حضرت مولانا مرحوم معجزہ کے غیر کسبی اور غیر اختیاری ہونے کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں اور پھر اس کی تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا ایسا خاص معجزہ قرآن کریم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عنائیت ہوا اور ہر وقت یہ آپکے پاس رہا۔ ایسا نہیں کہ مثلِ عنایات خاصہ کہ گاہ وبیگاہ آپ کے ہاتھ مبارک سے صادر ہوتا رہا (جیسے شقِ قمر، نبع الماء من الاصابع، وکثرۃ الماء وغیرہ

وغیرہ) کیونکہ یہ معجزات تو آپ کے ہاتھ مبارک پر گاہ و بیگاہ صادر ہوتے رہے۔نہ یہ کہ قرآن کریم کی طرح ہمیشہ آپ کے پاس رہے ہیں۔
لفظ قبضہ سے اگر مؤلف نور ہدایت نے اس کا آپکے کسب واختیار سے صدور سمجھا ہے تو یہ انکی عجیب جہالت بلکہ حماقت ہے کیونکہ حضرت مولانا نے اس معجزہ خاص کی مثال آگے قرآن کریم بیان کی ہے اور مولانا تو بھلا کب اسکے قائل ہوتے کوئی مسلمان بھی تو اس کا قائل نہیں ہے کہ قرآن کریم کے معجزہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کے کسب واختیار اور قصد کا کوئی دخل تھا۔'' انتھیٰ بلفظ

(راہ ھدایت ص ۵۴ تا ۵۶)

خانصاحب ، نانوتوی صاحب کے نادان عقیدتمند:

خادم اہلسنت: خانصاحب گکھڑوی ، تحذیرالناس سے پیش کئے گئے استدلال پر بحث و اعتراض کرنے کے بجائے خاموشی اختیار کرتے تو اُن کیلئے اور اُن کے امام کبیر محمد قاسم نانوتوی صاحب کے حق میں بہتر ہوتا۔اُن کی تحریر کی کمزوریوں پر پردہ پڑا رہتا ۔ نانوتوی صاحب کے مسطورہ بالا حوالہ کو نقل کرتے ہوئے کچھ سوالات اُس وقت بھی اس فقیر کے ذہن میں تھے مگر قصداً ،مصلحتاً میں نے ان کو نہیں چھیڑا۔میرا مقصد نانوتوی صاحب کے کسی کلام پر گرفت کرنا نہیں تھا بلکہ اپنے موضوع کی حد تک اُن کا حوالہ دینا تھا۔ نادان دوست کے طور پر جب خانصاحب ، نے اس بات کو چھیڑ ہی دیا ہے تو کچھ نہ کچھ عرض کرنا پڑیگا؛ تا کہ غیر جانبدار لوگوں پر یہ بات ظاہر ہو سکے کہ نااہل ، جاہل ، اور زاغانِ وقت کون ہیں؟ جو اپنے ذہنِ نارسا کی وجہ سے علمی دقیق عبارتیں نہیں سمجھ سکتے۔

پیچیدہ زلف کو برہم کرنے سے اگر انہیں قلق ہوگا تو اس میں میرا کیا قصور؟ یہ تو خود ان کا کیا دھرا ہے۔اقول وباللہ تعالی اَلتَّوفِیق:

1) خانصاحب : ''اس عبارت میں مولانا مرحوم معجزہ کے غیر کسبی، غیر اختیاری ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں''

خادم اہلسنت: مقبول و مسلّم قاعدہ ہے کہ اشارہ کی بنسبت صریح، قوی ہوتا ہے۔ اشارہ اور صریح میں تعارض نظر آتا ہو تو صریح الدلالت کو ترجیح دی جائیگی۔

اولاً: نانوتوی صاحب نے اپنے کلام میں ایسا کوئی اشارہ ہی نہیں کیا کہ معجزہ غیر اختیاری ہوتا ہے۔ جس کلام کو وہ اپنے حق میں اشارہ سمجھ رہے ہیں وہ تو ان کے خلاف ہے۔ صاف بات ہے کہ مؤلف راہِ ہدایت اپنے دعویٰ کو نانوتوی صاحب کے کلام سے اشارۃ النص کے طور پر بھی ثابت نہیں کر سکتے، اگر فرض کریں ایسا کوئی اشارہ اس کلام میں موجود ہے، تو کون نادان اشارہ کو صریح الدلالت مفہوم پر ترجیح دے گا؟ نانوتوی صاحب کا یہ کلام کہ: ''معجزہ خاص ہر وقت نبی کے قبضہ میں رہتا ہے''۔ اپنے مفہوم پر صریح الدلالت ہے۔

آیئے! نانوتوی صاحب سے ہی فیصلہ کراتے ہیں کہ قبضہ کا کیا معنی ہے؟ نانوتوی صاحب کے خیال میں قبضہ کا معنٰی ''مُجاز بالتصرف'' ہے، اسلئے معجزہ خاص کا ہر وقت قبضہ میں رہنے کا صاحبِ کلام کے نزدیک یہ مفہوم نکلتا ہے کہ نبی اللہ علیہ السلام ان معجزات میں مُجاز بالتصرف (اجازت دیئے ہوئے) ہوتے ہیں۔

ملاحظہ ہو '' ادلۃ کاملۃ '' (اس کتاب کی تفصیلی عبارت آئندہ صفحات میں درج ہے) یہ محمود الحسن صاحب کی تالیف ہے۔ نانوتوی صاحب نے اسے بہت پسند فرمایا، اور اس کتاب کے مضامین کی تائید فرمائی ہے۔ بایں معنی نانوتوی صاحب کی رائے کہہ دینا بے جا نہ ہوگا۔ اگر اس پر خانصاحب کو اعتراض ہو تو محمود الحسن صاحب اور ان کی تالیف کی تصدیق کرنیوالے دیوبندیوں کا تو یہ فیصلہ ہونا چاہئے کہ قبضہ کا معنی کیا ہے؟ نانوتوی صاحب کی تائید یافتہ کتاب تسہیل ادلہ کاملہ میں ہے۔

''کسی بھی چیز کے مالک ہونے کی علت تامہ، قبضہ ہے، مگر قبضہ کیلئے ضروری ہے تام ہو۔ یعنی حقیقی اور مستقل ہو اور قبضہ کا مطلب کسی چیز کا

مٹھی میں ہونا نہیں ہے، بلکہ مُجاز بالتصرف ہونا ہے"۔

(تسهيل ادلة كاملة ص ١٣٤ مطبوعه قديمى كتب خانه كراچى)

تحذیر الناس کی مذکورہ عبارت، مؤلف راہ ہدایت کی تحریر و تشریح اور ادلہ کاملہ کی عبارات کو ملا کر پڑھیں تو مؤلف راہِ ہدایت کے استدلال کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ:

"قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام معجزہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے قبضہ میں ہے، آپ کا قبضہ حقیقی اور مستقل ہے۔ آپ ﷺ اسکے مالک ہیں، اور اس میں مُجاز بالتصرف ہیں (تصرف کا اختیار دیئے گئے ہیں)"۔

اب ہوش آیا ہوگا کہ ٹھہرے پانی میں پتھر پھینک کر تلاطم پیدا کرنے سے کشتی کس کی ڈوبی؟

خانصاحب کی ذمہ داری ہے کہ یہ ثابت کریں کہ رسول اللہ ﷺ قرآن پاک کے کس اعتبار سے مالک ہیں؟ اور کس لحاظ سے مُجاز بالتصرف؟ کیونکہ نانوتوی صاحب کا دعویٰ ہے کہ معجزہ خاص ہر وقت نبی کے قبضہ میں ہوتا ہے، جس کی مثال قرآن حکیم سے پیش کی۔ اس لئے خانصاحب پر فرض عائد ہوتا ہے کہ دلیل سے واضح کریں کہ قرآن پاک کس اعتبار سے رسول اللہ کے قبضہ میں ہے؟ اور کس لحاظ سے آپ قرآن پاک کے مالک اور مُجاز بالتصرف ہیں؟۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز پوشیدہ، نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

کیا آج تک کسی متکلم، محدث اور سنی فقیہہ نے قرآن پاک کو بحیثیت معجزہ رسول اللہ ﷺ کے قبضہ میں کہا ہے؟ یا آپ ﷺ کو قرآن کا مالک اور مجاز بالتصرف مانا ہے؟ یہ کہہ دینا کہ نانوتوی صاحب کا یہ کلام مؤلف نورِ ہدایت کے ذہن نارسا سے بلند و بالا ہے، تشفی بخش نہیں۔ بلکہ مؤلف راہِ ہدایت کے بھی ذہن نارسا مبارک سے بلند و بالا ہے۔ وگرنہ

طعنہ زنی کے بجائے ...... ''بوقتِ ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے'' کی ...... مدلل اور درست توجیہہ پیش کرتے۔

۲) ''معجزۂ خاص جو ہر نبی کو مثلِ پروانہ تقرری بطورِ سندِ نبوت ملتا ہے اور بنظرِ ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے مثل عنایات خاصہ گاہ بیگاہ کا قبضہ نہیں۔''

یوں تو نانوتوی صاحب کے دعویٰ اور اس پر پیش کردہ مثال پر کئی لحاظ سے گفتگو کی گنجائش ہے مگر اولاً اس نکتہ پر گفتگو کی جاتی ہے کہ:

''ہر نبی کو ایک معجزۂ خاص ملا، جو ہر وقت اسکے قبضہ میں رہتا ہے''۔

خانصاحب گکھڑوی نے خود اس کی مثال عصاءِ کلیم اور ید بیضا سے دی۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ ہر نبی اللہ علیہ السلام کے کم از کم ایک ایک خاص معجزہ کو پیش کرنے کا سوال کیا جاتا، جیسا کہ نانوتوی صاحب نے دعویٰ کیا ہے؟ مگر اس تفصیل کو چھوڑ کر صرف ان معجزات کو ہی لیں جن کا ذکر قرآن پاک میں آتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے ید بیضا اور عصا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مُردوں کو زندہ کرنا، اندھے کو شفا دینا، گھروں میں چھپ کر کھائے ہوئے کھانوں کی صحیح خبر دینا۔ داؤد علیہ السلام کا سخت لوہے سے موم کی طرح زرہیں بنانا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہواؤں پر حکمرانی کرنا اور دیگر ایسے معجزات جب ہر وقت نبی کے قبضہ میں ہیں جیسا کہ نانوتوی صاحب کی تحقیق ہے۔ تو خانصاحب اور دیگر دیوبندیوں پر فرض ہے کہ:

اولاً: نانوتوی صاحب کی اس تحقیق کو ''حق'' تسلیم کریں۔ اور اس بات کی تحریر و تقریر سے وضاحت کریں۔

ثانیاً: اگر انبیاء کے قصد و اختیار کو ان معجزات کے اظہار میں کوئی دخل نہیں، تو ان معجزات کا ہر وقت انبیاء کے قبضہ میں ہونا اور اُن کا مُجاز بالتصرف ہونا، اس کلام کا کیا

مطلب ہوگا ؟ اس کا حل کرنا اہل دیو بند کی ذمہ داری ہے۔

ثالثاً: اگر یہ کہا جائے کہ بعض معجزات میں اختیار ہے ، یہی تو اہل سنت کا موقف ہے کہ معجزات وکرامات ایسے بھی ہیں جو انبیاء واولیاء کے قصد واختیار سے ظاہر ہوتے ہیں ۔بندہ ''کاسب'' ہے اور خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اگر کوئی دھوکہ دہی کرتے ہوئے کہے کہ: مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ اور اُن کا عصا اُن کے قبضہ میں تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے یہ تو صرف دو معجزوں کی مثال ہے۔اور انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات کے ہر وقت قبضہ میں رہنے کی کیا صورت ہے؟ دوسرا جواب یہ کہ پیارے موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا ہاتھ تو یوم ولادت سے ان کے قبضہ میں تھا بایں معنی کہ آپ قصد وارادہ سے اپنے ہاتھ کو حرکت دیتے۔اور آپ کا عصا کوہِ طور پر جانے سے پہلے بھی آپ کے قبضہ میں تھا، جسے استعمال کر کے آپ کئی فائدہ حاصل کیا کرتے۔بات محض عضو جسمانی اور لکڑی کی نہیں ۔ہاتھ اور عصا میں اعجاز کی ہے۔

ہر ذی عقل و دانش کو نانوتوی صاحب کے کلام کا مطلب یہی سمجھ آتا ہے کہ عصائے موسیٰ علیہ السلام وغیرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبضہ میں تھے، معجزے کا اظہار گاہ بگاہ نہیں تھا۔ بوقت ضرورت جب چاہتے قصد واختیار سے ظاہر فرماتے۔یونہی دیگر انبیاء کرام کے مخصوص معجزات کو سمجھ لیجئے۔

مذکورہ تحقیقات کے بعد خانصاحب کیلئے اب دو ہی صورتیں ہیں:

(۱) یا تو یہ کہہ دیں کہ نانوتوی صاحب نے فاش غلطی کی ہے، یہودیوں سے متاثر ہوکر سخت ٹھوکر کھائی ہے۔
(۲) یا یہ تسلیم کرلیں کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ جب چاہے اپنے خاص بندوں کو اسباب عادی سے بالاتر بطور خرقِ عادت تصرف کا اختیار عطا فرماتا ہے۔ دوسری صورت ہی سیدھا راستہ ہے جو اسلاف اہل سنت کی طرف لیجاتا ہے۔

خانصاحب:

"معجزہ مثل پروانہ تقرری کے نبی کو بطور سند نبوت ملتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ سند وہی معتبر اور مستند ہوا کرتی ہے جو معطی کی طرف سے ملا کرتی ہے حامل سند کا کچھ اختیار نہیں ہوتا"۔

خادم اہل سنت: مؤلف راہِ ہدایت (خانصاحب) اسے بہت وزنی دلیل سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں اس استدلال سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ معجزہ کے اظہار پر نبی کو کسی قسم کا اختیار نہیں دیا گیا۔

خانصاحب کو یہ دلیل پیش کرتے ہوئے اتنی بات بھی سمجھ میں نہ آسکی کہ یہ استدلال خود ان کے عقیدہ ومسلک کے خلاف ہے؛ کیونکہ جس کو سندِ تقرری دی جاتی ہے، سند دینے والے کیطرف سے اُس کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ بوقتِ ضرورت جب چاہے سند پیش کرے۔ پروانۂ تقرر کا بطور صداقت کے دکھانا، سند یافتہ کے قبضہء واختیار میں ہوتا ہے۔

خانصاحب سے کوئی کہے کہ آپ کیلئے احادیث کا روایت کرنا جائز نہیں، تو آپ اپنی سندِ اجازت کو اسلئے پیش نہیں کریں گے کہ جعلی سند بنوانا جرم ہے، بلکہ آپ اپنے استاد کی سند بطور حجت پیش کریں گے کہ روایت حدیث کی یہ سند میرے پاس موجود ہے۔ کسی عہدہ ومنصب پر تقرر کا خود پروانہ بنانا دھوکا اور فراڈ ہے، مگر عہدہ وسفارت یا دیگر مناصب پر سربراہِ مملکت کی طرف سے جو تقرر نامہ ملتا ہے، جو سندِ سفارت عطا ہوتی ہے، حاملِ سند اُس کو پیش کر کے اِس منصب پر فائز ہونے کا حقدار ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا اور عصا دے کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴾ تو اور تیرا بھائی دونوں میری نشانیاں (معجزے) لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔

(سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۴۲)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ○ — فرمایا یوں نہیں تم دونوں میری آیتیں (معجزے) لے کر جاؤ! ہم تمہارے ساتھ سنتے ہیں۔

(سورۃ الشعراء آیت نمبر ۱۵)

ان آیات مبارکہ میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے پروانہ تقرریٔ نبوت کا تذکرہ ہے۔ اگر محض سادی لاٹھی دے کر بھیجنا مراد ہو، تو یہ ایسے ہی ہے، جیسے کوئی کہے! یہ تمہارے پاس جو سادا کاغذ ہے اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤ، جب ضرورت پیش آئی میں اس پر سند لکھ دوں گا۔ ایسی صورت میں یہ کاغذ ابھی تو پروانہ تقرری نہیں کہلائے گا، بلکہ سرکاری تحریر اور مہر کے بعد ہی کہلائے گا۔ یہ کوئی مشکل مسئلہ نہیں کہ سمجھ سے بالاتر ہو، اسے تو عام انسان بھی سمجھ رہے ہیں۔ ہاں سمجھ کر کوئی انکار کرے تو اس کا علاج کرنا مشکل ہوتا ہے۔

خانصاحب نے ایک مقام پر اپنے دعویٰ پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ:

> ''کوہِ طور پر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اُن کے عصا کو اژدھا بنا دیا تو آپ ڈر گئے، اگر یہ تبدیلی آپ کے قصد سے ہوتی تو آپ ہرگز نہ ڈرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی معجزہ بھی نبی کے قصد و اختیار سے نہیں ہوتا''۔

افسوس پروانہ تقرری کے وقت کو تو دیکھا اور پروانہ تقرری کے عطا ہونے بعد کی آیات پر دھیان ہی نہ دیا، کہ کہاں کہاں اور کس شان سے اس عصا کا استعمال فرمایا۔ ان شاء اللہ کسی اور موقع پر اس سوال کا تفصیلی جواب دیا جائے گا۔

مزید براں مؤلف راہ ہدایت کا سند کی مثال سے استدلال کہ: ''معجزہ مقدورِ نبی ہو تو قائم مقام تصدیق قولی کے نہیں ہوگا''، کو متکلمین لیس بشیٔ فرما چکے ہیں۔

شرح عقائد حاشیہ نبراس میں ہے:۔

'' قوله (لا يكون) مقدورا للنبى اذ لو كان مقدورا له لم يكن نازلاً منزلة التصديق من الله ولكن ليس بشئ '' الخ. (ص ۲۳۱، ناشر شاہ عبدالحق محدث اکیڈمی)

اپنے اکابرین کے دعویٰ کو دلیل سے ثابت کریں!

نانوتوی صاحب نے اپنی تصنیف میں دعوی کیا تھا کہ: ''معجزہ خاص جو ہر نبی کو بطور سند ملتا ہے اور بنظر ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے۔''

اپنے اکابرین کی عبارات کی توضیح وتشریح کا تقاضا...... بالخصوص سوال کا جواب دینے کی صورت میں ...... یہ ہے کہ ہر نبی اللہ علیہ السلام کا کم از کم ایک ایسا معجزۂ خاص ...... جو ہر وقت اُن کے قبضہ میں رہتا ہے ...... لکھتے ؛ تا کہ نانوتوی صاحب کے دعوی میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہتا۔ مؤلف راہِ ہدایت سے اگر اتنا نہیں ہوسکتا اور یقیناً نہیں ہو سکے گا، تو کم از کم اُن انبیاء کرام علیہم السلام جن کا ذکر قرآن وحدیث میں ہے اُن کا صرف ایک ہی معجزہ لکھ کر وضاحت کرتے کہ معجزہ ہر وقت اُن کے قبضے میں کیسے ہے؟

کوئی اور اس متن کی شرح کرے تو غالباً مؤلف راہِ ہدایت کو اتفاق نہ ہوگا۔ اور ویسے بھی اپنے بزرگوں کے کلام کی وضاحت کرنا عقیدتمندوں کی ذمہ داری ہے۔ مگر!

ع نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

خانصاحب: مؤلف نورِ ہدایت نے نہ تو پوری عبارت ہی نقل کی ہے اور نہ حضرت مولانا کے مطلب کو سمجھے ہیں۔ (راہِ ہدایت ص ۵۴)

خادمِ اہلِ سنت: مؤلف راہِ ہدایت کتاب کے قاری کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ نورِ ہدایت میں تحذیر الناس کی پوری عبارت نقل نہ کر کے نامناسب قطع برید کا جرم کیا گیا ہے، اگر نورِ ہدایت میں پوری عبارت لکھ دی جاتی تو استدلال کی حیثیت خود بخود واضح ہو جاتی۔

مؤلف راہِ ہدایت کا خادم اہل سنت پر قطع وبرید کا الزام سراسر غلط ہے جس عبارت کی طرف مؤلف راہِ ہدایت کا اشارہ ہے اس کے نقل کرنے سے اصل مفہوم پر کچھ فرق نہیں پڑتا اسی وجہ سے اس عبارت کو نقل نہیں کیا گیا، جس عبارت کے نہ نقل کرنے کو جرم کہا

گیا ہے، وہ عبارت اس طرح ہے:

"ہمارے حضرت ﷺ کو قرآن ملا جو تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ ہے تاکہ معلوم ہو کہ آپ اس فن میں یکتا ہیں کیونکہ ہر شخص کا اعجاز اسی فن میں متصور ہے جس فن میں اور اسکے شریک نہ ہوں اور وہ اس میں یکتا ہو۔ (تحذیر الناس ص ۵، راہ ہدایت ص ۵۵)

کیا ستر پوشی، عیب ہے؟

معزز قارئین! اس عبارت کے ذکر کرنے سے اصل استدلال میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔ دراصل تحذیر الناس کی اس عبارت کو نقل نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ نانوتوی صاحب نے معجزۂ خاص کو نبی کے ہر وقت قبضہ میں کہہ کر اس کی مثال میں قرآنِ حکیم کو پیش کیا۔ نانوتوی صاحب کے اس طرزِ کلام میں علمی کمزوری اور سُقم پایا جاتا ہے۔ میں اس کو چھیڑنا نہیں چاہتا تھا، جسے مؤلف راہِ ہدایت نے از خود چھیڑ کر نانوتوی صاحب کے عقیدتمندوں کو شرمندہ و پریشان کیا ہے۔ اس لئے "نورِ ہدایت" میں اس حصہ کے نہ نقل کرنے کو قطع برید کا طعنہ نہ دیا جائے، بلکہ پردہ پوشی تصور کیا جائے۔ تاہم جب گھر والوں نے خود ہی اس کا نقاب اُلٹ دیا ہے تو کسی اور کا کیا قصور؟

نورِ ہدایت کی عبارت پر تنقیدی تبصرہ کرتے ہوئے خانصاحب لکھتے ہیں:

خانصاحب: اور بہت ممکن ہے وہ (مؤلف نورِ ہدایت نانوتوی صاحب کے کلام کو سمجھنے کی) اہلیت ہی نہ رکھتے ہوں............ اہل علم کی علمی اور دقیق عبارتیں جہلا کے ہاتھ چڑھ گئیں۔ (راہ ہدایت ص ۵۴)

خادم اہل سنت: نانوتوی صاحب کے فاضل ارادتمند، آبروئے دیوبند نے نورِ ہدایت کے جواب میں جس علمی قابلیت اور مطلب فہمی کے جوہر دکھائے ہیں۔ اسکا مظاہرہ نہ ہی فرماتے تو انہیں جہلا کی صف سے الگ کرنے میں دشواری پیش آتی۔

میں اتنی بدگمانی تو نہیں کرتا کہ مؤلف راہِ ہدایت، نورِ ہدایت میں دیئے گئے استدلال کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے، غالباً منشأ سوال وہ سمجھ گئے تھے، مگر جواب کی صلاحیت سے دامنِ ذہن کو خالی پا کر اصل سوال سے رُخ پھیر لیا۔ سوال کا منشأ ''معجزہ خاص کا ہر وقت قبضہ میں ہونا'' میں ہر وقت اور قبضہ کے مفاہیم پر ہے۔ ان کا صحیح مطلب بیان کرنے کے بجائے یہ کہہ دینا کہ ''مولانا نانوتوی اس بات کے قائل نہیں تھے کہ قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے کسب واختیار اور قصد کا کوئی دخل تھا۔'' دقیق علمی باتیں سمجھنے کی روشن مثال ہے۔

کیا کوئی طالب علم سوال کر بیٹھے کہ کافیہ میں الکلمۃ لفظ میں لام تعریف کی کونسی قسم ہے؟ جو بھی تسلیم کی جائے اس پر کوئی نہ کوئی سوال ہو سکتا ہے۔ نیز مبتداء وخبر میں تذکیر وتانیث میں مطابقت نہیں پائی جاتی۔ تو کیا اس طالب علم کو یہ جواب دیا جائے گا کہ:

''صاحب کتاب حضرت علامہ ابن حاجب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت بڑے فاضل اور اپنے وقت میں علوم کے امام تھے، بھلا وہ کب غلطی کر سکتے ہیں؟ ان کی عبارت بالکل درست ہے، سوال کرنیوالا اُن کا مطلب سمجھا ہی نہیں اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کی، بلکہ ممکن ہے کہ سمجھنے کی اہلیت ہی نہ رکھتا ہو۔ مصیبت تو یہی ہے کہ فضلاء کی دقیق علمی کتابیں جہلا کے ہاتھوں چڑھ گئیں۔

کیا اسی طرح کے جوابات ان کی درسگاہ کا فیضانِ تدریس ہے؟ اور اگر جواب کا یہ انداز غلط ہے، بلکہ یقیناً کمزور ہے، تو راہِ ہدایت میں دیا گیا جواب کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ مؤلف راہِ ہدایت نے قبضہ اور ہر وقت کے مطلب کی وضاحت تک نہ کی اور نہ ہی بنظر ضرورت کی معنویت پر توجہ دی۔ اُلٹا نانوتوی صاحب کا قصیدہ پڑھنا شروع کر دیا اور اُن کے کلام سے استدلال کرنیوالے کو جاہل ونااہل اور ناسمجھ کے اعزازات سے نواز کر دل کا بوجھ ہلکا کیا۔ جبکہ خادم اہل سنت نے زیر نظر کتاب میں اسی بحث میں نانوتوی صاحب کے حوالہ سے ثابت کر دیا ہے کہ:

قبضہ کا معنی ومطلب کسی چیز کا مٹھی میں ہونا نہیں بلکہ مُجاز بالتصرف ہونا ہے

اور یہ مُجاز بالتصرف ہونا بھی گاہ بگاہ نہیں ہر وقت اور دائمی ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۳۰۴

صاحب کلام سے بڑھ کر اور کون اُن کے قول کی تفسیر وتشریح کر سکتا ہے؟ کسی بھی شخص کو صاحب کلام کے تفسیر کے خلاف کچھ کہنے کا حق نہیں۔

''قبضہ'' کی اس تفسیر کے بعد مؤلف راہِ ہدایت پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بتائیں کہ: ''معجزہ خاص ہر وقت نبی کے قبضہ میں ہوتا ہے'' کا کیا مفہوم ہے؟ خصوصاً نانوتوی صاحب کی خود توضیح کی روشنی میں قرآن حکیم کس طرح رسول اللہ ﷺ کے قبضہ میں ہے اور آپ ﷺ کس طرح اُس میں مُجاز بالتصرف ہیں؟

ع اُلجھا ہے پاؤں یار کا زُلف دراز میں

خانصاحب: رونا اور مصیبت تو صرف اس اَمر کی ہے کہ اہل علم کی علمی اور دقیق عبارتیں جہلاء کے ہاتھ چڑھ گئی ہیں۔

ع زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

(راہِ ہدایت ص ۳۰)

خادمِ اہل سنت: رونا اسی بات کا ہے کہ علمی مشکل مقامات ایسے فضلاء کے ہتھے چڑھ گئے ہیں جو انہیں حل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، مگر خود کو محقق تصور کیے ہوئے ہیں۔ یا سمجھ کر بطورِ کتمان حق اُن کا مفہوم بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ''حق گو'' کہلائے جاتے ہیں۔

تنبیہ : مؤلف راہِ ہدایت نے اپنے امام نانوتوی کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ ''ہر شخص کا اعجاز اُسی فن میں متصور ہے جس فن میں اور اس کے شریک نہ ہوں اور وہ اس میں یکتا ہو''۔

خادمِ اہل سنت: مؤلف راہِ ہدایت پر اس عبارت کی تشریح اور اِس کا حل قرض ہے۔

جسے اتارتے وقت معجزہ کے بارے میں اپنے عقیدہ اور نقل کردہ عبارت کے الفاظ ہر شخص، اعجاز، فن، شریک، یکتا، کو ضرور مدنظر رکھیں۔

☆ مؤلف راہِ ہدایت نے تحذیر الناس سے پیش کردہ حوالہ کے جواب سے اپنے آپ کو عاجز پا کر "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" کا مصداق بار بار عجیب منطقی استدلال کا اعادہ کرتے ہیں کہ: مولانا نانوتوی صاحب قرآن حکیم کے الفاظ و معانی کو منزل من اللہ مانتے ہیں۔ کیسے تسلیم کیا جائے کہ وہ قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کا اختیار مانتے ہیں۔ (اس کا تجزیہ گزشتہ صفحات پر بھی درج ہے ۔ خادم اہل سنت)

خانصاحب: حضرت مولانا نانوتوی خود تحریر فرماتے ہیں کہ "الغرض معجزات علمی میں رسول اللہ ﷺ اور سب سے زیادہ ہیں کیونکہ کلام ربانی اور کسی کیلئے نازل نہیں ہوا چنانچہ خود اہل کتاب اس بات کے معترف ہیں۔ الفاظ توریت وانجیل منزل من اللہ نہیں وہاں سے فقط الہام معانی ہوا اور یہاں اکثر انبیاء یا حواریوں نے ان کو اپنے الفاظ میں ادا کر دیا اور اپنا یہ اعتقاد ہے کہ الفاظ کتب سابقہ بھی اسی طرف سے ہیں پر وہ مرتبہ فصاحت و بلاغت جو مناسب شان خداوندی ہے اور کتابوں میں اسلئے نہیں کہ ان کا مہبط خود صفت کلام خداوندی نہیں۔" اھ

(حجة الاسلام ص ۴۱ لمولانا نانوتوی)

اس عبارت میں حضرت مولانا نے قرآن کریم کے الفاظ و معانی کو منزل من اللہ کہا ہے اندریں حالات یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے حضرت مولانا قرآن کریم جیسے معجزہ خاص کو اپنے الفاظ میں کہ اور بنظرِ ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے مثل عنایات خاصہ گاہ بگاہ کا قبضہ نہیں ہوتا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا اپنا کسبی واختیاری فعل تسلیم کرتے ہیں مگر کیا کیا جائے اہل بدعت حضرات کا باوا آدم ہی نرالا ہے وہ شتر بے مہار کی طرح جو چاہیں کریں اسلام کو کفر اور کفر کو اسلام قرار دیں تو ان کو کون پوچھتا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ حسن کرشمہ ساز کرے

(راہِ ہدایت ص ۵۶،۵۷)

خادم اہل سنت : بیشک جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔ مؤلف راہِ ہدایت کے اس کلام میں سب وشتم، طعن وتشنیع کا ذخیرہ تو موجود ہے۔ نورِ ہدایت میں نانوتوی صاحب کے کلام سے جو استدلال کیا گیا تھا اس کا جواب عنقا ہے۔

نورِ ہدایت کے کون سے صفحہ اور کتنی سطر پر یہ تحریر ہے؟ کہ نانوتوی صاحب قرآن حکیم کو رسول اللہ ﷺ کا کسبی واختیاری فعل تسلیم کرتے ہیں۔

اگر ایسا نہیں ہے، یقیناً نہیں ہے تو اس کا جواب اُنہی کے الفاظ میں یوں ہوسکتا ہے کہ: "بے ادب حضرات کا باوآدم ہی نرالا ہے، وہ شتر بے مہار کی طرح جو چاہیں کہتے پھریں، اسلام کو کفر اور کفر کو اسلام قرار دیں تو ان کو کون پوچھتا ہے؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

نادان خیر خواہ کی نادانی پر نادانی:

مؤلف راہِ ہدایت بطور ناداں خیر خواہ ، نادانی پر نادانی کا اظہار کرتے ہیں۔ نانوتوی صاحب کی اس عبارت کو بطور استدلال نہ ہی پیش کرتے تو ان کا بھلا تھا۔ جب لکھ ہی دیا ہے تو اس فقیر کو بھی کچھ اشارہ کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ تو گذارش ہے کہ نانوتوی صاحب کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ ان کے عقیدہ میں۔

1: رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی نبی کیلئے کلام ربانی نازل نہیں ہوا۔

خیال رہے اعتقادی مسئلہ کیلئے بقول خانصاحب نص قطعی کی حاجت ہے اہل کتاب، غیر مسلموں کے اعتراف سے عقیدہ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

2: ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ الفاظ کتب سابقہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

3: ان کے عقیدہ میں کتب سابقہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ الفاظ و معانی میں فصاحت وبلاغت شان خداوندی کے مناسب نہیں۔

4: اس شان کی فصاحت ان منزل من اللہ کتابوں میں اس لئے نہیں کہ **"ان کا مہبط خود صفت کلامِ خداوندی نہیں"**

کیا فرماتے ہیں علماءِ دیوبند؟ کیا تورات وانجیل کتب الٰہیہ کو "کلام ربانی" کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

کیا یہ کہنا درست ہے؟ "اگرچہ کتب سابقہ کے الفاظ ومعانی منزل من اللہ ہیں، مگران کی فصاحت وبلاغت شانِ خداوندی کے مناسب نہیں۔ یا یہ کہ وحی منزل من اللہ تعالیٰ مناسب فصیح وبلیغ نہیں۔

ایسا کہنا اگر برحق وبجا ہے تو اس پر دلائل پیش کریں۔ غلط ہے تو قائل کا کیا حکم ہے؟ نیز یہ فرمائیں کہ: "ان کا مہبط خود صفت کلام خداوندی نہیں"

صفتِ کلام خداوندی کو کتابوں کا مہبط کہنے یا نہ کہنے کا کیا مفہوم؟ بیّنوا۔ زیادہ تفصیل کے ساتھ سوال لکھنے کی حاجت نہیں عاقل را اشارہ کافی است۔

زیرِ مطالعہ گفتگو موجودہ مُحرَّف کتابوں کے متعلق نہیں بلکہ اصل سوال مُنَزَّل مِنَ اللہ کتاب کے بارے میں ہے۔ خیال رہے اس بحث کا مقصد اپنی رائے کا اظہار کرنا نہیں بلکہ نانوتوی صاحب کی تحقیق کی وضاحت طلب کرنا ہے۔

خان صاحب کی تعلّی (بڑا بول):

"مؤلف نورِ ہدایت مولانا نانوتوی کی عبارت نہ سمجھا ہے اور نہ سمجھنے کا وطیرہ، خیر سے کسی بات کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے اور بہت ممکن ہے کہ اس کی اہلیت ہی نہ رکھتے ہوں رونا اور مصیبت بھی اسی امر کا ہے علمی دقیق عبارتیں جہلاء کے ہاتھ چڑھ گئیں۔" ع زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

ملاحظہ ہو، راہ ہدایت ص ۵۴، ۵۵

خادم اہل سنت: چشم بددور خانصاحب کو اہل علم کی دقیق مشکل عبارات حل

کرنے کا وطیرہ وسلیقہ بھی ہے، سمجھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں اور اس کی اہلیت بھی ان میں ہے۔ خیر سے شرح مواقف، امام رازی، علامہ تفتازانی، حافظ ابن حجر اور نانوتوی صاحب کی عبارات کو صحیح سمجھنے میں اپنی اہلیت کا لوہا منوا چکے ہیں۔ بلکہ اپنے شیخ حسین علی کی اردو عبارت سمجھنے میں قابلیت کا شاندار مظاہرہ فرما چکے ہیں۔

قارئین تکلیف فرماسکیں تو ان بحثوں پر ایک نظر ڈال لیں۔ کاش! خانصاحب دقیق مشکل عبارات سمجھنے کی جو اہلیت رکھتے ہیں اس کا کچھ جلوہ نانوتوی صاحب کی مذکورہ عبارت میں دکھا دیتے۔

سوال یہ تھا کہ بقول نانوتوی صاحب ہر نبی کا معجزۂ خاص ہر وقت اس کے قبضہ میں رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا بڑا معجزہ قرآن پاک ہے فقیر نے نانوتوی صاحب کے تائید یافتہ حوالہ سے ثابت کیا، قبضہ میں ہونے کا مطلب مٹھی میں ہونا نہیں بلکہ مالک و متصرف ہونا ہے۔ (ملاحظہ ہو تسہیل ادلۃ کاملۃ ص ۱۳۴)

پھر بطور مثال ید موسیٰ، عصائے کلیم اور قرآن پاک کو ذکر کیا گیا۔ بتایا جائے کہ یہ معجزے کس طرح ہر وقت نبی اللہ علیہ السلام کے قبضہ میں ہیں؟ اور کیسے انکے مالک اور ان میں متصرف ہیں؟

اصل سوال کا جواب دینے کے بجائے مؤلف راہِ ہدایت آسمان تحقیق سے تارے توڑ لائے اور انہیں عقیدت مندوں کے سامنے یوں سجایا:

خانصاحب: "لفظ قبضہ سے اگر مؤلف نورِ ہدایت نے اس کا آپ کے قصد و اختیار سے صدور سمجھا ہے تو یہ ان کی عجب جہالت بلکہ حماقت ہے کیونکہ مولانا نے اس معجزہ کی مثال آگے قرآن کریم بیان کی ہے۔...... اس کا کوئی قائل نہیں کہ قرآن کریم کے معجزہ میں رسول اللہ ﷺ کے کسب و اختیار کا کوئی دخل تھا۔" (راہ ھدایت، ص ۵۶)

کیا خوب حل پیش کیا ہے؟

خادم اہل سنت: یقیناً رسول اللہ ﷺ کو کلام الٰہی میں کوئی دخل نہیں، نہ ہی کسی اور کو مگر یہ اصل اشکال کا حل نہیں۔ مؤلف راہِ ہدایت پر لازم تھا کہ اس اشکال کا حل پیش کرتے کہ ’’قرآن پاک کا ہر وقت رسول اللہ ﷺ کے قبضہ (مُجاز بالتصرف اور ملک) میں ہونے کا کیا مفاد ہے‘‘؟

کیا خانصاحب اور ان کے ہم مشرب علماء کے ہاں ایسے قوی اعتراض پر سطحی بلکہ غیر متعلق جواب لکھدینا ہی مشکل فہمی کی علامت ہے؟

اور نہ ہی مؤلف نے خود ید موسیٰ اور عصائے کلیم علیہ السلام کی مثالوں سے جب معجزۂ خاص کو سمجھایا تو وضاحت فرما دیتے کہ یہ معجزے بنظر ضرورت حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے کس طرح قبضہ میں تھے؟۔

اس کی بھی وضاحت کرتے کہ تینوں معجزات: ید موسیٰ، عصائے کلیم اور قرآن حکیم ہر لحاظ سے ایک جیسے معجزے ہیں؟ اور معجزۂ ید بیضا اور عصا پر موسیٰ علیہ السلام اور معجزہ قرآنِ حکیم پر نبی مکرم ﷺ کا ایک جیسا قبضہ ہے؟ اگر فرق ہے تو کیا اور کیوں؟ اور اگر فرق نہیں تو اعجازِ عصا اور اعجازِ قرآن حکیم ایک جیسا کیسے ہے؟ خصوصاً ابراء الاکمہ والابرص، احیاء الموتیٰ، تسخیر الریاح، تلوین الحدید وغیرھا معجزات ہر وقت نبی کے قبضہ میں کیسے رہے؟۔ ان کو تفصیل سے بیان کریں۔

مگر قارئین کرام! یاد رکھیں، یہ سانپ کے منہ کا چھچھوندر ہے، وضاحت کریں تو مصیبت، چپ رہیں تو مصیبت۔

مؤلف راہِ ہدایت کی جو عبارت ابھی گزری ہے۔ کیا اس میں اصل سوال کا حل موجود ہے؟ یا اس نرالی منطق سے بنیادی اعتراض ختم ہو جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اصل سوال

کے جواب سے عاجز ہو کر پہلو تہی کرتے ہوئے ایک اور دلیل یوں پیش فرماتے ہیں۔

خانصاحب: ''نانوتوی صاحب اس کی بھی تصریح کرتے ہیں کہ معجزہ مثل پروانہ تقرری کے نبی کو بطور سند نبوت ملتا ہے۔ اور ظاہر ہے سند وہی معتبر اور مستند ہوا کرتی ہے جو معطی کی طرف سے ملا کرتی ہے جس کو خود انسان اپنے ہاتھ سے اور فعل وقصد سے تیار کرتا ہے وہ معتبر نہیں ہوا کرتی۔ (راہِ ہدایت ص ۵۵)

خادم اہل سنت کیا دار العلوم میں جو سند دی جاتی ہے اُس کے حاملین بوقت ضرورت پیش کرنے اور دکھانے میں بے اختیار ہوتے ہیں؟ یا جب بھی انہیں سند پیش کرنے کی ضررت پیش آئے تو دار العلوم والے ہر دفعہ نئی سند لکھ کر دیتے ہیں۔ دیدہ دانستہ ''سند عطا کرنے'' اور ''پیش کرنے'' کو خلط ملط کر کے دھوکہ دہی سے کام لیا جا رہا ہے۔ سند والی مثال سے تو خادم اہل سنت کے مؤقف کی تائید ہوتی ہے نہ کہ خانصاحب کے نکتہ نظر کی۔

نانوتوی صاحب پر الزام:

بانی دیوبند محمد قاسم نانوتوی صاحب سے میرا اختلاف فروعی واجتہادی نہیں، بلکہ اصولی واعتقادی ہے۔ عقیدہ ختم نبوت کی تفہیم اور خاتم النبیین کے قطعی یقینی اجماعی معنی کے بیان میں نانوتوی صاحب نے سخت ٹھوکر کھائی، جس کی تاویلات کو تاویل نہیں بلکہ تحریف ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ میرا اختلاف تقلیدی نہیں بلکہ استدلالی ہے۔ نانوتوی صاحب نے عقیدہ ختم نبوت کے بیان میں جو تحریری غلطی کی اس کی تاویل وتوجیہ کی کوئی صحیح صورت نظر نہیں آتی اسلئے ان عبارات کو غلط کہے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں۔

مؤلف راہِ ہدایت جناب خانصاحب گکھڑوی آبروئے دیوبند کے اس فتوی کے بعد کسی قسم کی تاویل کی سوچ بھی نادرست ہے۔ خان صاحب لکھتے ہیں:

''عقیدہ کوئی بھی ایسا نہیں جو غیر قطعی یا جس کا انکار یا تاویل کفر نہ ہو'' (راہ ہدایت ۲۰۲)

جب عقیدہ میں تاویل بھی کفر ہے، تو ایسے موقع پر تاویل کرنیوالے کو مؤول

کا فائدہ دے کر بری نہیں کیا جائے گا، بلکہ محرف ومنکر کہہ کر ایسے شخص پر کفر کا فتوی دیا جائے گا۔ اسلئے تحذیر الناس کی متنازع عبارات کو ایک تاویل کہہ کر بھی جان بخشی نہیں ہوسکتی، جبکہ انہیں اس لغزش پر متنبہ بھی کیا گیا تو بھی انہوں نے رجوع کرنے سے گریز کیا۔

مؤلف راہِ ہدایت کو حق وباطل کے امتیاز میں ایک جیسا معیار رکھنا چاہیے اپنے اور بیگانوں کے کلام کو الگ الگ اوزان سے تولنا ٹھیک نہیں۔ اس مقام پر تحذیر الناس کی ان عبارات کو زیر بحث لانا مقصود نہیں، بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اس قدر اختلاف کے باوجود میں نے یہ نہیں کہا کہ نانوتوی صاحب کلام اللہ شریف میں رسول اللہ ﷺ کے تصرف، کسب اور دخل کے قائل ہیں۔ اور نہ ہی ایسا سوچا۔

اگرچہ یہ کہنا کہ: ''معجزہ خاص قرآن مجید آنحضور ﷺ کے ہر وقت قبضہ میں ہے'' محل نظر ہے۔ البتہ مؤلف راہِ ہدایت (خانصاحب) کا میرے طرزِ استدلال سے غلط نتیجہ اخذ کر کے یہ کہنا کہ مؤلف نور ہدایت اگر اس کلام سے قرآن میں کسب ودخل کو سمجھا ہے تو سخت حماقت ہے۔'' مؤلف راہِ ہدایت کی اپنے ذہن کی اختراع ہے۔

تاہم یہ خیال بار بار آتا ہے کہ نانوتوی صاحب کے کلام میں کسی بھی پہلو سے جس اشکال ونظر کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔ بڑے محقق قسم کے ان کے عقیدتمند اپنے بزرگ کے کلام کی توضیح کیوں نہیں کرتے؟ مجرمانہ خاموشی کیوں اختیار کیے ہوئے ہیں؟

ڈنکے کی چوٹ پر بتاتے کہ معجزہ خاص، خصوصاً قرآن پاک کا ہر وقت نبی کے قبضہ میں رہنے سے میرے امام کے کلام کا یہ مفاد ہے، اور اس کی یہ دلیل ہے۔ اگر عبارت کو غلط سمجھ کر چپ سادہ لی ہے، تو کتمانِ حق، اگر نہیں سمجھے تو جاھل و احمق کون ٹھہرا؟ بہر حال تحذیر الناس کی اس عبارت کے ساتھ ادلہ کاملہ کی عبارت ''قبضہ کا مطلب کسی چیز کا مٹھی میں ہونا نہیں، مُجاز بالتصرف ہے۔ ''تسہیل ادلہ کاملہ ص ۱۳۴'' کو ملا کر اصل اعتراض کا حل کرنا مؤلف راہِ ہدایت کے ذمہ قرض ہے۔

ڈاکٹر خالد محمود سیالکوٹی سے مسئلہ ختم نبوت پر مکالمہ:

دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ کا سالانہ سہ روزہ جلسہ اس علاقے کا سب سے بڑا مذہبی تبلیغی اجتماع ہوا کرتا تھا۔ اعراس کی طرح لنگر عام ہوتا اور رات دن میں کئی مرتبہ پُرہجوم اجلاس ہوتے۔ اس دور کے معروف نامور مقررین کو خطاب کیلئے مدعو کیا جاتا۔ غالباً ۱۹۵۳ء کی بات ہے کہ جلسہ سے خطاب کیلئے ڈاکٹر خالد محمود سیالکوٹی دیوبندی کو بھی دعوت خطاب دی گئی۔ اس وقت موصوف سیالکوٹ کے کسی کالج میں پروفیسر تھے اور عامۃ الناس میں پروفیسر سیالکوٹی کے نام سے معروف تھے آپ نے رات کی نشست میں کفریات مرزا پر زوردار خطاب کیا۔

سیالکوٹی صاحب فتنہء قادیانیت کے رد میں کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے "کادیانی فتنہ کارد"۔ ان کا پسندیدہ موضوع تھا۔ حاضرین نے بھی آپ کے خطاب کو سراہا ، وقفہ وقفہ سے نعرہ تکبیر، نعرۂ رسالت کی آوازیں بلند ہوتی رہیں۔ واپسی کے وقت مہمان کو گاڑی پر سوار کرنے اور الوداع کہنے کیلئے دارالعلوم کے مہتمم صاحب نے مجھے اور میرے ایک اور ساتھی کو محنتانہ کا ملفوف پیش کرنے کیلئے مامور فرمایا۔ ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تو ٹرین کے آنے میں کچھ دیر تھی، کوئی خاص مسافر بھی پلیٹ فارم پر نہ تھے۔ پروفیسر صاحب نے پلیٹ فارم پر ٹہلنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد پروفیسر صاحب نے سکوت کا سلسلہ توڑ کر طالبعلموں سے سوالیہ انداز میں گفتگو شروع کر دی۔ خالد صاحب کے اس انداز سے ہمت پا کر میں نے بھی بطور طالبعلم ان سے کچھ باتیں پوچھتے ہوئے کہا کہ جناب آپ نے رات کو کفر مرزا پر خطاب فرمایا، میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مرزا کے کفر پر کونسی قطعی نص ہے؟ پروفیسر صاحب نے سورۂ احزاب کی آیت مبارکہ......

" مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَسُولَ اللّٰهِ

وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيمًا"

......تلاوت فرمائی اور کہنے لگے کہ وہ اس آیت کا منکر ہے اور قرآن کا منکر قطعاً کافر ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ جناب مرزا غلام احمد کادیانی کی کئی کتابوں میں لکھا ہے کہ "وہ رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین مانتا ہے"۔ بھیرہ میں جوان کا عبادت خانہ ہے اس پر یہ آیت کریمہ لکھی ہوئی ہے۔ مرزا جب آنحضور پرنور ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا منکر نہیں تو اسے کافر کیسے کہہ سکتے ہو؟

اس پر پروفیسر صاحب نے کہا کہ خاتم النبیین کا معنیٰ آنحضرت ﷺ کا آخری نبی ہونا ہے کہ آپ کے بعد اور کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔ اس قطعی معنیٰ کا منکر ہونے کے لحاظ سے وہ کافر ہے۔ جس پر میں نے گذارش کی کہ مرزا اس میں تاویل کرتا ہے علماء نے لکھا ہے کہ مؤول پر فتویٰ کفر نہیں دینگے۔ پروفیسر صاحب نے کہا قطعی معنیٰ میں تبدیلی تاویل نہیں کھلی تحریف ہے۔

مرزا مؤول نہیں محرّف ہے اس پر میں نے خالد محمود سیالکوٹی صاحب سے کہا کہ خاتم النبیین کے اس معنیٰ میں تو جناب محمد قاسم نانوتوی صاحب نے بھی تاویل کی ہے۔ اس کا جواب ہم مرزائیوں کو کیا دے سکتے ہیں؟

قارئین کرام! اللہ جانتا ہے کہ میرے سوال پر پروفیسر صاحب مبہوت ہوکر رہ گئے صرف اتنا جواب دیا کہ میں پھر جب بھیرہ میں آیا تو یہ مسئلہ آپ کو تفصیل سے بتاؤں گا۔ پھر کیا تھا نہ کبھی خالد صاحب بھیرہ آئے اور نہ ہی اُن کی طرف سے تشفی آمیز جواب موصول ہوا۔ موصوف دیوبند کے فاضل، معروف مقرر اور مصنف تھے مناظرانہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ خصوصاً فتنہ کادیانیت کا رد کرنے میں خاصہ تجربہ حاصل تھا۔ میں سوچتا رہا، اتنے معروف سوال کے جواب سے کیوں پہلوتہی کی؟ مجھے یہ گمان ہوا، چونکہ اس وقت مناظرانہ

انداز میں گفتگو نہیں ہو رہی تھی۔ پروفیسر صاحب کا ذہن ادھر نہیں گیا تھا کہ ایک طالب علم یہ سوال بھی کر سکتا ہے اس لئے وہ مبہوت ہو گئے ورنہ مناظر ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ کر وقت گذار سکتا ہے۔

اس واقعہ کے بعد میرے یقین میں مزید پختگی آئی کہ بانی دار العلوم دیوبند محمد قاسم نانوتوی کی کتاب ''تحذیر الناس'' کی بعض عبارات پر وارد ہونیوالے سوالات کے جوابات باصواب علمائے دیوبند کے پاس نہیں۔ یہ اُس دور کی بات ہے کہ جب اس وقت تک امام اہل سنت حضرت الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ یا کسی اور سنی عالم کی کتاب اس موضوع پر لکھی ہوئی نہیں پڑھی تھی۔ تاہم بعض علماء اور طلباء ساتھیوں کے ذریعے اس اختلاف سے آگاہ تھا۔

قول نانوتوی کی صحیح توجیہ کرنا انتہائی مشکل ہے۔

خانصاحب گکھڑوی اور ان کے پیروکاروں کیلئے نانوتوی صاحب کے کلام کا بے غبار محمل بیان کرنا نہایت دشوار ہے۔ ایک نہ ایک خرابی ضرور لازم آتی ہے۔ بانی دار العلوم دیوبند کا دامن بچائیں تو معجزہ کو مقدور النبی ماننا پڑتا ہے۔ بصورت دیگر قبضہ کے مسلمہ مفہوم اور پیش کردہ امثلہ کی روشنی میں نانوتوی صاحب پر سخت ترین سوال وارد ہوتا ہے؟ یہ گلے کی ہڈی نہ نگلی جائے نہ اُگلی جائے۔

نوٹ: غور کرنے سے میرے ذہن میں بھی ایک توجیہ آئی اور اسے لکھوا بھی دیا تھا مگر عزیزم حافظ محمد صدیق چشتی گولڑوی کے اصرار پر اسے حذف کر دیا ہے۔

نانوتوی صاحب کی حل طلب مزید عبارات:

جناب نانوتوی صاحب کی دقیق و عمیق عبارات کے فہم و ادراک کی بات چل ہی نکلی ہے تو مؤلف راہ ہدایت سے درخواست کرتا ہوں کہ تحذیر الناس کی مندرجہ ذیل

عبارات کی بھی وضاحت کریں۔

1) ''کہ جب نبوت کمالات علمی میں سے ہوئی اور در بارۂ علم رسول ﷺ موصوف بالذات ہوئی تو در بارۂ نبوت بھی آپ موصوف بالذات ہونگے۔'' (تحذیر الناس)

2) ''اور آپ (علیہ السلام) جامع العلوم ہیں اور انبیاء باقی جامع نہیں'' ...... مزید یہ بھی لکھا......

''حدیث کُنتُ نبیاً و اٰدمُ بین الماءِ والطین بھی اسی جانب مشیر ہے کیونکہ فرق قدمِ نبوت اور حدوثِ نبوت باوجود اختلاف نوعی خود جب ہی چسپاں ہوسکتا ہے کہ ایک جا یہ وصف ذاتی ہو اور دوسری جا عرضی اور فرق قدم وحدوث، دوام وعروض فہم ہو تو اس حدیث سے ظاہر ہے۔'' (تحذیر الناس ص ۹)

3) ''سو جب ذات بابرکات محمدی صلعم (ﷺ) موصوف بالذات بالنبوۃ ہوئی انبیاء باقی موصوف بالعرض تو یہ بات اب ثابت ہوگئی کہ آپ (والد) معنوی ہیں اور انبیاء باقی آپ کے حق میں بمنزلہ اولادِ معنوی'' (تحذیر الناس ص ۱۳)

4) اسی مسئلہ پر تحقیق مزید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چنانچہ تقریر متعلق آیۃ النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم میں ادنیٰ تامّل کیجئے تو اس پر شاہد ہے [یعنی سب نبیوں کے پاس فیض رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے کیونکہ آپ بالذات نبی ہیں ۔خادم اہل سنت] یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اور انبیاء رسول اللہ صلعم (ﷺ) سے فیض لے کر امتیوں کو پہنچاتے ہیں۔ غرض بیچ میں واسطہ فیض ہیں۔ مستقل بالذات نہیں، مگر یہ بات بعینہٖ وہی ہے جو آئینہ کی نور افشانی میں ہوتی ہے۔ غرض جیسے آئینہ آفتاب اور دھوپ میں واسطہ ہوتا ہے جو اس کے وسیلہ سے ان مواضع میں پیدا ہوتی ہے جو خود مقابل آفتاب نہیں ہوتے، پر آئینہ ٔ آفتاب کے مقابل ہوتے ہیں۔ اس میں ہی انبیاء باقی بھی مثل آئینہ بیچ میں واسطہ فیض ہیں، غرض اور انبیاء میں جو کچھ ہے ظل اور عکس محمدی ہے کوئی کمال ذاتی نہیں۔''

(تحذیر الناس صـ۳۹)

5) رسول اللہ ﷺ کے وصف نبوت سے متصف بالذات اور باقی انبیاء علیہم السلام کے موصوف بوصفِ نبوت بالعرض، ہونے پر مزید لکھتے ہیں:

"مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں فرد اکمل واسطہ فی العروض ہوگا جو اپنے معروضات کے حق میں موصوف بالذات ہوتا ہے اگر چہ کسی اور کی نسبت وہ ہی معروض ہو جیسے آئینہ وقت نور افشانی در و دیوار، اگر دیوار کی نسبت واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہے تو آفتاب کی نسبت خود معروض ہے ایسے ہی اُمور مبحوث عنہا میں سمجھئے"

(تحذیر الناس ص ۲۱، ۲۲)

قارئین باتمکین! ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔ اسلئے مؤلف راہِ ہدایت ہی اس کی وضاحت فرمائیں کہ:

الف رسول اللہ ﷺ کا وصف نبوت ذاتی، باقی انبیاء علیہم السلام کا عرضی۔

ب آپ ﷺ باقی انبیاء کے نبوت کیلئے واسطہ فی العروض۔

ج آپ ﷺ موصوف بالذات اور باقی بالعرض۔

د آپ ﷺ کی وصفِ نبوت قدیم باقی انبیاء علیہم السلام کی نبوت حادث۔

ھ فیض رسانی میں آنحضور پُر نور ﷺ اصل ہیں۔ باقی انبیاء کرام علیہم السلام نور افشانی میں اس آئینہ کی طرح ہیں جو سورج سے روشنی لے کر نور افشانی کرتا ہے۔

وصف ذاتی وعرضی، بالذات وبالعرض، قِدم وحدوث، قدیم وحادث واسطہ فی العروض جیسی اِصطلاحات اہل علم کے ہاں معروف ومتداول ہیں۔ جواب لکھتے وقت اِن کا ضرور لحاظ رکھا جائے۔ مزید براں نانوتوی صاحب کے اس کلام: ......"مگر یہ بات بعینہٖ وہی ہے جو آئینہ کے نور افشانی میں ہوتی ہے۔" ...... سے صرفِ نظر نہ کیا جائے۔ اگر چہ خود نانوتوی صاحب نے واسطہ فی العروض کو آئینہ کی مثال سے سمجھایا ہے، تاہم مزید وضاحت کیلئے تھانوی صاحب کا ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے عام آدمی کو بھی واسطہ فی العروض کا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

دو چیزوں میں ''واسطہ'' کی صورتیں:

تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

''اب سمجھو کہ ایک شئ کا دوسری شئ کیلئے کسی صفت میں واسطہ ہونا اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس صفت کے ساتھ حقیقۃً و بالذات واسطہ ہی موصوف ہو اور ذی واسطہ میں وہ صفت اصلاً نہ ہو، مگر چونکہ اس واسطہ کے ساتھ اس ذی واسطہ کو ایک قسم کا تعلق اور تلبس ہے اسی لئے مجازاً اس کی طرف بھی اس صفت کو منسوب کر دیتے ہیں پس حقیقۃً اتصاف صرف واسطہ کو ہوتا ہے اور مجازاً ذی واسطہ کو جس طرح کشتی واسطہ ہے کشتی نشین کیلئے صفت حرکت میں کہ یہاں حرکت کے ساتھ صرف واسطہ یعنی کشتی موصوف ہے اور ذی واسطہ یعنی کشتی نشین مجازاً۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ کشتی نشین کو مطلق حرکت نہیں ہوتی مگر تلبس اور تعلق کی وجہ سے اس کو بھی متحرک کہنے لگے ہیں اس کا نام واسطہ فی العروض ہے۔

(کلید مثنوی صفحہ ۱۰۰ جلد اوّل جز اوّل، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان)

اہل علم کی معروف اصطلاح ''واسطہ فی العروض'' جسے تھانوی صاحب نے کشتی اور کشتی نشین کی مثال سے سمجھایا، اُسکی روشنی میں نانوتوی صاحب کے کلام کا واضح مفہوم یہی سمجھا جاتا ہے کہ آنحضور پُرنور ﷺ کے علاوہ باقی سب انبیاء کرام علیہم السلام نے وصف نبوت نہیں پائی۔ انکو صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک تعلق اور تلبس کیوجہ سے نبی کہا جاتا ہے۔

''واسطہ فی العروض'' میں ذی الواسطہ سے نفی کرنا بھی حقیقت ہے، تو اس منطقی استدلال کی رُو سے باقی انبیاء کرام علیہم السلام سے وصف نبوت کی نفی کرنا اور اس اعتبار سے اُن کے نبی ہونے کا انکار کرنا بھی درست ہوگا۔ جیسا کہ کشتی میں سوار کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ: وہ رواں نہیں ہے، بلکہ کشتی رواں ہے؛ کیونکہ اُن کے خیال میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو مجازاً نبی کہا جاتا ہے۔

نانوتوی صاحب کے رشحاتِ قلم کسی دوسرے مسلک والے کے نقوشِ قلم ہوتے تو خانصاحب اور انکے ہمنوا ایسی فتوی بازی کرتے کہ الامان الحفیظ مگر اپنے گھر کا

معاملہ ہونیکی وجہ سے کتمان حق کی پالیسی اختیار کئے ہوئے ہیں۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَزَّ اِسْمُہٗ: کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ (النساء الآیۃ ۳۵) انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کیلئے گواہی دیتے، چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا۔ (کنزالایمان)

جناب نانوتوی صاحب کی دقیق و مشکل عبارات میں سے چند عبارات ہدیہ ناظرین کی ہیں، جن کا حل کرنا خانصاحب کی شرعی واخلاقی ذمہ داری ہے۔

ع

نہ اِدھر اُدھر کی تو بات کر، یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے راہزنوں سے گلہ نہیں تیری راہبری کا سوال ہے

دیکھا جائے کہ اپنے ہاتھوں ڈالی ہوئی گرہیں کیسے کھولتے ہیں؟ یہ کہہ کر جان چھڑانا کہ ان عبارات کا اصل موضوع سے تعلق نہیں کسی اور موقع پر جواب دیا جائے گا۔ اعترافِ بے چارگی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ قاریٔ کتاب کو الزامی جواب یا اِدھر اُدھر کی بحث میں نہ الجھایا جائے بلکہ تحقیقی، علمی جواب لکھا جائے۔

ے

ہم نہ کہتے تھے اے داغ زلفوں کو نہ چھیڑ
اب وہ برہم ہیں تو ہے تجھ کو قلق یا ہم کو

ناظرین باتمکین! بانی دارالعلوم نانوتوی صاحب کا صاف شفاف عقیدہ ہے کہ:

"اور انبیاء یعنی حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام تک جتنے انبیاء کرام آئے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ سے فیض لے کر اُمتیوں کو فیض پہنچاتے رہے ہیں کیونکہ وہ انبیاء کرام رسول اللہ کا فیض پہنچانے میں واسطہ ہیں۔"

کیا مؤلف راہِ ہدایت کا بھی اپنے امام مجاہد کبیر کے مطابق یہی عقیدہ ہے؟ یا ان کی رائے میں یہ غلط عقیدہ ہے تو پھر نانوتوی صاحب کیلئے کیا حکم؟

8: فیضانِ نبوت وولایت اور اکابرین دیوبند:

میں جن دنوں جامعہ رضویہ مظہر الاسلام لائل پور (فیصل آباد) میں زیر تعلیم تھا، وہاں دیوبندیوں کے ایک دارالعلوم میں تین روزہ جلسہ ہوا، جس میں مولوی خیر محمد جالندھری، دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری محمد طیّب بطور خاص شریک ہوئے۔ میں بھی قاری طیب صاحب کی تقریر سننے گیا۔ آپ نے مسئلہ حیات النبی ﷺ، عظمت رسول ﷺ اور دیگر عنوانات پر اہل سنت و جماعت کے متفقہ عقائد کے مطابق تقریر کی۔ اس تقریر میں آپ نے یہ بھی کہا:

"تمام کمالات رسول اللہ ﷺ کا فیض ہیں۔ پہلوں کو آپ نے نبوت کا فیض دیا اور پچھلوں کو ولایت کا فیض عطا کیا۔ پہلوں کی نبوت اور آپ کے بعد والوں کی ولایت سب آپ ﷺ کا ہی فیض ہے۔ آپ ہی واسطہ فیض ہیں"۔

گویا آپ نے اپنے مورثِ اعلیٰ بانی دارالعلوم دیوبند محمد قاسم نانوتوی کی مذکورہ بالا عبارات کو عام فہم انداز میں حاضرین کو سمجھایا۔ سنا ہے کہ قاری صاحب نے اِس مضمون کو اپنی تصانیف میں بھی درج کر دیا ہے۔

خانصاحب اور ان کے عقیدت کیشوں کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ کے نظریہ میں مذکورہ بالا عقیدہ ایمان وحق ہے، توحید باری تعالیٰ کی عظمت کے خلاف نہیں تو آپ بھی کبھی کبھی جناب نانوتوی صاحب کا رسالت مآب ﷺ کے حضور پیش کیا ہوا استغاثہ پیش کر دیا کریں۔ کبھی کبھار ہی سہی؛ تا کہ تعلق عقیدت کی توثیق ہو جائے۔

مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامیٔ کار

میرے مسلک میں تو "کہ آپکے سوا کوئی نہیں" کی صحیح توجیہہ ہو سکتی ہے اور ہے بھی۔ تاہم جو صحیح تاویل وتوجیہہ کا بھی انکار کرتے ہیں اُن کیلئے یقیناً مشکل پیش آئیگی۔

اعجاز قرآن کا ایک پہلو:

رسول اللہ ﷺ کے معجزاتِ کثیرہ میں سب سے عظیم تر اور دائمی معجزہ، قرآن مجید ہے۔ حسنِ کلام، فصاحت و بلاغت، معانی و مطالب، حکمتِ بالغہ، اخبار عن الغیب، احکام کی جامعیت وغیرھا کے اعتبار سے اس کلام معجز میں شانِ اعجازی کے جو حسین جلوے دکھائی دیتے ہیں، اہل علم نے اس پر اپنی تصانیف میں کافی روشنی ڈالی ہے۔ اب بھی اہل اسلام اس خدمت پر توجہ مبذول کئے ہوئے ہیں، لیکن ایک اشکال کے حل پر کوئی تفصیلی، تحقیقی مقالہ نظر سے نہیں گذرا۔ ہوسکتا ہے اس جہت سے فضلاء نے تحقیقات فرمائی ہوں اور میں کم مطالعہ کے باعث اس سے آشنا نہ ہوسکا۔

منشاء اشکال : اشکال کا منشاء یہ ہے کہ اولیاء کرام کی کرامات اصل میں اُن کے نبی کے معجزے ہوتے ہیں؛ کیونکہ انہی کی اتباع کا فیض ہے، جیسے کوئی خرقِ عادت فعل اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوا اور وہ معجزہ کہلائے۔ اگر خرقِ عادت امر ولی اللہ کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اس کو کرامت کہا جائیگا۔ مثلاً کھانے پینے کی اشیاء میں خلاف عادت کثرت کا ظاہر ہونا تکثیر طعام اور تکثیر ماء میں اظہار معجزہ کہا گیا ہے۔ اس سے ملی جلی صورت ولی اللہ کے ہاتھ پر صادر ہو تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے دست مبارک کا منور ہونا ''ید بیضا'' ان کا معجزہ ہے۔ کسی صالح امتی کے ہاتھ میں لاٹھی کا نور افشاں ہونا کرامت ہے۔

غرضیکہ معجزہ سے ملتا جلتا خرقِ عادت امر ولی اللہ کو نصیب ہو تو وہ کرامت کہلائے گا، جس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ لیکن یہ صورت معجزۂ قرآنی کے لحاظ سے نہیں بن سکتی۔ وہی کلام معجز جسے رسول اللہ ﷺ نے تلاوت فرمایا آپ کا اسے معجزہ تسلیم کیا گیا۔ اسی کلام پاک کی صحابہ کرام اور اولیاء کرام تلاوت فرماتے رہے۔ فرما رہے ہیں۔ اسے اہل اللہ کی کرامت (خرق عادت) میں پیش نہیں کیا جاتا۔

آپ ﷺ ﴿ فاتو بسورة من مثله ....الآية ﴾ کی تلاوت فرمائیں، خصوصاً منکرین قرآن کو تحدی اور چیلنج فرمائیں تو کلام ربانی آپ کا معجزہ ہے جو کہ باقی و دائم ہے، مگر صداقت حق کے منکر کو اولیاء کرام یہ آیت مبارکہ تلاوت فرما کر دعوت مبارزت دیں تو ان کے حق میں اصطلاحی کرامت نہیں کہا جاتا۔ اگرچہ کوئی بھی قرآنِ حکیم کی مثل، نہ لا سکا ہے اور نہ اس کی مثل کوئی لا سکتا ہے۔ یقیناً اس کی مثل لانے سے سب عاجز ہیں، مگر اس کے باوجود قرآنِ حکیم کو اولیاء کرام کی اصطلاحی کرامت نہیں کہا جاتا، اگرچہ قرآنِ حکیم کی تلاوت باعثِ سعادت و کرامت اور باعثِ نجات و برکت ہے۔

اس مسئلہ کے حل کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ خادم اہل سنت کو اس اشکال کا حل یوں سمجھ آتا ہے کہ کلام معجز، وحیٔ قرآن کا تحمل ذات اقدس و عالی رسول اللہ ﷺ کا خاصہ ہے۔ آپ کے قلب مطہر کے بغیر کسی بڑے سے بڑے سخت سے سخت پہاڑ میں بھی اس کی روحانی، معنوی اور مخفی قوت کو برداشت کرنیکی صلاحیت نہیں رکھی گئی۔ نزول وحی کی کیفیات پر غور کریں کہ نزول کے وقت ''ثقل وحی کا تحمل'' اور اس کے باوصف ''تفہم کلام و معانی'' اور ''تحفظ وحی بکمالہ'' یہ شان اعجازی، مظہر ذاتِ الٰہی نبی مکرم ﷺ کو ہی زیبا ہے۔ اس اعزاز کا سہرا آپ ﷺ ہی کے سرِ محبوبیت پر سجایا گیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿o﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿o﴾ عَلٰى قَلْبِكَ الآية

(پارہ ۱۹ سورۃ الشعراء آیت نمبر ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴)

اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا اُتارا ہوا ہے۔ اسے روح الامین لے کر اترا، تمہارے دل پر۔ (کنز الایمان)

وہی خالق ارض و سماء ارشاد فرماتا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿o﴾ پارہ ۲۸ سورۃ الحشر آیت ۲۱

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اُتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا، پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے اور یہ مثالیں ہم لوگوں کیلئے بیان فرماتے ہیں کہ وہ سوچیں۔

(کنز الایمان)

اسی ذوالجلال والاکرام کا فرمان ہے۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ○ بے شک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔ (کنز الایمان)

(پارہ ۲۹ سورئہ مزمل آیت نمبر ۵)

اگرچہ مفسرین کرام نے ثقل قول، نیز پہاڑ کے خاشع و متصدّع ہو جانیکی اور وجہیں بھی بیان کی ہیں، مگر وحی قرآنی کے ناقابلِ برداشت بوجھ کی حقیقت مسلمہ و ثابت ہے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نزول وحی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

وَلَقَدْ رَأَیْتُهُ ﷺ یَنْزِلُ عَلَیْهِ الْوَحْیُ فِی الْیَوْمِ الشَّدِیْدِ الْبَرْدِ فَیَفْصِمُ عَنْهُ وَإِنَّ جَبِیْنَهُ لَیَتَفَصَّدُ عَرَقًا.

(بخاری شریف جلد اوّل ص ۲)

آپ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سخت سردی کے دنوں میں دیکھا نزول وحی کا سلسلہ ختم ہوتا اور آپکی پیشانی مبارک پر پسینے کے موتی تیزی سے لڑھکتے دکھائی دیتے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی سے روایت ہے۔

"إِنْ کَانَ لَیُوْحَی إِلَی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَی رَاحِلَتِهِ فَتَضْرِبُ بِجِرَانِهَا" (مسند احمد)

یعنی رسول اللہ ﷺ ناقہ پر سوار ہوں اور وحی کا نزول ہوتا تو آپ کی سواری (بوجھ سے جھک کر) اپنا سینہ زمین پر رکھ دیتی۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

"أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَی رَسُوْلِهِ ﷺ وَفَخِذُهُ عَلَی فَخِذِی فَثَقُلَتْ عَلَیَّ حَتّٰی خِفْتُ أَنْ تَرُضَّ فَخِذِی" (صحیح بخاری)

رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی جبکہ آپ اپنی ران مبارک میری ران پر رکھے تھے تو مجھ پر اتنا بوجھ پڑا جس سے مجھے اتنا خوف لاحق ہوا کہ میری ران کچل جائیگی۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

" اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ اِذَا اُوْحِیَ اِلَیْهِ وَهُوَ عَلَی نَاقَتِهِ وَضَعَتْ جِرَانَهَا فَمَا

یعنی جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہو جبکہ آپ اونٹنی پر سوار ہوں تو اونٹنی اپنا سینہ زمین پر

نَسْتَطِيْعُ اَنْ تَتَحَرَّکَ حَتّٰی سُرِّیَ ٹیک دیتی تو اس میں وہاں سے حرکت کی ہمت

عَنْہُ" (تفسیر طبری سورئہ مزمل) نہ ہوتی یہاں تک کہ وحی کا نزول ختم ہو جائے۔

نزول وحی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے حضرت فاروق اعظم ﷺ نے فرمایا۔

" اِذَا نَزَلَ عَلَیْهِ الْوَحْیُ سَمِعَ عِنْدَ وَجْهِهٖ کَدَوِیِّ النَّحْلِ" یعنی جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپکے روئے مبارک کے قریب سے اسطرح کی آواز سنائی دیتی جیسے شہد کی مکھیوں کے لشکر کے اڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔

حضرت ام المؤمنین کی مذکورہ بالا روایت میں صوتی کیفیت کا بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے۔

" فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَحْیَانًا یَاْتِیْنِیْ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ اَشَدُّهُ عَلَیَّ فَیُفْصَمُ عَنِّیْ وَقَدْ وَعَیْتُ عَنْهُ مَا قَالَ" (بخاری ج ۱، ص ۲)

گھنٹیوں کے پیہم بجنے، مکھیوں یا مچھروں کے پروں سے پیدا ہونیوالی آواز میں عادتاً اِمتیاز ممکن نہیں، ایسے نہیں ہوتا کہ اس طرح کی صورت میں انسان ترتیب و تمیز کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت ایسے ہی جاری ہے کہ حضرت انسان اس طرح کی صوتی کیفیات ،کیت اور ترتیب میں امتیاز نہیں کر سکتا۔ مگر آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت تھی کہ خلاف عادت سب حروف، حرکات و سکنات، ترتیل القرآن کے مکمل آداب کیساتھ سمجھ کر یاد بھی کر لیتے تھے۔

ناظرین و قارئین! وحی قرآنی کے ثقل اور احادیث مبارکہ میں مذکور صوتی کیفیت کو دیکھ کر اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ "**تحمل**"، "**تفہم**" اور تحفظِ وحی میں آپ کی شانِ اعجازی کا ایک جلوہ ہے جس کا برداشت کرنا، اُٹھانا، سمجھنا کسی انسان کے بس میں نہ تھا۔ اسے آپکی تلاوت مبارکہ کے سبب اوروں کیلئے آسان کر دیا گیا۔ اس بحث کا خیال کرتے ہوئے آیت مبارکہ ﴿ **فانما یسرناہ بلسانک** ﴾ میں تفکر و تدبر کیا جانا چاہیئے

اہل علم کو متوجہ کرنے کیلئے مختصر لکھدیا ہے کوئی فاضل جا بجا بکھری تحقیقات کو جمع کر کے اس مسئلہ پر تحقیقی مقالہ رقم فرماسکیں تو قارئین کے لئے نفع بخش ہوگا۔

9: مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور تصرفاتِ اولیاء:

عارف باللہ تعالیٰ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصوف اور علم کلام کے نازک مسائل کے حل پر لکھی ہوئی نہایت ہی معروف و مشہور منظوم کتاب ''مثنوی'' کے کئی مقامات پر اولیاء کرام کے روحانی کمالات و تصرفات کا تذکرہ ہے۔ آپ کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں جن میں ایک شعر تو ایسا ہے کہ فارسی ادب سے تعلق رکھنے والے ہی نہیں بلکہ فارسی سے نابلد عوام کی اکثریت کو بھی یہ شعر یاد ہے۔

اولیا را ہست قدرت اَز اِلہ

تیر جستہ باز آرندش زِراہ

مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤقف پر کئی دلائل منظوم فرمائے، ملاحظہ ہوں:

بستہ در ہائے موالید از سبب　　چوں پشیماں شُد ولی از دستِ رب

ہاں ولی جب (کسی سبب کے سرزد ہونے سے) پشیماں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس سبب پر نتائج (و آثار) کا دروازہ بند کردیتا ہے (یعنی اس فعل پر اس کا اثر مترتب ہونے نہیں دیتا۔

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ　　تیر جستہ باز آرندش ز راہ

چنانچہ بعض اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ قدرت (حاصل) ہے کہ چھوٹے ہوئے تیر کو راہ سے واپس لے آئیں۔

گفتہ ناگفتہ کند از فتحِ باب　　تا ازاں نے سیخ سوزد نے کباب

(ولی اپنے آپ پر قربِ حق کا دروازہ کھلا ہونے کے سبب سے منہ سے نکلی ہوئی، نامناسب) بات کو محو کر اسکتا ہے تاکہ نہ (اسکی شامت سے) سیخ جلے نہ کباب۔

از ہمہ دلہا کہ آں نکتہ شنید آں سخن را کرد محو و ناپدید

ولی کو یہ طاقت ہے کہ تمام دِلوں سے جنھوں نے وہ نکتہ سنا ہو اس بات کو محو و نابود کر دے۔

گرت برہاں باید و حجت مِہا از نُبے خواں آیہ اَوْنُنْسِھا

حضرت اگر آپ کو ثبوت و دلیل درکار ہے تو قرآن مجید سے اوننسہا کی آیت پڑھیے۔

آیہ اَنْسَوْکُمْ ذِکْرِیْ بخواں قوّت نسیاں نہادن شاں بداں

(ساتھ ہی آیا) آیہ انسو کم ذکری پڑھو اوران (اولیاء اللہ) میں بھلا دینے کی قوت ودیعت کیے جانے کا خیال کرو۔

چوں بہ تذکیر و بہ نسیاں قادِرند بر ہمہ دِلہائے خلقاں قاہر اند

اولیاء کرام جب یاد داشت اور نسیان پیدا کرنے پر قادر ہیں تو وہ مخلوق کے دلوں پر بھی حکمران ہیں۔

صاحبِ دہ بادشاہِ جسمہاست صاحب دِل شاہِ دلہائے شماست

شہر کا حاکم تو تمہارے اجسام پر حکمران ہے، صاحبِ دل (ولی) تمہارے قلوب پر فرمانروا ہے۔

مردمش چوں مُردمک دیدند خرد در بزرگی مُردمک کس پَے نبرد

(مگر) لوگوں نے (اس ولی کو) پتلی کیطرح حقیر سمجھ رکھا ہے مگر اس پتلی کی بزرگی کا کسی نے پتا نہ لگایا (کہ اس میں کیا کیا عالم سمار کھے ہیں) از خادم اہل سنت

قارئین کرام ! ان اشعار کو ذکر کرنے سے اپنے مؤقف پر استدلال کرنا مقصود نہیں، بلکہ اَصل مقصد، خانصاحب کے حکیم الامت جناب اشرف علی تھانوی کے مسلک و مؤقف کو بیان کرنا ہے کہ اولیاء کرام کے تصرفات مافوق الاسباب (کراماتِ اختیاریہ) کے بارے میں اُن کا کیا عقیدہ ہے؟

تھانوی صاحب کا عقیدہ، اور عقیدہ بھی وہ کہ جس کا تعلق ایمان و شرک سے ہو، وہ کسی اور کیلئے حجت ہو یا نہ ہو، اُمت دیوبندیہ خصوصاً مؤلف راہِ ہدایت سرفراز گکھڑوی کیلئے تو دلیل و حجت ہے۔ اسے پڑھ کر اُنہیں فیصلہ کن انداز میں بتانا ہوگا کہ تھانوی صاحب کا یہ مسلک اہل سنت کے مطابق ہے یا صریح شرک و کفر؟

10: جناب تھانوی صاحب اور خرقِ عادت تصرفات:

جناب تھانوی صاحب مثنوی شریف کے مذکورہ بالا اشعار کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''(1) فائدہ ضروریہ

جاننا چاہیے کہ اولیاء اللہ کی دو قسمیں ہیں ......(الی ان قال)

......''دوسرے وہ جن کے متعلق خدمت اصلاحِ معاش، وانتظام امورِ دُنیویہ، ودفع بلیات ہے کہ:

''کہ اپنی ہمت باطنی سے باذنِ الٰہی ان امور کی درستی کرتے ہیں ۔'' اور یہ حضرات ''اہل تکوین'' کہلاتے ہیں۔ جن کو ہمارے عرف میں ''اہل خدمت'' کہتے ہیں۔ اور ان میں سے جو اعلیٰ اور اقوی اور دوسروں پر حاکم ہوتا ہے اُس کو قطب التکوین کہتے ہیں۔ اور انکی حالت مثل ملائکہ علیہم السلام

کے ہوتی ہے۔ جن کو مدبرات امر فرمایا گیا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام اسی شان کے معلوم ہوتے ہیں۔

پس مولانا نے جو اس مقام پر تصرفات مذکورہ ارشاد فرمائے ہیں، یہ اہل تکوین کا حال بیان کیا ہے، ان کے مقام و منصب کیلئے ایسے تصرفات عجیبہ کا ہونا لازم ہے۔

بخلاف ''اہل ارشاد'' کے کہ ان کا خود صاحب خوارق ہونا بھی ضروری نہیں، البتہ ان حضرات کے کرامات اور طور کے ہوتے ہیں۔

(انتھیٰ بلفظہٖ کلید مثنوی دفتر اوّل ص ۲۹۵ / طبع ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

2: تھانوی صاحب اسی بحث کو بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''صدور اسباب کے بعد آثار کا ترتب قدرتِ عبد سے خارج ہے۔ اور اس سے یہ بھی لازم آیا کہ یہ بھی قدرت نہیں کہ آثار کو مرتب نہ ہونے دیں؛ کیونکہ قدرت کا تعلق دونوں ضدوں سے ہوتا ہے۔ جب ترتب مقدور نہیں تو عدم ترتب بھی مقدور نہیں۔

بلکہ اوپر اس کی تصریح بھی فرمائی ہے۔ وا نگردد از راہ آن تیر الخ، اب فرماتے ہیں: کہ یہ حالت غیر اہل خوارق کی ہے اور اہل خوارق اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یعنی وہ باذنِ الٰہی اولیاء قادر ہیں کہ اسباب پر آثار کو مرتب نہ ہونے دیں۔

جیسا کہ تفصیلاً فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو (یعنی بعض کو حق تعالیٰ کی طرف سے یہ قدرت حاصل ہے کہ تیر جستہ کو یعنی اسباب کو راہ سے ہٹا لاویں یعنی آثار کو مرتب نہ ہونے دیں) جیسا کہ خود اس کی تفسیر فرماتے ہیں۔

(کلید مثنوی ص ۲۹۳ دفتر اوّل)

تھانوی صاحب کے کلام کا مفہوم صاف ہے کہ: عام بندوں کے اختیار سے یہ

بات خارج ہے ،کہ اسباب کے بعد آثار کو مرتب نہ ہونے دیں۔ مثلاً زور سے ضرب لگانے کے بعد درد نہ ہونے دیں ....یا....... قابل شکست چیز کو پھینک کر ٹوٹنے سے بچا لیں۔عام انسانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ اثر کو روکنے پر قادر نہیں ،مگر اولیاء کرام کی جماعت جو اہل خوارِق سے ہیں، اللہ کے حکم سے خدمات بجالانا جن کی ذمہ داری ہے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

ایسے تصرفات کرنے والے اہل اللہ اہل خوارق کہلاتے ہیں۔یعنی اُن سے ایسے خرقِ عادت افعال، کرامات، خدمت گزاری کے صادر ہوتے ہیں۔ایسی کرامات کا اظہار محض اتفاقی اَمر نہیں بلکہ یہ خدمت ان کے سپرد کی گئی ہے۔ اس ذمہ داری کو وہ اپنے قصدو اختیار سے بجالاتے ہیں۔اس طرح وہ اللہ تعالیٰ جل وعلیٰ شانہ کی اطاعت وعبادت میں مصروف ومشغول ہوتے ہیں ۔ایسے تصرفات بالذات نہیں بجالارہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے دوسرے انسانوں کی بنسبت ان کو نمایاں قدرت عطا کی ہے، جس کی وجہ سے وہ اسباب پر آثار کو مرتب نہیں ہونے دیتے۔

3: تھانوی صاحب مزید لکھتے ہیں۔

"پس دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بھلا دینے کی نسبت اپنی طرف بھی کی اور اُنکی طرف بھی کی، جس سے مفہوم ہوا کہ اُنکو بھی قدرت بھلا دینے کی دی گئی ہے، مگر واقع میں وہ فعل اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے، وہ باذنِ خداوندی ایسا کر سکتے ہیں۔ (کلید مثنوی ص ۲۹۴ دفتر اوّل)

تھانوی صاحب کی عبارات:.......

"ان (اولیاء) کو بھی قدرت بھلا دینے کی دی گئی ہے۔"

"واقع میں وہ فعل اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے۔"

"اور وہ (اولیاء کرام) باذن خداوندی ایسا کر سکتے ہیں۔"

کو بطور خاص ذہن میں رکھا جائے، تا کہ بحث سمجھنے میں آسانی ہو۔

4: تھانوی صاحب لکھتے ہیں۔

کیونکہ ایسے خوارق مشاہدہ سے ثابت ہیں، کہ کاملین کے تصرف سے بڑی پکی یاد کی ہوئی چیزیں ذہن سے نکل گئیں۔ (کلید مثنوی ص ۲۹۴، دفتر اوّل)

5: نیز آپ نے لکھا۔

''کیونکہ اوپر ثابت ہو چکا، اِن حضرات کو قلوب میں تصرف ہوتا ہے۔''

(کلید مثنوی ص ۲۹۵، دفتر اوّل)

کلید مثنوی از تھانوی سے ماخوذ فوائد:

مسلک دیوبند کے حکیم الامت جناب اشرف علی تھانوی کی تحریر سے معلوم ہوا کہ ان کے عقیدہ میں۔

1) عام انسانوں کو اسباب کے استعمال کرنے پر قادر و مختار تو بنا دیا گیا مگر ان اسباب پر آثار کا مرتب کرنا یا مرتب نہ ہونے دینا بندے کے اختیار کو کچھ دخل نہیں۔
لیکن اہل خوارق اولیاء کرام اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے اس بات پر قادر ہیں کہ اسباب پر آثار مرتب نہ ہونے دیں جیسے پھینکے ہوئے تیر کو بغیر کسی سبب ظاہری کے باطنی توجہ فرما کر واپس لوٹا دیں۔

2) قرآن پاک کی ایک آیت میں بھلا دینے کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے اور دوسری آیت میں بھلا دینے کی نسبت اولیاء کرام کی طرف کی گئی۔ جس سے ثابت ہوا کہ اولیاء کرام یاد کرانے اور بھلا دینے کی قدرت رکھتے ہیں۔

3) اللہ تعالیٰ نے بھلا دینے کی نسبت جب اولیاء کرام کی طرف بھی کی ہے کہ ایسے لوگ یاد کرانے اور بھلا دینے کی قدرت رکھتے ہیں تو معلوم ہوا کہ تمام مخلوق کے دلوں پر ان کو غلبہ حاصل ہے۔

4) جو چیز اور بندوں کی قدرت سے خارج ہے، اہل خوارق (اصحاب کرامات) باذن اللہ تعالیٰ اس خرقِ عادت تصرف پر قادر ہیں۔

5) اولیاءِ کاملین کے تصرف باطنی سے بڑی پکی یاد کی ہوئی باتیں ذہن سے نکل جاتی ہیں۔ ایسے خوارقِ عادت (ظاہری اسباب کے بغیر تصرفات) مشاہدہ سے ثابت ہیں

6) بھلا دینا حقیقتاً بالذات اگرچہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، مگر بعطاء الٰہی اولیاء کرام ایسا کرسکتے ہیں۔ یعنی بھلا دینا ایجاد کے لحاظ سے اللہ کا فعل ہے اور باعتبارِ کسب، اللہ تعالیٰ کے ولی کا فعل ہے۔ ولی اللہ ایسا فعل کرسکتا ہے۔

7) اولیاء کرام کا وہ طبقہ جنہیں ''اصحاب تکوین'' یا ''اصحاب خدمت'' کہتے ہیں، اُن کی حالت ملائکہ کرام کی طرح ہے، جن کو ''مدبرات امر'' کہا گیا ہے۔ اس گروہ کے سرخیل افضل کو ''قطب التکوین'' کہا جاتا ہے۔ جیسے ملائکہ مدبر و متصرف ہیں، اولیاء کرام بھی مدبرات اَمر ہیں۔

8) تکوینی اُمور: اصلاحِ معاش، انتظام امورِ دُنیویہ، دفع بلیات، مصائب کا ٹالنا وغیرہ، بعطاء اللہ تعالیٰ ہمت باطنی کے ذریعے نظام عالم کو درست کرنے کی خدمت پر اولیاء کرام کو مامور کیا گیا ہے۔

9) اولیاء کرام کے طبقہ اہل تکوین کے لئے تصرفات عجیبہ کا ہونا لازم ہے۔

یاد رہے! تھانوی صاحب کے عقیدہ میں اہل تکوین کیلئے ایسے تصرفات کا اظہار کرنا لازم ہے جبکہ خانصاحب کے مسلک میں ایسا عقیدہ خالص شرک ہے۔

10) اصحاب ارشاد، باطنی توجہ کر کے معاشرہ کی اصلاح فرماتے اور ان کی کرامت حسی نہیں، معنوی ہوتی ہیں۔

الافاضات الیومیہ میں خانصاحب کے حکیم الامت کا ارشاد:

'' قطب التکوین کو اپنی قطبیت کا علم ضروری ہے مگر قطب الارشاد کو

ضروری نہیں۔ابدال وغیرہ بھی تکوینات سے متعلق ہیں۔قطب الارشاد میں تعدد ضروری نہیں، قطب التکوین متعدد ہوتے ہیں۔مگر قطب الاقطاب تمام عالم میں ایک ہوتا ہے، اُس کا نام غوث ہے۔اہل کشف اُنکو پہچانتے ہیں، قطب التکوین دائماً اور قطب الارشاد احیاناً متعدد بھی ہوتے ہیں'' (الافاضات الیومیة جلد ۱ ص ۲۱۱)

یعنی اولیاء کرام کی ایک جماعت تکوینی امور میں متصرف ومختار ہے۔

مؤلف راہِ ہدایت اور اُنکے حواری صاف صاف بتائیں کہ تھانوی صاحب کے ارشاد'' واقع میں وہ فعل اللہ ہوتا ہے اولیاء باذنِ خداوندی کر سکتے ہیں'' اور دیگر ارشادات کو عقل کی عینک لگا کر بار بار پڑھیں اور بتائیں کہ اس خادم اہل سنت نے تھانوی صاحب کے اس عقیدہ سے بڑھ کر کیا لکھا؟ جس پر فتوی بازی کا طوفان اٹھایا گیا۔ جب یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ:

ع ایں گناھیست کہ در شہر شما نیز کنند

تو راہِ ہدایت نامی تالیف میں اس خادم اہل سنت کو جن پھکڑ نوازشات سے نوازا ہے کیا ان میں سے تھوڑا سا ہدیہ اپنے حکیم الامت کو نذر کرنا پسند فرمائیں گے؟ اتنا ہی کافی نہیں، ارواح ثلاثہ، افاضات یومیہ کے حوالہ جات نیز خاندان ولی اللّٰہی ہی کے کمالات کے ذکر سے تو دن میں تارے دکھائی دینے لگیں گے۔

ع خود کردہ را علاجے نیست

11: تصرفاتِ اولیاء بحوالہ کراماتِ امدادیہ:

مخدوم المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے روحانی تصرفات کو علمائے دیوبند نے'' کرامات امدادیہ'' کے نام سے جمع کیا، جسے دیوبند ہی میں طبع کرایا گیا۔اُس

رسالہ میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے جن خوارق وتصرفات کو جمع کیا گیا اُن کا مقصد ہی یہ بیان کیا گیا کہ اہل اسلام کے دل خوش ہوں۔ حاجی صاحب کی دینی عزت وعظمت لوگوں کے دِلوں میں بڑھے۔

اس رسالہ میں جن خرقِ عادت افعال وکرامات کا ذکر کیا گیا اُن میں سے بعض کا ذکر اِن شاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر آئے گا، تو پتہ چلے گا کہ علمائے دیوبند کیا کہتے ہیں؟ اور اُن کے خوشہ چین مسلک دیوبند پر ناز کرنیوالے سرفراز گکھڑوی صاحب کس ڈگر پر چل رہے ہیں؟ اور نام لیے بغیر اپنے مشائخ پر کس طرح تبرہ بازی کر رہے ہیں۔ ایسے ہی حالات کو دیکھ کر کسی نے کہا۔

ع من چہ گویم و طنبورہ من چہ سراید

رسالہ کراماتِ امدادیہ کی ابتداء میں محققین دیوبند کے چند اصول بعنوان" مسئلہ" بیان کئے ہیں، اس میں لکھا:

" **مسئلہ دوم** : اور جاننا چاہئے کہ کرامت کیلئے نہ اُس ولی کو علم ہونا ضروری ہے اور نہ اُس کے قصد کا متعلق ہونا ضروری ہے، اور احیاناً علم ہوتا ہے قصد نہیں ہوتا، اور کبھی علم وقصد دونوں اَمر ہوتے ہیں، اس بنا پر کرامت کی تین قسمیں ٹھہریں۔" (کرامتِ امدادیہ ناشر کتب خانہ ہادی دیوبند صفحہ ۵)

عرف وعقل کا تو یہی فتوی ہے کہ جو اُمور وافعال قصد وارادہ سے سرزد ہوتے ہیں انہی کو" افعالِ اختیاری" یا " کسبی" جیسے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ کراماتِ امدادیہ کے اس ضابطہ کو سمجھنے کیلئے اُسی کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

" **مسئلہ ہفتم** : اور جاننا چاہئیے کہ بعض اولیاء اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات وخوارق سرزد ہوتے ہیں اور یہ اَمر معنیً حد تواتر تک پہنچ گیا ہے۔"

(کراماتِ امدادیہ ص ۶ ناشر کتب خانہ ھادی دیوبند)

خانصاحب ہی فتویٰ دیں گے کہ علمائے دیوبند، اولیاء اللہ کیلئے اور وہ بھی اصحاب القبور سے ایسے تصرفات وخوارِق (مافوق الاسباب عادی) افعال کا سرزد ہونا مانتے ہیں اور اُسے متواتر قرار دے رہے ہیں۔ کیا وہ بھی اِن فتووں سے کچھ حصہ پائیں گے؟ یا صرف اہل سنت علمائے بریلی کیلئے ہی سب نوازشات ہیں؟۔

قارئین کرام ! یہ بھی نوٹ فرمالیں کہ مطبوعہ ''کراماتِ امدادیہ'' کے سرورق پر بطورِ استدلال مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مندرجہ ذیل تین شعر لکھے ہوئے ہیں۔

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ
تیر جستہ باز آرندش ز راہ

بستہ درہائے موالید از سبب
چوں پشیماں شد ولی از دست رب

گفتہ نا گفتہ کند از فتح باب
تا ازاں نے سیخ سوزد نے کباب

اِن اشعار کے ذکر کرنے کا مقصد تبرک وتیمّن بھی ہے اور استشہاد واستدلال بھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ صاحب کتاب کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو ایسی قوت وطاقت عطا کی ہے کہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی اپنی ہمتِ باطنی سے واپس کر لیتے ہیں۔ ایسے خرقِ عادات افعال، کرامات اور تصرفات پر ان کو اختیار حاصل ہونا، اللہ تعالیٰ کا ان پر خصوصی کرم ہے۔

جب علمائے دیوبند کی متفقہ، مسلمہ شخصیت، شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اِس جماعت کے حکیم الامت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی، اُنکے ہی اِمامِ ربانی مولوی رشید احمد گنگوہی اور دیگر اکابر، مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذکورہ اشعار کے مطالب کو درست مانتے ہیں۔ اہل اسلام کا سچا عقیدہ تسلیم کرتے ہیں اور جابجا بطورِ استدلال اُنہیں پیش کرتے ہیں، تو پھر خانصاحب کو کچھ تو ہوش کرنا چاہئیے کہ اُن

کے فتووں کے نشانے پر کون لوگ آتے ہیں؟ کیا علمائے اہل سنت بریلوی نے کوئی نیا عقیدہ ایجاد کیا ہے؟ یا وہی عقیدہ ہے جسے تمام اسلاف درست سمجھتے تھے؟ اور پہلے دور کے دیوبند سے وابستہ علما کا بھی اس عقیدہ پر اجماع تھا۔ وہ سب کے سب مولانا روم کے بیان کردہ عقیدہ کے مطابق عقیدہ رکھتے تھے۔ اِس اجماع سے خارج خانصاحب گکھڑوی اور اس کے ہمنواہی ہیں جو اہل دیوبند سے نکلا ہوا الگ گروہ ہے۔

دیوبند کے قطبِ عالم رشید احمد گنگوہی کی سوانح مؤلفہ عاشق الٰہی میرٹھی میں ہے۔

حسی کرامات:

اولیاء را هست قدرت از اله — تیر جسته باز آرندش ز راه
بسته در هائے موالید از سبب — چوں پشیماں شد ولی از دست رب
گفته نا گفته کند از فتح باب — تا ازاں نے سیخ سوزد نے کباب

کرامت اُس خرقِ عادت امر کا نام ہے جو متبع سنت، کامل التقویٰ مومن سے صادر ہو۔ کرامت کے لئے ضروری نہیں کہ اُس ولی کو جو مظہر کرامت بنا ہے۔ اُس کا علم بھی ہو اور نہ یہ لازم ہے کہ قصد وارادہ اُس کے ساتھ متعلق ہو پس کہیں علم وقصد دونوں ہوتے ہیں اور کہیں دونوں میں سے ایک بھی نہیں ہوتا اور کہیں علم ہوتا ہے قصد نہیں ہوتا۔ (تذکرة الرشید مؤلفه عاشق الٰهی میرٹھی مطبوعه سهارن پور جلد۲ ص ۲۰۰)

اس سچائی کا کوئی صاحب عقل انکار نہیں کرسکتا۔ عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی اور اُنکے اکابر کا اولیاء کرام کے متصرف و مختار ہونیکے متعلق وہی مسلک ہے جو اہلسنت وجماعت کا برحق مؤقف ہے کہ اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت وطاقت کے سبب کمان سے نکلے ہوئے تیر کو واپس کرسکتے ہیں، یعنی اہل اللہ بلا اسباب ظاہری تصرفات فرماتے ہیں اور گفتہ کو ناگفتہ کر دکھاتے ہیں۔ اولیاء کرام کا اس طرح کے تصرفات پر قادر ہونا ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے خصوصی عنایات سے نواز دے۔

اہل دیو بند کے واں بھچری ٹولہ سے پہلے علماء دیو بند اور اُنکے اکابر حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک وعقیدہ سے متفق تھے۔ مولانا روم کے اشعار کے بعد میرٹھی صاحب نے جو کچھ لکھا، اس پر تبصرہ کی تو حاجت نہیں مگر ہوسکتا ہے کہ قارئین کو دھوکہ دینے کیلئے کوئی شخص قصد وارادہ سے صادر ہونے والی کرامت کے مفہوم میں تحریف سے کام لے۔ اس فتنہ کے سد باب کیلئے خود میرٹھی صاحب کی زبانی قصد وارادہ، علم واختیار سے صادر ہونیوالی ایک کرامت ہدیہ ناظرین کی جارہی ہے۔ خود صاحب کتاب کی اس تفسیر کے بعد کسی ابہام کی قطعاً گنجائش نہیں رہتی۔

ایک مجذوب کی کرامت:

قصبہ لوہاری میں دیو بندیوں کے ایک بزرگ حاجی عبدالرحیم رہا کرتے تھے اور اسی شہر میں ایک مجذوب پنجابی بھی رہتے تھے، اس مجذوب کی کرامت صاحب کتاب کے قلم سے پڑھیئے۔

"حضرت حاجی صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ جب بغرضِ زیارت حرمین شریفین عرب کو گئے تو ایک دن جہاز میں حضرت کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا، ذرا سی دیر گذری تھی کہ ایک ہاتھ سمندر سے لوٹا تھامے ہوئے نکلا اور لوٹا حاجی صاحب کے ہاتھ میں پکڑا کر غائب ہوگیا ادھر لوہاری میں اُن مجذوب صاحب نے حضرت کے خدام سے فرمایا کہ تمہارے حاجی کے ہاتھ میں سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا تھا میں نے اُن کو لوٹا پکڑوایا۔ حضرت کے خدام نے سمجھا کہ بڑ ہانک رہے ہیں جب حضرت حاجی صاحب حج سے فارغ ہوکر واپس ہوئے اور لوہاری میں تشریف لائے تو کسی کو مجذوب کی بات یاد آگئی۔ اُنھوں نے حضرت سے عرض کیا، آپ نے فرمایا: سچ ہے بیشک یہ واقع جہاز میں پیش آیا مگر اُس وقت وہ ہاتھ میری شناخت میں نہیں آیا کہ کس کا ہے؟

(تذکرۃ الرشید جلد ۲ ص ۲۵۶، ۲۵۷)

اللہ تعالیٰ کے ولی کا سینکڑوں میل دور بیٹھے ہوئے سمندر میں گرنے والے لوٹے کو جاننا، اتنے دُور بیٹھے بیٹھے روحانی قوت سے ہاتھ بڑھا کر لوٹے کا پانی سے نکالنا، اور حاجی صاحب کے سپرد کرنا، یہ تصرف خرقِ عادت ہے۔ مافوق الاسباب العادیہ ہے۔ ولی اللہ کے قصد واختیار سے ہے۔

12: رسول اللہ ﷺ کا ملک وتصرف محمود الحسن دیوبندی کی نظر میں:

دیوبندی مکتبہ فکر کے شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی نے ''**اِدّلہ کاملہ**'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جسے بانی دارالعلوم دیوبند محمد قاسم نانوتوی نے بہت پسند فرمایا۔ جس کا تذکرہ بایں الفاظ مذکور ہے:

''حضرت استاذ مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ نے نہایت پسند فرما کر طبع کرانے کا ارشاد فرمایا اور آئندہ تالیف کیلئے ہمت بندھا دی''۔

(حیات شیخ الہند ص ۲۲۹ بحوالہ تصحیح ادلہ کاملہ ص ۱۹)

علمائے دیوبند نے اس کتاب کی بہت تعریف کی، اصغر حسین میاں نے اس کتاب کو پُرمغز، جامع مانع اور مدلل قرار دیا۔ جناب لکھتے ہیں:

''اِدّلہ کاملہ جس کا دوسرا نام ''اظہار الحق'' بھی ہے۔ دو جز کا ایک مختصر رسالہ سب سے پہلی تصنیف ہے...... لیکن برخلاف عام مصنفین کے کہ اُن کی ابتدائی تصانیف میں وہ بات نہیں ہوتی جو آخری تصانیف میں ہے۔ حضرت مولانا کی یہ پہلی کتاب بھی آئندہ تصانیف کی طرح مکمل ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ پُرمضامین اور دقیق اور مدلل ہے اہل علم ہی کچھ داد دے سکتے ہیں''۔

(حیات شیخ الہند ص ۱۷۸ مطبوعہ دار الکتب اصغریہ دیوبند)

مندرجہ بالا ہر دو حوالوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اِدّلہ کاملہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر کی نظر میں کتنی مدلل اور قابل اعتماد ولائق ستائش کتاب ہے۔ اس کتاب میں محمود الحسن

صاحب، رسول اللہ ﷺ کی وسعت ملک اور کائنات میں تصرف کے بارے میں لکھتے ہیں:

(۱) ''حضور تمام کائنات کے مالک ہیں۔ رہی یہ بات کہ حضور اکرم ﷺ تمام کائنات کے مالک کیسے ہیں؟ تو اُس کی تفصیل یہ ہے کہ دو مساوی درجہ کی ملکیتیں تو جمع نہیں ہو سکتیں، چنانچہ دو یا زیادہ خدا ممکن نہیں ہیں؛ کیونکہ تعدُدِ الٰہ کی صورت میں سب کی ملکیتیں مساوی درجہ کی ہونگی اور یہ بات ممکن نہیں ہے۔ ہاں دونوں ملکیتیں یکساں درجہ کی نہ ہوں بلکہ متفاوت درجہ کی ہوں، تو پھر اجتماع ممکن ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ تمام کائنات کے مالک ہیں اور پھر انسان بھی خاص خاص چیز کے مالک ہیں؛ کیونکہ یہ دونوں ملکیتیں مساوی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ مالکِ حقیقی ہیں اور بندے مالکِ مجازی (بالفاظ دیگر، ''عطائی'' خادم اہل سنت) ہیں، اسطرح اللہ جل شانہ، کے بعد حضور اکرم ﷺ تمام چیزوں کے مالک ہیں۔ خواہ وہ جمادات ہوں یا حیوانات، انسان ہوں یا غیر انسان، سب حضور اکرم ﷺ کے مملوک ہیں۔

(ادلہ کاملہ تالیف شیخ الهند محمود الحسن دیوبندی قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۱۵۱)

مسطورہ بالا حوالہ سے چند سطر پہلے تحریر ہے:

حضور اکرم ﷺ کیلئے ھبہ جائز تھا:

(۲) ''اور نبی اکرم ﷺ کیلئے ہبہ کا جواز اس لئے تھا کہ آپ اصل ہی سے اللہ تعالیٰ کے بعد سب چیزوں کے مالک ہیں۔ (ادلہ کاملہ ص ۱۵۱)

اسی کتاب ''ادلہ کاملہ'' میں ہے کہ: ملکیت کی علت قبضہ تامہ ہے۔ اور قبضہ تامہ کا مطلب مُجاز بالتصرف۔

(۳) ''کسی بھی چیز کے مالک ہونے کی علت تامہ قبضہ ہے، مگر قبضہ کیلئے ضروری ہے کہ تام ہو، یعنی حقیقی اور مستقل ہو، اور'' قبضہ'' کا مطلب کسی چیز کا مٹھی میں ہونا نہیں، بلکہ مُجاز بالتصرف ہونا ہے لہٰذا چور اور غاصب کا جو قبضہ ہے وہ حقیقت میں قبضہ ہی نہیں، کیونکہ چور اور غاصب مالِ مسروق اور شئ مغصوب میں شرعاً تصرف کے مجاز نہیں ہیں اور'' حقیقی قبضہ'' وہ ہے جس کو حسبِ حکم شرع قاضی بھی برقرار رکھے اور اس قبضہ کو ختم کرنے کا

قاضی کو بھی اختیار نہ ہو، اور ''مستقل'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ قبضہ اصلی ہو عارضی نہ ہو، لہٰذا جو قبضہ عارضی اور مجازی ہوگا وہ تام نہیں ہوسکتا جیسے شیٔ مرہون پر مرتہن کا قبضہ، مالِ یتیم پر اُسکے سرپرست کا قبضہ، عاریت کی چیز پر عاریت پر لینے والے کا قبضہ، اور ودیعت وامانت پر اُس شخص کا قبضہ جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے''۔ یہ سب قبضے حقیقی اور مستقل نہیں ہیں بلکہ حقیقی اور اصلی قبضہ مالک کا ہے اور وہ اِن حضرات کے قبضہ کے ساتھ متصف ہونے کیلئے واسطہ فی العروض ہے، لہٰذا اُن کا اتصاف مجازی ہے، نیز ان حضرات کا قبضہ عارضی اور وقتی ہے، مالک جب چاہے ان کے قبضہ کو ختم کرسکتا ہے۔

(ادلہ کاملہ ص ۱۳۴ مطبوعہ ایضاً)

فائدہ: حقیقی، مجازی، مستقل، غیر مستقل اور ذاتی کے الفاظ کا استعمال، جب اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے مابین ہوتا ہے تو ان کا معنی اور ہوتا ہے، اور جب باہمی معاملات میں استعمال ہوں تو ان کا مفہوم اور ہوسکتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ یہ مکان یہ چیز اس کی ذاتی ہے یعنی بطورِ عاریت یا اجارہ کے اس کے تصرف میں نہیں بلکہ اس کی ملکیت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی صفات میں ذاتی مستقل کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کا مفہوم اور ہوتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث، اہل دیوبند کے شیخ الہند محمود الحسن صاحب نے رسول اللہ ﷺ کو کل جہان کا اصلی مالک وقابض مان کر قبضہ تامہ کی تفہیم میں مالِ مرہون (امانت) پر مُرتہن کا قبضہ، چوری کے مال پر چور کے قبضہ سے جو مثال دی اور اس پر مستزاد کہا، قبضہ تامہ (اَصل) وہ ہے جسے قاضی بھی ختم نہ کرسکے۔

کیا فرماتے ہیں خانصاحب گکھڑوی اور اُن کے ہمنوا کہ اُن کے عقیدہ میں ایسا لکھنا کہنا ماننا کفر بواح، شرک صریح نہیں؟ کیا شرعی حکم ہے ان کے شیخ الہند اور ان کی کتاب کی توثیق وتصویب کرنے والے علماءِ دیوبند کیلئے؟

نہ اِدھر اُدھر کی تو بات کر، یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا؟

''ادلہ کاملہ'' کی یہ عبارات نہ تو کسی فلسفی ذہن کی اختراع ہے اور نہ ہی کسی کی

شاعرانہ مبالغہ ارائی، بلکہ دیو بندی محقق، شیخ الہند محدث اور ذمہ دار رُکن اعلیٰ کی سنجیدہ علمی شاہکار، صاف اور سادہ عام فہم کلام ہے۔ جس کا سمجھنا آسان، محمود الحسن صاحب کی ان عبارات...... جس کی نانوتوی صاحب نے توثیق و تصدیق کی اور فضلاء دیو بند نے بہت پسند فرمایا...... سے ثابت ہوا کہ:

۱) علمائے دیو بند کے عقیدہ میں رسولِ اکرم ﷺ تمام کائنات کے مالک ہیں۔

۲) اللہ تعالیٰ کے بعد آپ ﷺ ہی اصل سے سب چیزوں کے مالک ہیں۔

۳) اللہ تعالیٰ حقیقی اور ذاتی طور پر مالک ہے اور رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی عطا سے مالک ہیں بایں وجہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان برابری کا شبہ نہیں ہوسکتا اور شرک بھی لازم نہیں آئے گا۔ کیونکہ شرک جب ہوگا کہ کسی اور کو الٰہ سمجھ کر مالک مانا جائے۔

۴) جس طرح اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا مالک ہے اور پھر انسان کو بھی خاص خاص چیزوں کا مالک بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد نبی مختار ﷺ تمام چیزوں کے مالک ہیں۔ جمادات ہوں یا حیوانات، انسان ہوں یا غیر انسان، سب کچھ آپ کے ملک میں ہیں۔

۵) سب کائنات رسول اللہ ﷺ کے قبضہ میں ہے؛ کیونکہ مالک ہونے کی علتِ تامہ قبضہ ہے۔

۶) رسول اللہ ﷺ تمام کائنات میں متصرف ہیں؛ کیونکہ قبضہ کا مطلب مٹھی میں ہونا نہیں، بلکہ مجاز بالتصرف ہونا ہے۔ آپ ﷺ کو کائنات میں تصرف کی اجازت رب کی طرف سے دی گئی ہے۔

۷) آپ ﷺ کا ملک، قبضہ و تصرف، مستقل اور اصلی ہے، عارضی نہیں۔ وقتی نہیں بلکہ

دائمی، ہمیشہ کیلئے ہے۔

۸) رسول اللہ ﷺ کل کائنات کے مالک ہیں۔ سب کچھ آپ کے قبضہ میں ہے آپ کا مِلک اور قبضہ حقیقی اور اَصلی ہے اور حضرات کے قبضہ اور مِلک کے ساتھ متصف ہونے کیلئے رسول اللہ ﷺ واسطہ فی العروض ہیں۔ لہٰذا اَوروں کا تصاف مجازی ہے۔

۹) مالک اَصلی جب چاہے اَوروں کا قبضہ ختم کرسکتا ہے، مگر مالک اَصلی کا قبضہ حقیقی اور مِلک کوئی ختم نہیں کرسکتا۔

کتب سیرت کا ایک عام قاری بھی جانتا ہے کہ ظاہری طور پر رسول اللہ ﷺ کے ملک میں کتنا مال ومتاع تھا، آپ کے زہداختیاری کا یہ عالم تھا کہ کئی کئی دن کھانا پکانے کیلئے چولہے میں آگ نہ جلتی، کبھی پہننے کو دوسرا جوڑا نہ ہوتا اور کبھی کھانے کا کوئی سامان نہ ہوتا۔ اس زُہداختیاری کے باوجود ساری کائنات کا حضور کے قبضہ میں ہونا اور اِس میں آپ ﷺ کا تصرف فرمانا عادی اسباب کے تحت نہ تھا، ما فوق الاسباب العادیہ تھا۔

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دونوں جہاں کی نعمتیں، ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ وآلہٖ وبارک وسلم

خانصاحب گکھڑوی اور اُن کی بولی بولنے والے ہمنواؤں کو دعوتِ غوروفکر دی جاتی ہے کہ قدم قدم پر تکفیر المسلمین کے فتووں کی گلوخ اندازی کا جو مشغلہ اختیار کیے ہوئے ہیں، دیکھ لیں کہ خود اُن کے اکابر کی عزت وناموس کا شیش محل تو پاش پاش نہیں ہورہا؟

مؤلف راہِ ہدایت کیلئے اس کے سواء کوئی چارۂ کار نہیں کہ اپنے غلط فتووں سے سچی توبہ کریں یا اپنے شیخ الہند اور اُن کی کتاب کی تائید کرنیوالوں...... محمد قاسم نانوتوی وغیرہ......کو کافرومشرک، بلکہ ابوجہل سے بڑھا ہوا مشرک قرار دیں۔

مؤلف راہِ ہدایت اِسے بار بار پڑھیں اور پوری توجہ سے پڑھیں۔

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے بعد حضور اکرم ﷺ تمام چیزوں کے مالک ہیں خواہ وہ جمادات ہوں، یا حیوانات انسان ہوں یا غیر انسان سب حضور اکرم ﷺ کے مملوک ہیں۔''

''آپ ﷺ اصل ہی سے اللہ تعالیٰ کے بعد سب چیزوں کے مالک ہیں''

''ملکیت کی علت ''قبضہ تامہ'' ہے اور ''قبضہ تامہ'' کا مطلب ''مُجاز بالتصرف'' ہونا ہے۔''

مؤلف راہِ ہدایت سے ایک سوال:

''اَدِلّہ کاملہ'' میں لکھے ہوئے عقائد اگر آپ کے خیال میں حق ہیں تو اپنی تالیفات کو دریا برد کردیں۔ اگر محمود الحسن صاحب کا عقیدہ غلط وفاسد ہے تو ان کے لئے اور ان کے عقیدتمندوں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

نیز اس کی بھی وضاحت کریں ادِلّہ کاملہ میں رسول اللہ ﷺ کیلئے بیان کردہ مِلک واختیار اور مختارِ کل کے مفہوم ومصداق میں کیا فرق ہے؟

اُمید کرتا ہوں اس کا حل ضرور پیش فرمائیں گے۔ اگر علماءِ دیو بند کی حسن عقیدت محمود الحسن اور دیگر اکابر کے اس عقیدہ کو، کفر قرار نہیں دیتی، بلکہ صحیح اور درست سمجھتی ہے، تو آیئے! مل کر اپنے آقاء ومولا کی شان میں پڑھیں!

کل جہاں مِلک اور جَو کی روٹی غذا
اُس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

صلی اللہ علی حبیبہٖ وآلہٖ وسلم

علامہ انور شاہ کشمیری اور معجزۂ نبی:

دار العلوم دیو بند کے شیخ الحدیث جناب انور شاہ کشمیری، بخاری شریف کی روایت

......جس میں حضرت کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام کے تھپڑ مار کر حضرت ملک الموت علیہ السلام کی آنکھ نکال دینے کا ذکر آتا ہے [اس حدیث پر بحث باب ثانی میں ہے]......کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَاِنَّمَا فُقِاَتْ عَيْنُهُ فَقَطْ لِاَنَّهٗ كَانَ مَلَكُ الْمَوْتِ وَاِلَّا لَانْدَفَتِ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ مِنْ لَطْمَةِ غَضَبِهٖ

کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام کے تھپڑ مارنے سے حضرت عزرائیل علیہ السلام کی صرف آنکھ نکلی کیونکہ وہ ملک الموت تھے۔ (انکے ذمہ کا کام باقی تھا)

وَاِنَّمَا غَضَبُهٗ عَلَيْهِ لِاَنَّ مِنْ سُنَّةِ مَلَكِ الْمَوْتِ بِالْاَنْبِيَاءِ اَنْ يُكَلِّمَهُمْ بِالتَّخْيِيْرِ فَلَمَّا تَرَكَهَا وَاَخْبَرَهٗ بِالْوَفَاةِ اَخَذَتْهُ الْغَضْبَةُ فَلَطَمَهٗ.

(فیض الباری جلد ۲ ص ۴۷۶ مطبوعہ مکتبہ دار الفکر اسلامی لاہور

ورنہ موسیٰ علیہ السلام کے جلالی اور طاقتور تھپڑ کا تقاضا تو یہ تھا کہ ساتوں آسمان ریزہ ریزہ ہوجاتے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملک الموت پر جلال و غضب کی وجہ یہ تھی کہ دربار نبوت کے آداب سے یہ تھا کہ اُنکے اختیارات کے بارے میں اُن سے گفتگو کی جاتی، جب اسکا لحاظ نہ رکھا اور وفات کی خبر دے دی تو موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آگیا، تھپڑ مار دیا۔

دیوبندیوں کے عظیم محدث اور خود خانصاحب گکھڑوی کے قابل صد احترام مایۂ ناز عالم، انور شاہ صاحب کشمیری کا عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اتنی قوت و طاقت عطا فرمائی تھی کہ وہ شانِ نبوت کا مُکا آسمانوں پر ماریں تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام پر غصہ آنے کے باوجود صرف آنکھ نکالی؛ کیونکہ ارواح کا قبض کرنا اُن کے سپرد کیا گیا ہے اور ابھی اُنہوں نے ڈیوٹی کا فریضہ انجام دینا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا خیال نہ فرماتے تو حضرت ملک الموت علیہ السلام پر کیا گذرتی؟ اُوپر کے جملوں کو پڑھ کر اندازہ لگالیں۔

کیا سب کچھ اضطراری اور بے اختیار عمل تھا؟ موسیٰ علیہ السلام کے قصد و ارادہ مظاہرۂ ہمت و طاقت کا کوئی حصہ نہیں تھا؟ اگر کوئی انسان جلال میں آکر کسی کو تھپڑ رسید کردے، جس

ے چہرہ زخمی ہو جائے، دانت نکل جائے، تو کیا وہ شخص تھپڑ مارنے والے کیخلاف نالش اور قصاص کا اسلئے مطالبہ نہیں کرے گا کہ چونکہ اثر کا پیدا کرنیوالا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے؟ اسلئے تھپڑ مارنیوالا شخص مجرم و خطا کار ہی نہیں ہوگا؟ کیونکہ وہ اِس فعل میں غیر مختار ہے۔ یاللعجب!

یہ ہے عقیدہ اہل دیوبند کے مایہء ناز محدث جناب انور شاہ صاحب کشمیری کا!

جبکہ مؤلف راہِ ہدایت کا عقیدہ اُس کے متضاد ہے، خانصاحب لکھتے ہیں:

''اور معجزہ نبی کا فعل نہیں ہوتا اور نہ اُنکے قصد و اختیار کا اُس میں کچھ دخل ہوتا ہے۔ یہاں تک عام افعال اختیاریہ میں جتنا کسب و اختیار بندوں کو حاصل ہوتا ہے معجزات میں وہ بھی بالکل مفقود ہوتا ہے اور تمام علمائے کلام اور متکلمین کے نزدیک حتی کہ معتزلہ کے نزدیک بھی معجزات اُن افعال میں ہرگز داخل نہیں جن میں بندوں کی قدرت کا کچھ دخل ہو۔ (راہ ھدایت ص ۳۶)

ناظرین کرام خانصاحب کے ارشاد، خط کشیدہ عبارت کو بار بار پڑھیں اور علمائے دیوبند خصوصاً اشرف علی تھانوی، انور شاہ کشمیری اور محمود الحسن کی تحریرات کو ملاحظہ فرمائیں، تو یہ حقیقت آفتاب نیمروز کی طرح چمک رہی ہے کہ: دیوبندی حضرات بنیادی اعتقادی مسائل میں تضاد کا شکار ہیں۔ ایک جس کو ایمان کی علامت قرار دیتا ہے دوسرا اُس کو کفر قرار دیتا ہے۔ پورے دیوبندی لٹریچر کا تو میں نے مطالعہ نہیں کیا، جتنا کچھ دیکھا ہے اُس کی روشنی میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں۔

مولوی سرفراز گکھڑوی کے بہت سے اکابر کا انبیاء و اولیاء کے تصرفاتِ عالیہ کے بارے میں رائے اور تھی جبکہ خانصاحب اور اُس کے شیخ اور اُن کی طرح سوچ رکھنے والے دیوبندی گروہ کا عقیدہ اُن سے متضاد ہے۔ اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔

خانصاحب کی طرف سے کھلا چیلنج منظور:

خانصاحب! ''ہم مؤلف نور ہدایت بلکہ اُنکے جملہ اساتذہ اور پوری جماعت سے مطالبہ

کرتے ہیں کہ ہمیں کم ازکم ایک ہی حوالہ کسی معتبر اور مستند عالم کا جو اہل السنّت والجماعت میں سے ہو، ایسا بتائیں جس میں اس کی بالکل صراحت ہو کہ معجزہ نبی کا اپنا فعل ہوتا ہے اور اس کے کسب واختیار کا اس میں دخل ہوتا ہے ہم اس جواب کے اشد منتظر رہیں گے۔ فھل من مبارز یبارزنی؟ دیدہ باید ۔ اور یا اہل حق کا ساتھ دے کر صدائے خدا اور رضائے مصطفیٰ ﷺ کو اپنائیں۔

اس چمن میں پیرو بلبل ہو یا تلمیذ گل
یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر

(راہ ہدایت ص ۴۸)

ل) خادم اہل سنت:

بحمد اللّٰہ تعالٰی وعونہٖ وببرکۃِ النبی الکریم ﷺ، اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کی حقانیت پر قرآن حکیم کی متعدد آیات مبارکہ اور احادیث صحیحہ پیش کر دی ہیں۔ (ملاحظہ ہو الباب الاوّل، الباب الثانی)

چونکہ قرآن وسنت میں معجزہ، خرقِ عادت اور مافوق الاسباب کے کلمات استعمال نہیں ہوئے، اور دوسرے یہ کہ خود خانصاحب نے مطالبہ کیا ہے کہ: ''کم ازکم ایک ہی حوالہ کسی معتبر اور مستند عالم کا (دکھائیں) الخ'' بایں وجہ قرآن وحدیث سے استفادہ کرنیوالے اہل علم اکابرین اہل سنت، مستند مفسرین، محدثین، متکلمین، فقہاء کرام اور صوفیاء عظام مثلاً:

* الامام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی (م ۵۰۵ھ)
* ابوعبداللّٰہ محمد بن عمر بن حسن اتیمی البکری الرازی (م ۶۰۶ھ)
* ابوالحسن سیف الدین علی بن محمد سالم التغلبی الآمدی (م ۶۳۱)
* ابوبکر محمد بن علی الاندلسی، الشیخ محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸)
* العارف جلال الدین محمد بن بھاؤ الدین الرومی القونوی (م ۶۷۲ھ)
* السید الشریف علی بن محمد بن علی الجرجانی (م ۸۱۶ھ)
* الحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ)

- الامام ابو محمد بدرالدین محمود بن احمد العینی (م ۸۵۵ھ)
- الامام احمد بن أحمد بن أبی بکر الشافعی القسطلانی (م ۹۲۳ھ)
- الامام أبو المواهب عبدالوهاب بن أحمد بن علی الشعرانی (م ۹۷۳ھ)
- العلامہ علی بن سلطان الھروی ، ملا علی القاری (م ۱۰۱۴ھ)
- الشیخ عبدالحق بن سیف الدین البخاری المحدث الدھلوی (م ۱۰۵۲ھ)
- الامام ولی اللّٰہ احمد قطب الدین بن الشاہ عبدالرحیم (م ۱۱۷۶ھ)
- الشیخ الشاہ عبدالعزیز بن الشاہ ولی اللہ الدھلوی (م ۱۲۳۹ھ)
- العلامہ عبدالعزیز الفرھاروی (صاحب النبراس) (م ۱۲۳۹ھ) تقریباً
- المفسر السید شہاب الدین محمود الآلوسی (م ۱۲۷۰) رحمھم اللّٰہ تعالیٰ

بلکہ خود خانصاحب گکھڑوی کے معتمد علیہ اکابرین:

- حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ * جناب محمد قاسم نانوتوی
- جناب اشرف علی تھانوی * جناب محمود الحسن
- جناب عاشق الٰہی میرٹھی * جناب انورشاہ کشمیری

اور جناب مفتی اعظم جامعہ اشرفیہ کے حوالہ جات سے ثابت کردیا گیا ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قدرت سے انبیاء کرام علیہم السلام اپنے قصدوارادہ سے خرقِ عادت افعال (معجزات) ظاہر فرماتے ہیں“

اور یہ کہ:

”معجزات کو نبی اللہ علیہ السلام کا مقدور کہنا، ماننا، اہلِ حق کا مذہب ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام ایسے افعال کے اظہار پر قادر ہیں“

اور یہ کہ:

”اولیاء کرام بھی باعطاء اللہ تعالیٰ اپنے قصدوارادہ سے خرق عادت اُمور ظاہر فرماتے ہیں، یہ کرامات اُنکے قصدوارادہ سے انکے ہاتھ پر صادر ہوتی ہیں۔“

ناظرین وقارئین باتمکین!

دلائل ہمیشہ ”دعویٰ“ کے اثبات کیلئے ہوتے ہیں۔ اس خادم اہل سنت کے ”دعویٰ

''کو ایک نظر پھر دیکھ لیں۔

''بحمد اللہ تعالیٰ ائمہ اہل سنت اور خود حزب مخالف کے اکابرین کی زبانی ثابت ہوگیا کہ: ''معجزات اور کرامات انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے قصد و اختیار سے بھی صادر ہوتے ہیں'' یہی ہمارا دعویٰ اور مقصد اس بحث کا تھا، جسے دلائل واضحہ سے مبرہن کیا گیا۔ اگرچہ طویل ہے، لیکن ازبس اہم و مفید بھی ہے۔

اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم بجاہ النبی الکریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم''

(نورِ ہدایت ص ۳۸ طبع اوّل)

ان مستند و معتبر حوالہ جات کے بعد مؤلف راہِ ہدایت کو ایک لمحہ کیلئے غور کرنا چاہیے کہ اہل السنت والجماعت پر سنگ باری کرتے وقت خود انکے اکابر کے شیش محل پر تو نشانہ پر نہیں۔

دعوتِ حق: مؤلفِ راہ ہدایت (خانصاحب) کو چاہیے کہ اب غلط فتووں سے اجتناب کر کے اہل حق کا ساتھ دے کر رضاء خدا جل شانہ، اور رضائے مصطفیٰ ﷺ حاصل کریں۔ انہی کا تحریر کردہ شعر اس موقع پر پیش کرتا ہوں۔

اس چمن میں پیرو بلبل ہو یا تلمیذ گل
یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر

ب) چیلنج یا دلائل، متنازعہ فیہ زیر بحث مسئلہ پر دیئے جاتے ہیں۔ جناب خانصاحب نے اس چیلنج میں نہایت مکارانہ انداز میں یہ جملہ لکھا کہ: ''معجزہ نبی کا اپنا فعل ہوتا ہے'' عوام تو کجا! خانصاحب کے تلامذہ بھی اس عیاری کو خوش اعتقادی کی وجہ سے نہیں سمجھ سکے۔ اس کلام کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ نبی اس فعل میں مستقل بالذات ہوتا ہے، عطائے الٰہی کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ مسئلہ کہاں مختلف فیہ ہے؟ صرف اپنے آپ کو بچانے کیلئے جب معجزات و کرامات میں نبی اللہ اور ولی اللہ کے قصد و اختیار پر پیش کئے گئے دلائل کو یہ کہہ کر رد کر دیں کہ اس فعل کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا عطا کردہ ہے ان کا اپنا فعل تو نہیں۔ کیا

جو اثر، حرکت، اَمر کسی سے صادر ہوتا ہے وہ اس کا فعل نہیں کہلاتا، کسی غیر کا فعل ہوتا ہے؟

اس لئے خانصاحب پہلے اس کی وضاحت کریں کہ ''اپنے فعل'' سے کیا مراد ہے؟ اِس جملہ کی آڑ میں بہانہ بھی تراشا جاسکتا ہے کہ کرامت و معجزہ کو اختیاری وقصدی تو کہا گیا ہے مگر ''فعلِ اختیاری''، یعنی لفظ فعل تو موجود نہیں۔ ایسا کہتے وقت یہ نہیں بتائیں گے کہ جو اَمر قصد و اختیار سے کیا جاتا ہے اسے ''فعل'' نہیں کہا جائے گا تو کس لفظ سے تعبیر کریں گے؟ جو ''فعل'' کی ضد ہو۔

تنبیہ: مؤلف راہِ ہدایت کیلئے بہت ضروری ہے کہ لفظِ ''فعل'' کا معنی اور مصداق بیان کریں اور بتائیں کہ کس فعل کو ''اختیاری'' کہتے ہیں اور کسے ''غیر اختیاری''۔ خادمِ اہل سنت نے تو بہت تفصیل سے اسے بیان کر دیا۔

ج) بحث و مناظرہ کا ایک اہم اصول:

علم مناظرہ اور علمی بحث و مباحثہ کا واضح اصول ہے کہ فریق مخالف کا مدعی کے دعویٰ سے لفظی نہیں بلکہ معنوی اختلاف ہو۔ بایں طور کہ مخالف کے نظریہ میں مدعی کا دعویٰ عقیدۃً باطل ٹھہرے، تو اس کے خلاف دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ وگرنہ عمر عزیز کے قیمتی لمحات کو ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

خانصاحب نے چونکہ اپنی تالیف ''راہ ہدایت'' میری کتاب ''نورِ ہدایت'' کے رد میں لکھی، اب انہیں آئیں بائیں شائیں کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

بحمد اللہ تعالیٰ یہ خادم اہل سنت اپنے دعویٰ میں حق بجانب ہے، اسی پر قائم ہے۔ اپنے دعویٰ کی حقانیت پر پہلے بھی دلائل و براہین، قارئینِ باتمکین کے نظر کئے تھے۔ انہیں باقی رکھتے ہوئے اب مزید حوالہ جات پیش کر دیئے ہیں۔ میرا کام صرف ''راہِ ہدایت'' بتانا اور دکھانا ہے، منوانا نہیں۔ اور وہ بتانا بھی صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ہے۔

وما توفیقی إلا باللہ العظیم .

خانصاحب اوران کے ہمنواؤں کو چیلنج:

مؤلف راہِ ہدایت اُن کی علمی ذُرِّیت اور مخصوص پیروکاروں کو چیلنج کیا جاتا ہے کہ وہ ''صریح الدلالت قطعی نصوص'' سے ثابت کریں کہ یہ کہنا...... کہ:

''کرامت ومعجزہ کو ولی اور نبی کا مقدور کہہ سکتے ہیں۔ معجزات وکراماتِ انبیاءِ عظام علیہم السلام اور اولیاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے قصد واختیار سے بھی صادر ہوتے ہیں''...... شرک وکفر ہے۔

''ھَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ یُبَارِزُنِیْ کا رجز پڑھنے کے بعد پشت دکھانا مردوں کا شیوا نہیں۔

نہ اِدھر اُدھر کی تو بات نہ کر، یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا؟

خانصاحب اور اُنکے جانشین حل بتائیں!

خانصاحب اور اُن کے علمی ونظریاتی جانشینوں پر لازم ہے کہ محل نزاع کے مطابق چیلنج کا درست جواب دیتے وقت درج ذیل مسائل کا بھی حل پیش فرمائیں۔

الف: ''راہِ ہدایت'' کے کئی مقامات پر لکھا گیا کہ:

''معجزات مافوق الاسباب نہیں''

''معجزات کو مافوق الاسباب امور ماننا حماقت وجہالت ہے''

اور یہ کہ: ''معجزات میں خرق عادت بھی شرط نہیں۔'' کما نقل .

اور یہ کہ: ''معجزات اموراسبابی ہیں'' ماتحت الاسباب العادیہ ہیں۔ وغیرذلک

حل طلب سوال یہ ہے کہ ماتحت الاسباب العادیہ تصرفات اور موافق عادت اُمور پر ہمارے اور اہل دیوبند کے درمیان اتفاق ہے کہ یہ اختیاری افعال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ماتحت الاسباب العادیہ اور موافق عادت امور پر انسان کو قادر بنایا ہے۔ انسان ایسے

افعال پر قادر و مختار ہے۔ تو اس صورت میں معجزات، محل نزاع نہ ٹھہرے کیونکہ نزاع ما فوق الاسباب العادیہ، خرقِ عادت امور میں ہے۔ ماتحت الاسباب، اور اسبابی امور کے تحتِ قدرت عبد ہونے پر اتفاق ہے۔ مؤلف راہِ ہدایت کے بیان کردہ ضابطہ کی روشنی میں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات پر قادر و مختار ہونے پر اتفاق ہے؛ کیونکہ خانصاحب کی تحقیق میں معجزات نہ تو ما فوق الاسباب اُمور ہیں اور نہ ہی خرقِ عادت شرط، بلکہ ماتحت الاسباب امور ہیں۔

ب) قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں جن معجزات کا ذکر ہے اُن میں سے کون کونسے معجزات ماتحت الاسباب العادیہ، موافق عادت ہیں؟

ج) وہ کونسے اور کتنے معجزات ہیں، جنہیں متکلمین و دیگر علماء نے معجزہ کہا ہو؟ وہ ہیں تو ماتحت الاسباب العادیہ، موافق عادت، مگر معجزہ ہونیکی صورت میں نبی کی قدرت میں نہیں۔ (جیسا کہ راہِ ہدایت میں لکھا ہے)

د) **ماتحت الاسباب العادیہ، موافقِ عادت** امور جب عام انسانوں کی قدرت کے تحت ہیں، تو کس شرعی، عقلی دلیل کا یہ نتیجہ ہے کہ ایسے امور نبی کی قدرت کے تحت نہیں؟

ہ) متعین کر کے بتائیں کہ معجزہ کی تعریف میں خلافِ عادت (خرقِ عادت) کی قید، احترازی و لازمی ہے یا اتفاقی و غیر لازمی یا اکثریتی ہے؟

و) اگر یہ شرط لازمی ہے، تو مؤلف کے تحریر کردہ دوسرے قول کا کیا حکم؟

ز) اگر خرق عادت کی شرط لازم نہیں، تو جمہور متکلمین نے اس کی جانب کوئی اشارہ کیوں نہیں کیا؟ بلکہ بطور جزم شرط ہونا ذکر فرمایا۔

ح) خانصاحب کی مؤلفہ راہِ ہدایت کی عبارت اور اس میں نقل کردہ حوالہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جمہور محققین کے نزدیک معجزہ میں خرق عادت شرط نہیں، بلکہ معجزات ماتحت الاسباب

العادیہ امور اسبابی ہیں۔ تو مؤلف راہِ ہدایت نے نورِ ہدایت کا انکار کرتے ہوئے یہ جملہ کیوں داغا کہ: ''مؤلف نورِ ہدایت نے فعل اللہ فقط کی قید کو شیرِ مادر مجھ کر ہڑپ کر لیا''؟ خانصاحب ہی بتائیں کہ جب ان کے موقف میں معجزہ کیلئے خرقِ عادت ہونا شرط نہیں تو اس شرط کو چھوڑ دینے میں کیا حرج؟ [حالانکہ اسے چھوڑا نہیں گیا بلکہ اس کا ذکر موجود ہے]

نیز اس بات کی بھی وضاحت کریں کہ خرقِ عادت فعل اور فعلُ اللہِ فقط کا مصداق ایک ہے یا الگ الگ؟ اگر ان کا مصداق الگ الگ ہے، تو ان میں نسبت عام خاص ہے...... یا...... ان کے مفاہیم میں باہم تضاد؟ جو بھی صورت ہو، اس پر اعتراضات ہو سکتے ہیں۔

خانصاحب اور ان کی ذریت سے جواب کا انتظار رہے گا۔

نہ ہر کہ سر بترا شد قلندری دارد

مقصد پنجم:

اعتقادی مسائل

میں

اخبارِ آحاد

☆ مؤقف اہل سنت و جماعت

☆ تحقیقات خانیہ کا تقابلی جائزہ

☆ مسئلہ رؤیت بصری در لیلۃ المعراج

☆ تفاضل بین الصحابہ ث

☆ عقیدئہ حیات النبی" اور دیوبندی مماتی ٹولہ

☆ احکام شرعیہ اعتقادیہ کی اقسام

قال الامام النووی رحمہ اللہ

﴿ انَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ الثِّقَةِ حُجَّةٌ

مِنْ حُجَجِ الشَّرْعِ يَلْزَمُ الْعَمَلُ بِهَا

وَيُفِيدُ الظَّنَّ وَلَا يُفِيدُ الْعِلْمَ ﴾

اعتقادی مسائل میں اخبارِ آحاد

جب بھی حزب مخالف کے سامنے انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کے فضائل و کمالات کے اثبات میں احادیث پیش کی جاتی ہیں، تو بعض حضرات بڑی سہل انگاری سے کہہ دیتے ہیں کہ:

''اعتقادی مسائل میں اخبار احاد قابل حجت نہیں، بلکہ دلیل قطعی درکار ہے''

یہ بھی ان لوگوں کی مکاری و عیاری ہے، جس سے عوام الناس کو مغالطہ میں ڈالنا مقصود ہے۔ واضح رہے کہ اعتقادی مسائل کے مختلف مراتب ہیں۔

- بعض معتقدات ضروریاتِ دین سے ہیں، جن کا انکار کفر ہے۔
- بعض معتقدات ضروریاتِ اہل سنت سے ہیں۔
- بعض معتقدات خود اہلسنت کے مابین اختلافی مسائل ہیں۔

ہر اعتقادی مسئلہ کیلئے ''دلیل قطعی'' مانگنا نہایت جہالت کی بات ہے۔ مثلاً جزاء و سزا کی تفاصیل، انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کے انفرادی معجزات، صحابہ کرام کے جزوی فضائل، میزان کی تفاصیل، پل صراط کی تشریح، جنت و دوزخ کی جزوی جزوی نعمت وعذاب وغیرہا۔

کیا ''حزب مخالف'' ہر عقیدہ کی تفصیلات اور اس کے اجزاء پر...... خواہ وہ کسی قسم کا ہو...... آیات قطعیۃ الدلالۃ یا احادیث متواترہ پیش کرسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

بلکہ متعدد مسائل اعتقادیہ میں حدیث صحیح تو درکنار احادیث ضعیفہ کو بھی ان کے بڑے بڑے علاء مے، محدث اور صوفی تقاریر و تحریر میں پیش کرتے چلے آئے ہیں بالخصوص مناقب و فضائل کی احادیث میں محدثین و فقہاء، صحیح آحاد کے علاوہ ضعیف روایتیں بھی ہر زمانہ میں صرف پیش ہی نہیں کرتے رہے، بلکہ جائز بھی سمجھتے تھے۔

اس مسئلہ کا علمی و تحقیقی جائزہ لیا جاتا ہے تاکہ عیاری و مکاری سے راہِ ہدایت کا نام رکھ کر تلبیس کرنے والوں کے مغالطہ و دھوکہ سے عامۃ المسلمین اور دیگر احباب کو محفوظ رکھا جا سکے۔ ملاحظہ ہو:

حزبِ مخالف: خبر واحد مفید ظن ہے اور شرح عقائد میں ہے: "وَلَا عِبْرَۃَ بِالظَّنِّ فِی باب الاعتقادیات" یعنی عقیدہ کے باب میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں۔

(ص ۱۰۱ مطبع یوسفی)

خادمِ اہل سنت: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ:

عقائد ضروریہ قطعیہ جن کا انکار منجر الی الکفر ہو وہاں پر دلائل ظنی معتبر نہیں۔

اور یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مسائل اعتقادیہ کے مختلف مراتب ہیں جو عقائد ظنی ہیں اُن میں ظنی دلائل معتبر ہیں۔ چنانچہ اسی شرح عقائد میں اس کی تصریح موجود ہے:

"وَلَاخِفَاءَ فِی اَنَّ هٰذِهِ الْمَسْئَلَۃَ ظَنِّیَّۃٌ یُکْتَفٰی فِیْهَا بِالْاَدِلَّۃِ الظَّنِّیَّۃِ" یعنی یہ ظاہر بات ہے کہ یہ ظنی مسئلہ (عقیدہ) ہے جس میں دلائل ظنیہ کافی ہیں۔

(شرح عقائد ص ۱۲۶ مطبع یوسفی)

مسائل اعتقادیہ میں خبر واحد کے حجت ہونے کی تحقیق خود شارح عقائد کی طرف سے دیکھنی ہو تو "توضیح و تلویح" کا "رکن ثانی" ملاحظہ فرمائیں۔

حزبِ مخالف: علامہ نووی نے شرح مسلم میں تصریح فرمائی ہے کہ جمہور صحابہ و تابعین کا مسلک ہے کہ "خبر واحد" سے "عمل" ثابت ہو سکتا ہے "عقیدہ" نہیں ثابت ہو سکتا۔

خادمِ اہل سنت: علامہ نوویؒ کی عبارت سے مذکورہ استدلال ایک خوش فہمی ہے۔ لگتا ہے کہ حزب مخالف کو عربی عبارت کا لفظی ترجمہ کرنے کی بھی استعداد نہیں؛ کیونکہ علامہ نوویؒ نے یہ نہیں لکھا کہ: "خبر واحد مثبت عقیدہ نہیں ہو سکتی" بلکہ آپ کی عبارت کا

ب یہ ہے کہ" موجب عمل ہے موجب علم نہیں " یعنی خبر واحد سے جو مسئلہ ثابت ہوگا
پر عمل کرنا تو واجب ہے لیکن ایسے مسئلہ کا کوئی انکار کرے تو اسے کافر نہیں کہا جائیگا؛
کیونکہ اس کا ثبوت قطعی نہیں، بلکہ ظنی ہے۔ علامہ نوویؒ کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

"اَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ الثِّقَةِ حُجَّةٌ مِنْ حُجَجِ الشَّرْعِ يَلْزَمُ الْعَمَلُ بِهَا وَيُفِيدُ الظَّنَّ وَلَا يُفِيدُ الْعِلْمَ"

(مسلم مع النووی ص ۲۲ باب صحۃ الاحتجاج بالحدیث المعنعن) نور محمد کراچی ۱۳۷۵ھ

بے شک ثقہ کی خبر واحد حجج شرعیہ میں سے ایک حجت اور دلیل ہے، اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ ایسی خبر سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے، علم قطعی کا فائدہ نہیں دیتی۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حدیث صحیح حُجج شرعیہ میں سے ایک حجۃ و
دلیل ہے اس سے علم ظنی ثابت ہوتا ہے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا۔

خانصاحب کی خوش فہمی:

خانصاحب گکھڑوی اس مسئلہ میں بڑا زور دیا کرتے ہیں کہ: "اخبار احاد عقیدہ کے باب میں قابل قبول نہیں۔ اور اپنے اس دعویٰ پر امام اہل سنت مجدد ملت اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس عبارت "...... "عمومات آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار احاد سے استدلال کرنا محض ہرزہ بافی ہے" ...... سے استدلال کرتے ہیں۔ مگر اس "عبارت سراسر ہدایت" سے استدلال خانصاحب کی محض خوش فہمی ہے؛ کیونکہ آیات قطعیہ قرآنیہ کے مقابلہ میں خبر واحد کا حجت نہ ہونا، ہمارا مسلمہ مسئلہ ہے۔ خواہ باب عقیدہ میں ہو یا اثبات اعمال میں۔ فضائل میں ہو یا مناقب میں۔ اس میں صرف عقیدہ کی کیا تخصیص؟ اور پھر خبر واحد کی بھی کیا خصوصیت؟ آیات قطعیہ قرآنیہ کے مقابلہ میں تو آیات قرآنیہ و اخبار متواترہ صحیحہ غیر قطعیۃ الدلالۃ کو بھی نہیں پیش کیا جاسکتا۔ سینہ زوری سے احاد صحیحہ کو آیات قرآنیہ کے مقابل ثابت کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ منکرین حجیت حدیث کا شیوہ

ہے، تو شاید ہی کوئی حدیث قابل عمل ہو سکے۔ بہر حال ”اخبار آحاد صحیحہ“ ضروریات دین کی مثبت نہیں، لیکن بطور تائید پیش کی جا سکتی ہیں، اور ان سے مسائل ظنیہ کا اثبات بھی جائز ہے۔ جسے خود خانصاحب تسلیم کرتے ہیں۔

خانصاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

”جو معجزات اور کرامات اخبار احاد صحیحہ سے ثابت ہیں اور قرآن کریم اور اخبار متواترہ کے خلاف نہیں تو ان کا انکار کرنا سراسر بے دینی اور الحاد، یوں محسوس ہوتا ہے کہ سائل یا تو منکرین حدیث کے منحوس گروہ کا فرد ہے۔ یا پرلے درجے کا احمق اور بیوقوف اور بدمذہب ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے بے دینوں سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین“ انتھی بلفظہ

اور ہم بھی کہتے ہیں: ”آمین ثم آمین“ خانصاحب کی عبارت اپنی جگہ خود واضح اور روشن ہے، کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں، اور خبر واحد سے ثابت شدہ معجزات و کرامات..... جو عقیدہ کے مسئلے ہیں...... کے منکر (خبر واحد کو حجت نہ ماننے والے) پر جوش میں آکر ایسے برسے کہ اپنے کرتوت بھی بھول گئے۔

کیا خبر تھی انقلاب آسماں ہو جائیگا
نذر آتش اپنے ہاتھوں آشیاں ہو جائیگا

نیز یہی خانصاحب فرماتے ہیں۔

”دلائل ظنی کا وہاں اعتبار نہیں ہوتا جہاں قطعی دلائل کے خلاف ہوں“ انتہی بلفظہ

جب موج میں آتے ہیں تو ایسی باتیں کر ہی دیا کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ (خانصاحب) نے فرمایا کہ: ”آنحضرت ﷺ کا شب معراج سدرۃ المنتہیٰ تک جانے کا منکر کافر ہے کیونکہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔“

اطمینان مزید کیلئے بانی دار العلوم دیوبند محمد قاسم صاحب نانوتوی کی عبارت بھی پڑھ لیجئے۔ وہ حیات نبی اکرم ﷺ کے اثبات کیلئے ...... جو اعتقادی مسئلہ ہے.....

چندروایات پیش کر کے لکھتے ہیں۔:

''ان روایات میں بعض روایات کا باعتبار سند کے چنداں قوی نہ ہونا مضر نہیں۔ چند ضعیف باہم مل کر اسی طرح قوی ہو جاتے ہیں، جیسے بہت احاد ملکر متواتر بن جاتے ہیں۔ یہاں تو فقط ضعاف ہی نہیں دوضعیف ہیں تو دو صحیح بھی ہیں۔ انتھی بلفظہ

(آب حیات ص ۴۹ مطبع مجتبائی)

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

حزبِ مخالف کو مولوی محمد قاسم صاحب اور خانصاحب کی مذکورہ عبارات کو بغور دیکھیں اور آئندہ یوں نہ کہیں کہ: ''عقیدہ کے باب میں خبر واحد حجت نہیں''؛ کیونکہ بقول خانصاحب: ''یوں یہ کہنا بے دینی ہے۔ جہالت، حماقت، بد مذہبی اور الحاد ہے۔''

نظر پخته کن که خام آمدی مرا خواندی وخود بدام آمدی

تعجب تو اُن لوگوں پر ہے کہ انبیائے عظام کے فضائل میں پیش کردہ روایات کو اعتقادی مسئلہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں، اور خود عدمِ علم اور نفی کمالات کے اثبات میں اخبار آحاد کے علاوہ احادیث ضعیفہ بھی پیش کرتے رہتے ہیں۔ شاید کہ کسی چیز کے علم کی نفی و دیگر کمالات کا انکار، ان لوگوں کے نزدیک فضائل میں شمار ہوتا ہو۔

نیز حزبِ مخالف کے فتویٰ شرک کے رد میں جب احادیث پیش کی جاتی ہیں۔ تو خبر واحد یا ضعیف کہہ کر رد کر دینا، یوں کہنے کے مترادف ہے کہ: ''اس روایت سے ہمارے نزدیک شرک تو ثابت ہو رہا ہے مگر خبر واحد ہونے کی وجہ سے قابل عمل نہیں''۔ تو اس طرز استدلال سے لازم آیا کہ اگر دلیل قطعی سے شرک و کفر کی تعلیم دی جائے تو اسے ایمان تصور کر لیں گے۔ کتنی تعجب خیز بات ہے!

خلاصہ بحث کا یہ ہوا کہ:

(۱) صحیح خبر واحد دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے۔

(۲) مفید علم قطعی نہیں بلکہ مفید ظن ہے۔ جس کا انکار کفر نہ ہوگا۔

(۳) دلائل ظنیہ کو قطعیہ کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

(۴) خبر واحد صحیح کی حجیت کا انکار، جمہور صحابہ و تابعین کی خلاف ورزی ہے۔

قارئین کرام! یہ مسئلہ مزید تفصیل طلب ہے۔ ماہرین فن سے تو مخفی نہیں، تاہم عوام الناس کیلئے قدرے تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ "ھو المستعان"

مؤقف اہل سنت وجماعت:

اہل سنت وجماعت کا مؤقف کہ عقائد دو قسم ہیں: قطعی اور ظنی۔ عقائد ظنیہ کے اثبات کیلئے دلائل ظنیہ شرعیہ کافی ہیں۔ اس بحث کو مکمل اور مدلل طور پر پیش کر دیا گیا ہے۔ جس میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں، مگر ان حوالہ جات کو سمجھنے اور ان کے جوابات دینے کی بجائے خانصاحب گکھڑوی نے "پادر ہوا" جو اعتراضات کئے انکا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔

تجزیہ کرنے سے پہلے ان کی عبارت بلفظہٖ نقل کی جاتی ہے۔ اتنی طویل تحریر کے نقل کرنے کی بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ قارئین نورِ ہدایت خانصاحب گکھڑوی کے سوالات اور ان کے جوابات کا موازنہ کرتے وقت اصل کتاب دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کریں، بلکہ نقل بمطابق اصل مطالعہ ہی کافی تصور کریں۔

خانصاحب کے اعتراضات اور انکے جوابات

خانصاحب: الجواب یہ سب باطل اور بے بنیاد دعاوی مؤلف نور ہدایت کی جہالت اور علمی خیانت کا زندہ جاوید کرشمہ ہے۔

اوّلاً: اسلئے کہ اعتقادی مسائل کے مراتب کے مختلف ہونے کا دعویٰ کہ بعض کا انکار منجر الی الکفر ہو اور بعض کا نہ ہو یا بعض کیلئے دلیل قطعی کی ضرورت ہو اور بعض کیلئے دلیل قطعی نہ ہو، یہ سب مؤلف مذکور کی خانہ زاد اختراع ہے۔

اہل السنت والجماعت اور علماء عقائد جن امور کو عقائد کہتے ہیں انکے ہاں وہ سب قطعی ہیں اور انکے دلائل بھی قطعی ہیں اور وہ سب کے سب ضروریات دین سے ہیں اور ضروریات دین کا انکار یا تأویل دونوں کفر ہیں۔ عقیدہ کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو غیر قطعی ہو یا جس کا انکار یا تأویل کفر نہ ہو یا جس کا ثبوت ظنی دلیل سے ہو سکتا ہو۔ ہم نے ضروریاتِ دین اور انکے اندر تأویل اور عقائد کے اثبات کیلئے جن دلائل کی ضرورت پیش آتی ہے اپنی کتاب ازالۃ الریب میں قدرے بسط سے کردی ہے۔

وثانیاً: ہمارے اکابر پر یہ الزام کہ وہ متعدد مسائل اعتقادیہ میں حدیث صحیح تو درکنار ضعیف کو بھی پیش کرتے چلے آئے ہیں، ایک سفید جھوٹ، صریح بہتان اور خالص افتراء ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ فریق مخالف نے ایسا خالص جھوٹ کہنے پر کیوں کمر باندھ لی ہے۔ ہمارے اکابر عقیدہ کو قطعی دلائل سے پیش کرتے ہیں اور قطعی دلائل یہ ہیں۔

1: قرآن کریم۔ خبر متواتر عام اس سے کہ تواتر لفظی ہو یا تواتر طبقہ، تواتر قدر مشترک ہو یا تواتر توارث، ان میں سے ہر ایک کا انکار ہمارے اکابر کے نزدیک کفر ہے۔ ملاحظہ ہو البیان الازہر صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴ از حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور اجماع قطعی کا کوئی عقیدہ ہمارے ان دلائل کے بغیر کسی اور چیز پر موقوف نہیں ہے۔

وثالثاً: مؤلف مذکور یہ ارشاد فرمائیں کہ جزاوسزاء کی مکمل تفصیلات اور اسی طرح میزان، پل صراط، جنت اور دوزخ وغیرہ کی جزوی جزوی نعمت وعذاب وغیرہ کو عقائد میں کس نے شمار کیا ہے؟ اجمالی طور پر ان کا عقائد میں ہونا محل نزاع نہیں ہے۔ اسی طرح ان اشیاء میں بعض اُمور کی تفصیلات بھی محل نزاع سے خارج ہیں جن کا ثبوت قطعی دلائل سے ہو چکا ہے۔ پوری تفصیلات اور بقول خود جزوی جزوی نعمت وعذاب وغیرہ کی بحث پیش نظر رکھیئے اور پھر جواب دیجیئے۔ اور اگر ان کی بعض تفصیلات کو کسی نے عقائد میں شامل کیا ہے تو کیا وہاں تواتر معنوی وغیرہ کا ذکر اور حوالہ نہیں دیا گیا؟ سوچ کر بتانا۔

ورابعاً: کیا علمائے اُمت نے فضائل اعمال اور مناقب میں غیر مشروط طور پر ضعیف حدیث کو حجت سمجھا ہے۔ یا اس کی کوئی شرط بھی ہے؟ اگر یہ مشروط ہے تو اس کی شرطیں کیا ہیں؟ ہم نے فضائل اعمال کے باب میں حدیث ضعیف کے حجت ہونے کے بارے میں محدثین کرام علیہ الرحمہ کی شرطیں اپنی کتاب راہ سنت صفحہ ۲۲۵، ۲۲۶ میں بیان کردیں ہے وہاں ہی دیکھ لی جائیں۔

وخامساً: کیا مؤلف نورِ ہدایت کے نزدیک اہل سنت کے عقائد ضروریاتِ دین سے نہیں ہیں

اور کیا وہ ضریاتِ دین کے علاوہ ہیں؟ اور وہ عقائد کون کون سے ہیں جو ہوں تو عقائد مگر ہوں صرف اہل سنت کے اور ان کا انکار کفر بھی نہ ہو؟ مؤلف کو اپنی یہ عبارت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ:۔ بعض ضروریاتِ دین سے جن کا انکار کفر بعض ضروریات اہل سنت سے اھ بس دریافت طلب صرف اتنی بات ہے کہ ہوں وہ عقائد اور ہوں بھی ضروریات اور ہوں وہ عقائد اہل سنت کے مگر کفر نہ ہوں؟ ذرا سنبھل کر پھر سوچ کر ہوش وحواس کو قائم رکھ کر جواب دینا۔ نیز یہ بھی بتائیں کہ اہل سنت کے آپس میں کون کون سے عقائد میں اختلافات ہیں؟ عقائد کی کیفیات یا تفصیلات یا دیگر فرعی مسائل محل نزاع نہیں ہیں۔

وسادساً: خبر واحد صحیح کے بارے میں یہ کس کتاب میں ملے گا کہ اس سے عقیدہ ثابت ہوسکتا ہے؟ عقیدہ اور خبر واحد کی تصریح ہو، نزاع اس میں نہیں ہے کہ کیا کوئی مسئلہ بھی خبر واحد سے ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مسئلہ کے اثبات کا جھگڑا نہیں ہے، جھگڑا صرف عقیدہ کے اثبات کا ہے اور ہماری دلیل آپ ان کتب میں ملاحظہ کرلیں۔

شرح مواقف صفحہ ۲۷ طبع نول کشور، شرح فقہ اکبر صفحہ ۶۸ طبع کان پور مسامرہ جلد۲ صفحہ ۸۷ طبع مصر اور شرح عقائد صفحہ ۱۰۱ طبع کان پور ملاحظہ کریں۔ کہ ان تمام کتب میں خبر واحد اور عقیدہ کی تصریح موجود ہے بایں طور پر خبر واحد اگرچہ صحیح بھی ہو اثبات عقیدہ کیلئے بالکل ناکافی ہے۔

حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ سے سن لیجیے وہ ارقام فرماتے ہیں کہ:

اَلْاَحَادِيْثُ اِذَا كَانَتْ فِيْ مَسَائِلِ عَمَلِيَّةٍ يَكْفِيْ فِي الْاَخْذِ بِهَا بَعْدَ صِحَتِهَا اِفَادَتِهَا الظَّنَّ اَمَّا اِذَا كَانَتْ فِي الْعَقَائِدِ فَلَا يَكْفِيْ فِيْهَا اِلَّا مَا يُفِيْدُ الْقَطْعَ

(فتح الباری جلد۸، ص ۳۳۱)

یعنی جن مسائل کا تعلق عمل سے ہے ان میں صحیح احادیث سے استدلال کرنا کافی ہے کیونکہ اعمال کے لئے ظنی دلائل ہی کافی ہیں لیکن جب عقائد کی بارے میں آئے گی تو ان میں صرف وہی حدیثیں قابل قبول ہوں گی جو صرف قطعی ہوں۔

اور اصول الشاشی سے لیکر توضیح تلویح تک اصول کی جملہ کتابوں میں نیز اصول حدیث کی کتابوں مثلاً فتح المغیث، تدریب الراوی، شرح نخبۃ الفکر، مقدمہ ابن صلاح اور توجیہ النظر وغیرہ میں اس کی تشریح ملاحظہ کریں کہ خبر واحد صرف مفید ظن ہوتی ہے۔ حضرت امام نووی علیہ الرحمہ نے بھی جو کچھ فرمایا ہے، وہ بھی

صرف یہ ہے کہ اعمال میں خبر واحد حجت ہے امام نووی علیہ الرحمہ نے ہر گز یہ نہیں فرمایا کہ عقائد میں خبر واحد حجت ہے، یہ مؤلف نورِ ہدایت کا ان پر صریح بہتان اور افتراء ہے۔ کیونکہ اسی صفحہ میں امام نووی علیہ الرحمہ نے بعض کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ خبر واحد مفید علم ہے اور دیگر اقوال کی طرح اس کو بھی باطل کہا ہے اور تصریح کی ہے۔ کہ **یفید الظن ولا یفید العلم** دیکھئے جلد ا ص ۲۲ اور اگر کتابیں نہ مل سکیں تو مؤلف مذکور اصول الشاشی ہی دیکھ لیں۔

اسی طرح شرح عقائد صفحہ ۱۲۶ سے جو عبارت مؤلف نورِ ہدایت نے اپنے مدعا پر پیش کی ہے وہ بھی بالکل غیر متعلق ہے کیونکہ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ خبر واحد عقیدہ میں حجت ہوتی ہے کسی ظنی مسئلہ میں خبر واحد کا جو ظنی ہے، حجت ہونا محل نزاع نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے تو اپنی کتاب صفحہ ۱۱۵، ۱۱۶ میں تصریح کی ہے کہ مقاصد علمِ کلام یہاں تک پورے ہو چکے ہیں آگے جو مسائل بیان ہوں گے وہ اہل اسلام اور اہل سنت کے قانون کے طور پر مسائل ہوں گے۔ مسائل اور اعتقاد کا فرق ہے۔

اسی طرح مؤلف نور ہدایت نے جو یہ لکھا ہے کہ مسائل اعتقادیہ میں خبر واحد کے حجت ہونے کی تحقیق خود شارح عقائد کی طرف سے دیکھنی ہو تو توضیح تلویح رکن ثانی ملاحظہ فرمائیں بلفظہٖ

اس کا وہ ثبوت پیش کریں ہم منتظر ہوں گے کہ وہ کونسی توضیح تلویح ہے اور وہ کونسا رکن ثانی ہے جس میں علامہ تفتازانی علیہ الرحمہ شارح عقائد نے یہ لکھا ہے کہ مسائل اعتقادیہ میں خبر واحد حجت ہے اِدھر اُدھر کی غیر متعلق باتیں نہ ہوں خبر واحد اور عقیدہ تصریح ہو، اور یہ بھی تصریح ہو کہ خبر واحد عقیدہ میں حجت ہے اور ہو تلویح سے عدم حجیت نہ ہو کیوں کہ وہ تو ہمارا مؤقف ہے ہم ان جملہ جوابات کے اَشد منتظر رہیں گے۔ ان کو ادھار سمجھئے اتفاقی وعدہ نہ سمجھئے، کما قیل۔

وفائے دِلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم
اثر فریاد دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

انتھیٰ کلامہ

(راہ ھدایت ص ۲۰۱ تا ۲۰۶)

خادم اہل سنت: مؤلف راہ ہدایت (خانصاحب) کی اس تحریر میں کئی سوال پائے

جاتے ہیں بایں وجہ اس عبارت کا کئی پہلوؤں سے جائزہ لیا جائیگا۔ 20 سوالات اور انکے جوابات کی صورت میں انکے اشکالات کا حل پیش کیا جائے گا۔

مگر بنیادی طور پر مابہ الاختلاف اس بحث میں ایک ہی مسئلہ ہے:

''عقائد کا ظنی ہونا یا نہ ہونا''

تحقیقات خانیہ کا تقابلی جائزہ

خانصاحب کی تحقیق:	خادمِ اہل سنت کا موقف:
اہل سنت کے سب عقائد قطعی و یقینی، تمام کے تمام ضروریات دین سے ہیں۔ کسی کا بھی انکار، بلکہ تاویل کفر ہے۔	اکابرین اہلسنت، بلکہ خانصاحب کے بزرگوں کی تحریرات سے یہی سمجھا کہ اہل سنت کے عقائد دو قسم ہیں: قطعی اور ظنی، قسم اوّل کا انکار کفر ہے جبکہ دوسری قسم کے عقائد کا انکار بدعت و گمراہی ہے۔

خلاصہء کلام:

عقائد دو قسم ہیں: قطعی اور ظنی (خادم اہل سنت)

عقائد سب قطعی اور ضروری ہیں ظنی کوئی بھی نہیں۔ (خان صاحب)

خانصاحب 1: ''اہل سنت کے سب عقائد قطعی، ضروریاتِ دین سے ہیں۔ دلائل قطعیہ یقینیہ سے ثابت ہیں۔ کسی بھی عقیدہ کا ثبوت دلیل ظنی سے نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو راہِ ہدایت ص ۲۰۲ وغیرہ۔''

خادم اہل سنت: بعون اللہ تعالیٰ و توفیقہ خانصاحب کے اس باطل دعویٰ کے ردِّ بلیغ اور اپنے پیش کردہ موقف کی حقانیت کے دلائل کا آغاز، خانصاحب کے حکیم الامت کی ضربِ کاری سے شروع کرتا ہوں؛ کیونکہ اپنوں کی لگائی چوٹ کا درد دیرپا ثابت ہوتا ہے۔

(ا۔۳)

خانصاحب کے حکیم الامت کا فرمودہ:

علمائے دیوبند کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

(الف) ''عقائد غیر قطعیہ میں دلیل غیر قطعی سے تمسک کو جائز سمجھتا ہوں''

(امداد الفتاوی جلد ششم صفحہ ۱۲۰ کتاب العقائد والکلام)

خانصاحب! مکمل ہوش وحواس میں آکر اپنے حکیم الامت کے کلام میں ''عقائد غیر قطعیہ'' اور دلیل غیر قطعی سے تمسک کو جائز سمجھتا ہوں'' کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

تھانوی صاحب کی اس کلام میں بعض عقائد کا ظنی ہونا اور عقائد کا دلائل ظنیہ سے اثبات کرنا دکھائی نہ دے، تو کسی آنکھ والے سے سمجھ لیں۔

کیا مؤلف راہ ہدایت امداد الفتاوی کی اس عبارت سے اختلاف کرتے ہوئے ''جہالت'' ''علمی خیانت'' کا زندہ جاوید کرشمہ ''خانہ زاد اختراع کا سہرا'' جناب تھانوی صاحب کے سر پر سجانا گوارہ کرینگے؟ اگر نہ میں جواب آئے تو کیوں؟ کیا حق وباطل کے موازنہ کیلئے الگ الگ پیمانے رکھے ہوئے ہیں؟

خانصاحب عقائد غیر قطعیہ، دلیل غیر قطعی اور تمسک جائز کے الفاظ کا معنی خود سمجھ نہیں سکتے تو کسی سے پوچھ لیں۔

(ب) تھانوی صاحب ''**عقیدہ اختصاص حق تعالیٰ باعرش**'' کا عنوان قائم کرنے کے بعد ایک سوال...... جس کا منشاء یہ تھا کہ آپ نے اس عقیدہ میں صوفیوں کا قول بنسبت محدثین کے صحیح کہا ہے، جناب والا نے اس مہتم بالشان اعتقادی مسئلہ کے متعلق زیادہ تحقیق نہیں فرمائی اور فلاں فلاں محدثین، متکلمین اور صوفیاء کا آپ نے خلاف کیا...... [خلاصہ سوال]

جواب میں تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

''میں اس عقیدہ میں، حضرات سلف کے مسلک پر ہوں کہ نصوص اپنی حقیقت پر ہیں مگر کنہ اس کی معلوم نہیں اور صوفیاء کے مذہب کو سلف کے خلاف نہیں سمجھتا، وہ حقیقت سے منکر نہیں، بلکہ جہت کے منکر ہیں اور جہت کی نفی نقل و عقل دونوں سے ثابت ہے''

(امداد الفتاویٰ جلد ششم ص ۲۵ کتاب العقائد والکلام)

(ج) تھانوی صاحب اسی عقیدہ پر کافی طویل بحث لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں۔

''اس تحقیق سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ دونوں طریق علمائے اہلسنت اور اہل حق کے ہیں اُن میں سے کسی کی تجہیل یا تضلیل جائز نہیں گو ترجیح فی نفسہٖ مسلک سلف کو ہے۔''

(امداد الفتاویٰ جلد ششم صفحہ ۳۱ کتاب العقائد والکلام)

تھانوی صاحب کے مذکورہ حوالہ جات سے کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں مثلاً

☆ عقائد دو قسم ہیں: قطعیہ اور غیر قطعیہ

☆ عقائد غیر قطعیہ کیلئے دلیل ظنی کافی ہے۔

☆ اختصاص حق تعالیٰ بعرش عقیدہ ہے، اس عقیدہ کی تاویل میں اہل سنت کے دو قول ہیں:

(۱) جمہور علماء، محدثین، متکلمین کی رائے (۲) صوفیائے کرام کا مسلک۔

علماء اور صوفیاء دونوں اہل سنت ہیں اور دونوں اہل حق ہیں۔ ان میں سے کسی کی بھی تجہیل و تضلیل جائز نہیں۔

اہل دیوبند کے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی تحقیق یقیناً اہل دیوبند کیلئے حجت اور قابل احترام ہے جبکہ باندازِ مؤلف راہِ ہدایت:۔

''[تھانوی صاحب کے] یہ سب باطل اور بے بنیاد دعاوی اُن کی جہالت اور خیانت کا زندہ جاوید کرشمہ ہیں۔ عقائد کو قطعیہ اور غیر قطعیہ میں تقسیم کرنا یا عقیدہ میں تأویل کو جائز جاننا کسی بھی عقیدہ کیلئے دلیل غیر قطعی سے تمسک کو جائز سمجھنا [تھانوی صاحب] کی خانہ زاد اختراع ہے اہل سنت جن کو عقائد کہتے ہیں وہ سب قطعی ہیں ان میں تأویل کرنا کفر ہے۔''

دیدی که خونِ ناحق پروانه شمع را
چندیں اماں نه داد که شب را سحر کند

(۴)

علم الکلام جسے علم العقائد کہا جاتا ہے وہ علم ہے جس میں اسلامی عقائد کی حقانیت پر دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔ اکثر عقائد دلائل یقینیہ سے ثابت ہیں، جن کا انکار کفر ہے۔ ایسے ہی عقائد کو ضروریاتِ دین سے تعبیر کیا جاتا ہے، جبکہ بعض عقائد دلائل ظنیہ سے ثابت ہیں۔ علم کلام کے اسی مقصد کو متکلمین نے اپنے اپنے الفاظ میں پیش فرمایا:۔

امام العلماء والفقہاء الامام کمال ابن ہمام الحنفی رحمۃ اللہ علیہ المسائرۃ فی العقائد المنجیۃ فی الأخرۃ میں لکھتے ہیں:

وَالْکَلَامُ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ، مَا عَلَیْهَا مِنْ عَقَائِدِالْمَنْسُوْبَةِ اِلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ عَنِ الْاَدِلَّةِ عِلْماً وَظَنّاً فِی الْبَعْضِ فِیْهَا.
(المسامرہ مع المسائرہ ص ۹)

یعنی دین اسلام کے وہ عقائد جن کی معرفت انسان پر لازم ہے ان عقائد کو دلائل سے جاننا علم کلام ہے دلائل یقینی ہوں یا ظنی بعض عقائد میں

اس عبارت میں علم کلام کی تعریف کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کیا گیا ہے، کہ اکثر اسلامی عقائد دلیل قطعی سے حاصل ہوتے ہیں اور بعض عقائد کی معرفت دلیل ظنی سے ہوتی ہے۔

حضرت امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ بعض اسلامی عقائد دلیل ظنی سے ثابت کئے جاتے ہیں، اس کے بعد کسی اور سے فیصلہ کرانے کی ضرورت نہیں۔ تاہم خیال رہے کہ ما علیہا کے جملہ سے کوئی دھوکہ نہ دے یہ اصولی اور اکثر عقائد کے اعتبار سے ہے۔

(۵)

فاضل جلیل الکمال محمد بن شرف الشافعی رحمۃ اللہ علیہ مسامرہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

عِلْماً: اَیْ مِنْ جِهَةِ کَوْنِ تِلْکَ الْمَعْرِفَةِ عِلْماً مِنْ اَکْثَرِ الْعَقَائِدِ وَظَنّاً فِی الْبَعْضِ مِنْهَا (المسائرہ ص ۹)

یعنی اکثر عقائد کی معرفت بطور علم یقینی حاصل ہوئی ہے اور بعض عقائد کی معرفت عقائد ظن سے حاصل ہے۔

یعنی اکثر اسلامی عقائد کے دلائل قطعی ویقینی ہیں جبکہ بعض عقائد اسلامی دلائل ظنیہ سے ثابت ہیں۔ظاہر بات ہے کہ جو عقیدہ دلیل ظنی سے ثابت ہے وہ قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے۔ اسکا صاف مفہوم یہی ہے کہ عقائد اسلام دو قسم ہیں۔ جبکہ خانصاحب کی اختراع میں اہل سنت کا کوئی بھی عقیدہ ظنی نہیں۔

(۶)

الامام المتکلم شیخ زین الدین الحنفی رحمۃ اللہ علیہ شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَیْ اِدْرَاکُ النَّفْسِ مَا عَلَیْهَا مِنَ الْعَقَائِدِ اِدْرَاکاً حَاصِلاً لَهَا مِنَ الْاَدِلَّةِ الْیَقِیْنِیَّةِ وَ الظَّنِّیَّةِ فِی الْبَعْضِ.

(حاشیه المسامرہ مع مسائرہ ص ۱۰)

یعنی جن عقائد کا جاننا نفس پر لازم ہے ان کا علم دلائل یقینیہ اور بعض میں ظنیہ سے علم حاصل کرنا علم کلام ہے۔

ازالہ ءِ وہم: اُن فضلاء کرام اور دیگر اہل علم جن کے حوالہ جات آگے آرہے ہیں کہ اس تصریح کے بعد اسلامی عقائد ایسے بھی ہیں جنہیں دلائل ظنیہ سے ثابت کیا جاتا ہے اس وہم کا ازالہ ہو جانا چاہیے کہ علمِ کلام کی جن کتابوں میں دلائل یقینیہ کی قید لگائی گئی ہے مثلاً:

''اَلْکَلَامُ هُوَ الْعِلْمُ بِالْعَقَائِدِ الْیَقِیْنِیَّةِ عَنِ الْاَدِلَّةِ الْیَقِیْنِیَّةِ'' یا ''اَلْعَقِیْدَةُ هِیَ قَضِیَّةٌ جُزِمَ فِیْهَا بِثُبُوْتِ الْمَحْمُوْلِ لِلْمَوْضُوْعِ اَوْ نَفْیِهٖ عَنْهُ''

ایسے مقامات پر مقاصد العقائد مراد ہیں، یعنی وہ اسلامی عقائد جن پر اسلام کا مدار ہے۔ ''العقائد الدینیه'' میں بھی اسی طرف اشارہ ہو سکتا ہے، یعنی ایسے عقائد جن پر دین کا مدار ہے، مثلاً: توحید، رسالت، کتب، ملائکہ، قیامت وغیرہ۔

اس اعتبار سے اہل علم کے کلام میں کوئی تعارض وتضاد نہیں، جو عقائد دلائل ظنیہ

سے حاصل ہوتے ہیں وہ بھی عقائد ہی ہیں، عقیدہ کی تعریف ان پر صادق آتی ہے۔ ''مَا يُقْصَدُ بِهٖ نَفْسُ الْاِعْتِقَادِ دُوْنَ الْعَمَلِ'' گزشتہ صفحات میں اس مسئلہ پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ مختلف سوالات کے جوابات میں مزید ذکر آئیگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

(۷)

علم کلام کی کتابوں پر ایک سوال ہوسکتا تھا کہ: امام نصب کرنا، یہ فقہی، عملی مسائل میں سے ہے، کیا وجہ ہے کہ متکلمین عقائد کی کتب میں اس کو ذکر کرتے ہیں؟

صاحب مسائیرہ اس کی توجیہہ میں فرماتے ہیں:

اَنَّ مَبَاحِثَهَا مَا هُوَ اِعْتِقَادِیٌّ لَاعَمَلِیٌّ كَاِعْتِقَادِ اَنَّ الْاِمَامَ الْحَقَّ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ عَلِیٌّ وَاعْتِقَادِ اَنَّهُمْ فِی الْفَضْلِ كَذٰلِكَ وَالْخِلَافَةِ فِی ذٰلِكَ كَمَا سَنُبَيِّنُهٗ فِی مَحَلِّهٖ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی،

(المسامره بشرح المسائره ص ۱۱ مطبوعه دیوبند)

مفہوم: خلیفہ وقت مقرر کرنا اگرچہ عملی مسئلہ ہے مگر مسئلہ امامت کی کچھ بحثیں اعتقادی ہیں عملی نہیں، جیسے یہ عقیدہ رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امام برحق ابوبکر صدیق تھے، اُنکے بعد عمر، اُنکے بعد عثمان، اُنکے بعد علی رضی اللہ عنہم اور یہ عقیدہ ہونا کہ یہ خلفاء اربعہ فضیلت میں بھی اسی ترتیب سے ہیں اور خلافت میں بھی یہی ترتیب ہے، جسے ہم اپنے موقع پر بیان کرینگے

(۸)

امام ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

وَلْنَخْتِمِ الْكِتَابَ بِاِيْضَاحِ عَقِيْدَةِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَهِیَ اَیْ عَقِيْدَةُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ الخ.

(المسامره مع المسائره ص ۱۶۶، طبع دارالعلوم دیوبند)

ہم اپنی کتاب کو اہلسنت و جماعت کے عقائد کی وضاحت پر ختم کرتے ہیں اور اہل سنت و جماعت کے عقائد یہ، یہ ہیں۔

حضرت امام ہمامؒ نے اہل سنت کے عقائد حقہ کو شمار کرتے ہوئے بنیادی، مقصودی عقائد جو ضروریات دین سے ہیں ان کا ذکر کیا۔ اس کے ساتھ اہل سنت و جماعت کے ان عقائد کو بھی شمار فرمایا جن میں اہل سنت کا دوسرے فرقوں سے اختلاف ہے۔ تاہم ان

عقائد میں ایسا اختلاف ہے جس کی بنا پر اُن فرقوں کی تکفیر نہیں کی جاتی۔

حضرت مصنفؒ نے ایسے مسائل کو بھی نہ صرف یہ کہ ان مسائل کو اہل سنت کے عقائد میں شمار کیا، بلکہ حضرت فاضل مصنف و محقق رحمۃ اللہ علیہ نے اُن مسائل کو بھی اہل سنت کے عقائد میں شمار فرمایا جن میں خود اہل سنت کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ اختلاف مابین اہل السنۃ کا تذکرہ کرنے کے بعد آپؒ نے جمہور کے موقف کو اہل سنت و جماعت کا عقیدہ کہا۔ انظر التفصیل الآتی!

(۹)

امام ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ اپنی اسی کتاب میں اہل سنت و جماعت کے عقائد کو شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَنَّ الْخَلِيْفَةَ الْحَقَّ بَعْدَ مُحَمَّدٍ ﷺ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَالتَّفْضِيْلُ عَلٰى هٰذَا التَّرْتِيْبِ	رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفہ حق حضرت ابوبکر ان کے بعد حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں ان کی ایک دوسرے پر فضیلت بھی اسی ترتیب کے مطابق ہے۔

(المسائرہ مع المسامرہ صفحہ ۱۶۹ طبع دیوبند)

خانصاحب! کیا دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں کہ ترتیب خلافت کے مطابق افضلیت کا عقیدہ ضروریات دین سے ہے؟ جس کا انکار کفر ہے؛ کیونکہ ان کی تحقیق میں اہل سنت کا کوئی بھی عقیدہ ظنی نہیں، جس کا انکار یا تاویل کفر نہ ہو۔ سب عقائد ضروریات دین سے ہیں۔

(۱۰)

مزید براں حضرت امام ہمام رحمہ اللہ تعالی اسی عقیدہ کے بارے میں اہلسنت کے مابین اختلاف کو ان الفاظ میں رقم فرماتے ہیں:

وَاخْتَلَفَ اَهْلُ السُّنَّةِ بَيْنَ عَلِيٍّ وَ عُثْمَانَ فَتَوَقَّفَ بَعْضُهُمْ وَجَزَمَ آخَرُوْنَ هُمْ اَهْلُ الْكُوْفَةِ وَمِنْهُمْ سُفْيَانُ ثَوْرِی (بِتَفْضِيْلِ) عَلِيٍّ، عَلٰى عُثْمَانَ . وَالْاَكْثَرُ عَلٰى تَفْضِيْلِ عُثْمَانَ كَمَا حَكَاهُ عَنْهُمُ الْخَطَابِی وَغَيْرُه،

اہلسنت و جماعت کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور سیدنا عثمان ذی النورین ﷺ میں سے کون افضل ہے؟ بعض نے توقف فرمایا اور بعض دیگر نے ،جن میں اہل کوفہ اور حضرت سفیان ثوری شامل ہیں، حضرت عثمان غنی پر تفضیل علی ﷺ کا جزم فرمایا ہے۔ اور جمہور اہل سنت نے تفضیل حضرت عثمان غنی ﷺ کا قول فرمایا ہے، جیسا کہ

وَاِلَيْهِ ذَهَبَ الشَّافِعِیُّ وَ أَحْمَدُ وَهُوَ مَشْهُوْرٌ عَنْ مَالِكٍ
(المسامرہ مع المسائیرہ ص ۱۳۶، ۱۳۷، مطبوعہ دیوبند)

حضرت امام خطابی وغیرہ نے ان سے نقل کیا ہے۔ اور اسی کی طرف امام شافعیؒ و امام احمدؒ کا رجحان ہے اور یہی حضرت امام مالکؒ کا مشہور مذہب ہے۔

اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ مولائے کائنات علی مرتضی اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہما میں سے افضل کون ہے؟ بعض علمائے اہلسنت نے اس عقیدہ میں توقف کیا ہے۔

اہل کوفہ جن سے سفیان ثوری بھی ہیں انہوں نے بطور جزم کہا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ سے افضل ہیں۔تاہم اکثر اہل علم حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔یہی امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کی رائے ہے، اور یہی حضرت امام مالک سے مشہور ہے۔

قارئین ملاحظہ فرمائیں! یہی امام ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ ترتیب خلافت کے اعتبار سے ''مسئلہ افضلیت'' کو اہل سنت کا عقیدہ شمار کر چکے ہیں۔

المسامرہ مع المسائرہ سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین کے درمیان مسئلہ تفضیل ''عقیدہ'' کی بات ہے اور خود اہل سنت کا اس عقیدہ میں اختلاف ہے

کہ حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما میں سے افضل کون ہے؟

ان صاف عبارات کے باوجود خانصاحب کا یہ کہنا کہ:

''اعتقادی مسائل میں اخبارِ آحاد یا دلائل ظنی کو ہرگز پیش نہیں کر سکتے؛ کیونکہ کوئی عقیدہ بھی ظنی نہیں ہوتا، بلکہ ہر عقیدہ یقینی اور قطعی ہوتا ہے اس کا انکار تو کجا اس میں تاویل بھی کفر ہے۔''

دیکھئے! خانصاحب کا فتویٰ کفر کہاں کہاں تک پہنچتا ہے؟ مشائخ متکلمین کا اگر لحاظ نہیں، اپنے بزرگوں کی تو پاسداری فرماتے۔

اس فقیر نے اہل علم کے کلام کو سمجھ کر جو رائے پیش کی تھی اس پر خانصاحب نے نوازشات فرمائی تھیں، انہیں وہ خود ملاحظہ فرمائیں، کیا اُن میں سے کچھ حصہ اہل علم خصوصاً اپنے اَکابر کو پیش کرنا پسند فرمائیں گے؟ استغفر اللہ تعالیٰ

(۱۱)

علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح مواقف کی ابتداء میں لکھا کہ عقیدہ دلیل قطعی و یقینی سے ثابت ہوتا ہے، مگر عقائد کی تفصیل میں ایک ایسا عقیدہ بھی درج فرمایا جس پر کوئی دلیل قطعی نہیں، اس وجہ سے آپ پر سوال ہو سکتا تھا کہ اس عقیدہ کے اثبات پر دلیل ظنی کیوں پیش فرما رہے ہیں۔ آپ نے اس سوال کا حل ان الفاظ میں فرمایا:

وَلَاخِفَاءَ اَنَّ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةَ ظَنِّيَّةٌ ظاہر بات ہے کہ یہ ظنی مسئلہ ہے۔

[شرح مواقف ص199 جلد 2]

یعنی ظنی اعتقادی مسائل پر دلیل ظنی پیش کی جا سکتی ہے۔ جبکہ عقائد قطعیہ یقینیہ کیلئے دلیل یقینی کی ضرورت ہے۔

(۱۲)

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ...... جن کا قول ہے: '' وَلَا عِبْرَةَ بِالظَّنِّ فِي

باب الْاِعْتِقَادِيَاتِ"...... نے جب ایک عقیدہ پر بحث کے دوران دلائل ظنیہ کا ذکر کیا، اس پر جو سوال وارد ہو سکتا ہے اسکے جواب میں فرماتے ہیں۔

وَلَاخِفَاءَ اَنَّ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةَ ظَنِّيَّةٌ . [شرح مقاصد ص 392 جلد ثانی]

(۱۳)

شرح عقائد کی مذکورہ عبارت کی شرح کرتے ہوئے علامہ عبدالعزیز پرہاروی فرماتے ہیں:

وَلَا خِفَاءَ فِي اَنَّ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةَ ظَنِّيَّةٌ يُكْتَفٰي فِيهَا فِعْلٌ مَجْهُوْلٌ وَالظَّرْفُ مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُه بِالْاَدِلَّةِ الظَّنِّيَّةِ جَوَابُ سَوَالٍ وَهُوَ اَنَّ الْعَامَ الَّذِىْ خُصَّ مِنْهُ الْبَعْضُ يَكُوْنُ ظَنِّيَّ الدَّلَالَةِ عَلٰى مَا تُقُرِّرَ فِي الْاُصُوْلِ فَلَا يَصِحُّ دَلِيْلاً عَلٰى مَسْئَلَةٍ اِعْتِقَادِيَّةٍ وَحَاصِلُ الْجَوَابِ اَنَّ الْمَسَائِلَ الْاِعْتِقَادِيَّةَ

تفتازانی کے اس کلام میں " یکتفی "، فعل مجہول ہے اور اس کا مفعول مالم یسم فاعلہ ظرف ہے بالادلۃ الظنیۃ اس سوال کا جواب ہے کہ عام مخصوص البعض ظنی الدلالۃ ہوتا ہے جیسا کہ علم اصول میں ثابت کیا گیا ہے۔ تو مسائل اعتقادیہ میں اسے بطور دلیل پیش کرنا صحیح نہیں جواب کا حاصل یہ ہے کہ: مسائل اعتقادیہ دو قسم ہیں

قِسْمَانِ اَحَدُهُمَا مَا يَكُوْنُ الْمَطْلُوْبُ فِيْهِ الْيَقِيْنُ كَوَحْدَةِ الْوَاجِبِ وَصِدْقِ النَّبِيِّ ﷺ ثَانِيْهِمَا مَا يُكْتَفٰى فِيْهَا بِالظَّنِّ كَهٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ وَالْاِكْتِفَاءُ بِالدَّلِيْلِ الظَّنِّيِّ اِنَّمَا لَايَجُوْزُ فِي الْاَوَّلِ بِخِلَافِ الثَّانِيْ

(النبراس شرح شرح العقائد ص ۵۹۸)

ان میں سے ایک وہ ہے جن میں یقین اور قطعیت مطلوب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر عقیدہ رکھنا اور رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنا، دوسری قسم عقائد کی وہ ہے کہ جن میں دلائل ظنیہ کو کافی سمجھا جاتا ہے جیسے اس مسئلہ میں۔

(۱۴)

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:

"هٰهُنَا مَسَائِلُ مُلْحَقَاتٌ لَابُدَّ مِنْ ذِكْرِهَا فِيْ بَيَانِ الْاِعْتِقَادِيَّاتِ وَلَوْكَانَتْ مِنَ الْاُمُوْرِ الْخِلَافِيَّاتِ [اِلٰى اَنْ قَالَ] وَهُوَ قِسْمَانِ"

اس مقام پر اُن سے ملحق کئی اور مسائل بھی ہیں جنکا ذکر ضروری ہے اگرچہ ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ [یہاں تک کہ ملا علی قاری نے فرمایا کہ] وہ (اعتقادیات) دو قسم ہیں۔

(شرح فقہ اکبر ص ۱۳۸،۱۳۸ مطبع مجتبائی)

(۱۵)

اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معراج شریف حق ہے اور آپ کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ ہے۔ فقہ اکبر اور شرح فقہ اکبر میں اس عقیدہ کے ذکر میں فرمایا:

" وَخَبَرُ الْمِعْرَاجِ حَقٌّ فَمَنْ رَدَّهٗ فَهُوَ ضَالٌّ مُبْتَدِعٌ " معراج شریف کی خبر حق ہے اس کا منکر گمراہ بدعتی ہے۔

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"وَالْمِعْرَاجُ مِنْ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ اِلَى السَّمَآءِ ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ وَهِيَ ظَنِّيَّةُ الرِّوَايَةِ" رسول اللہ ﷺ کا سفر معراج بیت المقدس سے آسمانوں کی طرف تشریف لیجانا حدیث سے ثابت ہے اور وہ روایات ظنی ہیں۔

(شرح فقہ اکبر ص ۱۲۵ ، طبع مجتبائی)

(۱۶ الف)

تقسیم عقائد در دو قسم اور بانی دار العلوم دیو بند:

بقول خانصاحب: مجاہد کبیر قاسم نانوتوی صاحب "حیات النبی ﷺ" کے عقیدہ کے اثبات میں چند روایات پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ان روایات میں بعض روایات کا باعتبار سند کے چنداں قوی نہ ہونا مضر نہیں چند ضعیف باہم ملکر اسی طرح قوی ہو جاتے ہیں جیسے بہت احاد ملکر متواتر بن جاتے ہیں۔ یہاں تو فقط ضعاف ہی نہیں دو ضعیف ہیں تو دو صحیح بھی ہیں۔

[بلفظہ آب حیات ص 49 مجتبائی]

خانصاحب کی پیش کردہ " راہ ہدایت " دیکھنے سے اس احساس میں اضافہ ہوتا ہے کہ وہ کسی بات کو سمجھے بغیر یا جان بوجھ کر دیدہ دلیری سے اس کے انکار کا اِرتکاب کرتے ہیں۔ یہاں پر بھی ایسا ہی معاملہ ہے۔ خانصاحب پر فرض تو یہ تھا کہ نانوتوی صاحب کی اس عبارت **"یہاں تو فقط ضعاف ہی نہیں دو ضعیف ہیں تو دو صحیح بھی ہیں"** کا قابل اعتناء جواب دیتے، کوئی معقول توجیہ کرتے، مگر ایسے نہ کر سکے۔

اور کسنور مغلوب یصول علی الکلب ان الفاظ میں حملہ آور ہوئے:

''ہمارے اکابر پر یہ الزام ہے کہ وہ متعدد مسائل اعتقادیہ میں حدیث صحیح تو در کنار ضعیف کو بھی پیش کرتے چلے آئے ہیں۔ ایک سفید صریح بہتان اور خالص افتراء ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ فریق مخالف نے ایسا خالص جھوٹ کہنے پر کیوں کمر باندھ لی۔ ہمارے اکابر عقیدہ کو قطعی دلائل سے پیش کرتے ہیں۔'' راہ ہدایت صفحہ 202

واقعی تعصب انسان کو اندھا کر دیتا ہے کہ خانصاحب کو دو صحیح اور چند ضعاف کے ساتھ عقیدہ ثابت کرنیکی تحریر کیوں نظر نہ آئی؟ اُنکے اس خالص جھوٹ ...... کہ: ''ہمارے اکابر عقیدہ کو قطعی دلائل سے پیش کرتے ہیں'' ...... کا مزید پول کھولا جاتا ہے۔

اشرف علی تھانوی، عبد الشکور لکھنوی خود مؤلف راہ ہدایت (خانصاحب) کے قلمی نوکی کا زناٹے دار تھپڑ لگانے سے پہلے، انہی بانئ دار العلوم دیوبند کی ایک اور عبارت پیش کی جاتی ہے، جس سے بالکل صاف شفاف ظاہر ہے کہ اُن کے اکابر سب عقائد پر قطعی دلائل پیش نہیں کرتے ہیں، بلکہ ظنی دلائل بھی پیش کرتے ہیں، جن کا انکار کفر نہیں۔ جبکہ خانصاحب کا یہ مؤقف گزر چکا ہے کہ: عقیدہ کوئی بھی ہو اس کا انکار کفر ہے۔ ہوش و حواس میں آکر خانصاحب مندرجہ ذیل حوالہ پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔

(۱۶ ب)

نانوتوی صاحب: ''تو بجز اس کے کیا کہا جائے کہ امثال روافض و خوارج و اہل اعتزال ایسی باتیں کیا کرتے ہیں۔ ان فرقوں نے بھی بوجہ قصور فہم آیات دالہ رؤیت و تقدیر و خلق افعال میں تاویلیں کیں، اور احادیث مصرحہ مضامین مذکورہ کو تسلیم نہ کیا، بلکہ تکذیب سے پیش آئے۔ سوچیئے آیات مذکورہ کی تکذیبوں کے باعث اہل حق نے ان کو دائرہ اہل سنت سے خارج سمجھا'' (تحذیر الناس ص ۳۵)

مؤلف راہ ہدایت (خانصاحب) کو چاہیئے کہ اپنے الفاظ کو پھر پڑھیں۔

☆ ''ہمارے اکابر عقیدہ کو دلائل قطعی سے پیش کرتے ہیں''۔

☆ ''عقیدہ کوئی بھی ایسا نہیں جو غیر قطعی ہو یا جس کا انکار یا تاویل کفر نہ ہو۔
یا جس کا ثبوت دلیل ظنی سے ہو سکتا ہو''۔

☆ ''اور وہ کون کونسے عقائد ہیں جو ہوں تو عقائد مگر ہوں صرف اہل سنت کے
اور انکا انکار کفر بھی نہ ہو؟''

اب خانصاحب ہی بتائیں کہ ان کے ان فتاویٰ کی روشنی میں اُنکے مجاہد محمد قاسم نانوتوی کیلئے شرعی حکم کیا ہے؟ کیونکہ وہ ضال مضل فرقوں رافضی، خارجی، معتزلہ وغیرہ جن کی گمراہی پر اہل سنت متفق ہیں، بعض کے گمراہ عقیدے حد کفر تک پہنچے ہوئے ہیں اور بعض کے عقیدے کفر صریح ہیں، مگر عموم کا لحاظ رکھتے ہوئے نانوتوی صاحب اُن کو کافر نہیں کہتے، بلکہ اہل سنت سے خارج سمجھتے ہیں۔

جبکہ بقول نانوتوی صاحب عقائد میں گمراہ فرقے آیاتِ قرآنیہ کی غلط تاویل کرتے اور احادیث صحیحہ صریح الدلالت کا انکار، بلکہ ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ان حوالہ جات کے بعد مؤلف راہِ ہدایت اور ان کے امام کبیر خود ہی فیصلہ کرلیں کہ حق پر کون اور باطل پر کون ہے؟

(۱۷)

دیوبندی امام کی تحقیق:

خانصاحب کے حکیم الامت صاحب کے حوالہ کے بعد اُن کے امام اہل سنت عبدالشکور لکھنوی کے تحریر کردہ چند ضروری **''عقائد اہل سنت''** ہدیہ قارئین ہیں۔

النجم لکھنؤ کے مدیر عبدالشکور لکھنوی...... جسے علمائے دیوبند ''امام اہل سنت'' سے یاد کرتے ہیں...... نے خلفائے اربعہ، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فضائل وسیرت پر ایک کتاب لکھی جسکا آغاز وہ بارہ عقائد اہل سنت سے کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

''یہ بارہ عقیدے جو بیان کئے گئے ہیں۔اہل سنت والجماعت کے لئے

نہایت ضروری ہیں۔ ان میں سے اکثر بیشتر عقیدے وہ ہیں جن کا ماخذ قرآن مجید ہے حق تعالیٰ ہم سب کو استقامت عطا فرمائے۔"

(خلفائے راشدین ص ۱۴ مطبوعہ ادارہ نشریات اسلام اردو بازار لاہور)

فائدہ: عبارت مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ:

جن بارہ عقائد کا ذِکر آئندہ صفحات پر آرہا ہے ان عقائد کو تسلیم کرنا اہل سنت کیلئے ضروری ہے۔ اکثر عقائد قرآن سے ثابت جبکہ بعض قرآن سے ثابت نہیں مگر اہل سنت کیلئے ضروری ہیں۔ [از خادم اہل سنت]

عرض ناشر

"امام اہل سنت حضرت علامہ عبدالشکور لکھنوی جیسی عظیم المرتبت شخصیت اور باوقار ہستی ہرگز تعارف کی محتاج نہیں ہوا کرتی، ایسی عالی مرتبہ شخصیتوں کے لئے زندگی ہزار ہا سال دیر و حرم کے طواف کیا کرتی ہے کروڑوں انسان ایک زمانہ تک دعائیں مانگا کرتے ہیں علامہ اقبال نے ایسے عالی مرتبہ انسانوں کو ان الفاظ میں روشناس کرایا ہے کہ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

تب کہیں جا کر ایسے عظیم انسان اس دنیائے فانی میں تشریف لایا کرتے ہیں۔"

(خلفائے راشدین ص۳ مولانا عبدالشکور لکھنوی ادارہ نشریات اسلام اردو بازار لاہور)

اس حوالہ سے سمجھا جا سکتا ہے کہ علمائے دیوبند کے ہاں عبدالشکور لکھنوی کا کتنا مرتبہ اور مقام ہے۔ لکھنوی صاحب اسی کتاب کی ابتدا میں لکھتے ہیں:

" اصل تذکرہ سے پہلے ایک مقدمہ لکھا جاتا ہے جس میں اختصار کے ساتھ ان "عقائد" کا بیان ہے جو صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کے متعلق اہل سنت کیلئے ضروری ہیں۔"

یعنی آئندہ صفحات پر صحابہ کرام اور خلفاءِ راشدین ﷡ کے بارے میں جن نظریات کا ذکر کیا جائیگا وہ صرف مسائل نہیں بلکہ عقائد ہیں اور عقائد بھی ایسے جو ضروری ہیں۔ مؤلف راہِ ہدایت اپنے امام کی تحریر میں لفظ عقائد اور اہل سنت کے لئے ضروری ہیں کو بار بار پڑھیں۔ شاید مشکل حل ہو جائے۔ (از خادم اہل سنت)

لکھنوی صاحب بارہ ضروری عقائد کی تفصیل میں رقمطراز ہیں:

"**عقیدہ نمبر۱:** رسول اللہ ﷺ کی صحبت بہت بڑی چیز ہے۔ اس امت میں صحابہ کرام ﷡ کا رتبہ سب سے بڑا ہے ایک لمحہ کیلئے بھی جس کو رسول خدا ﷺ کی صحبت حاصل ہو گئی ما بعد والوں میں بڑے سے بڑا بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔"

"**عقیدہ نمبر۲:** صحابہ کرام ﷡ میں مہاجرین و انصار ﷡ کا مرتبہ باقی صحابہ سے زیادہ اور مہاجرین و انصار ﷡ میں اہل حدیبیہ کا مرتبہ سب سے بڑھ کر ہے اور اہل حدیبیہ میں اہل بدر اور اہل بدر میں چاروں خلفاء کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔ چاروں خلفاء میں حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کا پھر حضرت عمر فاروق ﷛ کا مرتبہ سب سے فائق ہے۔"

"**عقیدہ نمبر۷:** رسول خدا ﷺ کی ازواج مطہرات گیارہ تھیں:

نمبر۱: حضرت خدیجہ ﵂ (۲) حضرت زینب بنت خزیمہ ﵂ ان دونوں کی وفات آپ کے سامنے ہی ہو گئی تھی۔

(۳) حضرت عائشہ ﵂ (۴) حضرت حفصہ ﵂ (۵) حضرت ام حبیبہ ﵂

(۶) حضرت زینب ﵂ (۷) حضرت ام سلمہ ﵂ (۸) حضرت صفیہ ﵂

(۹) حضرت سودہ ﵂ (۱۰) حضرت میمونہ ﵂

(۱۱) حضرت جویریہ ﵂ یہ سب بیبیاں خدا و رسول کی برگزیدہ اور تمام ایمان والوں کی مائیں تھیں اور سارے جہاں کی ایمان والی عورتوں سے افضل تھیں اور ان میں بھی حضرت خدیجہ ﵂ اور حضرت عائشہ ﵂ کا رتبہ زیادہ ہے۔"

"عقیدہ نمبر۸: رسول خدا ﷺ کی صاحبزادیاں چار تھیں۔

(۱) حضرت زینب ﵂ جن کا نکاح حضرت ابوالعاص سے ہوا۔

(۲) حضرت رقیہ ﵂ (۳) حضرت ام کلثوم ﵂ ان دونوں کا

نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمان ذوالنورین کیساتھ ہوا۔

(۴) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جن کا نکاح حضرت علی مرتضٰی کیساتھ ہوا۔ یہ چاروں صاحبزادیاں بڑی برگزیدہ اور صاحب فضائل تھیں اور ان چاروں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رتبہ سب سے زیادہ ہے وہ اپنی ماؤں کے سوا اور تمام جنتی بی بیوں کی سردار تھیں۔"

انتہی بلفظہٖ خلفائے راشدین مؤلفہ عبدالشکور لکھنوی دیوبندی

خادم اہل سنت: دیوبندی مکتب فکر کے امامِ عبدالشکور لکھنوی کے کلام سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں:

1: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بصورت مذکورہ فضیلت دینا، اہل سنت کے عقائد ضروریہ سے ہے اعمال سے نہیں۔ [مؤلف راہِ ہدایت! عقائد اور ضروریہ کے الفاظ کو گہری نظر سے مطالعہ کریں]

2: اہل سنت و جماعت سے ہونے کیلئے ضروری ہے کہ یہ عقیدہ رکھے کہ خلفاء راشدین کو ایک دوسرے پر فضیلت اور مرتبہ میں برتری ترتیب خلافت کے مطابق ہے، اگر کوئی شخص اس ترتیب کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے تو اہل السنّت و الجماعت سے خارج ہے۔

فائدہ: ترتیب خلافت کے مطابق فضیلتِ خلفائے راشدین کا عقیدہ نہ رکھنے والا لکھنوی صاحب کی رائے میں تو اہل سنت سے خارج ہے، جبکہ خانصاحب کے فتوئی کی رو سے اس میں اختلاف کرنے والا اسلام سے خارج ہے؛ کیونکہ ہر عقیدہ قطعی اور ضروری ہوتا ہے۔ جس کا انکار بلکہ تاویل بھی کفر ہے۔

خانصاحب اور اُن کے امام کی تحقیقات کی روشنی میں کیا حکم ہے ان علمائے اہل سنت کا جن سے سیدنا عثمان ذوالنورین اور سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہما کے متعلق درجہ فضیلت میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے؟ جس کا بیان دلیل نمبر ۸ میں بحوالہ مسامرہ درج ہو چکا ہے۔ مزید حوالے آئندہ ابحاث میں ملاحظہ ہوں۔

3: صحابہ کرام میں سے مہاجرین اور انصار کو باقی سب اُمّت پر برتری اور فضیلت کا اعتراف کرنا ضروری ہے اگر کوئی صاحب کسی مہاجر یا انصاری صحابی سے کسی دوسرے مثلاً حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو افضل، بلکہ برابر بھی سمجھتا ہو، تو اہل سنت و جماعت سے خارج ہوگا۔ خانصاحب کے فتویٰ کے مطابق کافر۔

4: سنّی ہونے کیلئے ضروری ہے کہ یہ عقیدہ رکھے کہ ان مذکورہ گیارہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو سارے جہان کی ایمان والی عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اگر کوئی عالم کسی دوسری خاتون مثلاً حضرت سیدۃ نساء اہل الجنۃ رضی اللہ عنہا سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا یا حضرت مریم بتول رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا قائل ہے تو لکھنوی صاحب کی رائے میں ایسا شخص بدعتی اور گمراہ، اہل سنت سے خارج ہے اور خانصاحبکے فتویٰ کی رو سے اسلام سے خارج ہے؛ کیونکہ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی تمام عورتوں پر افضیلت کا اعتراف واقرار کرنا اہل سنت و جماعت کا ضروری عقیدہ ہے۔ خانصاحب گکھڑوی کی تحقیق میں اہل سنت و جماعت کے سب عقائد دلائل قطعیہ سے ثابت ہیں جو کہ ضروریاتِ دین سے ہیں۔

5: عبدالشکور لکھنوی کی تالیف سے بطور عبارۃ النص کے ثابت ہے کہ مذکورہ نظریات عقائد ہیں، جن کو تسلیم کرنا اہلسنت و جماعت کیلئے ضروری ہے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دیوبند اس مسئلہ میں کہ اُنکے امام اہل سنت عبدالشکور لکھنوی اُنکے اکابر علماء سے ہیں یا نہیں؟ اور لکھنوی صاحب نے جن امور کا ذکر کیا ہے اُن کو صراحۃً عقیدہ کہا ہے کہ نہیں؟ اگر جواب ہاں میں ہے، تو فرمایئے! اس کتاب میں جن عقائد اہل سنت کا ذکر کیا گیا ہے، اُن میں سے کسی ایک سے بھی اختلاف کرنیوالا، یا تاویل کرنے والا کافر ہوگا یا نہیں؟

کیونکہ خانصاحب کے دعویٰ کیمطابق سب عقائد اہلسنت ضروریات دین سے ہیں'

انکا انکار تو کجا ان میں تاویل بھی کفر ہے۔ کیا خانصاحب کے فتویٰ کیمطابق اکابر ائمہ اہلسنت، اسلاف اور خود اکابر علماء دیوبند فتویٰ کفر کی زد میں آئے ہیں یا نہیں؟

''قندِ مکرر'' کے طور پر خانصاحب کی محررہ عبارت پھر ملاحظہ ہو:

''...... اہل سنت والجماعت اور علمائے عقائد جن امور کو عقائد کہتے ہیں انکے ہاں وہ سب قطعی ہیں اور انکے دلائل بھی قطعی ہیں وہ سب کے سب ضروریات دین سے ہیں۔...... انکا انکار یا تاویل کفر ہے۔ (راہ ہدایت ص ۲۰۲)

(۱۸)

امام الطائفہ محمد اسماعیل دہلوی کی شہادت:

اگر چہ علم کلام کی کتب اور خانصاحب کے حکیم الامت تھانوی صاحب، اور عبدالشکور لکھنوی وغیرہ سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ عقائد دو قسم ہیں:

''عقائد قطعیه'' ''عقائد ظنیه''

مگر انکے اکابر کے حوالے سے ''آخری فیصلہ'' امام الطائفہ جناب محمد اسماعیل دہلوی صاحب کا پیش کیا جاتا ہے۔ مؤلف راہ ہدایت (خانصاحب) اگر اسے بھی تسلیم نہیں کرتے تو خود ہی فیصلہ کریں کہ ان کا کون سے گروہ سے تعلق ہے؟

دہلوی صاحب لکھتے ہیں:۔

''اہل سنت کے عقیدے کیمطابق ان (خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم) کے آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت، خلافت کی ترتیب کے موافق ہے۔ مسلمان آدمی کو چاہئے اسی ترتیب پر افضلیت کا اعتقاد رکھے۔''

(صراطِ مستقیم ص ۹۸، ترجمہ حبیب الرحمن صدیقی۔ کلام کمپنی کراچی)

امام الطائفہ دہلوی نے ترتیب خلافت کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فضیلت ماننے کو اہل سنت کا عقیدہ شمار کیا ہے، یہاں تک کہا کہ: ''مسلمان آدمی کو چاہئے اسی ترتیب پر افضلیت کا اعتقاد رکھے'' اب خانصاحب فرمائیں کہ جو مسلمان خلفاء راشدین کی ترتیب

خلافت کے مطابق افضلیت کا قائل نہیں، جیسا کہ بعض اہل سنت نے حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں اختلاف کیا ہے، یا پاکباز خواتین وازواج مطہرات اور اہل بیت اطہار کی جس ترتیب سے فضیلت بیان کی گئی ہے، ان سے اختلاف کرنیوالے کا کیا حکم ہے؟

لکھنوی وغیرہ نے انہیں ضروری عقائد اہل سنت میں شمار کیا ہے۔ اور بقول خانصاحب: اہل سنت کا ہر عقیدہ قطعی ویقینی، جس کی تاویل بھی کفر۔ آیا ان عقائد مذکورہ کی بابت فضیلت میں اختلاف کرنیوالے مسلمان ہیں یا اسلام سے خارج ہوگئے (استغفر اللہ) کیونکہ حسب ارشاد امام الطائفہ باہم فضیلت کا مسئلہ "اہلسنت کا عقیدہ" ہے اور مسلمان کو چاہئے کہ اسی ترتیب کے مطابق "افضلیت کا عقیدہ" رکھے۔

خانصاحب! آنجناب اپنے خنجر اثر قلم کی نوک سے اپنوں کو تو بچاتے۔

عارف کامل نے کیا خوب کہا!

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہء نیکاں زند

(۱۹)

علیها تسعة عشر

خانصاحب بہ نفس نفیس اپنے فتویٰ کی زد میں:

قارئین باتمکین! تعجب ہے کہ خانصاحب گکھڑوی راہ ہدایت نامی کتاب میں اس مسئلہ پر سخت ترین مؤقف اختیار کئے ہوئے ہیں، لیکن مخالف کا تذکرہ کئے بغیر جب آپ سے سوال کیا گیا کہ "کچھ عقائد کی ایسی باتیں ہیں جو اخبار صحیحہ سے ثابت ہیں، مگر ایک شخص ان کمالات، معجزات اور کرامات کا بایں وجہ انکار کرتا ہے کہ یہ عقائد ہیں اور عقیدہ کا ثبوت دلیل قطعی سے ہوتا ہے تو خانصاحب نے اس استفتاء کے جواب میں لکھا:

"جو معجزات اور کرامات اخبار احاد صحیحہ سے ثابت ہیں اور قرآن حکیم اور اخبار

متواترہ کے خلاف نہیں تو ان کا انکار کرنا سراسر بے دینی اور الحاد ہے۔'' [قلمی فتویٰ]

فائدہ : مؤلف راہ ہدایت کا یہ فتویٰ غیر مطبوعہ قلمی ہے جو 1957ء میں انہوں نے دیا۔''نور ہدایت'' میں اس کا حوالہ درج کرتے وقت فکر تھی کہ فتویٰ غیر مطبوعہ ہونیکی وجہ سے شاید خانصاحب اپنی روش کے مطابق انکار ہی نہ کر دیں، اور اصل پیش کرنیکی صورت میں بھی **الخط یشبہ الخط** کا عذر نہ تراش لیں۔

مگر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مؤلف راہ ہدایت کو اس کے انکار کی جرأت نہ ہوئی۔ اور نہ اسکی کوئی تاویل پیش کرنیکی ہمت کر سکے۔ خانصاحب کا اپنے فتوے کا کوئی جواب نہ دینا، انتہائی سکوت اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خانصاحب نے میرے استدلال کو حق مان لیا ہے۔ ایسے موقع کیلئے ہی کہا جاتا ہے :

''السکوت فی معرض البیان بیان''

الحمد للہ العظیم ! اس خادم اہل سنت کی انتہائی کم علمی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل محض سے اہلسنت کے عقائد وقواعد کے خلاف لکھنے سے بچایا۔ اساتذہ کرام کی تربیت کا فیضان تھا کہ عقائد اہلسنت کے خلاف لکھنے سے محفوظ رہا۔

اہم گذارش: متکلمین، خصوصاً اکابرین دیوبند کے صریح الدلالۃ حوالہ جات کے بعد حق گوئی، انصاف پسندی کا تقاضا ہے کہ خانصاحب گکھڑوی راہ ہدایت نامی کتاب میں یوں ترمیم فرمائیں:

''یہ سب باطل اور بے بنیاد دعاوی اکابرین دیوبند کی جہالت اور علمی خیانت کا زندہ جاوید کرشمہ ہے۔ اعتقادی مسائل کے مختلف مراتب ہونے کا دعویٰ کہ بعض کا انکار کفر ہو اور بعض کا انکار کفر نہیں ہے، یہ اکابرین کی خانہ زاد اختراع ہے۔ کیونکہ اہل سنت والجماعت جن کو عقائد کہتے ہیں وہ سب قطعی

،ضروریات دین سے ہیں ۔سب عقائد دلائل قطعیہ سے ثابت ہیں ۔ان اکابرین کومختلف مراتب بیان کرتے ہوئے کچھ تو خدا کا خوف کرنا چاہیئے تھا۔"

خانصاحب ۲:

"اوّلاً اسلیئے کہ اعتقادی مسائل کے مختلف مراتب ہونے کا دعوی کہ بعض کا انکار منجرالی الکفر ہواور بعض کا نہ ہو، یا بعض کیلیئے دلیل قطعی کی ضرورت ہواور بعض کیلیئے نہ ہو یہ مؤلف نورہدایت کی اختراع ہے۔" (راہِ ھدایت ص۱۰۲)

خادم اہل سنت:

شکوک وشبہات کی گرد اُڑانے سے چاند کا چہرہ داغدار نہیں ہوتا اور نہ ہی طعن و تشنیع کے تیر برسانے سے حقیقت مسخ ہوتی ہے۔

سوال اوّل کے جواب میں متکلمین اور محدثین کے حوالہ جات کے ساتھ خانصاحب کے اکابرین خصوصاً نانوتوی صاحب ، تھانوی صاحب ، عبدالشکور لکھنوی صاحب اور شاہ اسماعیل دہلوی کی عبارات سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ: عقائد کے مختلف مراتب ہیں: قطعی اور ظنی۔ کئی عقائد کا ثبوت دلیل ظنی سے ہوتا ہے۔

بانی دارالعلوم دیوبند نے جن باطل فرقوں کے اہلسنت سے عقائد میں اختلاف کی طرف اشارہ کر کے ان کی تکفیر سے گریز کیا ہے کیا خانصاحب کے زُعم میں وہ اختلافی عقائد قطعی ہیں جن کا انکار کفر ہوتا ہے؛ کیونکہ خانصاحب کی تحقیق میں کوئی بھی عقیدہ ظنی نہیں ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کیا نانوتوی صاحب نے کفر قطعی کو ایمان سمجھنے کی غلطی کی ہے ؛یا نانوتوی صاحب نے عقائد دو قسم قرار دینے کی خانہ زاد اختراع کی ہے۔

کیا خانصاحب کے مذکورہ اکابر اتنے کم علم تھے جنہیں اتنا بھی علم نہیں تھا کہ اہل سنت کے سب عقائد قطعیہ یقینیہ ضروریہ ناقابل تاویل ہیں ۔مؤلف راہِ ہدایت کو اپنے

اکابرین کے دامن کو بچانا ہے تو رجوع الی الحق کرنا ہوگا۔ کہ اہل سنت و جماعت جن مسائل کو عقائد کہتے ہیں وہ دو قسم ہیں قطعی اور ظنی۔

نوٹ : سوال مذکور میں ''اعتقادی مسائل'' ذہن نشین رہنا چاہیے کیونکہ مؤلف کے نزدیک مسائل اور عقائد میں تضاد ہے۔

خانصاحب ۳:

''اہل سنت و جماعت اور علمائے عقائد جن امور کو عقائد کہتے ہیں ان کے ہاں وہ سب قطعی ہیں اور ان کے دلائل بھی قطعی ہیں اور وہ سب کے سب ضروریات دین سے ہیں اور ضروریات دین کا انکار یا تاویل دونوں کفر ہیں۔'' (راہِ ہدایت ص۲۰۲)

خادمِ اہل سنت:

خانصاحب اس باطل دعوی کی کوئی دلیل لائے بغیر بار بار بیان تو کرتے ہیں، مگر اتنی توفیق نہ ہوئی کہ کم از کم ایک ہی قابل اعتنا حوالہ پیش کر سکتے کہ: ''اہل سنت کے سب عقائد قطعی ضروریات دین سے ہیں جن کا انکار بلکہ تاویل بھی کفر ہے''۔ جبکہ خادم اہلسنت نے اس دعوی کے بطلان پر کئی [۱۹] براہین پیش کر دیئے، ان دلائل پر اضافہ کرتے ہوئے حافظ ابن قیم اور تھانوی صاحب کے حوالہ سے ایک اور دلیل پیش کرتا ہوں کہ کئی عقائد ایسے ہیں جن کے منکر کو کافر نہیں کہا گیا، اس حوالہ کا ذکر مقصد چہارم میں بھی ہو چکا ہے۔

امداد الفتاوی جلد ششم صـ ۱۲۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن قیم کفار کے خلود فی النار کے عقیدہ...... جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہے...... کے منکر ہیں۔ بقائے نار جہنم کا انکار کرتے ہوئے فنا کے قائل ہیں۔ ابن قیم نے اس ضروری عقیدہ میں جمہور اہلسنت کی مخالفت کرتے ہوئے اس ضروری عقیدہ میں تاویل کی ہے۔

یادرہے کہ امداد الفتاوی کے سوال میں یہ بھی مذکور ہے کہ ابن قیم نے کوئی صریح نص لانیکی بجائے تاویل بلکہ ضعیف روایات سے استدلال کیا ہے۔اس کے باوجود تھانوی صاحب نے ابن قیم پر شرعی مواخذہ نہیں کیا۔ خانصاحبکی دیانت پر اس کا جواب دینا قرض ہے کہ حافظ ابن قیم اور تھانوی صاحب کیلئے کیا حکم ہے؟ کیا اس وجہ سے ان پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا؟ اور کیوں؟ کیا دیگر قبائح کے ساتھ یہ بھی واضح نہیں ہوتا کہ حافظ ابن قیم نے عقیدہ کے ثبوت میں ضعیف روایات سے استدلال کیا۔ کیا ابن قیم انکے اکابر سے نہیں؟

خانصاحب ۴:

”عقیدہ کوئی بھی ایسا نہیں جو غیر قطعی ہو یا جس کا انکار یا تاویل کفر نہ ہو یا جس کا ثبوت دلیل ظنی سے ہو سکتا ہو۔“

خادم اہل سنت: اس بے دلیل، اختراعی، باطل دعویٰ کے پادر ہوا ہونے پر گذشتہ صفحات میں کئی ناقابل تردید شواہد پیش کیے جا چکے ہیں۔

خانصاحب ۵:

”ہمارے اکابر پر یہ الزام کہ وہ متعدد مسائل اعتقادیہ میں حدیث صحیح تو در کنار ضعیف کو بھی پیش کرتے آئے ہیں۔ایک سفید جھوٹ ،صریح بہتان اور خالصاً افتراء ہے۔“

(راہِ ہدایت ص ۲۰۳)

خادم اہل سنت: راہِ ہدایت نامی کتاب کے کئی مقامات کے مطالعہ سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مؤلف راہِ ہدیت نے نورِ ہدایت کو قابل اعتنا ہی نہیں سمجھا، مرض تکبر وتعصب کا ہی اثر ہے کہ خانصاحب نے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیں ۔ عربی عبارات تو کجا ! اردو عبارات کا بھی مفہوم غلط پیش کیا ، یا سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔

تعصب کی عینک اتار کر نور ہدایت میں پیش کردہ حوالہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

بانی دارالعلوم دیو بند عقیدہ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ والہ وسلم...... جسے خانصاحب نے قطعی، ضروری عقیدہ کہا ہے ان کی تصریح نہ بھی ہوتی تو بھی ان کی تحقیق میں ہر عقیدہ قطعی ضروریات دین سے ہے...... جس کا انکار یا تاویل کفر...... پر روایات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ان روایات میں بعض روایات کا باعتبار سند چنداں قوی نہ ہونا مضر نہیں چند ضعیف باہم مل کر قوی ہو جاتے ہیں، جیسے بہت احاد مل کر متواتر بن جاتے ہیں یہاں تو فقط ضعیف ہی نہیں دو ضعیف تو دو صحیح بھی ہیں'' آب حیات ص ۴۹ مطبع مجتبائی

کیا فرماتے ہیں خانصاحب ''سفید جھوٹ، صریح بہتان اور خالص افتراء'' کے جرم کا کس نے ارتکاب کیا ہے؟

کیا سفید جھوٹ بولنے والے، بہتان تراش اور خالص مفتری کی تحریرات پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ دو صحیح روایات یقیناً خبر واحد ہیں، متواتر نہیں۔

نانوتوی صاحب نے عقیدہ کے ثبوت کیلئے خبر واحد صحیح اور ضعیف پیش کر کے بقول خانصاحب، نادانی کا ثبوت نہیں دیا؟

اور یہ کہ خانصاحب اس دعوٰی کو پایہ ثبوت تک پہنچا سکتے ہیں کہ انکے اکابر اور محدثین کرام نے عقیدہ کے باب میں کوئی ضعیف روایت ذکر نہیں کی۔

یا یہ کہ ہر عقیدہ کے ثبوت میں اخبار متواترہ ہی ذکر کی ہیں، غیر متواتر روایات ذکر کرنے کا جرم نہیں کیا۔

خانصاحب ٦:

''ہمارے اکابر عقیدہ کو قطعی دلائل سے پیش کرتے ہیں۔'' راہ ہدایت ص ۲۰۲

خادم اہل سنت:

متعصبانہ رد سے فرصت ملے تو سوال اوّل کے جواب میں نانوتوی صاحب،

تھانوی صاحب، دہلوی صاحب اور لکھنوی صاحب جیسے اپنے اکابر کی درج شدہ صاف شفاف صریح الدلالت عبارت پڑھ لیں خلافِ حقیقت اِدّعا، شرمندگی کا باعث ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں مذکورہ حضرات کی تصنیفات کا مطالعہ کریں، کیا انہوں نے عقائد کے باب میں صرف دلائل قطعیہ پیش کیئے ہیں؟

خانصاحب ۷:

”یہ ارشاد فرمائیں کہ جزاء اور سزاء کی مکمل تفصیلات اور اسی طرح میزان، پل صراط، جنت اور دوزخ وغیرہ کی جزوی جزوی نعمت وعذاب وغیرہ کو عقائد میں کس نے شمار کیا ہے۔؟“

(راہِ ہدایت ص ۲۰۲)

خادم اہل سنت:

الف: زحمت گوارہ فرماتے ہوئے خانصاحب ہی وہ حوالہ پیش فرمادیں کہ محدثین یا متکلمین نے جزوی نعمت یا جزوی عذاب پر جو روایات نقل فرمائی ہیں ان پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہو کہ: یہ عقائد نہیں اعمال ہیں چونکہ اخبار صحیحہ میں مذکور ان جزئیات کو تسلیم کرنا عقیدہ نہیں عمل ہے اسلیئے انکا ثبوت اخبار احاد سے درست ہے“

ب: جس جزوی عذاب یا نعمت کا ذکر احادیث صحیحہ، غیر متواترہ میں آیا ہے، اسے صحیح درست تسلیم کرنا عقیدہ ہے، یا عمل۔ جس عذاب یا ثواب و نعمت کا ثبوت خبر واحد صحیح سے ہو رہا ہے، اس کو حق تسلیم نہ کرنے والا گہنگار ہوگا یا نہیں؟

ج: محدثین کرام کا ان اخبار آحاد کو اعتقادی ابواب میں لانا یا متکلمین جن کا موضوع ہی عقائد ہیں ان کو کتب کلامیہ میں درج کرنا اس بات کیلیئے کافی نہیں کہ یہ اعتقادی مسائل ہیں، فقہی عملی مسائل نہیں۔ محدثین اور متکلمین کا یہ انداز نہیں کہ ہر روایت یا مسئلہ کے بعد تصریح کریں کہ یہ عملی فقہی مسئلہ ہے یا یہ عقیدہ ہے۔

د: جو تفصیلات احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہیں ان پر عقیدہ کی تعریف ”مَا یُقْصَدُ بِہٖ

نَفْسُ الْاِعْتِقَادِ دُوْنَ الْعَمَلِ " کی تعریف صادق آتی ہے۔ اعمال بالجوارح کی تعریف صادق نہیں آتی، اسلیئے خانصاحب کی ذمہ داری ہے جو ان کو اس اصل سے خارج کرتے ہیں وہ اس کا ثبوت پیش کریں، کہ یہ عقائد نہیں ہیں۔ اور ساتھ یہ بھی بتائیں کہ عقائد نہیں تو کیا ہیں؟ جبکہ حکم شرعی کو اہل علم نے ایک اعتبار سے دو پر تقسیم کیا ہے: عقیدہ اور عمل۔

۹: رسول اللہ ﷺ کے اقوال مبارکہ عقائد، اعمال، اخلاق اور قصص وغیرہ کو شامل ہیں، یہ روایات ان میں سے کس قسم میں شامل ہیں؟

۱۰: بعض متکلمین نے بطورِ خاص ان کا ذکر کیا ہے کہ یہ ظنی عقائد ہیں جن کا ثبوت دلائل ظنی سے ہوتا ہے۔ شرح العقائد کے شارح، علامہ تفتازانی کے قول " لَاعِبْرَةَ بِالظَّنِّ فِي بَابِ الْاِعْتِقَادِ" کی شرح میں لکھتے ہیں:

عِنْدَنَا فِي اِطْلَاقِ النَّفْيِ نَظَرٌ لِاَنَّ الْمَشَائِخَ ذَكَرُوْا الظَّنِّيَّاتِ فِي عَقَائِدِهِمْ كَتَفَاضُلِ الْمَلَكِ وَالْبَشَرِ وَالسَّلَف نَقَلُوْا الْاَحَادِيْثَ الْاَفْرَاد فِي اَحْوَالِ الْمِعْرَاجِ وَالْقَبْرِ مَعَ اَنَّهُ لَاحَظَّ لِلْعَمَلِ فِيْهَا فَلَوْ لَمْ يَعْتَقِدْهَا كَانَتْ رِوَايَتُهَا عَبَثًا.

النبراس صـ ۵۹۸

یعنی علامہ تفتازانی کا مطلقاً نفی کرنا محل نظر ہے کیونکہ مشائخ نے ظنی دلائل کو عقائد کے ثبوت میں ذکر کیا ہے جیسے فرشتے اور بشر کی ایک دوسرے پر فضیلت کا عقیدہ، اور اسلاف نے احادیث افراد (غیر متواتر) کو معراج شریف اور قبر کے احوال میں نقل کیا ہے جبکہ یہاں عمل کرنے کا کوئی حصہ نہیں، اگر اس کا عقیدہ بھی رکھنا نہ ہوتا تو یہ روایات عبث ہوتیں، لہذا معلوم ہوا یہ احادیث افراد [غیر متواتر] عقیدہ کے ثبوت کیلئے ذکر کی گئی ہیں نہ کہ عمل کیلئے۔

(از خادم اہل سنت)

خانصاحب ۸:

" اگر ان کی بعض تفصیلات کو کسی نے عقائد میں شامل کیا ہے تو وہاں تواتر معنوی وغیرہ کا ذکر اور حوالہ نہیں دیا گیا؟ سوچ کر بتانا۔ (راہ ہدایت ص ۲۰۳)

خادم اہل سنت:

الف : گذشتہ حوالہ میں تصریح موجود ہے۔

قَدْ نَقَلُوا الْاَحَادِيْثَ الْاَفْرَادَ اِلٰی آخرہٖ

ب : کئی مثالیں اس باب میں ذکر کی جاچکی ہیں کہ محدثین کرام اور متکلمین نے ان عقائد کے ثبوت کیلئے اخبارِ آحاد غیر متواترہ سے کیا ہے اور خود اُنکے اکابر سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ عقائد دو قسم ہیں: قطعی اور ظنی۔ کسی مسئلہ کے اثبات کیلئے ایک ہی دلیل کافی ہوتی ہے، جبکہ علی الاطلاق نفی کرنے کیلئے خانصاحب کو ایک ایک کی تفصیل کو عقیدہ نہ ہونا ثابت کرنا ہوگا۔ اگر ایسا نہ کرسکیں تو ایک ایک جزوی تفصیل پر اخبار صحیحہ متواترہ پیش کرنے ہونگے۔

خانصاحب ۹:

"کیا مؤلف نورِ ہدایت کے نزدیک اہل سنت کے عقائد ضروریات دین سے نہیں ہیں؟ اور کیا وہ ضروریات دین کے علاوہ ہیں؟ (راہ ہدایت ۲۰۳)

خادم اہل سنت:

عقائد اہل سنت دین کے خلاف نہیں، اہل سنت کے عقائد ضروریات دین اور دیگر عقائد کو شامل ہیں۔ عقائد اہل سنت اور ضروریات دین کے مفہوم میں عموم خصوص کی نسبت ہے۔ عقائد اہل سنت اپنے مصداق اور افراد کے اعتبار سے عام ہیں، ضروریات دین کو بھی شامل ہیں، جن کے منکر کو کافر کہا جائے گا۔ اور ایسے عقائد کو بھی شامل ہیں، جن میں اہلسنت و جماعت اور دیگر گمراہ اسلامی فرقوں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسی اختلاف کی بناء پر متکلمین نے ان فرقوں کو ضال و مضل کہا ہے، کافر نہیں کہا۔

کیا مؤلف راہ ہدایت کے نزدیک اہل سنت و جماعت اور معتزلہ، خوارج روافض سے اختلاف صرف اعمال میں ہے یا عقائد میں بھی؟ اصل اختلاف تو عقائد کی

بجہ ہے۔ اختلاف عقائد کے اعتبار سے کئی طبقے پائے جاتے ہیں اسکے باوجود نانوتوی صاحب نے انہیں کافر کہنے سے گریز کیا ہے۔ ان میں سے جن گروہوں کی متکلمین، فقہاء ،خود دیوبندی اکابر نے تکفیر نہیں کی، اس کی یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ وہ بدعقیدہ لوگ ضروریات دین کے منکر نہیں ، بلکہ ضروریات اہلسنت کے منکر ہیں، اسی وجہ سے انہیں اسلام سے خارج نہ کہا گیا، بلکہ اہلسنت سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ خانصاحب کو تفصیل چاہیئے تو "لاَنُکَفِّرُ اَحداً مِنْ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ" کی توجیہ وتشریح جو علماء وفضلاء نے لکھی ہے، اسے غور سے پڑھیں، تسلی بخش جواب مل جائیگا۔

ا خانصاحب نے جسطرح یہ سوال گھڑا ہے:

"کیا عقائد اہلسنت ضروریات دین کے علاوہ ہیں؟

اسطرح کا سوال تو شرح عقائد کی اس عبارت پر بھی ہوسکتا ہے جسکا مفہوم بگاڑ کر راہ ہدایت میں لکھا گیا۔ شرح عقائد میں ہے:" لَمَّا فَرَغَ مِنْ مَقَاصِدِ عِلْمِ الْکَلَامِ عَلٰی قَانُوْنِ اَھْلِ الْاِسْلَامِ وَطَرِیْقِ اَھْلِ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ" کیا مؤلف کے طرز استدلال کی روشنی میں یہ کہنا درست ہوسکتا ہے کہ اہلسنت وجماعت کا طریقہ اہل اسلام کے قانون کے علاوہ ہے؟

خانصاحب کو "ضروریات اہلسنت" کے کلمہ سے اشتباہ ہوا ہے یا قصداً سوال کی بنیاد اس پر استوار کی ہے؟ ایسی کج فہمی کا علاج کسی کے پاس نہیں۔

ب: خانصاحب کو یہ سوال اپنے امام عبدالشکور لکھنوی سے کرنا چاہئے جنہوں نے اہلسنت کے "عقائد ضروریہ" کے عنوان کے تحت مختلف فیہ عقائد بیان کئے جنہیں علماء اہلسنت نے ضروریات دین میں شامل نہیں کیا۔

خانصاحب ۱۰:

"اور وہ عقائد کون کون سے ہیں جو ہوں تو عقائد مگر ہوں صرف اہل سنت کے اور ان کا انکار کفر بھی نہ ہو" راہ ہدایت صفحہ ۲۰۳

خادم اہل سنت:

مؤلف راہ ہدایت کو المسائرہ، شرح مواقف اور شرح عقائد میں اختلاف عقائد کی ابحاث اور نیز نور ہدایت میں، متعدد مقامات پر درج حوالہ جات دیکھنے کی فرصت نہیں، تو کم از کم اپنے امام اہلسنت عبدالشکور لکھنوی کا رسالہ خلفائے راشدین ہی پڑھ لیں۔(سوال اول کے جواب میں عبارات درج ہیں)

خانصاحب ۱۱:

"پس دریافت طلب صرف اتنی بات ہے کہ ہوں وہ عقائد اور ہوں بھی ضروریات اور ہوں وہ عقائد اہل سنت، مگر کفر نہ ہو؟ ذرا سنبھل کر پھر سوچ کر ہوش و حواس کو قائم کر کے جواب دینا۔" (راہ ہدایت ص ۲۰۳)

خادم اہل سنت:

الف: کاش خانصاحب نے بقائمی ہوش و حواس یہ سوال لکھا ہوتا!

"عقائد ہوں بھی ضروریاتِ دین سے مگر ان کا انکار کفر نہ ہو" یہ کس نے لکھا ہے؟

نور ہدایت میں تو صاف صاف لکھا ہے کہ ضروریات دین کا انکار کفر ہے۔ ایسے بے تکے سوال کی وجہ، پریشان خاطری کے علاوہ کچھ سمجھ نہیں آرہی۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی یہ کہے کہ خانصاحب نے لفظ "ضروریات" لکھا ہے "ضروریات دین" نہیں لکھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عقائد میں جب ضروریات کا لفظ بولا جاتا ہے تو ضروریات دین ہی مراد ہوتے ہیں۔

خانصاحب دین کے لفظ کو حذف کر کے دھوکہ نہیں دینا چاہتے تھے تو اس کا بھی جواب ہے اگر عمداً غلط نیت سے حذف کیا ہے کہ وقت ضرورت یہ تاویل کی جائے کہ یہاں ضروریات سے مراد ضروریات اہلسنت ہیں، تو وہی وضاحت کریں کہ جو عقائد ضروریات دین سے نہ ہوں بلکہ ضروریات اہل سنت سے ہوں، کیا وہ عقائد ضروریاتِ دین کے

خلاف ہوں گے؟ نیز عقائد اہل سنت اور ضروریاتِ دین میں کیا فرق ہے؟ ذرا سنبھل کر پھر سوچ کر ہوش و حواس کو قائم رکھ کر جواب دینا۔

ج: اس سوال کا جواب کئی مقامات پر درج ہو چکا ہے کم از کم سوال نمبر 10 کا جواب ہی ملاحظہ فرمالیں۔

خانصاحب ۱۲:

"نیز یہ بھی بتائیں کہ اہل سنت کے آپس میں کون کون سے عقائد میں اختلافات ہیں؟ عقائد کی کیفیات یا تفصیلات و دیگر فرعی مسائل محل نزاع نہیں ہیں"۔

راہ ھدایت ص ۲۰۳،۴

خادم اہل سنت:

درس و تدریس کی دنیا سے وابستہ صاحب علم کا ایسا سوال حیرت کی بات ہے اس کے جواب کی چنداں ضرورت نہیں، تاہم صاحب راہ ہدایت جن شبہات میں پھنسے ہوئے ہیں اُن کی بصیرت کیلئے چند ایسے مسئلے تحریر کئے جاتے ہیں جو عقائد ہیں اور علماء اہل سنت کے درمیان ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

مسئلہ 1۔ نبوت حضرت خضر علیہ السلام:

مسئلہ نبوت و رسالت اعتقادی مسائل سے ہے، عملی مسائل سے نہیں۔ اور وہ بھی اصولی، بنیادی عقائد اصول الدین سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نبی پر ایمان لانا، اُن کی تصدیق کرنا، ضروریات دین سے ہے جس کا انکار کفر ہے۔ جھوٹے مدعی نبوت، جیسے مسیلمہ کذاب، مرزا غلام قادیانی، ان کی نبوت کا انکار کرنا اور انہیں جھوٹا سمجھنا ضروریات دین سے ہے۔ ان کے جھوٹا ہونے میں شک بھی کرنا کفر ہے۔ اہل اسلام کا واضح قطعی عقیدہ ہے، مگر حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ: کیا وہ نبی تھے یا ولی؟

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس اعتقادی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فَالْجُمْهُوْرُ عَلٰى اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَبِيٌّ وَلَيْسَ بِرَسُوْلٍ وَقِيْلَ هُوَ رَسُوْلٌ وَقِيْلَ هُوَ وَلِيٌّ وَعَلَيْهِ الْقُشَيْرِيُّ وَجَمَاعَةٌ وَالْمَنْصُوْرُ مَا عَلَيْهِ الْجُمْهُوْرُ وَ شَوَاهِدُهٗ مِنَ الْاٰيَاتِ وَالْاَخْبَارِ كَثِيْرَةٌ وَبِمَجْمُوْعِهَا يَكَادُ يَحْصُلُ الْيَقِيْنُ

پس جمہور (اہل سنت) کی رائے یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں رسول نہیں اور کہا گیا ہے کہ آپ رسول ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ ولی ہیں اسی پر قشیری اور (اہل سنت) کی ایک جماعت ہے اور مذہب منصور وہ ہے جس پر جمہور ہیں۔

(روح المعانی ص ۳۲۰ مطبع امدادیہ ملتان)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اسی عقیدہ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قَالَ الْاَكْثَرُ اَنَّ ذَالِكَ الْعَبْدَ كَانَ نَبِيًّا وَاحْتَجُّوا عَلَيْهِ بِوُجُوْهٍ.

اکثر (اہل علم) نے کہا کہ وہ عبد خاص نبی ہے اور اس پر کئی طریقوں سے استدلال کیا

(تفسیر کبیر ص ۱۴۸ جلد ۲۱)

خانصاحب کو اگر عربی تفاسیر دیکھنے کا موقع نہ ملے تو کم از کم اپنے بزرگ شبیر احمد عثمانی صاحب کی تفسیری بحث پڑھ لیں۔ عثمانی صاحب لکھتے ہیں

"اس میں اختلاف ہے حضرت خضر علیہ السلام کو رسول مانا جائے یا نبی یا محض ولی کے درجہ میں رکھا جائے، ایسے مباحث کا فیصلہ یہاں نہیں ہوسکتا تاہم احقر کا رجحان اسی طرف ہے کہ ان کو نبی تسلیم کیا جائے، جیسا کہ بعض محققین کا خیال ہے۔"

(تفسیر عثمانی تحت آیت سورہ کہف فوجدا عبدا من عبادنا)

جناب محمد شفیع دیوبندی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں:

"خلاصہ یہ کہ جمہور اُمت کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام بھی ایک نبی اور پیغمبر ہیں"

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ مسئلہ نبوت یقینا عقیدہ ہے مگر ایک خاص شخصیت حضرت خضر علیہ السلام کے صاحب نبوت ہونے کے بارے میں اہل سنت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور کسی ایک فریق نے اس اختلاف کی بنا پر دوسرے کی تکفیر نہیں کی اور نہ ہی ان کو خارج از اہل سنت، ضال و مضل کہا۔

یہاں پر ایک شبہ پیدا ہوسکتا ہے جن اہل علم نے حضرت خضر علیہ السلام کے نبی ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ وہ آیاتِ قرآنیہ سے استدلال کرتے ہیں۔ اور قرآنِ حکیم اوّل سے لے کر آخر تک یقیناً قطعی ہے۔ اس سے معلوم ہوا انہوں نے اس مسئلہ میں دلیل قطعی سے استدلال کیا ہے، دلیل ظنی سے نہیں۔ اس شبہ کا ازالہ یوں ہے کہ یقیناً قرآن قطعی الثبوت ہے، لاریب فیہ۔ مگر بنیادی، اصولی عقیدہ کے ثبوت کیلئے قطعی الثبوت، قطعی الدلالت نص کی ضرورت ہے، جن آیاتِ قرآنیہ سے جمہور نے استدلال کیا ہے، وہ قطعی الثبوت تو ہیں مگر حضرت خضر علیہ السلام کے نبی ہونے پر صریح الدلالت، قطعی الدلالت نہیں ہیں۔ چونکہ ان کی دلالت ظنی ہے۔ اسی وجہ سے جمہور اہل علم نے، دوسرے گروہ...... جو آپکو ولی اللہ مانتے ہیں نبی اللہ نہیں مانتے ...... کی تضلیل و تفسیق نہیں کی۔ دونوں گروہ اکابرین اہل سنت سے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسا کہ علماء دیوبند کے حوالے بھی پیش کئے جا چکے ہیں۔

2: مسئلہ رؤیت بصری در لیلۃ المعراج:

مسئلہ رویت بصری شب معراج عملی مسائل سے نہیں اعتقادی مسائل سے ہے۔ عقیدہ ہے، عمل نہیں۔ مگر اس اعتقادی مسئلہ میں اہل حق، اہل سنت کے مختلف قول ہیں۔ یہ اختلاف علماء اہل سنت سے مخفی اور پوشیدہ نہیں۔ حضرت امام نووی شرح مسلم میں اس عقیدہ پر بحث کرتے ہوئے اہل علم کے مختلف اقوال درج فرمانے کے ساتھ لکھتے ہیں:

فَالْحَاصِلُ اَنَّ الرَّاجِحَ عِنْدَ اَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَاٰى رَبَّهٗ بِعَيْنَىْ رَاْسِهٖ لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ لِحَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَغَيْرِهٖ مِمَّا تَقَدَّمَ.	پس حاصل بحث یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح مذہب یہی ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے شب اسریٰ اپنی سر کی آنکھوں سے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا بدلیل روایت ابن عباس وغیرہ، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

مسلم، ص ۹۷، جلد ۱ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی

3: تفاضل بین الصحابہ رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظیم ہستیوں کے مابین مسئلہ تفاضل کے حوالے سے علماء اہل سنت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً تفاضل بین سیدنا عثمان ذوالنورین اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما اور مسئلہ تفاضل بین نسوۃ، اعتقادی مسائل ہیں، عملی مسائل نہیں، عقیدہ ہیں جنہیں تسلیم کیا جاتا ہے، مانا جاتا ہے، عمل سے متعلق نہیں۔

مسئلہ تفاضل بین الصحابہ رضی اللہ عنہم پر مسائرہ میں تصریح موجود ہے کہ مسئلہ تفاضل "عقیدہ" ہے۔ مسائرہ میں ہے۔

" وَاِعْتِقَادُهُمْ اَنَّهُمْ فِی الْفَضْلِ كَذَالِكَ " اس کے بعد لکھا:

" اِخْتَلَفَ اَهْلُ السُّنَّةِ بَيْنَ عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ "

اس تصریح کے باوجود خانصاحب کے ذہن میں ابھی کوئی اعتراض ہے تو اس کا جواب فقیہ احناف صاحب مسائرہ سے مانگنا چاہیے۔

وہ اعتقادی مسائل جن میں اہل سنت کے مابین علمی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک ایک جزیہ کو نقل کرنا مشکل ہے۔ تاہم خانصاحب کو مزید تفصیل طلب ہو تو اپنے امام عبدالشکور لکھنوی دیوبندی کی کتاب میں "بارہ عقائد ضروریاتِ اہل سنت" پر بحث کو ملاحظہ کریں۔ یقیناً عقائد میں علماء اہلسنت کے مابین اختلاف نظر آئیگا۔

نیز انہی کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب کے فتاویٰ امدایہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حافظ ابن قیم نے جمہور اہل سنت کے خلاف رائے اختیار کی ہے۔ کیا ان کے خیال میں حافظ ابن قیم اہل سنت سے نہیں؟ بلکہ ابن قیم پر یہ بھی الزام لگایا گیا ہے کہ وہ نصوص قطعیہ کے مقابلے میں ضعیف وموؤل روایات لائے ہیں۔ یوں ہی تھانوی صاحب نے

عقیدہ اختصاص بعرش پر جو اختلاف نقل کیا ہے کیا وہ اہل سنت کا باہمی اختلاف نہیں ہے؟

ئی واضح عبارت کے باوجود یہ سوال کرنا:

"نیز یہ بتائیں اہل سنت کے آپس میں کون کون سے عقائد میں اختلاف ہیں؟"

دانشمندانہ رائے نہیں ہے۔

4: سماع موتیٰ:

سماع موتیٰ کے اعتقادی مسئلہ میں خود اہل دیوبند کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ جمہور اہل دیوبند سماع موتیٰ کے قائل ہیں جبکہ خانصاحب کے شیخ واستاد "صاحب بلغة الحیران حسین علی واں بھچری" اور ان کے پیروکار، مختصر ٹولہ اس کا مخالف ہے۔ کیا یہ اہل دیوبند کے درمیان مسئلہ عقیدہ پر اختلاف نہیں اور کیا خانصاحب کے مسلک میں یہ اہل سنت نہیں ہیں؟ سماع موتیٰ کے اثبات پر دیگر تصانیف کثیرہ کے علاوہ حافظ ابن قیم کی کتاب (الروح) خصوصی مطالعہ کے لائق ہے۔ خانصاحب کے نزدیک حافظ ابن قیم کا جو مقام ہے اس کا حوالہ گذر چکا ہے۔ حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

وَالسَّلَفُ مجْمعُوْنَ عَلٰی هٰذَا وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاٰثَارُ عَنْهُمْ بِاَنَّ الْمَيِّتَ يَعْرِفُ بِزِيَارَةِ الْحَيِّ لَهٗ وَيَسْتَبْشِرُ بِهٖ (کتاب الروح لابن القیم ص ۹)

اسلاف کا اس پر اتفاق ہے اور تحقیق اسلاف سے متواتر روایات ہیں کہ ان کے عقیدہ میں صاحب قبر زیارت کیلئے آنیوالے کو پہچانتا ہے اور اسکی حاضری سے خوش ہوتا ہے۔

س: اسلاف اہل سنت کے اس عقیدہ کی مخالفت خود خانصاحب کے استاد و مرشد اور انکے مخصوص تلامذہ نے کی ہے، انصاف کا دامن تھام کر خانصاحب فتویٰ دیں کہ اس عقیدہ میں اہل سنت کی مخالفت کرنیوالوں کیلئے کیا حکم ہے؟

5: ”عقیدہ حیات النبی“ اور دیوبندی مماتی ٹولہ:

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علی حبیبہ والہ وسلم جیسے اہم ترین عقیدہ، جسے خود خانصاحب قطعی ویقینی عقیدہ مانتے ہیں، جو اُن کے نزدیک روایات متواترہ سے ثابت ہے اور عام اہل دیوبند کا بھی یہی عقیدہ ہے، مگر خانصاحب کے شیخ بھچروی اور اُنکے مخصوص تلامذہ جنہیں عام طور پر دیوبندی بھی ”مماتی ٹولہ“ کہتے ہیں وہ ”عقیدہ حیات النبی“ کے منکر ہیں۔

تعجب ہوتا ہے! لکھنے کو تو خانصاحب نے لکھ دیا: ”ہر عقیدہ قطعی اور یقینی ہے جس کا انکار بلکہ تاویل بھی کفر ہے، اور اس عقیدہ کو بھی بتواتر ثابت کہا، مگر جب اپنے گھر کی باری آئی تو ان منکرین عقیدہ پر فتوی کفر تو کجا اپنے شیخ پر معمولی تنقید بھی نہ کی۔

خانصاحب ۱۳:

”ان کتب شرح مواقف ص ۲۷ ۷ شرح فقہ اکبر ص ۶۸ مسایرہ جلد دوم طبع مصر ص ۷۸ شرح عقائد ص ۱۰۱ میں خبر واحد اور عقیدہ کی تصریح موجود ہے، بایں طور کہ خبر واحد اگرچہ صحیح بھی ہو، اثبات عقیدہ کیلئے ناکافی ہے۔“ (راہ ہدایت ۲۰۴)

خادم اہل سنت:

اس سوال کا عمومی، اجمالی جواب تو یہ ہے کہ جن اہل علم نے ”لَا عِبْرَةَ بِالظَّنِّ فِي بَابِ الْاِعْتِقَادِيَاتِ“ لکھا، یا یہ کہا کہ خبر واحد عقیدہ کے ثبوت کیلئے کافی نہیں یا علم کلام کی تعریف:

” هُوَ الْعِلْمُ بِالْاِعْتِقَادِ الدِّيْنِيَّةِ عَنِ الْاَدِلَّةِ الْيَقِيْنِيَّةِ “

سے کی۔ ان کے نزدیک اس مقام پر اعتقاد سے اصولی و بنیادی عقائد مراد ہیں، جن پر ایمان و کفر کا مدار ہے۔ ایسے عقائد مراد نہیں جن کے انکار کو فقہاء اور خصوصاً متکلمین نے کفر نہیں

کہا، یعنی ان کے منکر کو کافر نہیں بلکہ ضال و مضل، اہل سنت سے خارج کہا۔ کیونکہ خود ان کی تصانیف اور دیگر فضلاء کی کتابوں میں موجود ہے۔ "الاعتقاد قسمان" [اس پر سیر حاصل بحث گذر چکی ہے]۔

اہلِ علم کے کلام کی صحیح توجیہ اور اس میں تطبیق کی یہی صورت ہے کہ علم کلام کا اعلیٰ مقصد، ضروریات دین کو دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے مبرہن کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض متکلمین نے عقیدۂ توحید و رسالت، ملائکہ، کتب اور آخرت جیسے بنیادی اعتقادی مسائل کو علم کلام کا موضوع قرار دیا ہے، اور دیگر عقائد کو ملحقات سے تعبیر کیا۔ کتب بیں حضرات پر ظاہر ہے کہ اہلِ علم کے ہاں بحث و مباحثہ میں انداز مختلف ہیں۔

خانصاحب نے شرح مواقف کا جو صفحہ نوٹ کیا ہے اس میں یہ تصریح نہیں کہ اخبار آحاد کو کسی بھی عقیدہ کے ثبوت کیلئے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایسی کوئی عبارت ہے اس کو تحریر کیا جاتا تو اس پر غور کرنے کی ضرورت تھی۔ شرح مواقف میں خبر واحد کا ذکر اس تناظر میں آیا ہے کہ اہل سنت و جماعت کے برحق عقیدہ "اَلْقُرْآنُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰی قَدِيْمٌ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ" سے معتزلہ مخذولہ نے عقلیت پسندی کا مظاہر کرتے ہوئے اختلاف کیا اور خلق قرآن کا عقیدۂ فاسدہ اختیار کیا۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس عقیدۂ فاسدہ کی وجہ سے ان کو کافر کہنا چاہیئے؟ ایک جماعت نے ان کی تکفیر کرتے ہوئے روایت "مَنْ قَالَ الْقُرْآنُ مَخْلُوْقٌ فَهُوَ كَافِرٌ" سے استدلال کیا، اس پر کہا گیا کہ یہ استدلال قوی نہیں کیونکہ یہ اعتقادی حکم خبر واحد سے ثابت ہے جس کا انکار کفر نہیں۔

شرح مواقف کے اس مقام کا مفاد اتنا ہے کہ خبر واحد سے حکم قطعی، یقینی ثابت نہیں ہوتا اس لئے ایسی روایت کی بنا پر اہل قبلہ (کلمہ گو) مسلم کی تکفیر نہیں کی جائیگی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حکم ظنی کی وجہ سے معتزلہ کی تضلیل و تفسیق بھی نہیں کی جائیگی۔ تمام اہل سنت معتزلہ کی اس بدعقیدگی اور دیگر غلط عقائد کی وجہ سے ان کے ضال و مضل ہونے پر متفق

ہیں۔ اس مسئلہ میں ان پر فتویٰ ''غلط عمل'' کی وجہ سے نہیں بلکہ ''فسادِ عقیدہ'' کی بنا پر ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اسلاف بابِ عقیدہ میں اخبارِ احاد پیش کرتے ہیں تاہم ان سے حکم ظنی ثابت ہوگا، قطعی یقینی نہیں۔ بات صرف اخبارِ احاد کی نہیں، بلکہ ہر نص کا یہی حکم ہے جو مفید ظن ہو۔ یہ بات دلائل قاطعہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ عقائد دو قسم ہیں، تو خانصاحب کے ایسے اعتراضات کی کوئی اہمیت نہیں، تفصیل کا وقت نہیں تاہم مواقف و شرح مواقف کی چند ایسی عبارات نقل کی جاتی ہیں جن سے خادم اہلسنت کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

معتزلہ، خوارج، جبریہ، روافض سے اختلاف، عقائد میں ہے۔ اس کے باوجود ان کے کئی گروہوں کی تکفیر نہیں کی گئی۔

''وَيُلَقَّبُوْنَ بِالْقَدَرِيَّةِ لِاِعْتِقَادِهِمْ اِسْنَادَ اَفْعَالِ الْعِبَادِ اِلٰى قُدْرَتِهِمْ''

(شرح مواقف ص ۷۳۷، طبع نولکشور)

''قَالَ الْاٰمِدِیُّ كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ عِنْدَ وَفَاةِ النَّبِیِّ ﷺ عَلٰى عَقِيْدَةٍ وَاحِدَةٍ طَرِيْقَةٍ وَاحِدَةٍ اِلٰى آخِرِهٖ''

(شرح مواقف ص ۷۳۶، طبع نولکشور)

'' وَاَيْضاً خَرْقُ الْاِجْمَاعِ مُطْلَقاً لَيْسَ بِكُفْرٍ بَلْ خَرْقُ الْاِجْمَاعِ الْقَطْعِیِّ الَّذِیْ صَارَ مِنْ ضَرُوْرِيَّاتِ الدِّيْنِ''

(شرح مواقف ص ۷۴۷، طبع نولکشور)

'' مَسَائِلُهٗ (اَیْ مَسَائِلُ الْكَلَامِ) كُلُّ حُكْمٍ نَظْرِیٍّ وَهُوَ مِنَ الْعَقَائِدِ الدِّيْنِيَّةِ اَوْ يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ اِثْبَاتُ شَیْءٍ مِنْهَا''

(شرح مواقف ص ۱۹، ۲۰)

(اَلْكَرَامَةُ اَنَّهَا جَائِزَةٌ عِنْدَنَا خِلَافاً ...... خِلَافاً لِلْاُسْتَاذِ اَبِیْ اِسْحَاقَ وَالْحَلِيْمِیِّ مِنَّا)

(شرح مواقف ص ۷۰۲ طبع نولکشور)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:

'' هٰهُنَا مَسَائِلُ مُلْحَقَاتٌ لَابُدَّ مِنْ ذِكْرِهَا فِیْ بَيَانِ الْاِعْتِقَادِيَّاتِ وَلَوْ كَانَتْ مِنَ الْاُمُوْرِ الْخِلَافِيَّاتِ [اِلٰى اَنْ قَالَ] وَهُوَ (الْاِعْتِقَادُ) قِسْمَانِ''

(شرح فقہ اکبر ص ۱۳۷، ۱۳۸ مطبع مجتبائی دھلی)

فقہ اکبر اور شرح فقہ اکبر میں ''معجزہ معراج شریف'' کے عقیدہ کے متعلق لکھا:

'' وَخَبَرُ الْمِعْرَاجِ حَقٌّ فَمَنْ رَدَّہٗ فَھُوَ ضَالٌّ مُبْتَدِعٌ ''

علامہ ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

'' اَلْمِعْرَاجُ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ اِلَى السَّمَآءِ ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ وَهِيَ ظَنِّيَّةُ الرِّوَايَةِ مَنْ رَدَّہٗ ضَالٌّ مُبْتَدِعٌ '' (شرح فقہ اکبر ص ۱۳۵، مطبع مجتبائی دھلی)

اس کے علاوہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کئی ضال ومضل اسلامی فرقوں کا ردّ کیا ہے، ان کی تکفیر نہیں کی۔ جبکہ خانصاحب کے نزدیک عقیدہ کا انکار بلکہ تاویل بھی کفر ہے۔

علامہ تفتازانیؒ کے کلام '' لاعبرۃ بالظن فی باب الاعتقادیات '' کا صحیح مفہوم شارحین کے حوالے سے گزر چکا ہے۔ علامہ نے ایک عقیدہ پر بحث کرتے ہوئے خود لکھا: '' اَلْمَسْئَلَةُ ظَنِّيَّةٌ يُكْتَفٰى بِهَا بِالْاَدِلَّةِ الظَّنِّيَّةِ '' آپ نے شرح عقائد میں معراج سماوی کے بارے میں یہی تحقیق فرمائی، کہ ''اخبار احاد'' سے ثابت ہے، اس کا منکر کافر نہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں خود خانصاحب کی رائے اس کے خلاف ہے۔ خانصاحب، علامہ تفتازانی اور ملا علی قاری کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے، رفع اختلاف کی کیا صورت ہوگی؟ نیز فریقین کا ایک دوسرے کیلئے کیا حکم ہے؟ جبکہ خانصاحب کے نزدیک عقیدہ میں تاویل بھی کفر ہے۔ مسایرہ کی عبارات سوالِ اوّل کے جواب میں تحریر ہو چکی ہیں، انہیں ملاحظہ فرما لیا جائے۔ مؤلف راہِ ہدایت (خانصاحب) کے قوتِ استدلال کی کیفیت مزید سامنے آجائے گی۔

خانصاحب ۱۴:

''اور اصول الشاشی سے لیکر توضیح وتلویح تک .... اس کی تشریح ملاحظہ کریں۔ خبر واحد صرف مفید ظن ہوتی ہے۔'' (راہِ ہدایت ص ۲۰۴، ۲۰۵)

خادم اہل سنت:

بے محل اور بے وقت کا راگ ہے، اس کا محل نزاع سے کیا تعلق؟ نورِ ہدایت میں کہاں لکھا ہے کہ خبر واحد یقین کا فائدہ دیتی ہے، جس کے خلاف حوالہ نقل کرنے کی حاجت پیش آئی۔ نورِ ہدایت میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ ''اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حدیث صحیح حُجج شرع سے ایک حجت اور دلیل ہے اور مفید ظن ہے''

(نورِ ہدایت طبع اوّل ص ۴۰)

خانصاحب ادنیٰ سا غور کر کے یہ بتائیں کہ اس مذکورہ عبارت اور ان کی تحریر ''خبر واحد صرف مفید ظن ہوتی ہے۔''

ان دونوں کے مفہوم میں کیا اختلاف ہے؟ اگر اختلاف نہیں اور ہے بھی نہیں تو خانصاحب نورِ ہدایت کا اشارۃً صرف دکھاوے کا رد کر کے قاریٔ کتاب کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ مؤلف راہِ ہدایت کے غیر متعلقہ سوالات سے محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے نورِ ہدایت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

خانصاحب ۱۵:

''امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی جو کچھ فرمایا وہ بھی صرف یہ ہے اعمال میں خبر واحد حجت ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ عقائد میں خبر واحد حجت ہے۔ یہ مؤلف نورِ ہدایت کا ان پر صریح بہتان اور افتراء ہے۔'' (راہِ ہدایت ص ۲۰۵)

خادم اہل سنت:

تعصب کے اندھے کو راستہ دکھانا بہت مشکل ہے۔ الا ان یشاء اللہ تعالیٰ خادم اہل سنت پر خانصاحب کا صریح بہتان، افتراء اور سراسر دشنام ہے۔ دعویٰ میں صداقت کا ذرا بھی شائبہ ہے، تو نورِ ہدایت کی وہ عبارت نقل کریں۔ جس میں لکھا ہو کہ امام نووی رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک خبر واحد عقیدہ میں حجت ہے۔ اشارہ کردہ عبارت اگرچہ پہلے صفحات میں گزر چکی ہے، تاہم قارئین کی سہولت کیلئے اسے دوبارہ لکھا جاتا ہے تاکہ مؤلف راہِ ہدایت کی ''دیانت'' کا اندازہ لگائیں۔

''امام نووی کی اس عبارت سے عیاں ہوا کہ حدیث صحیح حُجج شرع سے ایک حجت و دلیل ہے اور مفید ظن ہے۔'' (نورِ ہدایت طبع اوّل ص ۴۰)

خانصاحب ۱۶:

''اگر اور کتابیں نہ مل سکیں تو مؤلف مذکور اصول الشاشی دیکھ لیں۔''

(راہِ ہدایت ص ۲۰۵)

خادم اہل سنت:

خان صاحب گکھڑوی کی مہربانی ہے کہ انہوں نے خادم اہل سنت کو اس قابل سمجھا کہ اصول الشاشی تو اسے دستیاب ہو سکے گی۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندان لعنت گرفتار کرد

اصل مسئلہ یہ ہے کہ عقائد دو قسم ہیں: قطعی اور ظنی، عقائد ظنیہ کے ثبوت میں اخبارِ احاد پیش کی جا سکتی ہیں۔ اصول الشاشی وغیرہ میں اگر یہ بحث ہے کہ کوئی عقیدہ ظنی نہیں یا یہ کہ اخبار احاد سے ظنی عقائد بھی ثابت نہیں ہوتے تو عبارت نقل فرمائیں تاکہ نورِ ہدایت کا جواب بن سکے۔

خانصاحب ۱۷:

''اسی طرح شرح عقائد ص ۱۲۶ سے جو عبارت مؤلف نورِ ہدایت نے اپنے مدعا پر پیش کی ہے وہ بالکل غیر متعلق ہے کیونکہ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ خبر واحد عقیدہ میں حجت ہوتی ہے۔'' (راہِ ہدایت ص ۲۰۵)

خادم اہل سنت: مؤلف راہِ ہدایت یہ واضح کریں کہ شرح عقائد اور شرح مقاصد علم کلام کی کتابیں ہیں یا فقہ وغیرہ کی۔ علم کلام میں عقائد سے بحث ہوتی ہے یا فقہی عملی جزئیات سے۔ ہمیں تو یہی بتایا گیا ہے کہ علم کلام کا مقصد عقائد اور انکے دلائل کا بیان کرنا ہے۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک عقیدہ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا۔ "هذه المسئلة ظنية يكتفى بها بالادلة الظنية"

صاحب کتاب نے جس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ عقیدہ ہے، عمل نہیں۔ یہ بحث سوال اوّل کے جواب میں علامہ تفتازانی کے حوالہ سے گزر چکی ہے۔

خانصاحب ۱۸:

"بلکہ انہوں علامہ تفتازانی نے تو اپنی کتاب ص ۱۱۵ و ص ۱۱۶ میں تصریح کی ہے کہ مقاصد علم کلام یہاں تک پورے ہو چکے ہیں آگے جو مسائل بیان ہونگے وہ اہل اسلام اور اہل سنت کے قانون کے طور پر مسائل ہونگے۔" (راہ ہدایت ص ۲۰۵)

خادم اہل سنت: شرح عقائد کے اس مقام سے خانصاحب نے استدلال کرنے میں کمزوری کا ہی اظہار نہیں کیا، بلکہ اس عبارت کا مفہوم بیان کرنے میں بھی ٹھوکر کھائی ہے۔ شرح عقائد کا مفہوم لکھ کر خانصاحبکے استدلال کا جائزہ لیا جائیگا۔

علامہ تفتازانی ماتن کے کلام پر ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے۔

"ہم کہتے ہیں کہ اہل اسلام کے قانون اور اہل سنت و جماعت کے طریق پر ذات، صفات، افعال، معاد، نبوت اور امامت کے مباحث...... جو کہ علم کلام کے مقاصد ہیں ...... پر بحث سے جب حضرت مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فارغ ہوئے تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان مسائل کو بھی ذکر کر دیا جائے جن میں اختلاف کی وجہ سے اہل

سنت وجماعت کثر اللہ سوادھم ،معتزلہ،شیعہ،فلاسفہ ،ملاحدہ اور دیگر اہل بدعت و اہل ہوا سے ممتاز ہوتے ہیں۔ چاہے ان مسائل کا تعلق فقہ سے ہو یا وہ ایسے جزئیات ہوں جن کا تعلق عقائد سے ہے۔ (شرح عقائد ص ۱۱۵، ۱۱۶)

1 نورِ ہدایت کی عبارت (اعتقادی مسائل کے مختلف مراتب ہیں بعض ضروریات دین سے جن کا انکار کفر ،بعض ضروریات اہل سنت سے) پر اعتراض کرتے ہوئے خانصاحب نے کہا کہ اہل سنت کے عقائد ضروریات دین کے علاوہ ہیں۔ ان کے اس سوال کا جواب اگر چہ تفصیل سے گزر چکا ہے۔اس کے تناظر میں مؤلف کے پیش کردہ حوالہ پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ کیا اہل سنت و جماعت کا طریقہ اہل اسلام کے قانون کے علاوہ ہے؛ کیونکہ اس عبارت میں علی قانون اہل اسلام کے بعد وطریق اہل سنت و جماعت لکھا گیا ہے۔علامہ تفتازانی کی عبارت بے غبار ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کچھ عقائد وہ تھے جن پر اسلام کا دارومدار ہے جن کا منکر کافر اور کچھ ایسے عقائد بھی بیان ہوئے جن پر اہل سنت و جماعت کا مدار ہے اگر چہ وہ بھی عقائد برحق ہیں، مگر ان کے منکر کو کافر نہیں کہا جائے گا، بلکہ اہل سنت سے خارج تصور کیا جائے گا۔حضرت علامہ تفتازانی کے کلام میں یہ انداز ہو تو حُسن۔ خادم اہل سنت نقل کرے تو تیرگی، کیا معیار ہے ؟

2: شرح عقائد کی مذکورہ عبارت سے عیاں ہوا کہ: معتزلہ ،شیعہ ، ملاحدہ، اہل ہوا اور دیگر گمراہ فرقوں کے کئی عقائد ایسے ہیں جو اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے مخالف ہیں، مگر اس اختلاف کے باوجود وہ کافر نہیں، اہل سنت جماعت سے خارج ہیں؛ کیونکہ وہ عقائد ظنیہ ہیں۔ "قطعی الثبوت عقیدہ" کا انکار کفر ہے۔ "ظنی الثبوت عقیدہ" کا انکار کفر نہیں۔ خانصاحب کو چاہیے اپنے ہی اس پیش کردہ حوالہ سے ہدایت حاصل کرتے ہوئے اس اِدّعا سے رجوع کریں کہ: "اہل سنت و جماعت

کے سب عقائد قطعی ضروریاتِ دین سے ہیں۔ان میں سے کسی کا بھی انکار بلکہ تاویل کفر ہے۔“

3: اِن فرقوں کے ساتھ اہل سنت کو جو اختلاف ہے وہ اعمال میں اختلاف ہے یا عقیدہ میں، اگر عقیدہ میں ہے اور مراد بھی یہاں پر اعتقادی اختلاف ہے، تو کیا اہل سنت و جماعت نے ان عقائد کے ثبوت میں قطعی الثبوت، صریح الدلالۃ نصوص پیش کئے ہیں یا ظنی ؟ اگر قطعی یقینی دلائل پیش کئے ہیں تو ان کے منکر کو کافر نہ کہنا، شرعاً کیسا؟ اگر ظنی دلائل پیش کئے ہیں، تو خانصاحب کے ادّعاءِ باطل کا کیا انجام؟

فاعتبروا یا اولی الابصار

4: اپنے ہاتھوں اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑا:

خانصاحب نے بحالتِ غضب رد کے شوق میں شرح عقائد کی عبارت کا جو مفہوم درج کیا ہے، وہ غلط، اور اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارنا ہے۔خانصاحب لکھتے ہیں:

”آگے جو مسائل بیان ہونگے وہ اہل اسلام اور اہلسنت کے قانون کے طور پر مسائل ہونگے۔“

مفہوم کشی کرنے میں غلطی تو یہ ہے کہ شارح رحمۃ اللہ علیہ نے جسے ماضی سے تعبیر کیا (لما فرغ) خانصاحب نے اسے ”مستقبل“ سے تعبیر کیا۔”آگے جو مسائل بیان ہونگے“ ایسے لکھ کر مؤلف راہِ ہدایت نے غلطی سے اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارا اور اپنے مزعومہ دعویٰ کی بنیاد ہی گرادی۔اس لئے کہ مؤلف کے اس کلام سے تو یہی سمجھا جائے گا کہ ”عقائد“ اور ”شرح عقائد“ میں جو مسائل آگے بیان ہورہے ہیں ان پر اسلام اور سنیت کا مدار ہے۔

5: خانصاحب کی علمی و تصنیفی خیانت:

اس مقام پر شرح عقائد کی زیر بحث عبارت کے الفاظ ”المتعلقة بالعقائد“

مؤلف راہِ ہدایت کے مؤقف کے خلاف تھا اسے چھپا کر علمی خیانت کا ارتکاب کیا۔ ہوسکتا ہے یہ عذر تراشا جائے کہ کسی کلام کا مختصر مفہوم درج کرتے وقت پورے کے پورے مفہوم کا ذکر کرنا ضروری نہیں ہوتا، ایسا عذر اس وقت تو قابل التفات ہوسکتا ہے جبکہ اپنے مؤقف کے خلاف عبارت کے مفہوم کو ہڑپ نہ کیا گیا ہو۔ مگر مانحن فیہ تو اس کے خلاف کا متقاضی ہے۔

خانصاحب ۱۹:

''مسائل اور اعتقاد کا فرق ہے۔'' (راہِ ہدایت ص ۲۰۵)

خادم اہل سنت: خانصاحب نے ان دونوں کے فرق کی وضاحت نہیں کی کہ مسئلہ اور عقیدہ میں کیا فرق ہے؟

اگر مسئلہ اور عقیدہ کا مادۂ اشتقاق مقصود ہے، تو اس کا زیر بحث مسئلہ سے کیا تعلق؟ اگر ان کے مصداق میں فرق مراد ہے، تو اس کی وضاحت ہونی چاہیے کہ دونوں کے مفہوم میں تباین ہے یا عموم خصوص۔ پہلی صورت مراد لینا انتہائی غلط ہے بلکہ خود مؤلف راہِ ہدایت کی تحریرات کے خلاف بھی؛ کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب میں ''مسائل اعتقادی'' کا لفظ استعمال کیا ہے، نیز علمائے کرام عمل اور عقیدہ دونوں پر لفظ ''مسئلہ'' کا اطلاق کرتے ہیں۔ مسئلہ اور عقیدہ میں اگر عام خاص کی نسبت خانصاحب تسلیم کریں تو بھی انہیں مفید نہیں بلکہ ان کے مؤقف کے خلاف ہے، اس لئے کہ مسائل کا مصداق عام ہے جو اعمال اور عقائد دونوں کو شامل ہے، اس اعتبار سے بھی خانصاحب کا مسطورہ اعتراض، سراب سے سیراب ہونے کے مترادف ہے۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام میں واقعی لفظ ''مسائل'' اعمال اور عقائد دونوں کو شامل ہے۔ یہ صرف عقلی استدلال نہیں، بلکہ علامہ کے کلام میں اس کی تصریح موجود ہے۔

" سَوَاءٌ كَانَتْ تِلْكَ الْمَسَائِلُ مِنْ فُرُوْعِ الْفِقْهِ وَغَيْرِهَا الْجُزْئِيَّةِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْعَقَائِدِ " (شرح عقائد)

نیز مؤلف راہِ ہدایت کو یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ شرح عقائد میں جو مسائل بیان ہوئے ہیں وہ فقہی عملی مسائل ہیں، عقائد نہیں۔

خانصاحب ۲۰:

" توضیح تلویح سے ہمیں دکھایا جائے کہ علامہ تفتازانی نے یہ لکھا ہو کہ مسائل اعتقادیہ میں خبر واحد حجت ہے، خبر واحد اور عقیدہ کی تصریح ہو، اِدھر اُدھر کی غیر متعلق باتیں نہ ہوں ہم ان جملہ جوابات کے اشد منتظر رہیں گے، ان کو ادھار سمجھے اتفاقی وعدہ نہ سمجھے۔

کما قیل: وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم
اثر فریاد دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے؟

(خلاصہ سوال از راہِ ہدایت ص۲۰۵، ۲۰۶)

خادم اہل سنت: احکام شرعیہ کے ثبوت کیلئے اہل علم نے جن حُجج، اصول اور دلائل پر بحث کی ہے وہ اصول۔ الکتاب، السنہ اور الاجماع جیسے احکام شرعیہ عملیہ، فقہیہ کے ثبوت کیلئے اصل ہیں۔ احکام شرعیہ اعتقادیہ کیلئے بھی وہی اصل ہیں۔ ان اصول میں اثبات حکم کیلئے جس درجہ کی قوت ہوگی اسی درجہ کا حکم ثابت ہوگا اس لئے اثبات حکم کے اعتبار سے انہیں چار اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱) قطعی الثبوت قطعی (صریح) الدلالۃ (۲) قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ
۳) ظنی الثبوت صریح الدلالۃ (۴) ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ

قرآن مجید اگرچہ اوّل تا آخر لاریب و قطعی الثبوت ہے۔ ہمیں کامل یقین واذعان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ مگر قرآن حکیم سے اہل علم نے جو احکام ثابت کیے، یا مسائل مستنبط فرمائے ان میں قطعی و یقینی بھی ہیں اور ظنی احکام بھی۔ جس حکم پر نص صریح الدلالۃ

ہے، تو حکم قطعی ہے۔ اگر اس میں کئی احتمالات معتبرہ ہیں یا استنباط حکم میں مجتہدین کاملین کا اختلاف ہے، تو وہ حکم ظنی الثبوت ہے۔ چاہے وہ از قبیل عمل ہو یا عقیدہ۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو خبر واحد ہی میں نہیں، دوسرے اصول میں بھی یہ بحث ہوسکتی ہے۔ بات صاف ظاہر ہے کہ اصول فقہ میں ان اصول اور ان سے متعلق ابحاث عبارۃ النص، دلالۃ النص، صریح، محکم، مفسر، حقیقت، مجاز وغیرہا کا مقصد اثبات حکم ہی ہے اور کیفیت ثبوت کا بیان ہے۔ "حکم" عقیدہ اور عمل دونوں کو شامل ہے۔ کتبِ اصولِ فقہ میں ان پر بحث سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ان سے صرف عمل ثابت ہوتا ہے۔

اصولی حضرات کا اس فن میں مقصد اعلیٰ احکامِ شرعیہ عملیہ کے دلائل بیان کرنا ہے اور ان کی استدلالی کیفیت کو دیکھتے ہوئے فرضیت، وجوب، سنیت، حرمت، کراہیت وغیرہ، جواز وعدم جواز کو ظاہر کرنا ہے۔ علماءِ اصول موضوعِ فن کے اعتبار سے احکام شرعیہ عملیہ کی مثالوں سے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں۔ شاید خانصاحب کی غلط فہمی کا باعث فقہاء کا یہی انداز ہو، وگرنہ ظاہر بات ہے کہ قرآن وسنت اور اجماع، جیسے احکاماتِ عملیہ کیلئے حجت ہیں، ایسے ہی اعتقادی مسائل کیلئے بھی حجت ودلیل ہیں۔

دوسری کتابوں کی طرح تلویح میں بھی خبر واحد غیر متواتر کی حجیت اور دلیل شرعی ہونے پر مشارٌ الیہ مقام میں بحث کی گئی ہے جیسا کہ بارہا حوالہ بیان ہوا کہ حکم شرعی عام ہے، عقیدہ ہو یا عمل۔ بایں معنیٰ خانصاحب کو دعوت دی گئی تھی کہ توضیح وتلویح کا مطالعہ کریں، بالخصوص علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالہ سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان کا مقصد خبر واحد کی حجیت کو ثابت کرنا ہے اور خبر آحاد ہونے کے حوالہ سے جو اس پر شبہات منکرین حدیث وارد کرتے ہیں ان کا ازالہ کرنا ہے؛ کیونکہ علامہ تفتازانی کی کتابوں سے

ثابت ہے کہ وہ خبر واحد کو بھی ثبوت حکم وعقیدہ کیلئے حجت تصور فرماتے ہیں، چنانچہ آپ عقیدۂ معراج شریف پر لکھتے ہیں۔

" وَالْمِعْرَاجُ مِنَ الْاَرْضِ اِلَى السَّمَآءِ مَشْهُوْرٌ وَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْجَنَّةِ اَوْ اِلَى الْعَرْشِ اَوْ غَيْرِ ذَالِكَ آحَادٌ "

یوں ہی ایک عقیدہ جسے دلیل ظنی سے ثابت کیا گیا اس پر اعتراض ہوسکتا تھا کہ "لاعبرة بالظن فی باب الاعتقادیات " اسکے جواب میں علامہ لکھتے ہیں:

" ان هذه المسئلة ظنيةٌ يكتفىٰ بها بالادلة الظنية "

ایسے ہی آپ نے شرح عقائد، شرح مقاصد میں اہل سنت کے کئی عقائد ظنیہ درج فرمائے اور دیگر فرقوں کا ان میں اختلاف بھی بیان کیا، اور ایسے اعتقادی مسائل میں اختلاف پر فتوی تکفیر سے منع فرمایا۔ ہمارے باحوالہ پیش کردہ دلائل سے اگر خانصاحب کو اتفاق نہیں تو وہی تلویح کے اُس مقام سے وہ عبارت دکھائیں جس میں لکھا ہو " کہ خبر واحد صحیح سے عقیدہ ظنیہ بھی ثابت نہیں ہوتا "

اس مقام پر عقیدۂ قطعیہ ضروریہ سے بحث نہیں ہے۔ خانصاحب سمجھیں تو اپنے کسی فاضل استاد سے توضیح کے اس مقام کو اس تناظر میں سمجھ لیں۔

مجھے افسوس ہے کہ خانصاحب کو دیر تک جواب کا انتظار کرنا پڑا تاہم " دیر آید درست آید " دلائل کی روشنی میں قارئین کو صاف دکھا دیا کہ خانصاحب کی تالیف میں کتنی خیانتیں، غیر متعلقہ باتیں اور ان کی عبارات میں کتنا تضاد ہے۔ استدلال کتنا کمزور، انتہائی غلط بلکہ خود ان کے خلاف ہے خانصاحب کی عبارات پر کئی سوالات قویہ وارد ہوتے ہیں خادم اہل سنت کو شدت سے انتظار رہے گا کہ راہِ ہدایت نامی تالیف میں نور ہدایت پر اعتراضات کے جوابات " نام کی راہ ہدایت " کی خیانتوں، غلطیوں اور کمزوریوں کو جس ترتیب تفصیل اور مقدار میں نشان دہی کی گئی ہے۔

محل نزاع کے دائرہ میں رہ کران کا مدلل جواب دیں۔ اتنا نہ ہو سکے تو کم از کم ایک مسئلہ ''اہل سنت کے عقائد دو قسم ہیں: قطعی اور ظنی'' پر راہ ہدایت نامی کتاب میں جو کچھ لکھا گیا اسے 20 نکات بنا کر مفصل، مدلل، کئی جوابات لکھے گئے ۔ ردّ کا شوق پورا کرتے ہوئے انہیں کا سلسلہ وار جواب عنایت فرمادیں۔

ع نہ اِدھر اُدھر کی تو بات کر، یہ بتا کہ قافلہ ہے کیوں لٹا؟

ان کو اُدھار سمجھتے ہوئے اتفاقی وعدہ نہ سمجھئے !

کما قیل : وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم
اثر فریاد دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

محل نزاع سے متعلق تحقیق ہو، طعن و تشنیع، الزامی جوابات یا غیر متعلقہ بحث کی عادت کو نہ اپنایا جائے کہیں ایسا نہ ہو کما قیل:

اک ان کا یہ وعدہ ہے کہ ایفا نہ کرینگے اس عدم وفا میں بھی وفا دیکھ رہا ہوں

☆☆☆☆☆

مقصد ششم:

اثبات واظہار عقیدہ

میں

اقوالِ علماء کی حیثیت

﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

زِ اجتہادِ عالمانِ کم نظر

اقتداء بر رفتگاں محفوظ تر

اثبات واظہار عقیدہ میں اقوالِ علماء کی حیثیت

حزبِ مخالف کے سامنے جب کبھی اُن کے فتوئی ہائے کفر وشرک کے رد میں ائمہ وفقہاء ومحدثین ومفسرین ودیگر علماء سلف وخلف یا خود اُن کے پیشواؤں کے اقوال الزاماً یا تفسیراً لائے جاتے ہیں تو "اقوال العلماء" کہہ کر گلو خلاصی کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ایک نہایت رکیک و سخیف جواب ہے۔ کیا حزبِ مخالف کے نزدیک یہ لوگ کافر ومشرک ہیں؟ اگر نہیں، تو پھر ان جیسا عقیدہ رکھنے والے دیگر مسلمانوں کو آخر کیوں کافر ومشرک کہا جاتا ہے؟

یاد رہے! علمائے سلف کے اقوال "اثبات عقیدہ" کیلئے نہیں بلکہ اظہارِ عقیدہ کیلئے ذکر کئے جاتے ہیں۔ ان حوالہ جات سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ اکابر اہل سنت کی اس عقیدہ کے بارے میں کیا رائے تھی؟ اور یہ بھی بتانا منظور ہوتا ہے کہ ہم اکابر اہل سنت و جماعت کے نظریہ کے مطابق عقیدہ رکھتے ہیں۔ اہل سنت کے مخالف نہیں، بلکہ انکے تابع ہیں۔

مزید یہ غرض ہوتی ہے کہ اتنے بڑے اکابر وافاضلِ اہلسنت ایسے عقیدوں کی وجہ سے جماعت حقہ اہل السنّت والجماعت سے خارج نہیں تو اُنکی متابعت کرنیوالوں کی تفسیق وتکفیر کیوں کی جاتی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ حقانیت ودیانت نہیں، بلکہ تعصب وغداری ہے۔

اس پر مستزاد یہ کہ خود حزبِ مخالف کسی امر کے شرک وکفر ثابت کرنے کیلئے انہی علماء کے اقوال پیش کرتے رہتے ہیں۔ اُن کفر ساز کارخانہ داروں، مشرک گروں، بدعت فروشوں سے کوئی پوچھے، جن ۵ عقائد کی وجہ سے تم اہل سنت کو طعن و تشنیع کرتے ہو، کیا ایسے عقائد تمہارے مشائخ واکابر افاضل اساتذہ کے نہیں؟ ضرور ہیں۔ دانستہ یا نادانستہ حق کی تائید میں اُن کا قلم چل چکا ہے۔ زبان متحرک ہوئی ہے۔ ہاتھ نے جنبش کی اور وہ فرامین صفحہ قرطاس پر طبع ہو کر اہل سنت و جماعت کے لئے "الفضل ماشهدت به الاعداء" کا رنگ دکھا رہے ہیں:

نکل جاتی ہے جس کے منہ سے سچی بات مستی میں
فقیہ مصلحت بیں سے وہ رند بادہ خوار اچھا

پھر کیا وجہ ہے کہ تفسیق و تضلیل کے پیکانوں سے اپنے اُن اکابر کا شکار نہیں کیا جاتا؟ شمشیر تکفیر سے اُن کے ایمان کو کھلے بندوں کیوں ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا جاتا ؟ اور اُن کی تجہیل اعلاناً کرنے سے کیوں گریز ہے؟ اُن کے علم وعمل، تقویٰ، ورع کے لباس زُور کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر کر بے نقاب اور اُن کی اصلی صورت کو ہویدا اور آشکارا کرنے سے کونسی شے مانع ہے؟۔

حزب مخالف ایسا اعلان کرے یا نہ کرے، انکی تکفیر و تضلیل، تفسیق و تجہیل بازی اور اُن کی تصانیف سے واقفیت رکھنے والی حقیقت شناس نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ: وہ دامِ تشنیع وتزویر جو اہل سنت کیلئے تیار کیا گیا تھا اُس میں اُن کے اکابر کے ایمان پھڑک رہے ہیں۔ جب اہل حق پر مطاعن کی چاندماری کرتے ہیں، تو اُن کے مشائخ ہدف کا کام دیتے ہیں۔ نشانہ کسے بناتے ہیں اور شکار کوئی ہوتا ہے۔ ہاتھ کسی پر اٹھے اور بسمل کوئی بنے۔خوی اندازی کسی پر اور گرے کسی پر " چاہ کن را چاہ در پیش" کے مصداق اہل سنت کو کافر کہہ کر ایمان اپنوں کا بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ چاند پر تھوکا منہ پر پڑتا ہے۔

نظر پختہ کن کہ خام آمدی　　　مرا خواندی خود بدام آمدی

اُن لوگوں کے خودساختہ فتووں کو صحیح مان کر نہ تو مفسرین ومحدثین کا دامن صاف رہ سکتا ہے اور نہ فقہاء وصوفیاء ہی بچ سکتے ہیں۔ اور انہیں امام ومقتدا یا کم از کم مسلمان سمجھ کر حزب مخالف اپنا ایمان دار ہونا بھی ثابت نہیں کر سکتے۔

ذرا سنجیدگی ومتانت سے سوچیں تو سہی! کہ ایسے فتووں سے اُمت میں کتنا تشتت و افتراق پیدا ہو رہا ہے اور کس طرح مسلمانوں کے احساسات کو مجروح کیا جا رہا ہے اور پھر "مصلح اعظم" بھی بنے بیٹھے ہیں۔ سعدی شیرازی نے سچ فرمایا۔

بسا کس بروز آیت صلح خواند　　　چون شب شد سپہ برسر خفتہ راند

مقصد ہفتم:

موضوع بحث

و

محل نزاع

کی تعیین

- ☆ عقائد حزب مخالف کا خلاصہ
- ☆ بندے کا مختار و متصرف ہونا
- ☆ خادم اہل سنت کا موقف
- ☆ تقسیم و تفہیم اسباب
- ☆ اسباب عادیہ
- ☆ اسباب غیر عادیہ

موضوع بحث ومحل نزاع کی تعیین

کسی بھی مسئلہ میں اختلاف رائے کی صورت میں بحث مباحثہ کا دانشمندانہ طریقہ یہی ہے کہ کسی ایک نسبت کے ثبوت یا عدم ثبوت یا ایک ہی حکم کے جواز یا عدم جواز میں گفتگو کی جائے وگرنہ ضیاعِ وقت کے سوا سُودمند نتیجہ حاصل نہیں ہوگا۔

اعلیٰ طریقہ تو یہی ہے کہ ثبوت حکم یا نفی ثبوت میں بحث اظہارِ حق کیلئے ہو اگر اس ارفع مقصد کی بجائے اِلزام خصم ہی منظور ہو تو بھی " توجه المتخاصمین فی النسبة بین الشیئین " کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

مسئلہ تصرفات کی وضاحت کیلئے نور ہدایت لکھتے وقت حزب مخالف کی کچھ عبارات پیش نظر تھیں جو اہل سنت و جماعت کی نظر میں غلط بلکہ بہت غلط ہیں۔ اُن عبارات کو درست تسلیم کرنے کی صورت میں جو شرعی قباحتیں لازم آتی ہیں زیر مطالعہ کتاب میں اُن کا کئی بار ذکر کیا گیا ہے۔ حزب مخالف کی اُن عبارات میں سے بعض عبارات کو نور ہدایت میں تحریر کر دیا گیا تھا کچھ عبارات کے ذکر کرنے کا مقصد حزب مخالف کا مؤقف بیان کرنا تھا استیعاب نہیں تھا۔

حزب مخالف کے مذکورہ بالا حوالہ جات کے ساتھ میں نے نور ہدایت میں جو مؤقف پیش کیا اُسے بھی نمایاں طور پر لکھا جا رہا ہے تا کہ دونوں طرف کی عبارات کو پیش نظر رکھ کر کتاب کا مطالعہ کرنے والے غیر جانب دار قاری کو ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ اور یہ فیصلہ کرنا بھی آسان ہوگا کہ موضوع بحث سے انصاف کس نے کیا اور مابه النزاع کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر کی باتیں جمع کر کے بھان متی کا کنبہ کس نے جوڑا؟ تعصب کے مرض سے محفوظ، انصاف پسند قاری، یقیناً صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں آسانی سمجھے گا۔

حزبِ مخالف کے نظریات:

خان صاحب گکھڑوی لکھتے ہیں:

"یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو جہاں کے مخصوص خطوں میں تصرف کرنے کا اختیار دے دیا ہے"

(دل کا سرور ص ۳۵)

"حضرت شاہ صاحب کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کا یہ عقیدہ ہرگز نہ تھا کہ احبار اور رہبان اور انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کو ذاتی اور مستقل طور پر اختیار حاصل ہے بلکہ ان کا عقیدہ تھا کہ عطائی اور غیر مستقل طور پر سارے جہان کے بھی نہیں بلکہ بعض خطوں کے سب اختیارات بھی نہیں بلکہ امور عظام کے علاوہ چھوٹے چھوٹے امور میں تصرف کا اختیار تھا۔ مگر باوجود اس عقیدہ کے یہود اور نصاریٰ اور مشرکین کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کافر و مشرک کہا"

(دل کا سرور ص ۳۶)

☆ "تشریعی امور میں بھی انبیائے عظام اور مجتہدین کرام بلکہ خود جناب محمد ﷺ کا کسی نوع سے بھی دخل نہیں"

(دل کا سرور ۲۶)

☆ "تو کیا عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے عطائی اختیارات تسلیم کرنے کے باوجود مشرک ہونے سے بچ سکتے ہیں۔ اگر عیسائی نہیں بچ سکتے تو ان ہی جیسا بلکہ ان سے عام اور سنگین دعویٰ کرنے والے کیونکر مشرک ہونے سے بچ سکتے ہیں؟"

(دل کا سرور ص ۳۸)

☆ "لیکن ما فوق الاسباب طریق سے نوع کی امید اور ضرر کے ازالہ کا عقیدہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مخصوص ہے کسی دوسرے سے اگرچہ نبی یا ولی ہو، ایسا اعتقاد رکھنا خالص شرک ہے۔ (دل کا سرور ص ۳۹)

☆ جس کام میں بظاہر کوئی سبب نہ ہو اور کام انجام دیا جائے ایسا تصرف مافوق

الاسباب کہلائے گا۔ (ملخص ۱۲، دل کا سرور ص ۴۱)

☆ یہ بات اچھی طرح ملحوظ خاطر رکھنی چاہیئے کہ غیر اللہ سے تدبیر وتصرف وغیرہ کی جونفی کی جاتی ہے۔ وہ مافوق الاسباب تصرف وتدبیر کی نفی ہے جو ظاہری وعادی اسباب سے بالاتر اور ماورا ہو۔ (راہ ھدایت ص ۱۴۵)

☆ معجزات وکرامات اسبابی امور ہیں، مافوق الاسباب نہیں [ماخوذ از راہِ ہدایت] انہیں مافوق الاسباب سمجھنا جہالت ہے۔

☆ وہ (معجزہ) ایک غیر اختیاری اور ماتحت الاسباب فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے۔ (راہِ ہدایت ص ۸۷)

☆ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ زندہ بزرگ سے دعاء کرانی ثابت ہے لیکن متوفی اور مردہ سے اگر چہ وہ نبی اور ولی ہی کیوں نہ ہو دعا کرانے کا ثبوت شریعت حقہ میں قطعاً نہیں۔ (دل کا سرور ص ۴۸)

☆ خانصاحب کے استاد بھائی، پیش رو مولوی غلام خان صاحب لکھتے ہیں :

سوال : ''اگر اللہ جل شانہ کو عالم الغیب بالذات اور غائبانہ حاجات میں متصرف فی الامور بالذات تسلیم کرلیا جائے جیسا کہ اس کے شایان شان ہے اور انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ اور اولیاء کرام کو عالم الغیب بالعرض یعنی بالواسطہ باعلام اللہ عطائی اور غائبانہ حاجات متصرف فی الامور بالعرض یعنی بتملیک اللہ خدا کی دی ہوئی طاقت سے تسلیم کیا جائے: جیسا کہ ان کے شایان شان ہے تو کیا پھر بھی شرک ہوگا؟ شرک تو تب ہوتا کہ ان کو بھی بالذات مانا جائے۔

جواب : مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو غائبانہ حاجات میں متصرف فی الامور بالذات نہیں جانتے تھے بلکہ انہیں متصرف فی الامور بالعرض بتملیک اللہ جان کر پکارتے تھے۔ (جواھر القرآن ص ۱۱۸)

☆ جب سب مخلوق محتاج ہے تو کوئی کسی کیلئے حاجت روا، مشکل کشا، دستگیر کس طرح ہوسکتا ہے؟ کیوں کہ جو خود کسی کے در پر ہاتھ پھیلا رہا ہو وہ کسی کو کیا دے گا''؟

(جواھر القرآن ص ۷۳)

☆ ''سب کے پیدا کرنے والا ایک اللہ ہی ہے تو کوئی اس کے سفارشیں کرا کر کیسے کام کروا سکتا ہے''؟ (جواھر القرآن ص ۴۳)

☆ شرک فی التصرف یعنی کسی پیر فقیر یا پیغمبر علیہ السلام کیلئے ثابت کرنا کہ اسکو غائبانہ مافوق الاسباب نفع وضرر دینے کی طاقت ہے۔ یہ شرک فی التصرف ہے۔

(جواہر القرآن مؤلفہ مولوی غلام خان ص ۱۳۸)

قارئین کرام! یہ لوگ حسب ضرورت قیدیں بڑھاتے رہتے ہیں، مولوی غلام خان صاحب نے اختراعی اصطلاح کی اثبات کیلئے ذاتی وعطائی کے فرق کو آج کل کے مشرک مولویوں اور پیروں کی خود ساختہ جہالت آمیز اصطلاح قرار دے کر رد کر دیا ہے۔ شاید کہ آج کل کے مشرک مولویوں سے مراد حاجی امداد اللہ صاحب، شیخ الطائفہ رشید احمد گنگوہی، مرتضیٰ حسن دربھنگی وغیرہ ہوں؛ کیونکہ یہ بھی ذاتی اور عطائی کی تقسیم کے قائل ہیں۔ مگر تعجب خیز قابل صد تحسین اُن کی یہ دلیل ہے۔ جسے ان الفاظ میں پیش کیا گیا۔

☆ نیز بالذات کا معنی تو کسی ممکن الوجود کے اندر ہونا بھی محال ہے وہ تو پہلے ہی سے منفی ہے۔ تو لازم آتا ہے کہ قرآن مجید میں بے فائدہ اور بے معنی نفی کی گئی ہے۔ (جواہر القرآن ص ۲)

''ذالک مبلغهم من العلم'' حزب مخالف اس دلیل پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا دلیل کا تجزیہ کیا جائے گا)۔

امام الطائفہ شاہ اسماعیل دہلوی کے اقوال:

☆ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ (تفویۃ الایمان ص ۴۷)

☆ اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی۔

(تفویت الایمان ص ۸)

☆ کوئی فرشتہ اور آدمی غلام سے زیادہ رتبہ نہیں رکھتا اور اس کے قبضہ میں عاجز ہے کچھ قدرت نہیں رکھتا ہے۔ (تفویت الایمان ص ۹)

☆ نہ اللہ کے سوا کسی کو حاکم سمجھئے کہ کسی چیز میں کچھ تصرف کرتا ہے نہ کسی کو اپنا مالک

ٹھہرایئے کہ اس سے اپنی کوئی مدد مانگیئے اور اپنی حاجت اس کے پاس لے جایئے۔ (تفویت الایمان ص ۲۰)

☆ اس بات کی ان میں کچھ بڑائی نہیں کہ اللہ نے ان کو عالم میں تصرف کرنے کی کچھ قدرت دی ہو۔ (تفویت الایمان ص ۲۸)

☆ ان باتوں میں سب بڑے بندے اور چھوٹے برابر ہیں عاجز اور بے اختیار۔ (تفویت الایمان ص ۲۹)

☆ اور ایک سو چار کتاب آسمانی کا علم اسی ایک نکتہ میں ہے کہ توحید خوب درست کیجئے اور شرک سے بہت دور بھاگیئے۔ (تفویت الایمان ایجوکیشنل پریس کراچی ص ۱۳)

☆ اس آیت سے معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا ﷺ کے وقت کافر بھی اس بات کے قائل تھے کہ کوئی اللہ کے برابر نہیں اور اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مگر اپنے بتوں کو اس کی جناب میں اپنا وکیل سمجھ کر مانتے تھے اسی سے کافر ہو گئے سو اب بھی جو کوئی کسی مخلوق کا عالم میں تصرف ثابت کرے اور اپنا وکیل سمجھ کر اس کو مانے سو اب اس پر شرک ثابت ہو جاتا ہے گو کہ اللہ کے برابر نہ سمجھے اور اس کے مقابلہ کی طاقت اس کو نہ ثابت کرے۔ (ایضاً ص ۲۰)

☆ یعنی اللہ صاحب نے اپنے پیغمبر کو حکم کیا کہ لوگوں کو سنا دیویں کہ میں تمہارے نفع نقصان کا کچھ مالک نہیں۔ (ایضاً صفحہ ۲۱)

عقائد حزب مخالف کا خلاصہ ایک نظر میں:

1. مشرکین عرب کا یہی (مشرکانہ) عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو کچھ مقامات پر تصرف کا اختیار دے دیا ہے۔

2. یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ انبیاءِ کرام اور اولیاء اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے کاموں میں تصرف کا اختیار عطا فرمایا ہے (وہ بھی مستقل اور بڑے بڑے کاموں میں تصرف نہ مانتے تھے) مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو کافر و مشرک کہا۔ (یعنی انبیاء اور اولیاء کو چھوٹے چھوٹے کاموں میں بھی اللہ

تعالیٰ کی دی ہوئی قوت سے متصرف ماننے والے بھی کافر و مشرک ہیں۔

(نعوذ باللہ من ھذہ الھفوات)

3: عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کیلئے عطائی اختیارات کو تسلیم کر کے بھی مشرک ہونے سے نہ بچ سکے

4: رسول اللہ ﷺ سے شفاعت کا سوال کرنا شریعت حقہ میں ثابت نہیں۔

5: رسول اللہ ﷺ یا کسی کو بھی باعلام اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ کے بتانے سے) بھی غیب کا علم ماننا شرک ہے۔

6: انبیاء و اولیاء کو بتملیک اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ کی عطا سے) بھی متصرف ماننا شرک ہے۔

7: جو خود اللہ تعالیٰ سے مانگ رہا ہو وہ کسی کی کیا سفارش کرے گا؟

8: قرآن مجید میں جہاں بھی کسی صفت کی نفی کی گئی ہے وہ ممکن الوجود کی نفی ہے کیونکہ منفی و محال کی نفی بے فائدہ و بے معنیٰ ہے۔

9: رسول اللہ ﷺ اور سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو کسی چیز کا بھی اختیار نہیں دیا گیا

10: کوئی فرشتہ یا انسان کچھ بھی قدرت نہیں رکھتا۔

11: اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے بھی اپنی حاجت پیش نہ کریں۔

12: سب بڑے چھوٹے (انبیاء کرام علیہم السلام اور عام انسان) عاجز و بے اختیار ہیں۔

13 کسی کو اپنا وکیل ماننا شرک ہے۔

14: رسول اللہ ﷺ کسی نفع و نقصان کے کچھ مالک نہیں۔

15: جس فعل، کام میں بظاہر کوئی سبب نہ ہو وہ مافوق الاسباب متصور ہوگا۔

16: جو کام ظاہری و عادی اسباب سے بالاتر ہو وہ مافوق الاسباب فعل ہے۔

17: معجزہ ماتحت الاسباب اَمر ہے۔

18: اکابر اہل سنت کے نزدیک معجزہ میں خرقِ عادت ہونا بھی شرط نہیں۔

قارئین با تمکین:

یہ ہے محل نزاع، ''نورِ ہدایت'' کا مطالعہ کرنیوالے حضرات اسے پیش نظر رکھ کر ''نور ہدایت'' اور ''راہِ ہدایت'' کا تقابلی جائزہ لیں۔ خود مؤلف ''راہِ ہدایت'' خانصاحب گکھڑوی بھی ما بہ النزاع سے انحراف کر کے وقت ضائع نہ کریں، ان کو بھی چاہیے کہ ان مذکورہ عبارات...... جن میں انہوں نے اپنے عقائد ونظریات کا تذکرہ کیا ہے...... کی صحت کو دلائل صحیحہ سے ثابت کریں؛ کیونکہ اہل سنت کے مسلک میں حزبِ اختلاف کے مسطورہ عقائد ونظریات انتہائی خطرناک اور گمراہ کن ہیں۔

یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ ان کے جن اکابر کی طرف یہ عبارات منسوب کی گئی ہیں، اُن سے مافوق الاسباب کی اصطلاح کا استعمال ہرگز ثابت نہیں، بلکہ ان عبارات سے مافوق الاسباب مراد لینے کی نفی کی گئی ہے۔ یہ صرف خانصاحب اور اُنکے کچھ ساتھیوں نے اس مخترعہ اصطلاح کا سہارا لیا ہے۔ اور مافوق الاسباب کی تعریف:

''مگر جس میں بظاہر کوئی سبب نظر نہ آئے یا جس میں ظاہری وعادی سبب نہ ہو''

سے کر کے سراب کا محل تیار کیا۔ بہرحال حزب مخالف، مؤلف راہِ ہدایت کے بعض عقائد انتہائی گمراہ کن ہیں۔ اُنکو درست مان کر کسی کو بھی مسلمان ثابت کرنا ناممکن ہے۔

بندے کا مختار ومتصرف ہونا، خادم اہل سنت کا مؤقف:

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، اولیاء الرحمٰن یا عام بندوں کے مختار ومتصرف ہونے سے متعلق اہل سنت وجماعت کا مؤقف بیان کرنے کیلئے اس موقع پر اتنا ہی کافی تھا کہ ''نورِ ہدایت'' سے ہی چند عبارات کو بطورِ نمونہ یکجا لکھ دیا جاتا تاکہ غیر متعصب مطالعہ کرنے والا قاری، ضمیر کی آواز کے مطابق یہ طے کر سکتا کہ دورانِ بحث موضوعِ کتاب سے کس نے انصاف کیا ہے؟ اور کس نے غیر متعلقہ بحثیں چھیڑ کر وقت ضائع کیا ہے؟

مولوی سرفراز خانصاحب گکھڑوی نے ''راہِ ہدایت'' نامی کتاب، خادم اہل سنت کی تالیف ''نورِ ہدایت'' کے رد میں لکھی ہے، تو اُن کو چاہئیے تھا کہ تصرفات واختیارات ما فوق الاسباب اور ماتحت الاسباب کے اس مفہوم کا خیال رکھتے جس کا نورِ ہدایت میں ذکر کیا گیا تھا۔نورِ ہدایت میں ذکر کردہ مسلک وموقف کونظر انداز کر کے کوئی کتاب لکھ دینا زر اندوزی کا ذریعہ تو بن سکتا ہے اظہارِ حق کا وسیلہ نہیں۔ نورِ ہدایت کے جدید اضافات میں اسکی طرف متعدد مقامات پر نشاندہی کر دی گئی ہے بایں وجہ نورِ ہدایت کی عبارات ہی اگرچہ اظہارِ مسلک کیلئے کافی تھیں تاہم حصولِ برکت اور عموم فائدہ کیلئے امام اہل سنت مجدد دین و ملت مولانا الشاہ احمد رضا سنی حنفی قادری محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اہل سنت کا جو موقف تحریر فرمایا ہے پہلے اسے زینت کتاب بنایا جا رہا ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی معروف کتاب '' الامن والعلی لِنَاعِتِی المصطفیٰ بدافع البلاء '' ملقب بلقب تاریخی ''اکمال الطامة علی شرکٍ سُوِّیَ بِالْاُمُوْرِ الْعَامه ''میں رقمطراز ہیں:

''اقول و باللہ التوفیق نسبت واسناد دو قسم ہے: حقیقی کہ مسند الیہ حقیقت میں متصف ہو، اور مجازی کہ کسی علاقہ کی وجہ سے غیر متصف کی طرف نسبت کر دیں جیسے نہر کو جاری یا ''حابس سفینہ'' کو متحرک کہتے ہیں، حالانکہ حقیقۃً آب و کشتی جاری ومتحرک ہیں۔

پھر حقیقی بھی دو قسم ہے: ذاتی کہ خود اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو اور عطائی کہ دوسرے نے اسے حقیقۃً متصف کر دیا ہو، خواہ وہ دوسرا خود بھی اس وصف سے متصف ہو، جیسے واسطہ فی الثبوت میں، یا نہیں جیسے واسطہ فی الاثبات میں۔ ان سب صورتوں کی اسنادیں تمام محاورات، عقلائے جہان و

اہل ہر مذہب وملت وخود قرآن وحدیث میں شائع وذائع۔ مثلاً انسان عالم کو عالم کہتے ہیں۔ قرآن عظیم میں جا بجا اُولُوا الْعِلْم اور عُلَمٰٓؤُ بَنِی اسرائیل اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی نسبت لفظ علیم وارد۔ یہ حقیقت عطائیہ ہے یعنی بعطائے الٰہی وہ حقیقۃً متصف بعلم ہیں اور مولیٰ عزوجل نے اپنے نفس کریم کو علیم فرمایا یہ حقیقت ذاتیہ ہے کہ وہ بے کسی کی عطا کے اپنی ذات سے عالم ہے۔ سخت احمق وہ کہ ان اطلاقات میں فرق نہ کرے۔ وہابیہ کے مسائل شرکیہ، استعانت وامداد، علم غیب وتصرفات وندا وسماع، فریاد وغیرہا اسی فرق نہ کرنے پر مبنی ہیں۔

تنزلاً یہی سہی کہ احد الامرین سے خالی نہیں، نسبت حقیقی عطائی ہے یا ازانجا کہ حضور، سبب ووسیلہ وواسطہ دفع بلا ہیں؛ لہٰذا نسبت مجازی رہی۔ حقیقی ذاتی، حاشا کہ کسی مسلمان کے قلب میں کسی غیر خدا کی نسبت اس کا خطرہ گزرے۔

امام علامہ سیدی تقی الملۃ والدین علی بن عبد الکافی سبکی قدس سرہ الملکی جن کی امامت وجلالت، محل خلاف وشک نہیں۔ یہاں تک کہ میاں نذیر حسین دہلوی اپنے ایک مہری مصدق فتوے میں انہیں بالاتفاق امام مجتہد مانتے ہیں۔ کتاب مستطاب شفاء السقام شریف میں ارشاد فرماتے ہیں:

" لَيْسَ الْمُرَادُ نِسْبَةُ النَّبِيِّ ﷺ اِلَى الْخَلْقِ وَالْاِسْتِقْلَالِ بِالْأَفْعَالِ هٰذا لَايَقْصِدُهٗ مُسْلِمٌ فَصَرْفُ الْكَلَامِ اِلَيْهِ وَمَنْعُهٗ مِنْ بَابِ التَّلْبِيْسِ فِي الدِّيْنِ وَالتَّشْوِيْشِ عَلٰى عَوَامِ الْمُوَحِّدِيْنَ "

یعنی نبی ﷺ سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور خالق وفاعل مستقل

ہیں۔ یہ تو کوئی مسلمان ارادہ نہیں کرتا، تو اس معنی پر کلام کو ڈھالنا اور آنحضور سے مدد مانگنے کو منع کرنا، دین میں مغالطہ دینا اور عوام مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالنا ہے)

صدقت یا سیدی جزاک اللہ عن الاسلام والمسلمین خیراً آمین.

فقیر کہتا ہے: ایک دفع بلاو امداد و عطا ہی پر کیا موقوف، مخلوق کی طرف اصل وجود ہی کی اسناد بمعنی حقیقی ذاتی نہیں، پھر عالم کو موجود کہنے میں وہابیہ بھی ہمارے شریک ہیں۔ کیا اُن کے نزدیک عالم بذاتہٖ موجود ہے یا سوفسطائیہ کی طرح عقیدہ حقائق الاشیاء ثابتۃٌ سے منکر ہیں۔ اور جب کچھ نہیں تو کیا ظلم ہے؟ جو محاورے صبح وشام خود بولتے رہیں، مسلمانوں کے مشرک بنانے کو ان کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں۔ کیا مسلمان پر بدگمانی حرام قطعی نہیں ؟ کیا اس کی مذمت پر آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ ناطق نہیں؟ بلکہ انصاف کی آنکھ کھلی ہو تو اس ادعائی خبیث کا درجہ تو بدگمانی سے بھی گزرا ہوا ہے۔ سوئے ظن کیلئے اس گمان کی گنجائش تو چاہیے، مسلمان کے بارہ میں ایسے خیال کا احتمال ہی کیا ہے؟ اس کا موحد ہونا ہی اس کی مراد پر گواہ کافی ہے۔

کما لا یخفیٰ عند کل من لہٗ عقل و دین.

پھر ارشاد ہوا:

بالجملہ اس احتمال کے تو یہاں راہ ہی نہیں، بلکہ انہیں دو سے ایک مراد بالیقین یعنی اسناد غیر ذاتی کسی قسم کی ہو، اب جو اسے شرک کہا جاتا ہے تو اس کی دو ہی صورتیں متصور بنظر مصداق نسبت یا بنفس حکایت: اوّل یہ کہ غیر خدا کیلئے ایسا اتصاف ماننا ہی مطلقاً شرک، اگرچہ مجازی ہو۔ جس کا حاصل اس مسئلہ میں یہ کہ حضور دافع البلاء ﷺ دفع بلا کے سبب و وسیلہ و واسطہ بھی نہیں، کہ مصداق

نسبت کسی طرح متحقق ہو جو غیر خدا کو ایسے امور میں سبب ہی مانے وہ بھی مشرک۔ دوم یہ کہ ایسی نسبت و حکایت خاص بذات احدیت جل وعلا ہے غیر کیلئے مطلقاً شرک۔ اگرچہ اسناد غیر ذاتی مانے۔ آدمی اگر عقل و ہوش سے کچھ بھی بہرہ رکھتا ہو تو غیر ذاتی کا لفظ آتے ہی شرک کا خاتمہ ہوگیا۔ کہ جب بعطائے الٰہی مانا تو شرک کے کیا معنی ؟ برخلاف اس طاغی و سرکش کے جو عقل کی آنکھ پر مکابرہ کی پٹی باندھ کر صاف کہتا ہے:

''پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے، خواہ اللہ کے دینے سے۔ غرض اس عقیدہ سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے''

کسی سفیہ مجنوں سے کیا کہا جائے ؟ کہ صفت الٰہی بعطائے الٰہی نہیں، تو جو بعطائے الٰہی ہے صفت الٰہی نہیں، تو اس کا اثبات اصلاً کسی صفت الٰہی کا اثبات بھی نہ ہوا نہ کہ خاص صفت ملزومہء اُلوہیت کا۔ کہ شرک ثابت ہو، بلکہ یہ تو بالبداہۃ صفت ملزومہ عبدیت ہوئی کہ بعطائی غیر کسی صفت کا حصول تو بندہ ہی کیلئے معقول۔ تو اس کا اثبات صراحۃً عبدیت کا اثبات ہوا نہ کہ معاذ اللہ اُلوہیت کا۔

ایک یہی حرف تمام شرکیات وہابیہ کو کیفر چشانی کیلئے بس ہے مگر مجھے تو یہاں وہ بات ثابت کرنی ہے جس پر میں نے یہ تمہید اٹھائی، یعنی ان صاحبوں کا حکم شرک اللہ و رسول تک متعدی ہونا۔ ہاں اس کا ثبوت لیجئے! ابھی بیان کر چکا ہوں کہ اس حکم ناپاک کیلئے دو ہی وجہیں متصور۔ ان میں سے جو وجہ لیجئے ہر طرح یہ حکم معاذ اللہ اللہ و رسول تک منجر، جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(الامن والعلی ۱۴ تا ۱۹، نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور)

اپنے اکابرین سے خیرات علم و حکمت اور نظریہ صالح کی راہبری لیتے ہوئے ''نور ہدایت'' میں انھی عقائد و نظریات کا پرچار اور دفاع کیا گیا ہے۔ قندِ مکرر کے طور

خلاصہ پھر ملاحظہ ہو:

☆ انسان اپنے افعال کا مختار و کاسب ہے نہ کہ موجد و خالق۔

(نورِ ہدایت طبع اوّل ص ۳)

☆ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے جب چاہے، جس کو چاہے، جتنا چاہے عطا فرمائے۔ اسی نے اپنے بندوں کو اختیارات و تصرفات عطا کئے اور سب سے زیادہ سلطنت، مملکت، تصرفات و اختیارات حبیبِ خدا، شہ ہر دوسرا، محمد مصطفیٰ ﷺ کو ملی اور آپ ﷺ اپنے منصب کے مطابق مختارِ کل اور متصرف فی الامور ہیں۔

☆ ہمارے عقیدے میں انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام، ملائکہ کرام علیہم السلام اور اولیاء الرحمٰن رحمہم اللہ تعالیٰ کو ان کے اپنے اپنے مناصب و مراتب کیمطابق ان (امور تکوینی) میں اختیارات حاصل ہیں، اور باذن اللہ تعالیٰ وہ ان امور میں متصرف ہیں۔ دلائل اپنے موقع پر آجائیں گے ان شاء اللہ العزیز۔ اور زیادہ انہی تصرفات کا اثبات کیا جائے گا۔ (نورِ ہدایت ص ۱۵ طبع اوّل)

☆ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے جو افعال صادر فرماتا ہے اور اس کی قدرت سے جو اشیاء وجود میں آتی ہیں، اُن میں بھی عام طور پر کوئی نہ کوئی سبب خارجی ہوتا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ اُن اسباب کا محتاج نہیں، بلکہ جنہیں ہم ظاہری سبب سمجھے ہوئے ہیں، اُنکے بغیر بھی کام کرنے پر غالب و قادر ہے، اور کسی غیر کا محتاج نہیں۔ بخلاف مخلوق کے کہ ہمارا ہر فعل سبب کا محتاج ہے۔ اور نہ سہی ارادۂ الٰہی مشیتِ ایزدی ضرور سبب تام ہوگی۔ جب تک ارادۂ الٰہی کا تعلق نہ ہو، ہم کوئی بھی فعل کرنے پر قادر نہیں۔

(نورِ ہدایت ص ۲۰ طبع اوّل)

☆ اگر مافوق الاسباب قدرت و تصرف سے حزبِ مخالف کی مراد ایسی قدرت و اختیار ہے کہ فاعل متصرف کسی سبب ظاہری و باطنی کا محتاج ہی نہ ہو، حتی کہ مشیتِ ایزدی کا بھی پابند نہ ہو۔ ایسی قدرت کو ہم بھی کسی مخلوق کیلئے تسلیم نہیں کرتے۔ مافوق

الاسباب کا یہی مطلب ٹھیک معلوم ہوتا ہے اور نتیجتاً ذاتی اور عطائی کے قریب المعنی ہو جاتا ہے۔ (نورِ ہدایت طبع اوّل ص ۲۰)

تقسیم و تفہیم اسباب:

اسباب دو قسم ہیں: (الف) عادی (ب) غیر عادی

اسباب غیر عادی یعنی عام حالات میں عام انسانوں کیلئے جو اسباب میسر ہیں، ایسے نہ ہوں۔ بلکہ خلافِ عادت عام یا مخصوص حالات میں مخصوص انسانوں کو حاصل ہوں، جنکی وجہ سے اُن لوگوں سے ایسے افعال سرزد ہوں، جن میں مذکورہ اسباب عادی نہ پائے جائیں۔

اس قسم کے تصرفات کا نام ''تصرف مافوق الاسباب العادیہ'' ہے۔ میری اس تحریر میں کسی مخلوق کیلئے متصرف مافوق الاسباب ہونے کے قول میں یہی ''اسباب عادیہ سے مافوق'' میری مراد ہوگی۔ یعنی اسباب عادیہ ظاہرہ سے بلند و بالا ہو کر تصرف۔

(نورِ ھدایت طبع اوّل ص ۲۲)

☆ ہمارا یہ عقیدہ ہے اللہ جل جلالہ، نے انبیاء عظام، ملائکہ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء الرحمٰن رحمہم اللہ تعالیٰ کو اُن کے مناصب جلیلہ کے مناسب جس قدر چاہا، ایسی قدرت و طاقت بخشی کہ جس سے وہ ارادۂ الٰہی و مشیتِ ایزدی کے تابع رہ کر مافوق الاسباب فاعل و متصرف ہیں۔

اس رسالہ میں فقیر پر تقصیر غفرلہ، اس قسم کے اختیارات اور تصرفات کا ثبوت پیش کرے گا۔ (نورِ ہدایت طبع اوّل ص ۲۲)

☆ کرامت اور معجزہ خرقِ عادت افعال ہیں، یعنی اسباب عادیہ کے بغیر ہی منصۂ شہود پر آجاتے ہیں۔ اس لئے (کرامات و معجزات) کو مافوق الاسباب امر کہہ سکتے ہیں۔

(نورِ ھدایت طبع اوّل ص ۲۹)

قارئین کرام!

مقدمۃ الکتاب اور ''مقاصد سبعہ'' میں متعلقہ ابحاث کو مکمل شرح وبسط اور کامل توضیحات کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے، تاکہ آنے والے ہر دو ابواب میں زیر بحث مسائل وعقائد اور نظریات کے سمجھنے، رب ذوالجلال کی طرف سے عطا کیے گئے کمالاتِ نبوت وعظمتِ ولایت کے مراتبِ علیا کو جاننے اور اُن کے ماننے میں کوئی چیز سدِ راہ نہ بنے۔

تحقیقاتِ سابقہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے باب اول اور دوم کا مطالعہ کیجیے!
اللہ تعالیٰ احقاقِ حق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

الباب الاوّل:

☆ باعطاء الٰہی مدبرات امر

تدبیر ملائکہ

تدبیر نفوس قدسیہ

☆ تفسیری احتمالات اور خانصاحب

☆ یوم الفرقان، غزوۂ بدر

☆ تصرفات وقدرت سلیمان علیہ السلام

☆ تصرفات عیسیٰ علیہ السلام در امور تکوینی

☆ کیا لفظ "باذن اللہ" فعل کے غیر اختیاری ہونے پر نص ہے؟

☆ کمالات واعزازات خضر علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ عَزَّ اِسمُہٗ :

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ
وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى
وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

میں تو مالک ہی کہونگا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

واللہ یهدی من یشآء الی صراطٍ مستقیم

(واللہ یعطی و هؤلاء یمنعون)

تدبیر ملائکہ ونفوس قدسیہ

استدلال (۱) قال اللہ تعالیٰ :

وَالنّٰزِعٰتِ غرقاً ○ وَّالنّٰشِطٰتِ نشطًا ○ وَّالسّٰبِحٰتِ سبحًا○ فالسّٰبِقٰتِ سَبقًا ○ فالمدبّراتِ اَمْراً ○(پ ۳۰ سورۃ النزعت آیت ۱تا۵)

قسم ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں ، اور نرمی سے بند کھولیں ، اور آسانی سے پیریں ، پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں ، پھر کام کی تدبیر کریں۔ (کنزالایمان)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی قسم فرمائی اور اُن کے بعض اوصاف وذمہ داریوں کا ذکر فرمایا۔ اُنکی ایک صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ "مدبرات امر" ہیں۔ اس وقت ہمارا اسی آیت کریمہ سے استدلال ہے کہ: ملائکہ بھی" امور الٰھیہ میں تدبیر" فرمانے والے ہیں۔ اور عطائے الٰہی کے مطابق "مدبر عالم" ہیں۔

یہ آیت کریمہ ہمارے مدعا پر قطعی الدلالۃ ہے۔ اس آیت کے تحت کتب تفاسیر...... تفسیر کبیر، خازن، معالم التنزیل اور جمل وغیرہا ...... میں لکھا ہے کہ: حضرت جبرائیل ، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیھم السلام امور الٰہیہ کو اہل زمین میں تدبیر اور تقسیم فرماتے ہیں ۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہوا اور لشکروں پر مؤکل ہیں، حضرت میکائیل علیہ السلام بارش اور روئیدگی پر مقرر، حضرت عزرائیل علیہ السلام قبض ارواح پر اور حضرت اسرافیل علیہ السلام انہیں حکم پہنچانے پر متعین ہیں۔ فرشتوں میں سے کچھ انسانوں کی حفاظت پر متعین ہیں، تو کچھ اعمال لکھنے پر۔ کئی فرشتے خسف ومسخ، ہوا وغیرہا امور پر تعینات ہیں۔ یعنی امور تکوینیہ کی تدبیر پر مؤکل ہیں۔

شیخ المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

” ﴿ فالمدابرات امرا ﴾ ملائکه عظام مثل جبرائیل وحضرت میکائیل وحضرت اسرافیل وحضرت عزرائیل مع اعوانهم وجنود هم که هریک برائے تدبیر امرے از امور کونیه مقرر فرموده اند حضرت جبرائیل بر بادها وجنگ و انزال وحی منصوب اند حضرت میکائیل برباران و نبات وارزاق ، وحضرت اسرافیل بر نفخ صور و نفخ روح درجانوران وآدمیان وبرلوح محفوظ ، وتقدیر ارزاق و آجال ، و حضرت عزرائیل بر قبض ارواح موتٰی وامراض و آفات “ (تفسیر عزیزی پاره عم ص ۲۴)	یعنی فالمدبرات امرا ، آیت سے بڑے بڑے فرشتے جیسے حضرت جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل علیہم السلام اور ان کے امدادی اور لشکری مراد ہیں کہ ہر ایک امور کونیہ سے کسی امر کی تدبیر (انتظام) پر مقرر کیا گیا ہے۔ حضرت جبرائیل ہوا، جنگ اور وحی کے لانے پر مقرر کئے گئے۔ حضرت میکائیل بارش ، روئیدگی و پیداوار اور رزق پہنچانے پر نصب ہیں۔ حضرت اسرافیل صور کے پھونکنے، نیز انسانوں اور حیوانوں میں روح پھونکنے، لوح محفوظ اور رزق اور موت کے اندازہ کرنے پر متعین ہیں۔ اور حضرت عزرائیل مردوں کی روح قبض کرنے اور بیماریوں اور آفتوں پر متعین ہیں۔

یہ عبارت مزید کسی حاشیہ آرائی کی محتاج نہیں، از خود واضح ہے۔ ذرہ غور و فکر سے ہر ذی عقل فہمِ مطالب کر سکتا ہے۔ مگر حزب مخالف پر بڑا ہی تعجب ہے کہ اس کے باوجود رٹ لگائے ہے کہ کسی نبی، ولی، فرشتہ کو بعض امور میں بھی "باذن الله مدبّر" سمجھنا شرک ہے۔ ” دیکھو مقصد ہفتم“

ایسے اقوال کو دیکھ کر دل تھرا اٹھتا ہے۔ اور بے ساختہ ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان لوگوں کے نزدیک کوئی مسلمان بھی ہے؟ یا کیا تمام مفسرین، محدثین، صحابہ کرام، اور

خود قرآن پاک عقائد شرکیہ کی اشاعت کر رہے ہیں۔ **نعوذ باللہ تعالیٰ**

ان کی کارستانیاں تو یہ ہیں، مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں سے تائید دین اسلام لے لیتا ہے۔ علامہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر قرآن انوار التنزیل المعروف تفسیر بیضاوی میں ان آیات کریمہ کا ایک فائدہ یہ بیان فرماتے ہیں:

أو صِفَاتُ النُّفُوْسِ الفَاضِلَةِ حَالَ الْمُفَارَقَةِ فَاِنَّهَا تَنْزِعُ عَنِ الْاَبْدَانِ غَرْقًا اَیْ نَزْعًا شَدِیْدًا مِنْ اِغْرَاقِ النَّازِعِ فِیْ الْقَوْسِ وَتَنْشِطُ اِلٰی عَالَمِ الْمَلَكُوْتِ وَتَسْبَحُ فِیْهَا فَتَسْبِقُ اِلٰی حَظَائِرِ الْقُدُسِ فَتَصِیْرُ لِشَرَفِهَا وَقُوَّتِهَا مِنْ الْمُدَبِّرَاتِ"

(سورۃ النازعات پ ۳۰، انوار التنزیل المعروف تفسیر بیضاوی الطبعہ ثانیہ الجز الثانی ص ۵۳۶)

یا ان سے مراد اہل اللہ کی ارواحِ مقدسہ ہیں جب وہ اپنے مقدس بدنوں سے جدا ہوتی ہیں تو جسم سے سخت قوت کے ساتھ جدا ہو کر عالم ملکوت کی طرف آسانی سے پہنچ جاتی ہیں اور دریائے ملکوت میں تیرتی ہوئی حظیر ہائے قدس تک رسائی پاتی ہیں، بس اپنی بزرگی اور قوت کے باعث کاروبار عالم کی تدبیر کرنے والوں سے ہو جاتی ہیں۔

علامہ قاضی بیضاوی کی یہ عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کے مسلک میں اولیاء کرام، کاملینِ اُمت قبروں میں جا کر بھی روحانی تصرف فرماتے ہیں اور اُنہیں اللہ نے جو روحانی قوت عطا کی ہے اس کے سبب جہان کے کاموں میں تدبیر فرماتے ہیں۔ اولیاء کرام کو اس تصرف کی وجہ سے "مدبرات امر" کہہ سکتے ہیں۔

قاضی بیضاوی کے بیان کردہ معنیٰ کی تائید کرتے ہوئے علامہ احمد بن محمد شہاب خفاجی لکھتے ہیں۔

" وَلِذَا قِیْلَ اِذَا تَحَیَّرْتُمْ فِی الْاُمُوْرِ فَاسْتَعِیْنُوْا مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ اِلَّا اَنَّه' یعنی اسی لئے کہا گیا ہے کہ جب تم متحیر و پریشان ہو، تو قبروں والوں سے استعانت

لَیْسَ بِحَدِیْثٍ کَمَا تُوُهِّمَ وَلِذَا اتَّفَقَ النَّاسُ عَلٰی زِیَارَةِ مَشَاهِدِ السَّلَفِ وَالتَّوَسُّلِ بِهِمْ اِلَی اللهِ وَاِنْ اَنْکَرَهٗ بَعْضُ الْمَلَاحِدَةِ فِی عَصْرِنَا وَالْمُشْتَکٰی اِلَیْهِ هُوَ اللهُ‘‘

(عناية القاضی و كفاية الراضی ج ٨، ص ٣١٣)
مطبع دار احياء التراث بيروت

کرو (مدد مانگو) مگر یہ کلام حدیث نہیں جیسا کہ وہم کیا گیا ہے۔ اور اسی لئے مزارات سلف صالحین کی زیارت اور انہیں اللہ تعالی کی طرف وسیلہ بنانے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اگرچہ ہمارے زمانے کے بعض ملحد و بے دین اس کے منکر ہیں۔ اور اللہ تعالی ہی کی طرف اس کی فریاد ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر مظہری میں قاضی بیضاوی کی یہ عبارت بطورِ حوالہ نقل کی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا بھی اصحابِ قبور کے متصرف ہونے کے بارے میں وہی مسلک ہے جسے قاضی بیضاوی نے اختیار کیا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قَالَ الْبَیْضَاوِیُّ هِیَ صِفَاتُ نُفُوْسِ الْفَاضِلَةِ الخ

یعنی ان آیات میں فضیلت والے نفوس کی صفات کا بیان ہے۔

اسکے بعد وہ قاضی بیضاوی کی پوری عبارت نقل کی جو گذشتہ صفحہ پر گذر چکی ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ علماء کے کلام سے معلوم ہوا کہ اولیائے کرام بعد از وصال عالم دنیا میں تصرف کرتے اور امور کی تدبیر فرماتے ہیں۔

اہل اللہ کی قبورِ مبارکہ کی زیارت اور ان کو وسیلہ بنانے کا انکار ملحد و بے دین لوگوں کا اندازِ فکر ہے، تاہم اس جگہ وہابیہ کو بڑی مشکل پیش آئے گی کہ اس آیت میں فرشتوں کو مدبّر امر کہا گیا، حالانکہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ارشاد باری ہے:

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الارض

(پ ٢١، السجدہ، آیۃ ٥)

اللہ تعالیٰ امر کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین کی طرف۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْ مَنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ.

(پ ۱۱ سورۃ یونس آیت ۳۱)

اے نبی تم فرماؤ! تمہیں کون روزی دیتا ہے آسمان اور زمین سے؟ یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا۔ اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے؟ اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے؟ اور کون تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ اب کہیں گے کہ اللہ! تو تم فرماؤ! تو کیوں نہیں ڈرتے؟

یہاں حزب مخالف کا مافوق و تحت الاسباب والا حیلہ بھی کارگر نہیں ہوسکتا۔ اور کسی ولی کا گول مول الہام بھی کہہ کر جان نہیں چھڑا سکتے۔ کیونکہ فالمدبرات امرا نص قرآنی ہے۔

اَصل میں اللہ تعالیٰ مدبر امر ہے اور اسی نے ملائکہ کو بھی مدبرات امر بتایا۔ ان آیات مبارکہ میں قطعاً تعارض نہیں، بظاہر جو تعارض کا وہم ہوسکتا ہے اس کا جواب سرا سر صواب یہ ہے کہ حقیقی اور ذاتی طور پر اللہ مدبر امر ہے اور باعطاء اللہ فرشتے مدبر و متصرف ہیں۔ مگر اس تطبیق سے اس مخصوص گروہ کو اتفاق نہیں جیسا کہ مقدمہ کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔

امام اہل سنت، مجدد دین وملت، محدث بریلوی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا!

"قرآن کریم خود ہی فرماتا ہے کہ یہ صفت اللہ عزوجل کیلئے ایسی خاص ہے کہ کافر مشرک تک اس کا اختصاص جانتے ہیں۔ ان سے بھی پوچھو کہ کام کی تدبیر کرنیوالا کون ہے؟ تو اللہ ہی کو بتائیں گے۔ دوسرے کا نام نہ لیں گے۔ اور خود ہی اس صفت کو اپنے مقبول بندوں کیلئے ثابت فرماتا ہے کہ: "قسم ان محبوبان خدا کی جو عالم میں تدبیر وتصرف کرتے ہیں" ایمان سے کہنا وہابیت کے دھرم پر قرآن عظیم شرک سے کیونکر بچا۔ اے ناپاک طائفے کی سنگت والو!

جب تک ذاتی وعطائی کے فرق پر ایمان نہ لاؤ گے، کبھی قرآن وحدیث کے قہروں سے پناہ نہ پاؤ گے۔ اور اس پر ایمان لاتے ہی یہ تمہارے شرکیات کے راگ متعلقہ تدبیر وتصرف، استمداد واستعانت ودافع البلاء وحاجت روا و مشکل کشا وعلم غیب وندا وغیرہا سب کافور ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے مبارک منصور بندے آنکھوں دیکھے منصور نظر آئیں گے۔

﴿ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ ﴾

(الامن والعلی ص ۴۸)

مؤلف راہِ ہدایت سرفراز خان گکھڑوی اَصل بات سے رُخ پھیر لینے میں جومہارت رکھتے ہیں شاید ہی اُن کا کوئی ثانی ہو، فقیر نے اس آیت کریمہ سے جس مسئلے پر جس انداز سے استدلال کیا تھا اس کے جواب میں دامنِ علم خالی پا کر استدلال کا رخ اور طرف پھیر دیا۔ عقیدت مندوں کو خوش رکھنے کیلئے یہ تاثر دیا کہ نورِ ہدایت کے دلائل کا ایسا جواب دے رہے ہیں جو بزعم خود ناقابل رد ہے۔ اس لئے خانصاحب کے اعتراضات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ خانصاحب کی عبارات کو چند سوالات کی صورت میں پیش کر کے جواب دیئے جائیں گے۔

خان صاحب س 1: ''مؤلف نور ہدایت کا اس آیت سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے متصرف مافوق الاسباب استدلال کرنا جو ان کا باطل مدعا ہے، سراسر باطل اور قطعاً مردود ہے اوّلاً اسلئے کہ اعتقادی مسائل قیاسی نہیں ہوا کرتے تا کہ ملائکہ کے مدبر اور متصرف ہونے سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اور اولیائے عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مدبر اور متصرف ہونے پر استدلال کیا جا سکے۔ اس مقام پر ایسی نص جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہو درکار ہے'' الی آخرہ (راہ ہدایت ص ۱۵۷)

خادم اہل سنت: ایسے محسوس ہوتا ہے کہ خانصاحب نیند کی حالت میں یہ تحریر فرماتے رہے، اگر ایسا نہیں تو دیدہ دانستہ قاری کتاب کو دھوکہ دیا۔ اس آیت کے ماتحت

لکھے ہوئے میرے کلام سے ایک ادنیٰ سا جملہ بھی بتا دیں کہ فقیر نے فرشتوں کے تصرفات سے یہ قیاس کیا ہو کہ جب ملائکہ ایسے ایسے تصرفات کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیائے کرام ایسے تصرفات فرماتے ہیں۔ یقیناً میرے کلام سے یہ ثابت نہیں کر سکتے۔ فیصلہ قاری پر ہی چھوڑا جاتا ہے۔ ایسے شخص کی دیانت کا کیا عالم ہے؟

فقیر نے لکھا: ''فرشتے امور تکوینیہ کی تدبیر پر مؤکل ہیں'' اس کے ساتھ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا حوالہ پیش کر کے لکھا: ''یہ عبارت مزید کسی حاشیہ آرائی کی محتاج نہیں از خود واضح ہے''۔ پھر علامہ بیضاوی اور علامہ خفاجی کی عبارات نقل کرنے کے بعد لکھا ''بحمد اللہ تعالیٰ علماء کے کلام سے معلوم ہوا کہ اولیائے کرام بعد از وصال عالم میں تصرف کرتے اور امور کی تدبیر فرماتے ہیں''

میری اس تحریر سے عام قاری بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ افادہ قاضی بیضاوی اور ابن شہاب خفاجی کے کلام کا ہے۔ یہ بات بلا تامل روشن ہے کہ ملائکہ کرام کے مدبرات امر ہونے سے اولیائے کرام کیلئے بطور قیاس تصرفات ثابت کرنا ہرگز نہیں ہے۔ علامہ خفاجی کے کلام سے حاصل ہونیوالے فائدہ کے ذکر کو قیاس کرنا، کہنے کی کوئی تک نہیں۔ اگرچہ فرشتوں کے تصرفات سے بطور قیاس انبیاء کرام کیلئے تصرفات ثابت نہیں کئے گئے۔ لیکن ملائکہ کرام کے مذکورہ تصرفات کو مان کر یہ کہنا ہرگز بے جا نہیں ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے باعطاء اللہ تعالیٰ ایسے تصرفات ماننا ہرگز شرک نہیں کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے اور مخلوق ہیں۔ مخلوق کیلئے جس طرح کے تصرفات ثابت ہیں ایسے تصرفات خاصہ الوہیت نہیں۔

خانصاحب س ۲: ''اس مقام پر تو ایسی نص جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہو درکار ہے...... تا قیامت اثبات ممکن نہیں'' (راہ ہدایت ص ۱۵۷)

خادم اہل سنت اولاً المدبرات کے کلمہ مبارکہ سے ملائکہ مراد لینے پر اگر مؤلف راہ ہدایت کو اعتراض ہے کہ اس میں کئی احتمال آتے ہیں، جس کلام کے مفہوم میں کئی احتمالات ہوں وہ کسی ایک معنی پر قطعی الدلالت نہیں ہوتی، لہٰذا اس دلیل کو دلیل قطعی کہنا درست نہیں۔ خانصاحب کے اس سوال پر بحث آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

اس وقت جو بات کہنی ہے وہ اتنی ہے کہ یقیناً قطعاً المدبرات کے کلمہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد نہیں؛ کیونکہ المدبرات ، المدبرۃ کی جمع ہے جسے اللہ وحدہٗ لاشریک کے حق میں استعمال نہیں کیا جاسکتا، جس کا لازمی یقینی نتیجہ ہے کہ المدبرات کی مراد جو بھی ہو اللہ تعالیٰ کا غیر ہے۔ تو کیا آیت غیر اللہ کے (جو بھی مراد ہو) مدبر امر ہونے پر قطعی الثبوت، قطعی الدلالت نص نہیں ہے؟

چیلنج کرنا تو آسان ہے مگر چیلنج قبول کرنا مشکل، خانصاحب اور ان کے ہم خیال لوگوں کا عقیدہ ہے۔ ”کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام کو بعض امور میں بھی مافوق الاسباب العادیہ متصرف ماننا شرک ہے چاہے اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہی ان کی قوت تسلیم کی جائے۔“

اس کے ساتھ خانصاحب کا دعویٰ ہے:

”کہ ہر عقیدہ یقینی اور قطعی ہوتا ہے جو کہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت نص سے ثابت ہوتا ہے“

اس لئے خانصاحب کو دعوت دی جاتی ہے!

”اپنے دعویٰ مذکورہ بالا پر ایک ہی ایسی نص جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہو ، پیش کریں تاقیامت اثبات ممکن نہیں۔“

خان صاحب س ۳:

”مؤلف مذکور کا اس آیت کو اپنے مدعا کیلئے قطعی الثبوت دلیل کہنا علم اور

دیانت کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے کیونکہ قطعی الدلالۃ وہ دلیل ہوتی ہے جس میں کوئی اور احتمال پیدا نہ ہوسکتا ہو۔" (راہ ھدایت)

خادم اہل سنت: "ممکن ہے مؤلف راہِ ہدایت نے سہواً قلم سے ایسا لکھ دیا ہو۔

"وگرنہ قرآن پاک کا ایک ایک کلمہ مبارکہ قطعی الثبوت ہے۔"

فائدہ: عام قاری کو معلوم ہونا چاہئیے کہ قرآن پاک پورے کا پورا قطعی الثبوت ہے ہر مومن کو مکمل یقین ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی کتاب لاریب ہے۔

خانصاحب س ۴:

فالمدبرات امرا کی آیت ملائکہ کے امور الٰہیہ میں متصرف و مدبر ہونے میں ہر گز قطعی الدلالت نہیں ہے۔ (راہِ ہدایت ص ۱۵۷)

خادم اہل سنت:

اولاً: سوال نمبر۲ کے جواب میں ذکر ہو چکا ہے کہ المدبرات سے "ما سوا اللہ تعالیٰ" کوئی ایک فرد مراد نہیں بلکہ کئی افراد مراد ہیں، جو امورِ تکوینیہ میں مدبراتِ امر ہیں۔ اس مفہوم پر آیت قطعی الدلالت ہے۔ المدبرات سے ملائکہ کرام مراد نہ لے کر مؤلف کو کیا فائدہ پہنچا؟ جدھر جائیں زمین گول نظر آئے گی۔ الغرض یہ آیت کریمہ میرے اس دعویٰ پر قطعی الدلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کئی اور نفوسِ عالیہ کو "مدبر" کہہ سکتے ہیں۔

ثانیاً: امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فالمدبرات امراً" پس اس بات پر اجماع ہے کہ المدبرات سے ملائکہ مراد ہیں۔

قَالَ مُقَاتِلٌ یَعْنِیْ جِبْرَئِیْلُ وَ مِیْکَائِیْل مقاتل نے کہا مطلب یہ ہے کہ جبرائیل،

وَ اِسْرَافِيْلُ وَ عِزْرَائِيْلُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ يُدَبِّرُوْنَ أَمْرَ اللهِ تَعَالٰى فِي اَهْلِ الْاَرْضِ، وَهُمُ الْمُقَسِّمَاتُ أَمْراً أَمَّا جِبْرِيْلُ فَوُكِّلَ بِالرِّيَاحِ وَالْجُنُوْدِ، وَأَمَّا مِيْكَائِيْلُ فَوُكِّلَ بِالْمَطَرِ وِالنَّبَاتِ وَأَمَّا مَلَكُ الْمَوْتِ فَوُكِّلَ بِقَبْضِ الْاَنْفُسِ وَأَمَّا اِسْرَافِيْلُ فَهُوَ يَنْزِلُ بِالْاَمْرِ عَلَيْهِمْ وَقَوْمٌ مِنْهُمْ مُوَكَّلُوْنَ بِحِفْظِ بَنِيْ آدَمَ وَقَوْمٌ أٰخَرُوْنَ بِكِتَابَةِ أَعْمَالِهِمْ وَقَوْمٌ أٰخَرُوْنَ بِالْخَسْفِ وَالْمَسْخِ وَالرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ وَالْاَمْطَارِ . بَقِيَ عَلَى الْاٰيَةِ سُوَالَانِ اَلسُّوَالُ الْاَوَّلُ لِمَ قَالَ فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا وَلَمْ يَقُلْ أُمُوْراً فَاِنَّهُمْ يُدَبِّرُوْنَ أُمُوْرًا كَثِيْرَةً لَا أَمْرًا وَاحِدًا ؟ وَالْجَوَابُ أَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الْجِنْسُ ، وَاِذَا كَانَ كَذٰلِكَ قَامَ مَقَامَ الْجَمْعِ.

اَلسُّوَالُ الثَّانِيْ قَالَ تَعَالٰى إِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ فَكَيْفَ أُثْبِتَ لَهُمْ هٰهُنَا تَدْبِيْرُ الْاَمْرِ؟ وَالْجَوَابُ لما كان ذلك الاتيان به كان الامر كله له'.

(التفسیر الکبیر جز ۳۱ ص ۲۸)

میکائیل اسرافیل، عزرائیل علیہم السلام اللہ کے امر کی زمین والوں میں تدبیر کرتے ہیں، وہی امر کو تقسیم کرنیوالے ہیں، البتہ جرائیل ہواؤں اور لشکروں پر مؤکل، میکائیل مینہ برسانے اور اگانے پر مؤکل ومامور ہیں اور ملک الموت جانوں کے قبض کرنے پر مؤکل ہیں بہرحال اسرافیل وہ ان سب پر حکم لیکر اترتے ہیں، اور فرشتوں کی ایک جماعت ایسی ہے جو بنی آدم کی حفاظت پر مقرر ہے اور ایک اور جماعت اعمال کے لکھنے اور ایک جماعت خسف مسخ، ہواؤں، بادلوں اور بارشوں پر مقرر ہیں۔ آیت کے بیان پر دو سوال باقی ہیں (جنہیں حل کرنا ضروری ہے۔) پہلا سوال: اللہ تعالیٰ نے فالمدبرات امراً (واحد کا صیغہ) کیوں فرمایا امور (جمع) کیوں نہیں فرمایا جبکہ فرشتے بہت سے امور کے تدبیر فرماتے ہیں (انتظامات کرتے ہیں) نہ کہ ایک امر (ایک معاملہ) کی جواب: امر سے مراد جنس ہے جب بات یہ ہے تو یہ جنس قائم مقام جمع کے ہے۔

دوسرا سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ" سب امر (کام) اللہ ہی کیلئے ہیں تو اس آیت میں ملائکہ کیلئے کیسے تدبیر امر ثابت فرمایا؟ جواب جب ان تمام امور کی انجام دہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے تو سب امر تعالیٰ اللہ کیلئے ہوا؟

قَوْلُهٗ (فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا) يَقُوْلُ یعنی المدبرات امراً سے وہ ملائکہ مراد ہیں جو اللہ فَالْمَلَائِكَةُ الْمُدَبِّرَةُ مَا أُمِرَتْ بِهٖ مِنْ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تدبیر فرماتے ہیں۔ اہل أَمْرِ اللهِ وَكَذٰلِكَ قَالَ أَهْلُ التَّاوِيْلِ. تاویل (مفسرین) نے ایسے ہی فرمایا۔

حضرت امام رازی کے کلام کا مفہوم ظاہر ہے کہ مدبرات امر سے ملائکہ مراد لینے پر اجماع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے اس جہان میں معاملات کا انتظام فرماتے ہیں اور وہی تقسیم کرنیوالے ہیں۔ آپ اس اشکال کو حل فرماتے ہیں کہ " اِنَّ الْاَمْرَ کلہ للہ " یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور حصر کیلئے ہے یعنی تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے قبضہء قدرت میں ہیں، تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسی مالک جل شانہ نے ملائکہ کو مدبرات امر بتایا؟ امام رازی کے جواب کا مفاد یہ ہے کہ ملائکہ ایسے بڑے بڑے کام اتنی زیادہ مقدار اور اس وسیع جہان میں جو انجام دیتے ہیں یہ از خود نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت اور اس کے حکم سے بجا لاتے ہیں، اگرچہ ملائکہ متصرف و مدبر ہیں، مگر ان کے تصرفات اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت سے ہیں۔ حقیقت میں بالذات متصرف و مدبر صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ اس لئے ان دونوں آیتوں میں کوئی اشکال نہیں۔

ثالثاً: حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت علی، امام مجاہد، عطاء، ابو صالح، حسن، قتادہ اور ربیع بن انس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

" هِيَ الْمَلَائِكَةُ زَادَ الْحَسَنُ تُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ يَعْنِيْ بِاَمْرِ رَبِّهَا عَزَّ وَجَلَّ وَلَمْ يَخْتَلِفُوْا فِيْ هٰذَا "

حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بھی یہی ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ میں فالمدبرات سے ملائکہ مراد لینا، یقینی و اتفاقی بات ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

امام رازی اور حافظ ابن کثیر کے کلام سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں المدبرات سے ملائکہ مراد لینا اجماعی تفسیر ہے۔ احتمال مزید اس بات میں ہے کہ کیا صرف

ملائکہ ہی مراد ہیں یا ارواحِ مقدسہ وغیرہ بھی مراد ہیں؟ بالفاظ دیگر المدبرات میں صرف ملائکہ ہی شامل ہیں یا اولیاء کاملین کی ارواحِ مقدسہ وغیرہ بھی۔

امام رازی اور حافظ ابن کثیر کی تحقیق کے ساتھ خود خانصاحب کی تحریر...... ''اجماع امت سے جو بات ثابت ہو وہ قطعی اور یقینی ہوتی ہے۔'' ......کو ملا کر پڑھا جائے تو اس کے سوا کیا مفہوم ہوگا کہ المدبرات سے ملائکہ کرام قطعاً یقیناً مراد ہیں۔

رابعاً: خانصاحب کے خیال میں المدبرات امر سے ملائکہ کرام مراد لینے پر آیت قطعی الدلالت نہیں تو ان پر لازم تھا اس کی تفسیر کرتے ہوئے بتاتے کہ المدبرات امر سے کون مراد ہے؟ اِدھر اُدھر کی باتیں چھیڑنے سے اَصل حقیقت نہیں چھپ سکتی۔

تفسیری احتمالات اور خانصاحب:

گکھڑوی خانصاحب اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں کئی احتمال ہیں، کتاب کا حجم بڑھانے کیلئے حضرت شاہ عبدالعزیز کی کئی عبارات تو نقل کردیں، مگر اہم مراد جسے کئی مفسرین کرام نے اجماعی معنی بتایا اس کا ذکر نہیں کرتے۔

علمی دیانت کا تقاضا تو یہ تھا حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ملائکہ کرام کے جن تصرفات کا ذکر کیا ہے انہیں بیان کر کے لکھتے، کہ اگرچہ یہ تفسیر برحق ہے مگر حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس میں کئی اور احتمال بھی بیان کیے ہیں اور ان احتمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے امام قاضی بیضاوی اور علامہ ابن شہاب خفاجی کے جو حوالے نورِ ہدایت میں دیئے گئے تھے ......جن میں صاف بیان ہے کہ ارواحِ کاملین متصرف فی الامور ہیں، اگرچہ ان کے ابدان کا تعلق عالم برزخ سے ہے، مگر وہ اس عالم میں بھی تدبیر و تصرف فرماتے ہیں......ان احتمالات کو بھی نقل کرتے، یا انکا جواب دیتے۔

خانصاحب نے ان حوالہ جات کے جوابات سے اپنے آپکو عاجز پا کر احتمال احتمال کی رَٹ لگانی شروع کردی۔

خانصاحب نے قاضی ثناء اللہ پانی پتی سے یہ تو نقل کر دیا کہ اس آیت کی تفسیر میں کئی توجیہات ذکر کی گئی ہیں مگر ان کی مندرجہ ذیل عبارت نقل کرنے سے گریز کرتے ہیں؛ کیونکہ ان کے فاسد عقیدہ کے سراسر خلاف ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے المدبرات کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اس سے ملائکہ کرام مراد ہیں۔ مفسر علیہ الرحمۃ ملائکہ کرام کو سونپے گئے فرائض ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وذکر فی تاویل ھذہ الایات و جوہ اخر بناءً علی احتمال العقل من غیر النقل من السلف قال البیضاوی ھِیَ صِفَاتُ النُّفُوْسِ الْفَاضِلَةِ حَالَ الْمفَارَقَةِ فَاِنَّهَا تَنْزِعُ عَنِ الْاَبْدَانِ غَرْقًا اَیْ نَزْعًا شَدِیْدًا مِنْ اِغْرَاقِ النَّازِعِ فِی الْقَوْسِ وَتَنْشِطُ اِلٰی عَالَمِ الْمَلَكُوْتِ وَتَسْبَحُ فِیْهَا فَتَسْبِقُ اِلٰی حَظَائِرِ الْقُدُسِ فَتَصِیْرُ لِشَرَفِهَا وَقُوَّتِهَا مِنَ الْمُدَبِّرَاتِ

(تفسیر مظہری آیت ۱تا۵، النازعات پ ۳۰)

ان آیات کی تاویل میں (کسی نص سے نہیں بلکہ) عقلی طور پر کئی احتمال ذکر کئے گئے ہیں۔ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں اُن نفوس فاضلہ (ارواح) کی صفاتِ کمال کا بیان ہے جب وہ اپنے اجسام سے صادر ہوتی ہیں۔

آیت مبارکہ کے تفصیلی فوائد ذکر کرتے ہوئے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہ

" وَلَاشَکَّ أَنَّ الْاَرْوَاحَ السَّابِقَةَ اِلٰی هٰذِهِ الْاَحْوَالِ أَشْرَفُ فَلَا جَرَمَ وَقَعَ الْقَسَمُ بِهَا ، ثُمَّ اِنَّ هٰذِهِ الْاَرْوَاحَ الشَّرِیْفَةَ الْعَالِیَةَ لَایَبْعُدُ اَنْ یَكُوْنَ فِیْهَا مَا یَكُوْنُ لِقُوَّتِهَا وَشَرَفِهَا یَظْهَرُ مِنْهَا آثَارٌ فِیْ أَحْوَالِ هٰذَا الْعَالَمِ فَهِیَ (الْمُدَبِّرَاتُ أَمْرًا)

(تفسیر کبیر جز الحادی والثلاثون النازعات آیت ۵)

بے شک ان اعلیٰ مقامات و احوال تک بڑھنے والی ارواح بہت شرف والی ہیں۔ پس لاجرم انکے ساتھ قسم واقع ہوئی پھر ان عالی مرتبت ارواح سے بعید نہیں کہ انہیں جو شرف وقوت حاصل ہے اسکی وجہ سے اس جہان میں ان سے آثارِ غریبہ ظاہر ہوں، پس یہ ارواحِ کاملین مدبراتِ امر ہیں۔

خانصاحب، احتمال، احتمال کا رٹا لگا کر قاری کے ذہن کو اصل منزل سے ہٹانے کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن دیانت کا اظہار کرتے ہوئے اہل علم کی ان آراء کو قاری کے سامنے نہیں لاتے؛ کیونکہ جن نظریات کو وہ شرک ثابت کرنے پر تلے ہیں، یہ اہل علم، اکابرین اہل سنت اسی مرتبہ کو کاملین کا کمال بتاتے ہیں یہ کہہ کر جان نہ چھڑائی جائے کہ یہ قرآن کی نص نہیں، اہل علم کی رائے ہے۔

مسئلہ غور طلب یہ ہے کہ قاضی بیضاوی، امام رازی، صاحب خفاجی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے یہ خیال اور نظریات شرکیہ کفریہ ہیں، یا ایمانی اسلامی نظریات ہیں؟ ہمارے نزدیک تو یہ حضرات مومن ہیں، اہل سنت و جماعت کے قابل احترام علماء سے ہیں، اسلئے اُن کی آراء اہل سنت کی آراء ہیں۔ کیا خانصاحب اور اُن کے ہمنوا دوسرا احتمال تسلیم کر کے اِن کو کافر اور مشرک سمجھتے ہیں؟ وضاحت طلب ہے۔

خانصاحب س ۵:

"ان حوالہ جات سے جو ثبوت ملتا ہے وہ صرف عالم اسباب کی تدبیر ہے اس میں مافوق الاسباب تصرف و تدبیر ہرگز مراد نہیں جو مؤلف نورِ ہدایت کا باطل مدعیٰ ہے۔" (راہِ ہدایت ص ۱۶۲)

خادم اہل سنت:

الف: مؤلف راہِ ہدایت پہلے تو مافوق الاسباب، ماتحت الاسباب کا سہارا لے کر گاڑی چلاتے رہے، اب انہوں نے "عالم اسباب" کے لفظ میں پناہ لی۔ چاہیئے تو تھا کہ اس بات کی وضاحت کرتے کہ عالم اسباب کا کیا معنی ہے؟ اگر کہیں کہ عالم اسباب میں تصرف اور ماتحت الاسباب تصرف کا مصداق ایک ہی ہے تو دلیل سے ثابت کریں کہ کس فاضل ادیب نے عالم اسباب میں تصرف کا یہ معنی بیان کیا ہے؟ دعویٰ تو نہیں کرتا مگر میں سمجھتا ہوں کہ عالم اسباب سے یہ جہان مراد ہے۔ اس کلمہ

کے محاورات میں استعمال کا تعلق مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب سے اصطلاح سے جوڑنا کسی طرح ٹھیک نہیں۔

ب: کتب تفسیر میں ملائکہ کرام کیلئے جن تصرفات کا ذکر کیا گیا ہے اور "المدبرات امراً" کی روشنی میں اہل ایمان ملائکہ عظام کے جن تصرفات کو حق تسلیم کرتے ہیں ایسے تصرفات اگر خانصاحب کی تحقیق میں مافوق الاسباب العادیہ تصرفات نہیں، بلکہ عالم اسباب میں تصرف ہے، جسے ماتحت الاسباب تصرف سے تعبیر کیا جائے گا، تو خانصاحبسے گذارش ہے کہ اپنی اس تحقیق اور اپنے عقیدۂ توحید کی روشنی میں اس مشکل کی گرہ کشائی کریں کہ:

"تفسیر عزیزی، تفسیر کبیر اور دیگر کتب تفاسیر میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ملائکہ کرام کیلئے جس تصرف اور تدبیر فی الامر کو ثابت کیا گیا ہے۔ ایسے عطائی تصرفات انبیاء کرام علیہم السلام یا اولیاء کرام کیلئے تسلیم کرنا" مؤلف کے عقیدہ میں جائز وحق ہے یا شرک خالص؟

ج: خادم اہل سنت نے نورِ ہدایت میں مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب کا جو معنی بیان کیا اور خود خانصاحب نے "دل کا سرور اور راہِ ہدایت" میں بار بار مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب کا جو مفہوم بیان کیا، اس کے مطابق ملائکہ کرام کے یہ تصرفات مافوق الاسباب ہیں۔ اگر خانصاحبما فوق الاسباب کے لفظ سے خائف ہیں تو اسے چھوڑ کر صرف ملائکہ کرام کے تصرفات سے تعبیر کرتا ہوں۔ خان صاحب کو بھی چاہیے "مافوق، ماتحت" کی بحث میں پڑے بغیر اتنا تسلیم کر لیں کہ مفسرین کرام نے ملائکہ کرام کیلئے جن تصرفات کا بیان کیا ہے، وہ برحق ہیں اور عطاءِ الٰہی سے ایسے تصرفات اللہ تعالیٰ کی مخلوق کیلئے تسلیم کرنا عین ایمان ہے کفر وشرک نہیں۔

د: خانصاحب کی تحقیق میں ملائکہ کرام کے یہ عجیب وغریب تصرفات مافوق الاسباب

نہیں بلکہ عالم اسباب (ماتحت الاسباب) کے تصرفات ہیں، اہل سنت و جماعت اور خود خانصاحب کے گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ عالم اسباب، ماتحت الاسباب اُمور میں ملائکہ اور انسان متصرف و مدبر ہیں۔ بایں معنی اہل سنت اور حزب اختلاف کا اس پر اتفاق ہوگا کہ ایسے امور پر انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام بھی متصرف و مدبر ہو سکتے ہیں۔

خانصاحب ص ٦:

مؤلف راہِ ہدایت (خانصاحب) اس بحث میں امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ایک عبارت سراسر ہدایت نقل کر کے اپنی کامیابی کے شادیانے بجاتے ہیں۔ چنانچہ آپ نقل کرتے ہیں۔

> ''اللہ اکبر حاکم حقیقی عز جلالہ، پاک ہے اس سے کہ کسی سے توسل کرے وہی اکیلا حاکم، خالق (اکیلا خالق) مدبر (اکیلا مدبر) ہے سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اس نے عالم اسباب میں ملائکہ کو تدبیر (تدابیر) امور پر مقرر فرمایا قال اللہ تعالیٰ فالمدبرات اَمراً الخ۔ بلفظہٖ۔ احکام شریعت حصہ سوم ص ١٦٤'' (راہِ ہدایت ص ١٦٢)

خادم اہل سنت: امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر بطفیل رحمۃ للعالمین ﷺ اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم اور اس کی غیبی تائید حاصل ہے۔ جس کی برکت سے ان کا قلم مسلکِ حق، خصوصاً اپنے دعویٰ کے خلاف لکھنے سے محفوظ رہا۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی اس عبارت سے خانصاحب کا استدلال کرنا نا سمجھی کے سوا کچھ نہیں۔ آپ کے کلام کا مفاد اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مدبرِ حقیقی ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں کہ کسی کو وسیلہ بنائے۔ وہ خالق ہے، حاکم مطلق ہے، وہ متصرف بالذات ہے۔ ملائکہ کرام جہان میں جتنے بھی تصرفات فرماتے ہیں وہ ازخود تصرف نہیں کرتے بلکہ اس تدبیر و انتظام پر اللہ تعالیٰ نے انہیں مقرر فرمایا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ متصرف و مدبر

بالذات ہے اور ملائکہ متصرف ومدبر بالعطاء ہیں۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے المدبرات امرا کی تفسیر میں جولکھا اسے ضرور ملاحظہ کیا جائے، اعلیٰ حضرت کے محولہ بالا کلام کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ ملاحظہ ہو الامن والعلی ص ۴۸، نور ھدایت ص ۲، ۳، ۴)

استدلال ۲: یوم الفرقان، غزوہ بدر:

قَالَ اللّٰهُ عَزَّاِسْمُهٗ: فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِىَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (سورۃ الانفال پ ۹ آیت ۱۷)

توتم نے نہیں قتل کیا انہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا انہیں اور (اے محبوب) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مشت خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تاکہ احسان فرمائے مومنوں پر اپنی جناب سے بہترین احسان بیشک اللہ تعالیٰ سب کو سننے والا جاننے والا ہے (ضیاء القرآن)

غزوۂ بدر شریف اسلامی بلکہ انسانی تاریخ کا یادگار معرکہ ہے، جسے انسانی تاریخ سنہری حروف سے رقم کئے ہوئے ہے۔ اسی دن نے ''یوم الفرقان'' کا شرف پایا۔ حق و باطل میں امتیاز کا دن، غلبہء اسلام کے اظہار کا دن، تکبر وغرور میں غرق قریش مکہ کو مرعوب و بزدل بنانے کا دن، اور شکوک وشبہات کی تاریکیوں کو مٹانے کا دن۔

چشم فلک نے دیکھا کہ اہل حق تعداد میں تھوڑے، حربی سامان کی قلت، بلکہ ایسے موقع کیلئے نہ ہونے کے برابر، اس پر مستزاد، کہ صحابہ کرام کی جماعت ایسے افراد پر مشتمل تھی جنکی اکثریت کو عسکری تجربات سے گذرنے کا موقع بھی نہ ملا تھا۔ نیز کسی جنگجو فوج کے مقابلہ کیلئے جنگی تیاری کر کے بھی نہ نکلے تھے، مگر قدرت نے اُن کی دھاک بٹھانی تھی، غلبہء اسلام کا اظہار کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کئی گنا زیادہ

فوج پر، جس کے سپاہی عسکری سامان سے بھی ہر طرح مسلح تھے، ان تجربہ کار، جنگجوؤں پر غلبہ عطا فرمایا۔ ایسے موقع پر حرب وضرب کا ماہر مبصر، صحابہ کرام کی کامیابی کی پیشن گوئی نہیں کرسکتا تھا، مگر جو اللہ تعالیٰ کرے اسے کون روک سکتا ہے۔ " یفعل اللہ ما یشاء "

دنیا نے دیکھا کہ انہی نہتے، بے سروسامان مجاہدوں، رسول اللہ ﷺ کے جاں نثاروں نے شجاعت و بہادری، ضرب وحرب اور فتح وکامرانی کا وہ باب رقم کیا جس کا ہر زبان پر تذکرہ ہے۔ صحابہ کرام کی بظاہر کمزور حالت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ پہلے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں سجدہ ریز ہوئے، نہائت ہی آہ وزاری سے دعا مانگی، شان محبوبی کا ناز دکھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اس کا عہد و پیمان یاد کرایا اور عرض کیا:

" اگر تو چاہتا ہے کہ آج کے بعد اس زمین پر تیری عبادت نہ کی جائے، تو بے شک انہیں ہلاک کردے "۔

یہ اندازِ ناز پروردہ محبوب ہی اختیار کرسکتا ہے۔

اسکے بعد قریش مکہ پر آخری اور کامیاب ضرب لگانے کیلئے بنفسِ نفیس میدان جنگ میں تشریف لائے، مگر اللہ تعالیٰ کے رسول کا کفار پر حملہ کرنے کا انداز نرالا تھا۔ تلوار کی کاری ضرب لگانے، نیزے کا چرکہ دینے یا تیر کا ہدف بنانیکی بجائے زمین بدر سے کنکریوں والی ریت اٹھائی اور " شاهت الوجوه " کہہ کر قریش مکہ کو دے ماری۔ اللہ اکبر!

کفار کا لشکر جو ایک وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا تھا۔ کوئی کھڑا تھا، تو کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ کسی کا منہ اِدھر تھا تو کسی کی پُشت اِدھر تھی۔ لیکن ایک کافر بھی ایسا نہ رہا جس کی آنکھوں کو ریت کے ذرّات نے بھر نہ دیا ہو۔ سب کی آنکھیں دیکھنے سے معذور ہوگئیں۔ اور وہ کچھ ایسے دہشت زدہ اور حواس باختہ ہوئے کہ اپنے مقتولوں کے لاشے بھی پیچھے چھوڑ کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

" وما رميت اذ رميت ولكن الله رمىٰ "

اے محبوب! جب تم کنکریاں پھینک رہے تھے تو پھینکنے والا ہاتھ گو تمہارا تھا لیکن قوت وقدرت ہماری تھی، جو اس میں کارفرما تھی۔ کتنا ہی پیارا اندازِ بیان ہے۔ جب کہ دوسری طرف صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا: تم نے اُن کافروں کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کیا۔

مزید براں صحابہ کرام سے فعل قتل کی نفی تو ہے (فلم تقتلوھم) مگر اس آیت میں صحابہ کرام کیلئے فعل قتل کا اثبات نہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ سے کنکریاں پھینکنے کے فعل کی نفی بھی ہے اور آپ کیلئے اثبات بھی، اس حکیمانہ اسلوب پر غور کی حاجت ہے۔

اس حقیقت سے کسے اِنکار ہوسکتا ہے کہ میدان بدر کے غازیوں نے شجاعت پامردی اور ہمت واستقلال کا عملی مظاہرہ کیا۔ اپنے عزم وہمت سے ایسی دادِ شجاعت دی کہ آج تک اُن کے عظیم کارناموں کا زبانوں پر تذکرۂ جمیل ہے، اور اہل تاریخ آب زر سے اُن نقوش کو سجائے ہوئے ہیں۔ ان کا خالق، ان کا مالک جل جلالہٗ ان کے اس کام سے اتنا خوش ہوا کہ بے شمار انعامات میں سے یہ عظیم انعام بھی عطا فرمایا:

اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةَ وَفِي رِوَايَةٍ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ

(مشکوٰۃ شریف ص۵۷۷ متفق علیہ جامع المناقب مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

جو چاہو عمل کرو پس تحقیق تمہارے لئے جنت واجب ہوگئی اور ایک روایت میں ہے پس تحقیق میں نے تمہاری مغفرت فرمادی۔

لیکن صحابہ کرام کے اس "اختیاری فعل" کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے تربیت کردہ اشخاص کو یہ ادب اور ہدایت سکھاتا ہے کہ تم اپنے کام پر نظر نہ رکھو۔ اِن کافروں کو تم نے از خود قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ قوت سے انہیں قتل کیا یہ فعل حقیقتاً رب تبارک وتعالیٰ کا ہے، اس لئے تم نظر اپنی ہمت اور طاقت پر نہ رکھنا بلکہ اپنے مالک حقیقی کے فضل وعطا پر بھروسہ کرنا۔

فوائد نافعہ : قرآن حکیم کے اِس اسلوب سے ایک یہ فائدہ حاصل ہوا کہ فاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، بندہ اپنے افعال میں اُس کی قدرت کا محتاج ہے۔

دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ چاہے عرف عام میں انسان کام انجام دیتا ہے اور ہر ہوش مند اسے اس کا ''اختیاری فعل'' سمجھتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی قوت وعظمت کے مقابلے پر اُس کا ہونا کچھ نہیں۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بندوں سے کسب وفعل کی نفی اس جہت سے بھی کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قوت کے سامنے وہ ہیچ ہے۔ اس لئے نہیں کی جاتی کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے عطا سے بھی کسی کام پر اختیار نہیں رکھتا۔

اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے جس عظیم معجزہ کا بیان ہے اس کے معجزانہ انداز کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور مزید تذکرہ اہلِ علم کے حوالہ جات سے آرہا ہے۔

ایک لحہ کیلئے بھی عقل مند کو یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ رسول اللہ ﷺ کا ان کنکریوں کو پھینکنا اور کافروں کو شکست دینا، آپ کا اختیاری فعل نہیں تھا۔ اس کے باوجود خانصاحب کی نوع کے لوگ یہی رٹ لگائے ہوئے ہیں کہ: اس میں رسول اللہ ﷺ کے کسی قسم کے کسب واختیار کا کچھ دخل نہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کافروں کو قتل کرنا، زخمی کرنا، دکھ درد پہنچانا، قیدی بنانا یقیناً صحابہ کرام کا اختیاری فعل تھا اگر چہ اثر اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا چونکہ اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قصد واختیار اور عزم وہمت سے یہ جہادی کارنامہ انجام دیا، جس پر عظیم اجر اور ثواب کے مستحق قرار پائے۔

افسوس ہے ان لوگوں پر جو اصحاب رسول کے کارناموں کو تو اختیاری سمجھتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے اس عظیم کارنامے کو غیر اختیاری تصور کرتے ہیں۔ انہیں سوچنا چاہئے! اجر کا استحقاق تو اختیاری فعل پر ہے۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان مبارک میں ''آپ سے رمی کی

نفی کرنا پھر آپ کیلئے رمی کو ثابت فرمانا'' پھر بطور استدراک اس رمی کو اپنے لئے ثابت کرنا، اس میں کیا اسرار و رموز اور حکمتیں پوشیدہ ہیں؟

علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیگر مفسرین کی طرح اس آیت میں نفی و اثبات پر اہل علم کی کئی توجیہات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فَاِذَا كَانَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ فَاَنَا لَا اَرٰى بَاْساً فِيْ اَنْ يَّكُوْنَ الرَّمْيُ الْمُثْبَتُ لَهٗ ﷺ هُوَ الرَّمْيُ الْمَخْصُوْصُ الَّذِيْ تَرَتَّبَ عَلَيْهِ مَا تَرَتَّبَ مِمَّا اَبْهَرَ الْعُقُوْلَ وَحَيَّرَ الْاَلْبَابَ ، وَاِثْبَاتُ ذٰلِكَ لَهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ حَقِيْقَةٌ عَلٰى مَعْنٰى اَنَّهٗ فَعَلَهٗ بِقُدْرَةٍ اُعْطِيَتْ لَهٗ ﷺ مُؤَثِّرَةٍ بِاِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَمَّا كَانَ مَا ذُكِرَ خَارِجًا عَنِ الْعَادَةِ اِذِ الْمَعْرُوْفُ فِي الْقُدَرِ الْمَوْهُوْبَةِ لِلْبَشَرِ اَنْ لَّا تُؤَثِّرَ مِثْلَ هٰذَا الْاَثَرِ نُفِيَ ذٰلِكَ عَنْهُ وَ اَثْبَتَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ مُبَالَغَةً كَاَنَّهٗ قِيْلَ: اِنَّ ذٰلِكَ الرَّمْيَ وَ اِنْ صَدَرَ مِنْكَ حَقِيْقَةً بِالْقُدْرَةِ الْمُؤَثِّرَةِ بِاِذْنِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ لٰكِنَّهٗ لِعِظَمِ اَمْرِهٖ وَعَدَمِ مُشَابَهَتِهٖ لِاَفْعَالِ الْبَشَرِ كَاَنَّهٗ لَمْ يَصْدُرْ مِنْكَ بَلْ صَدَرَ مِنَ اللّٰهِ جَلَّ شَانُهٗ بِلَا وَاسِطَةٍ

(روح المعانی الانفال پ ۹ ص ۱۸۶ الجزء الثامن مکتبہ امدادیہ ملتان)

جب معاملہ اسطرح ہے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ جو رمی رسول اللہ ﷺ کیلئے ثابت کی گئی ہے (اذ رمیت میں) وہی مخصوص پھینکنا ہے جس پر وہ اثر مرتب ہوا جس نے عقل و دانش کو حیران و ششدر کر دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کیلئے اس فعل کا اثبات بطور حقیقت ہے۔ (مجاز محض نہیں) اس اعتبار سے کہ باذن اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ نے یہ فعل اس قدرت سے انجام دیا ہے جو آپ کو عطا فرمائی گئی۔ (ذہن میں سوال آتا تھا کہ یہ فعل رسول اللہ سے حقیقتاً ثابت ہے تو آپ سے نفی کیوں کی گئی؟ تو اس کے حل میں آپ نے لکھا)

لیکن جب اس طرح کی قدرت عادۃً انسان کے اختیار سے باہر ہے کیونکہ مشہور یہی ہے کہ انسان میں جو قوت پائی جاتی ہے اس سے اس قسم کے آثار ظاہر نہیں ہوتے بایں وجہ اس مؤثر فعل کی رسول اللہ ﷺ سے نفی کی گی (اگرچہ یہ فعل آپ کے اختیار سے صادر ہوا) اللہ تعالیٰ نے مبالغۃً اسے اپنے لئے ثابت فرمایا گویا کہا گیا کہ یہ رمی (پھینکنا) اگرچہ اے حبیب! یقیناً آپ سے صادر ہوا اس قدرت کی بدولت جو باذن اللہ مؤثر ہے لیکن اس معاملہ کی عظمت کے باعث اور عام انسانوں کے افعال کے مشابہ نہ ہونے کی وجہ سے گویا یہ فعل آپ سے صادر نہیں ہوا بلکہ بلاواسطہ اللہ تعالیٰ سے صادر ہوا۔

گویا کہا گیا کہ اے حبیب یہ عجیب اثر والی رمی (کنکریاں پھینکنے کا فعل) حقیقتاً تو آپ ہی سے صادر ہوا لیکن اتنے مؤثر فعل کی عظمت کے لحاظ سے اور اس اعتبار سے کہ ایسے افعال عام انسانوں سے عادۃً صادر نہیں ہوتے، بایں اعتبار گویا یہ مؤثر فعل آپ سے صادر نہیں ہوا، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے صادر ہوا ہے۔

مسلک دیوبند کے حکیم جناب اشرفعلی تھانوی نے اس آیت کی تفسیر میں......

"علت بودن قدرت حق و حکمت بودن در قدرت خلق" اللہ تعالیٰ کی قدرت کے علت ہونے اور مخلوق میں قدرت پائی جانیکی حکمت کے بیان میں کا......عنوان قائم کر کے طویل کلام کیا چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

" فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم (الیٰ قولہ تعالیٰ) ان اللہ سمیع علیم "
اس میں بھی ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ آپ نے بدر کے روز ایک مٹھی کنکریوں کی اُٹھا کر کافروں کی طرف پھینکی جس کے ریزے سب کی آنکھوں میں جا گرے اور ان کو شکست ہوئی اور فرشتوں کا امداد کیلئے آنا اوپر آچکا ہے۔

اس پر بطورِ تفریع فرماتے ہیں:

کہ جب ایسے عجیب واقعات ہوئے جو کہ بالکل تمہارے اختیار سے خارج ہیں۔سو اس سے معلوم ہوا کہ "تاثیر حقیقی" کے مرتبہ میں، تم نے ان (کافروں) کو قتل نہیں کیا لیکن (ہاں اس مرتبہ میں) اللہ تعالیٰ نے (بیشک) ان کو قتل کیا (یعنی مؤثر حقیقی اس کی قدرت ہے) اور (اسی طرح تاثیر حقیقی کے مرتبہ میں) آپ نے خاک کی مٹھی (انکی طرف) نہیں پھینکی لیکن (ہاں اس مرتبہ میں) اللہ تعالیٰ نے (واقعی) وہ پھینکی اور (باوجود اس کے کہ مؤثر حقیقی قدرت حق ہے پھر جو آثار قتل وغیرہ قدرت عبد پر مرتب فرمایا (تو اس میں حکمت ہے کہ) تا کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے (ان کے عمل کا) خوب اجر دے (پھر اجر کا ملنا حسب سنت الٰہیہ موقوف ہے اس پر کہ فعل ان کے عزم و اختیار سے صادر ہو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مومنین کے اقوال کے) خوب سننے والے (اور ان کے افعال و احوال کے) خوب جاننے والے ہیں (ان اقوال استغاثہ اور افعال قتال کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں کی تدبیر کا کمزور کرنا تھا۔اور زیادہ کمزوری اس وقت

ظاہر ہوتی ہے جب اپنے برابر والے کے بلکہ اپنے سے کمزور کے ہاتھ سے مغلوب ہو جائے اور یہ بھی موقوف ہے اس پر کہ وہ آثار مومنین کے ہاتھ سے ظاہر ہوں ورنہ کہہ سکتے تھے کہ تدابیر تو ہماری قوی تھیں۔ لیکن اقویٰ کے سامنے کہ تدبیر الٰہی ہے نہ چل سکیں تو اس سے آئندہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کا حوصلہ پست نہ ہوتا کیونکہ ان کو تو ضعیف ہی سمجھتے'' انتہیٰ بلفظہٖ

بیان القرآن جلد ۴ ص ۷۱، ۷۰) الانفال پ ۹ آیت ۱۷

تھانوی صاحب کی تفسیر سے ثابت ہوا اگر چہ یہ **فعل مؤثر** رسول اللہ ﷺ سے صادر ہوا مگر مؤثر حقیقی بالذات اللہ تعالیٰ ہی ہے اسلئے آپ ﷺ سے تاثیر حقیقی کے اعتبار سے نفی کی گئی ہے، مطلق تاثیر کی نفی مراد نہیں۔

تھانوی صاحب نے یہ بھی وضاحت کردی ہے کہ: اجر وثواب **فعل اختیاری** پر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت ایسے ہی جاری ہے۔

جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے قصد وعزم سے **فعل اختیاری** بجالا کر اجر وثواب کے مستحق ٹھہرے تو رسول اللہ ﷺ کے اس **فعل** کو کیوں ''غیر اختیاری'' کہا جاتا ہے؟

تھانوی صاحب نے اپنے تفسیر میں یہ بھی لکھا:

> ''اور یہ بھی موقوف ہے اس پر کہ وہ آثار مومنین کے ہاتھ سے ظاہر ہوں ورنہ کہہ سکتے تھے کہ تدابیر تو ہماری قوی تھیں۔ لیکن اقویٰ کے سامنے کہ تدبیر الٰہی ہے، نہ چل سکیں''

(بیان القرآن جلد ۴ ص ۷۱، ۷۰) الانفال پ ۹ آیت ۱۷

معجزہ رَمی بھی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر آپکے قصد واختیار سے ظاہر ہوا ورنہ وہ لوگ کہہ سکتے تھے کہ ہم تدبیر الٰہی کے سامنے بے بس تھے۔

اشرفعلی تھانوی صاحب ان آیات کے تحت تفسیری فوائد بیان کرتے ہوئے ''مسائل السلوک'' کے عنوان سے عربی میں تحریر کرتے ہیں۔ جس کا مطلب پیش کیا جاتا ہے کسی کو مطلب میں شک وشبہ ہو تو بیان القرآن دیکھ لے۔

مطلب: اشارہ جو کہ صریح کے حکم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ تم نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انکو قتل کیا

اس کلام الٰہی میں اللہ سبحانہ کی طرف سے یوں راہنمائی کی گئی اور ادب سکھایا گیا کہ اپنے افعال اور کارناموں پر نظر نہ رکھیں بلکہ انہیں فانی تصور کریں۔ یعنی نہ ہونے کی طرح سمجھیں؛ کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے کافروں کو قتل کرنے کی بالکلیہ نفی کی گئی، یعنی وہ انداز جو آگے رسول اللہ ﷺ کے کنکریاں پھینکنے کے فعل میں آرہا ہے، صحابہ کے اس فعل کو مکمل نہیں، بلکہ ایک جہت سے مشابہت ہے۔ " وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى کے ساتھ۔

وَالْفَرْقُ اَنَّهٗ لَمَّا كَانَ النَّبِیُّ ﷺ فِیْ مَقَامِ بَقَاءٍ بِالْحَقِّ سُبْحٰنَهٗ نُسِبَ اِلَيْهِ الْفِعْلُ "

فرق یوں کہ رسول اللہ ﷺ باقی بالحق کے مقام پر فائز تھے اسی وجہ سے "اذ رمیت" فعل کی نسبت آپ کی طرف کی گئی۔

کہ آپ نے فعل انجام دیا، ساتھ ہی آپ سے کنکریاں پھینکنے کے فعل کی نفی، سلب کر کے اللہ تعالیٰ نے یہ فعل اپنے لئے ثابت کیا؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ رامی باللہ تعالیٰ تھے، نہ کہ خود اپنی ذات سے یعنی خود بخود یہ اثر پیدا نہیں کر رہے تھے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ قوت سے کر رہے تھے، آپ ﷺ بقاء بالحق (باقی باللہ تعالیٰ) کہ جس بلند ترین مرتبہ ومقام پر فائز تھے۔ صحابہ کرام اس پر فائز نہ تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف تو فعل کی نسبت کی مگر صحابہ کرام کی طرف نہ کی (بلکہ نفی کی) قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کے قتل اور رمی والے دونوں جملوں میں جو اسلوب کلام میں تغیر ظاہر ہے، اس میں ایک راز یہ ہے۔

(بیان القرآن جلد ۴ ص ۷۰ پ ۹ آیت ۱۷ الانفال ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

تھانوی صاحب کی عبارت سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ معجزہ کو رسول اللہ ﷺ کا فعل کہہ سکتے ہیں اور یہ کہ معجزانہ اثر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت سے پیدا کیا۔ مؤلف راہِ ہدایت اپنی تالیف کو اپنے حکیم الامت کے کلام پر پرکھیں اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ پھر فیصلہ کریں کہ دراصل راہِ ہدایت کیا ہے؟

تفسیر امام قونوی:

علامہ حسام الدین اسمٰعیل محمد حنفی نے تفسیر بیضاوی پر انتہائی مفید حاشیہ رقم فرمایا جس میں قاضی بیضاوی کے مشکل کلام کو حل کیا گیا، اِس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ قونوی نے جو تحقیق فرمائی اُس کا مفصل حوالہ مقصد چہارم میں درج ہو چکا ہے۔ یہاں پر چونکہ اِس آیت کریمہ کے اِن کلمات مبارکہ کی معتبر تفسیر مطلوب ہے بایں وجہ بعض اقتباسات دوبارہ درج کیے جاتے ہیں۔

امام ناصر الدین المعروف امام قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر بیضاوی میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا: ''ولم تقدر علیه اذ رمیت بصورة الرمی'' قاضی بیضاوی کے اس کلام کی مراد کو واضح کرتے ہوئے اور اس موقع پر کچھ اور مشکلات کا حل پیش فرمانے کے بعد امام قونوی اپنے مسلک و مؤقف کو مبرہن فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: اَصح مذہب یہی ہے کہ معجزہ کے اِظہار پر نبی کو قدرت حاصل ہے۔

''اَلْمُعْجِزَةُ مَقْدُوْرَةٌ لِلنَّبِيِّ وَهُوَ الْاَصَحُّ''

علامہ قونوی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ان اسناد الرمی الیه ﷺ حقیقی واسناده الیه تعالٰی مجازی لکون کسب العبد مدخلاً فیه''

(حاشیة القونوی البیضاوی جلد ۹ ص ۴۳)

علامہ قونوی اِس مقام پر بحث کو بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَذٰلِکَ الرَّمْیُ الْاَکْمَلُ فِعْلُ اللّٰهِ تَعَالٰی خَلْقاً وَفِعْلُ الرَّسُوْلِ علیه السلام کَسْباً فَالظَّاهِرُ اَنَّ اِسْنَادَهٗ اِلَیْهِ تَعَالٰی مَجَازٌ عَقْلِیٌّ وَاِلٰی

پس یہ (معجزانہ) رمی اکمل خلقاً اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اور کسباً رسول اللہ ﷺ کا فعل ہے ظاہر بات یہ ہے کہ (رمی) کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف مجاز عقلی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی

اَلرَّسُوْلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَقِيْقَةٌ عَقْلِيَّةٌ كَمَا اَوْضَحْنَاهُ اٰنِفاً

طرف حقیقت عقلیہ ہم ابھی ابھی اس کو واضح کر چکے ہیں۔

(حاشية القونوی جلد ۹ ص ۴۳)

علامہ قونوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق میں نبی اللہ علیہ السلام کو معجزہ کے اظہار پر قدرت عطا کی گئی ہے۔ معجزانہ رمی کا فعل خلقاً اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور کسباً رسول اللہ ﷺ کا، آنحضور ﷺ کی طرف اس معجزانہ فعل کی اسناد، اسناد الی السبب نہیں، بلکہ اسنادِ حقیقی ہے۔

استدلال ۳ ، قال اللہ عزوجل :

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِيْنَ ○ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ○

اور سلیمان کیلئے تیز ہوا مسخر کر دی کہ اس کے حکم سے چلتی اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی اور ہم کو ہر چیز معلوم ہے اور شیطانوں میں سے وہ جو اس کیلئے غوطہ لگاتے اور اس کے سوا اور کام کرتے اور ہم انہیں روکے ہوئے تھے۔

(آیت نمبر ۸۱ تا ۸۲ الانبیاء پ ۱۷)

حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ تعالیٰ کے جو انعامات تھے ان میں سے بعض کا ان آیات مکرمہ میں ذکر جمیل ہے۔ آپ علیہ السلام کی جہادی سرگرمیاں نمایاں اور عجیب قسم کی تھیں۔ بہت کم ہی جہاد سے فارغ بیٹھتے تھے۔

کہا جاتا ہے جب بھی جہاد پر روانگی کا ارادہ فرماتے، لکڑیوں سے بہت بڑا تخت بنایا جاتا پھر اس پر سائے کا سامان کیا جاتا جس پر اپنے ہمراہیوں، ان کی سواریوں کو سوار فرماتے۔ سامان حرب اور دیگر ضروریات کو اس تخت پر جمع کر کے ہوا کو حکم دیتے جو آپ کے تخت کو اپنے کاندھوں پر اٹھا لیتی، جس جس طرف جانے کی مرضی اور خواہش ہوتی وہ ہوا ادھر ہی لے اڑتی۔ ہواؤں پر اس طرح کی حکمرانی، اس طرح کا تصرف، انسانی عادت میں ہرگز نہیں۔ یقیناً حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکمرانی، ظاہری اسباب اور عادات سے مافوق تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام تھا کہ آپ کو یہ اختیار اور کنٹرول دیا گیا تھا۔ یعنی ہوائی

کروآپ کے کنڑول میں کر دیا گیا تھا۔ جدھر فرماتے ہوا ادھر رُخ موڑ لیتی۔ اور آپ کے
ب منشأ آہستہ یا تیز چلتی اس معجزہ کا اظہار نہ ایک وقتی تھا اور نہ ہی اضطراری اور
یر اختیاری، یہ سب کچھ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصد، ارادہ اور اختیار سے ہوتا تھا۔

نوتوی صاحب نے ایسے ہی معجزات کے بارے میں لکھا:

"یہی وجہ ہے کہ معجزہ خاص ہر وقت نبی کے قبضہ میں رہتا ہے۔"

کہاں رب ذوالجلال جل جلالہ وعم نوالہ کا یہ فرمان؟ اور کہاں گمراہ ٹولے کا یہ فتویٰ کہ

"معجزہ کے ظاہر کرنے میں نبی کے فعل کا کچھ دخل نہیں"

"جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں"

"کسی نبی اللہ علیہ السلام یا ولی اللہ کیلئے چھوٹے چھوٹے امور میں بھی عطائی، غیر مستقل اختیار ماننا شرک ہے"

"کوئی بھی معجزہ یا کرامت کسی نبی، ولی کے قصد و ارادہ سے صادر نہیں ہوتا"

ستدلال ۴:

قال اللہ عزوجل حکایۃ عن دعاء سلیمان:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ○ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ○ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ○ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ○ هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ○	عرض کی اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو، بے شک تو ہی ہے بڑا دین والا، تو ہم نے ہوا اُس کے بس میں کر دی کہ اس کے حکم سے نرم نرم چلتی جہاں وہ چاہتا اور دیو بس میں کر دیئے ہر معمار اور غوطہ خور اور دوسرے بیڑیوں میں جکڑے ہوئے، یہ ہماری عطا ہے۔ اب تو چاہے تو احسان کر یا روک رکھ، تجھ پر کچھ حساب نہیں اور بے شک اس کیلئے ہماری بارگاہ میں ضرور قرب اور اچھا ٹھکانہ ہے۔

(سورۃ ص آیت ۳۵ تا ۴۰ پ ۲۳)

مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی نے آخری آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

''(اور ہم نے یہ سامان دے کر ارشاد فرمایا کہ) یہ ہمارا عطیہ ہے خواہ (کسی کو) دو یا نہ دو تم سے کچھ دارو گیر نہیں'' (بیان القرآن، پ ۲۳ سورۃ ص آیت ۳۹)

وہابیت کے ننھے سے کلیجہ کو تھامئے! کہیں سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کی شان و شوکت دیکھ کر پھٹ نہ جائے۔ اب نہ یارائے انکار، نہ تابِ اقرار۔ سانپ کے منہ کی چھچھوندر، نہ اُگلے چین نہ نگلے چین۔ قرآن پاک نے شان نبوت کو ایسا چمکایا کہ چشمک شپرہ خیرہ ہو جائے۔ ان توحید کے ٹھیکیداروں نے جس مالک الملک کی توحید کو محفوظ رکھنے کیلئے یہ عقیدہ گھڑا تھا کہ انبیاء خدا کے دیئے سے بھی کسی چیز کے مالک نہیں، انہیں باعطاء اللہ بھی متصرف سمجھنا شرک ہے۔ اُسی واجب الوجود عزّ اِسمہ نے اُن کے منہ پر ماری، کہ ظالمو! تم جھوٹے ہو، میری عطا کا کیوں انکار کرتے ہو۔ میں اپنے انبیاء کو عطاء کرنے والا ہوں، تم کون ہوئے انکار کرنیوالے؟ میں نے اپنے نبی سلیمان علیہ السلام کو یہ سب کچھ دے کر یہ کہہ دیا، چاہے کسی کو دو یا نہ دو، تم سے کچھ باز پرس نہیں۔ سچ فرمایا ہمارے رب نے: واللہ یؤتی ملکہ من یشاء۔

بہ بزم خُودم خواند یار در مجلس کنوں رقیب حسد پیشہ را گو بسوز از رشک

محبوب نے اپنی مجلس میں مجھے بلا لیا حسد پیشہ رقیب سے کہو بیشک حسد سے جلتا رہے۔

ناظرین! یہ آیات ہمارے مدعا پر ایسی واضح الدلالت ہیں کہ حزب مخالف کے بڑے بڑے افاضل کو اقرار کرنا پڑا، چنانچہ ممہد الطائفہ مولوی حسین علی صاحب کے استاد بھائی مولوی رشید احمد کے شاگرد رشید یعنی مولوی عاشق الٰہی صاحب میرٹھی اپنے مترجم قرآن کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

''یہ دوسری عطاء تھی کہ اتنا کچھ مال و متاع، ساتھ اختیار دے کر حساب بھی

معاف فرما دیا۔ دوسرے بادشاہوں کی طرح بیت المال کے محافظ نہیں قرار پائے، **بلکہ مختار کل، مالک ومتصرف مُجاز تھے کہ جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں نہ دیں** لیکن اس پر بھی سلیمان علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کسب کا کھایا کرتے اور ٹوکری بنایا کرتے تھے۔'' انتہی بلفظہٖ پ ۲۳ آیت ۳۹ کے تحت

مولوی صاحب کی عبارت...... قابل داد ہے، **مختار کل مالک متصرف مُجاز تھے**...... کے الفاظ بار بار پڑھیے اور امتحاناً حزب مخالف کے کسی رکن اعظم سے پوچھیے کہ جو شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کو مختار کل مالک متصرف مانے اس کیلئے کیا حکم ہے، تجربہ شاہد ہے کہ فوراً شرک کا فتویٰ لگائیں گے، تو آپ کہیں ایسے تو مولوی عاشق الٰہی دیوبندی نے لکھا ہے، تو آپ اس وقت انکے کھسیانہ پن، حواس باختگی کا طرفہ نمونہ دیکر صرف اتنا کہہ دیں

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر　　اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

مقصد ہفتم ''محلِ نزاع'' میں حزب مخالف کے فتویٰ جات ملاحظہ فرمائیں۔

ضیاءالامت حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پہلے مغفرت کیلئے التجا کی۔ اس کے بعد ملک وحکومت بخشے جانے کا سوال کیا۔ ہر شخص کا سوال اپنے ظرف کے مطابق ہوا کرتا ہے، نیز جس سے سوال کر رہا ہے اسکی قدرت واختیار اور جود وعطا کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ یہاں مانگنے والے حضرت سلیمان ہیں اور جس سے مانگ رہے ہیں وہ رب العالمین ہے، وہ اکرم الاکرمین ہے۔ اس سے بڑا صاحبِ قدرت واختیار بھی کوئی نہیں اور اس جیسا سخی اور کریم بھی کوئی نہیں۔ حضرت علامہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ حضرت سلیمان کا مرتبہ حضور ﷺ سے بڑا ہے۔ حضور نے اپنی مرضی سے نبی مَلِک (بادشاہ نبی) بننے کے بجائے نبی عبد بننا پسند فرمایا۔

''وَكَانَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ نَافِذَ الْحُكْمِ عَلَى الْجِنِّ وَالْإِنْسِ''

جَآءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً　　تَمْشِي اِلَيْهِ عَلٰى سَاقٍ بِلَا قَدَمٍ

یعنی حضور کریم کا حکم ہر جن وانس پر نافذ ہے۔ صاحب قصیدہ بردہ کہتے ہیں کہ حضور جب درختوں کو اشارہ کرتے ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے قدموں کے بغیر اپنے تنے کے سہارے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے ہیں اور یہی حال خلفاء راشدین کا تھا، جنہوں نے خلافت اور فقر دونوں کو جمع کیا اور تمام فضائل کے جامع بنے (مظہری)

صاحبِ روح البیان نے یہاں بڑی پیاری رباعی لکھی۔

در بزم احتشام تو سیارہ ہفت جام	وز مطبخ نوالِ تو افلاک نہ طبق
ہر خطبہء کمال بنام تو شد ازل	کس تا ابد زلوح نمی خواندہ ایں سبق

(روح البیان)

تو جس کو چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے۔ تیرے دستِ سخا کو کوئی روکنے والا نہیں۔ جو ذاتِ پاک بخشش اور سخاوت میں وھّاب کی صفت سے موصوف ہو، وہ اپنے محبوب بندوں کے دامنِ طلب کو جن لازوال نعمتوں سے بھرتا ہے اسکا کون اندازہ کرسکتا ہے؟

قارئین با تمکین!

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے کرۂ ہوائی کو زیرِ فرمان کر دیا۔ ہواؤں کی رفتار آپ کے اختیار میں دے دی۔ شیطانوں کو آپ کا ماتحت کر دیا۔ ان میں سے کئی فن تعمیر میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے اور کئی سمندروں کی گہرائیوں میں غوطہ لگا کر طرح طرح کے قیمتی موتی نکالنے کے فن میں ماہر تھے، ان میں سے ہر ایک کو آپ کے حکم کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ آپ کے اذن کے بغیر نہ وہ کہیں جاسکتے اور نہ کچھ کر سکتے۔

یہ نعمتیں عطا فرمانے کے بعد ہر چیز کو اپنی مرضی سے خرچ کرنے نہ کرنے کا اختیار بھی دے دیا۔ بغیر حساب کہہ کر اس خدشہ کو بھی دور کر دیا کہ تم جس طرح چاہو استعمال کرو تم سے اس کے بارے میں باز پرس تک نہ کی جائے گی۔

فَاَعْطِ مَنْ شِئْتَ اَوْ اَمْسِکْ عَمَّنْ شِئْتَ بِغَیْرِ حِسَابٍ اَیْ غَیْرَ مُحَاسَبٍ عَلٰی مَنِّہٖ وَاِمْسَاکِہٖ لِتَفْوِیْضِ التَّصَرُّفِ فِیْہِ اِلَیْکَ.

یعنی جس کو چاہیں آپ دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔ آپ سے اس معاملہ میں کوئی باز پرس نہ ہوگی کیونکہ ان میں تصرف کرنے کا اختیار آپ کے سپرد کر دیا گیا۔

(مظہری پ ۲۳ سورۃ ص ص ۱۸۳ آیت ۳۹)

حضرت علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

اَنَّہٗ مُفَوَّضٌ اِلَیْہِ تَفْوِیْضاً کُلِّیاً

یہ نعمتیں کلی طور پر انکے حوالے کر دی گئی ہیں۔

(روح المعانی پ ۲۳ سورہ ص، آیت ۳۹)

صاحب روح البیان لکھتے ہیں:

هٰذَا عَطَاؤُنَا الخ یُشِیْرُ اِلٰی اَنَّ لِلْاَنْبِیَاءِ بِتَائِیْدِ الْفَیْضِ الْاِلٰهِیْ وِلَایَةُ اِفَاضَةِ الْفَیْضِ عَلٰی مَنْ هُوَ اَهْلُهٗ عِنْدَ اِسْتِفَاضَتِهٖ وَلَهُمْ اِمْسَاکُ الْفَیْضِ عِنْدَ عَدَمِ الْاِسْتِفَاضَةِ مِنْ غَیْرِ اَهْلِهٖ

(روح البیان پ ۲۳، سورۃ ص آیت ۳۹)

قرآن کریم کے یہ الفاظ "ھذا عطاء نا" اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ انبیاء کرام کو فیض خداوندی کی تائید سے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس طالب فیض پر جتنا چاہیں لطف و کرم فرما سکتے ہیں اور اپنے فیضانِ کرم سے اسے مالا مال کر سکتے ہیں اور جو نا اہل ہو اس کو فیضان سے محروم کر سکتے ہیں۔

دیوبندی حضرات کے پیشوا علامہ عثمانی یہاں رقمطراز ہیں:

"یعنی کسی کو بخش دو یا نہ دو، تم مختار ہو، اس قدر بے حساب دیا اور حساب وکتاب کا مؤاخذہ بھی نہیں رکھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یہ اور مہربانی کی کہ اتنی دنیا دی اور مختار کر دیا حساب معاف کر کے، لیکن وہ کھاتے تھے اپنے ہاتھ کی محنت سے ٹوکرے بنا کر۔"

(حاشیہ عثمانی پ ۲۳ سورۃ ص آیت ۳۹)

جب حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ کرم ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم

علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو جو سرمدی نعمتیں اور طرح طرح کے بے شمار خزانے عطا فرمائے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے کیا حضور مختار نہیں ہوں گے؟ یہ کہنا بڑی جسارت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ رفیع گھٹانے کیلئے، اور خداداد اختیارات کا انکار کرنے کے جوش میں واضح آیات سے بھی اغماض کرلیا جاتا ہے، اور آنکھیں بند کرلی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کور باطنی سے بچائے۔

(ضیاء القرآن، ج ۴، ص ۲۴۳، ۲۴۴ پ ۲۳، آیت ۳۹)

خانصاحب کے حکیم الامت مولوی اشرفعلی تھانوی صاحب تفسیر بیان القرآن میں لکھتے ہیں:

"یہ ہمارا عطیہ ہے سو خواہ (کسی کو) دو یا نہ دو تم سے کچھ دار و گر نہیں (یعنی جتنا سامان ہم نے تم کو دیا ہے اس میں تم کو خازن و حارس نہیں بنایا جاتا جیسے دوسرے ملوک خزائن ملکیہ کے مالک نہیں ہوتے، ناظم ہوتے ہیں بلکہ تم کو مالک ہی بنا دیا ہے، مالکانہ تصرفات کے مختار ہو تو اس سے حقوق واجبہ کے ترک میں تخییر لازم نہیں آتی" (بیان القرآن ج ۱۰ ص ۹ ،سورۃ ص آیت ۳۹)

تھانوی صاحب کا یہ کلام اُنکے موقف کی کھل کر وضاحت کرتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اِن تصرفات میں مختار تھے، آپکے یہ تصرفات خازن کے تصرفات کی طرح نہیں تھے، بلکہ مالکانہ تصرفات تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہ تصرفات اِن کے معجزات ہیں۔ تھانوی صاحب نے معجزہ کا نام لئے بغیر صاف صاف لکھا کہ آپ اِن تصرفات کے بجالانے میں مالک و مختار تھے۔

تھانوی صاحب سورۃ ص کی آیت نمبر ۳۹ کی تفسیر کرتے ہوئے مسائل السلوک کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

"فی الروح ای هذا الذی اعطینک من الملک العظیم والبسطة والتسلیط علی ما لم یسلط علیه غیرک عطائنا الخاص بک فاعط من شئت وامنع عمّن شئت غیر محاسب علی شیٔ من الامرین ،

ولامسؤل عنه فی الآخرۃ لتفویض التصرف فیہ الیک علی الاطلاق اھ"

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو بہت عظیم اور وسیع مملکت دے کر اُس پر آپ کو مسلط و مختار کر دیا گیا۔ آپ کو اتنا اختیار اور تسلط سونپا گیا جتنا کسی اور کو تسلط نہیں دیا گیا یہ خاص آپ کیلئے عطیہ ہے جسے چاہیں دیں، جسے چاہیں نہ دیں۔ آپ سے سوال نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی آخرت میں باز پرس ہوگی؛ کیونکہ اس مملکت میں آپ کو مطلقاً تصرف تفویض کیا گیا۔

(بیان القرآن سورۃ ص آیت نمبر ۳۹)

تھانوی صاحب کے کلام......

''لِتَفْوِیْضِ التَّصَرُّفِ فِیْهِ اِلَیْکَ عَلَی الْاِطْلَاقِ''

میں واقع تفویض التصرف اور علی الاطلاق کا معنیٰ و مفہوم خانصاحب اپنے کسی بزرگ سے سمجھ کر اپنے فتووں کی روشنی میں اِس کا جائزہ لیں۔

خانصاحب نہ تو اپنے بزرگوں کی عبارت کا انکار کر سکتے تھے اور نہ ہی اُن کو غلط کہنے کی ہمت تھی۔ صاف ستھری عبارات کو ملمع سازی کے کرتب سے چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خانصاحب : ''انبیاء کرام اور اولیائے عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مافوق الاسباب تصرف پر استدلال کرتے ہوئے اپنے علم اور دیانت کو چار چاند لگائے ہیں۔ ان کے سادہ لوح حواری بھی نہایت ہی خوش ہونگے کہ مؤلف مذکور نے قرآن کریم کی آیت سے انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے مافوق الاسباب تصرفات ثابت کر کے دینی خدمت سرانجام دی ہے۔ مگر یاد رہے کہ نزاع اور جھگڑا اس میں نہیں ہے کہ کیا کوئی بادشاہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ملک اور حکومت عطا فرمائی ہو جو عادی اور ظاہری اسباب پر موقوف ہے کیا وہ اللہ کے دیئے ہوئے مال و دولت سے کسی کو دے سکتا ہے یا نہیں اور نزاع اس میں بھی نہیں ہے کہ کیا عالم اسباب اور عادی و ظاہری اسباب کے تحت کسی کو مختار کل مالک و متصرف کہنا

درست ہے یا نہیں۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کا یہ مذکور ارشاد بجا ہے اور اس سے مؤلف نور ہدایت کو ایک رتی کا بھی فائدہ نہیں ہوسکتا جیسا کہ انہوں نے ازروئے جہالت ۔الی آخرہ۔

(راہ ہدایت ص ۱۴۶، ۱۴۵)

خادم اہل سنت: خان صاحب کی اس علمی تحقیق کا مفاد یہ ہے کہ:

۱) اصل نزاع مافوق الاسباب تصرف میں ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہ تصرفات مافوق الاسباب نہیں، ماتحت الاسباب تھے۔

۲) حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ حکومت ظاہری عادی اسباب پر موقوف تھی، اسطرح کی سلطنت ومملکت کسی بندے کو حاصل ہو، اس میں جھگڑا ہی نہیں۔

۳) جس طرح کی سلطنت، اختیار اور تصرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو حاصل تھا ایسے عادی وظاہری سبب کے تحت کسی کو مختار کل کہنا، مالک ومتصرف مجاز کہنا درست ہے۔جیسا کہ مولانا میرٹھی نے کہا ہے۔

خان صاحب دھوکہ دینے کیلئے اس بات کو بار بار دہراتے ہیں کہ اصل نزاع تصرفات مافوق الاسباب میں ہے۔

(الف) گذشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ لکھا جاچکا ہے یہ گروہ اس اصطلاح کے استعمال میں پُرفریب انداز اختیار کرتا ہے۔ یہ تعین نہیں کرتا کہ مافوق الاسباب سے کیا مراد ہے؟

انتہائی ستم تو یہ ہے کہ مؤلف راہ ہدایت (خانصاحب) بار بار لکھتا ہے۔

''کہ معجزات وکرامات مافوق الاسباب نہیں''

''انہیں مافوق الاسباب سمجھنا جہالت ہے۔''

پھر صاف کھل کر یہ بھی نہیں بتاتے کہ جب اس کی رائے میں معجزات وکرامات بھی

مافوق الاسباب نہیں تو اس خانہ زاد اصطلاح سے اس کی کیا مراد ہے؟ اصل میں اپنے بچاؤ کیلئے یہ موم کی ناک اپنے چہرے پہ سجا رکھی ہے۔

خادمِ اہل سنت نے مقدمہ نورِ ہدایت کے مقصدِ دوم میں اس بات کی وضاحت کر دی کہ: **اسباب دو قسم ہیں عادی اور غیر عادی۔**

اسبابِ ظاہری وعادی کے تحت جو فعل وعمل کیا جاتا ہے اسے ماتحت الاسباب کہا جائے گا۔ جس فعل واَمر میں اَسباب ظاہری وعادی نہ ہوں اس تصرف کو تصرف مافوق الاسباب سے تعبیر کیا جائیگا۔ جس کی تفصیل اس کتاب میں کئی جگہ پائی جاتی ہے۔ اس کے آخر میں لکھا گیا تھا۔ یاد رہے کہ:

"اس تحریر میں کسی مخلوق کیلئے متصرف مافوق الاسباب عادی ہونے کے قول میں میری مراد اسباب عادی کے مافوق ہونا ہوگی۔ یعنی اسبابِ عادیہ سے بلند وبالا ہوکر تصرف کرنا۔"

خانصاحب نے "دِل کا سرور" نامی رسالے اور دوسری تالیف میں بھی یہی معنیٰ بیان کیا کہ:

"ظاہری وعادی اسباب سے بالاتر ہوکر عمل کرنا یا جن میں ظاہری اسباب نہ ہوں سمجھ لو ماوراء الاسباب کا معاملہ ہے۔"

خانصاحب نے راہِ ہدایت کی اس عبارت میں بار بار عادی وظاہری اسباب سے ہونے والے امور کا ماتحت الاسباب ہونا بتایا، مافوق الاسباب وہی امر ہوگا جس میں عادی وظاہری اسباب نہ پائے جائیں۔

خانصاحب نے ماتحت و مافوق الاسباب کی جو تشریح کی ہے اس کی روشنی میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ان تصرفات کو مافوق الاسباب تصرف سے ہی تعبیر کیا جائے

گا؛ کیونکہ ان میں ظاہری و عادی اسباب نہیں پائے گئے۔اسی وجہ سے مفسرین کرام نے ان تصرفات کو ''خرقِ عادت معجزہ'' سے تعبیر کیا ہے۔

خانصاحب (مؤلف راہ ہدایت) کا یہ بھی کہنا ہے۔[مفہوم]

''حضرت سلیمان علیہ السلام کو جیسے اختیارات وتصرفات اللہ نے عطا کیے تھے اس قسم کے تصرفات واختیارات کی وجہ سے کسی کو مختارِکل کہنا جائز ہے''

انہیں یہ بھی تسلیم ہے کہ:

''یہ تصرفات حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصد و اختیار سے ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے''

اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ وہ نہ مانتے ہوئے بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ جو خرقِ عادت امور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے اُن کے اظہار میں اُن کے قصد و اختیار کا دخل ہے اور ایسے اختیارات کی بنا پر انہیں مختارِکل کہنا درست ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے انہی اختیارات و تصرفات کو دیکھ کر عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی نے لکھا:

''بلکہ مختارِکل اور مالک و متصرف مُجاز تھے۔''

اِنہی کے بارے میں تھانوی صاحب نے تحریر کیا:۔

''تفویض التصرف فیه الیک علی الاطلاق''

انہی اختیارات و تصرفات کو دیکھ کر علامہ آلوسیؒ نے فرمایا:۔

''انه مفوض الیه تفویضاً کُلِیًا''

حضرت امام رازی نے اسے اِن الفاظ میں بیان کیا:۔

''اِنَّهُ مُعْجِزَةٌ دَالَّةٌ عَلٰی نُبُوَّتِهٖ''

دیگر کئی مفسرین نے بھی انہیں معجزہ لکھا۔

اتنے وسیع معجزانہ تصرفات واختیارات عطا فرما کر ربِ قدیر نے ھٰذا عطائنا فامنن او امسک کے شرف سے نوازا۔ اتنے واضح دلائل کے باوجود بوجہ عناد کسی کے دِل پرمُہر لگ چکی ہے۔تو کیا کِیا جاسکتا ہے؟

قارئین کرام! ڈھٹائی کی انتہاء ہے کہ اتنے صاف شفاف حوالہ جات کے باوصف خانصاحب (مؤلف راہِ ہدایت) کا کہنا ہے کہ:

"حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہ تصرفات عالم اسباب اور عادی وظاہری اسباب کے تحت تھے، ان میں تو نزاع ہے ہی نہیں، نزاع تو مافوق الاسباب میں ہے، جبکہ آپ کی حکومت عادی اور ظاہری اسباب پر موقوف تھی۔ [مفہوم]

ملاحظہ ہو حوالہ گذشتہ

قارئین کرام میری اور خانصاحب کی گفتگو سے علیحدہ ہوکر بنظر انصاف غور کریں کہ قرآنِ حکیم کی آیات اور مفسرین کی عبارات کا کیا معنی ہے؟ آپ ہی فیصلہ کریں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو تصرفات عطا ہوئے تھے کیا یہ اسباب عادی کے تحت تھے؟ یاد رہے کہ اسباب عادی کے تحت ایسے فعل ہوتے ہیں جو عادۃً اکثر انسانوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

جب مؤلف "راہِ ہدایت" کی تحقیق میں سیدنا سلیمان علیہ السلام کے تصرفات و سلطنت جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے ظاہری، عادی اسباب (یا عالم اسباب) کے تحت تھے، تو کیا خانصاحب حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر آج تک کی انسانی تاریخ سے ڈھونڈ کر ان اشخاص وافراد کے نام بتا سکتے ہیں جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح تصرف واختیارات حاصل تھے۔

﴿ھَاتُوا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ﴾

ب) بقول خانصاحب اگر سلیمان علیہ السلام کے یہ تصرفات اسبابِ ظاہری اور عادی کے تحت تھے تو اس کی وضاحت کریں کہ حضرات مفسرین کرام نے آپ کی سلطنت کو معجزہ کیوں قرار دیا؟ کیونکہ معجزہ میں خرقِ عادت (خلاف عادت ہونا شرط ہے) یہ بھی بتائیں کہ اسے معجزہ کہنا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر اسے معجزہ کہنا درست نہیں تو ان اصحاب فضل وعمل کیلئے کیا حکم؟

ج) خانصاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ اسباب عادی کے تحت جو سلطنت حاصل ہوا ایسے سلطان و بادشاہ کو مختار کل کہہ سکتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''شاہانِ وقت کو مختار کل'' کہنے کے جواز پر قرآن وسنت سے کون سی دلیل خانصاحب کے پاس ہے؟ اگر کوئی دلیل نہیں تو بادشاہوں کو مختارِ کل کیوں تسلیم کیا؟

یہ بھی بتائیں کہ کیا کسی بادشاہ کو مختارِ کل کہنا عقلاً جائز ہے؟ مؤلف راہِ ہدایت رسول اللہ ﷺ فداہ اَبی واُمی کے ''مختار کل'' ہونے اور کہنے کے خلاف جو سوالات کیا کرتے ہیں کیا وہ اعتراض یہاں پیدا نہیں ہو سکتے؟

بادشاہوں کو مختارِ کل کہنے کی جو تاویل کی جائے گی، کیا اُس طرح کی کوئی تاویل رسول اللہ ﷺ کو مختار کل کہنے والے نہیں کر سکتے اور کیوں؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس میں اختیار کلی یا کل افراد میں اختیار مراد نہیں بلکہ بعض میں ہے، وہ بھی از خود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے۔ چونکہ بادشاہوں کا ملک وتصرف عام لوگوں کی بنسبت زیادہ ہے اسلئے بادشاہ کو مختار کل کہہ سکتے ہیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مختار کل کہنے کی توجیہہ کیوں نہیں ہو سکتی؟ یقیناً صحیح توجیہہ موجود ہے، بادشاہوں کو مختار کل ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ جن کیلئے ساری کائنات بنائی گئی، مختار کل کہنے سے درد کیوں ہوتا ہے؟

خادمِ اہل سنت نے اس مسئلہ میں اپنا مؤقف ان الفاظ میں پیش کیا۔

''اور سب سے زیادہ تصرفات واختیارات، سلطنت وملک آنحضرت ﷺ کو عطا ہوئے اور اسی معنی کے لحاظ سے آپ کو مالکِ کونین اور مختارِ کل کہا جاتا ہے۔ جن کی آنکھیں شاہانِ دنیا کے جاہ وحشم کے سامنے خیرہ ہیں۔ وہ اُن کو مختارِ کل مانتے ہیں۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کو اس کی عطا سے مختارِ کل مانتے ہیں۔''

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

ناظرین کرام: حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظیم مملکت، قدرت وسلطنت، تصرف و اختیار کا شاہانِ دنیا والا معاملہ نہیں تھا، جیسا کہ خانصاحب کو دھوکا ہوا، بلکہ خلاف عادت آپ کا عظیم معجزہ تھا۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''[مفہوم] اس آیت کریمہ میں ملک سے مراد قدرت وطاقت ہے۔ آپ کی دُعا کا مقصد یہ ہوا کہ اے اللہ مجھے ان چیزوں پر قادر کر دے جن پر میرا غیر، قادر نہ ہو۔ میرا ان پر اقتدار اور تصرف معجزہ ہو جو میری نبوت اور رسالت دونوں کی صحت کی دلیل ہو۔''

'' ان الملک ھو القدرۃ فکان المراد اقدرنی علی اشیاء لا یقدر علیہ غیری البتۃ یصیر اقداری علیھا معجزۃً تدل علی صحۃ نبوتی''

بیشک اس آیت میں کلمہ ملک سے مراد قدرت ہے آپ کی مراد یہ تھی کہ اے اللہ مجھے ایسی اشیاء کے بجالانے کی قدرت عطا فرما جس پر میرے سوا کوئی قادر نہ ہو میرا ان پر قادر ہونا میرا معجزہ ہو جو میری صحت ونبوت کی دلیل ہو۔

معزز قارئین! میرے مؤقف کی صحت کی یہ دلیل ہے کہ آپ علیہ السلام کی دُعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے ﴿فسخرنا لہ الریح تجری بامرہٖ رخاءً حیث اصاب﴾

فرمایا۔لہٰذا ہوا کا آپ کے حکم پر چلنا قدرت عجیبہ اور ملک عجیب تھا۔

وَلَاشَکَّ اَنَّهٗ مُعْجِزَةٌ دَالَّةٌ عَلٰی نُبُوَّتِهٖ
بلا شبہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا جو آپ کی نبوت پر دلالت کرتا ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کی صورت میں ہے کہ اے اللہ مجھے ایسا ملک دے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔اس کا یہی معنٰی ہے۔کیونکہ معجزہ میں شرط ہے کہ دوسرا اس کا مقابلہ کرنے پر قادر نہ ہو۔ آپ علیہ السلام نے جو دعا میں کہا۔میرے مابعد کسی اور کے لائق یہ معجزہ نہ ہو۔اس کا یہی مطلب ہے کہ اس کا اور کوئی مقابلہ نہ کر سکے۔

(فقوله' لاینبغی لاحد من بعدی یعنی لایقدر احد علی معارضته)

(تفسیر کبیر ،پ ۲۳ سورۂ ص آیت ۳۵)

آپ کے قول "لا ینبغی لاحدٍ من بعدی " کا معنی ہے کہ کوئی بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔

اس کلام میں حضرت امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ آپ اس کے اظہار پر قادر و مختار تھے، دوسرا کوئی اسکا مقابلہ نہ کر سکا جبکہ خانصاحب کا دعویٰ ہے معجزہ وہ ہوتا ہے جس پر نبی بھی قادر نہ ہو۔

امام رازی کے کلام میں " لایقدر احد علی معارضته " ایک سوال کا جواب بھی ہوسکتا ہے۔

حضرت امام رازی کے علاوہ قاضی بیضاوی ، علامہ ابوسعود ، علامہ آلوسی وغیرہم نے بھی اپنی تفاسیر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ان تصرفات کو معجزہ لکھا ہے۔دیگر کئی محدثین کرام نے بھی اسے معجزہ سے تعبیر کیا ہے۔

استدلال ۵: قال اللّٰہ عزّ اسمہ

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ ؕ فَلَمَّا رَاٰہُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَہٗ قَالَ ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۝

اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کردوں گا ایک پلک جھپکنے سے پہلے پھر جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے

(پ ۱۹ سورۃ النمل، آیت ۴۰)

پس منظر:

صاحب مملکت سیدنا سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے پرندے بھی مسخر کردیئے گئے تھے جو کہ آپ کی ہدایات کے مطابق مختلف خدمات پر مامور تھے۔ ایک دِن آپ نے ایک پرندے (ہدہد) کو اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر پا کر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ حاضر ہونے پر اس پرندے سے جب باز پُرس کی گئی، تو اس نے ملک سبا، اس کی ملکہ اور اس ملکہ کے بہت بڑے تخت کا ذِکر کیا۔ اور ان کی اعتقادی کیفیت بھی بیان کی۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مکتوب گرامی......

اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ (سورۃ نمل، آیت ۳۰)

بیشک وہ سلیمان کیطرف سے ہے اور بیشک وہ اللہ کے نام سے ہے جو نہایت مہربان رحم والا (کنزالایمان)

......بسوئے ملکہء ملک سبا ارسال فرمایا۔ مکتوبِ گرامی کو پڑھنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچی کہ صاحب مکتوب عام بادشاہوں کی طرح نہیں ہے۔ ذہین ملکہ تھی اس نے اپنے مشیروں کے مشوروں کو نظر انداز کرتے ہوئے مقابلہ کے بجائے مذاکرات کو ترجیح دی اور خود ملاقات و مذاکرات کیلئے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف روانہ ہوگئی۔ بیش بہا قیمت، عظیم تخت کو کئی کوٹھڑیوں میں حفاظت کیلئے مقفل کردیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم تھا کہ وہ ملاقات کے بعد اطاعت گذار بن جائے گی بلکہ حلقہ بگوش اسلام ہو جائے گی۔ آپ علیہ السلام نے چاہا کہ اس کے اظہارِ ایمان سے پہلے شانِ نبوت کے کچھ عجائبات دکھائے جائیں۔ لہٰذا آپ نے اپنے اہل دربار سے کہا:

یَا أَیُّهَا الْمَلَأُ أَیُّكُمْ یَأْتِینِی بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ یَأْتُونِی مُسْلِمِینَ ○ (سورۃ نمل، آیۃ ۳۸)

سلیمان نے فرمایا اے درباریو تم میں کون ہے کہ وہ اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ میرے حضور مطیع ہو کر حاضر ہوں۔

آپ علیہ السلام کی حکمرانی جنات پر بھی تھی، آپ ان سے کئی طرح کے کام لیا کرتے تھے، خدمت گذاری کیلئے آپ کی مجلس میں انسانوں کے علاوہ جنات بھی حاضر ہوتے۔ جب آپ نے ملکہ سبا کے تخت کو جلد سے جلد لانے کیلئے سوال کیا تو......

قَالَ عِفْرِیتٌ مِنَ الْجِنِّ أَنَا اٰتِیکَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِکَ وَإِنِّی عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ أَمِینٌ ○ (سورۃ نمل آیۃ ۳۹)

ایک بڑا طاقتور جن بولا کہ میں وہ تخت حضور میں حاضر کردوں گا قبل اس کے کہ حضور اجلاس برخاست کریں اور میں بیشک اس پر قوت والا امانت دار ہوں۔

اس طاقتور جن کا دعویٰ کوئی معمولی نوعیت کا نہ تھا، بہت دور کی مسافت سے مجلس برخاست ہونے سے پہلے پہل اتنے بڑے تخت کا اتنے تھوڑے وقت میں لاکر پیش کردینا، غیر معمولی قوت کا مظاہرہ ہے۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے بھی عجیب تر قوت و تصرف کا کارنامہ دکھانا چاہتے تھے۔ اسلئے اس طاقتور جن کے دعویٰ کے بعد حضرت سلیمان کے ایک صحابی بقولِ مشہور '' آصف بن برخیا'' صاحب علم نے گذارش کی: ''حضور میں اتنے دور سے اتنا بڑا تخت چشم زدن سے پہلے حاضر کردوں گا'' جونہی سیدنا سلیمان علیہ السلام نے دیکھا تو وہ تخت آپ کے سامنے رکھا تھا۔ اس پر آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ آیہ مبارکہ میں اسی خرقِ عادت کرامت کا بیان ہے۔

کسی ظاہری اور عادی سبب کے بغیر چشم زدن میں اتنے بڑے بھاری تخت
سینکڑوں میل دور سے لے آنے کو ''تصرف مافوق الاسباب'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اس
سے معلوم ہوا کہ مقبولانِ خدا کو غائبانہ حاجات میں متصرف سمجھنا عین ایمان کا تقاضا ہے، نہ
کہ شرک و کفر۔

نیز اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کرامات اولیاء کرام اختیاری بھی ہوتی ہیں
بیشک جملہ مقدسہ ﴿انا اتیک به﴾ (میں لا کر دیتا ہوں) اس تصرف کے
اختیاری و مقدور ہونے کی روشن دلیل ہے۔ جس سے مفر ممکن نہیں۔ اسی جملہ سے ہمارا
استدلال ہے اگر اس مرد خدا کو اتنی قوت حاصل نہ ہوتی تو ہرگز لانے کا دعویٰ نہ کرتے۔ اس
یقینی قرآنی عقیدہ کے ساتھ حزب مخالف کے عقیدوں کا موازنہ کر کے دیکھیں کہ دونوں
عقیدوں میں کتنا بُعد المغربین ہے۔

(ملاحظہ ہو مقصد ہفتم)

تصرفات وقدرت سلیمانی پر خانصاحب کے اعتراضات:

''بیشک اس کرامت کا ثبوت آصف بن برخیا سے ہوا مگر اس سے یہ سمجھنا اس
کرامت کے صدور میں ان کے کسب و اختیار یا ان کے قصد کا کوئی تعلق ہے،
سراسر باطل ہے۔ مؤلف نورِ ہدایت کو معلوم ہونا چاہیئے۔'' انا اتیک به ''
جملہ کی اسناد کے مجازی ہونے کا مفسرین سے پڑھے، نہ یہ کہ خود مجتہد بن کر
وادی ضلالت میں ٹھوکریں کھائے۔ امام جلال الدین سیوطی اور حافظ ابن کثیر کی
تفاسیر میں ہے کہ آصف بن برخیا نے اسم اعظم پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی
جسے قبول کر کے اللہ تعالیٰ ملکہ بلقیس کا تخت لے آیا۔ آصف بن برخیا کا اس
کرامت میں اتنا ہی تعلق ہے کہ انہوں نے دُعا مانگی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول
فرمایا۔ یونہی مؤلف نور ہدایت کا کرامت کو علی الاطلاق مافوق الاسباب کہنا
حالانکہ دیگر متکلمین عموماً، احناف خصوصاً معجزات و کرامات کو مافوق الاسباب

تسلیم نہیں کرتے مؤلف نور ہدایت کو یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے طلب حاجات کرنا شرک ہے۔[خلاصہ]
راہِ ہدایت صفحہ ۱۰۴

خادم اہل سنت:

1: مؤلف راہِ ہدایت نے ''انا اتیک بہ'' میں اسناد کے مجازی ہونے کی بڑتو ہانک دی مگر اس پر کوئی حوالہ پیش نہیں کیا، جلالین اور ابن کثیر کی جو عبارات نقل کی گئیں اُن میں اسناد کے حقیقی اور مجازی ہونے کا سرے سے ذِکر ہی نہیں۔ نامعلوم خانصاحب اس طرح کی حرکات کر کے قارئین کتاب کو کیا تاثرات دینا چاہتے ہیں؟۔

2: خادمِ اہل سنت نہ تو مجتہد ہے، نہ ہی فقہی اجتہاد کی استعداد اور نہ ہی مجتہد ہونے کا کبھی دعویٰ کیا تاہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کو طاقت بشری کے مطابق سمجھنے کیلئے جدو جہد اور سعی کرتا ہوں۔ اس معنی کے اعتبار سے مجتہد ہوں اور ہر مومن کو کلام فہمی کیلئے اس معنی میں مجتہد ہونا چاہیئے، خانصاحب نے یقیناً اجتہاد شرعی کا معنی پڑھا ہوگا۔ یہاں اجتہاد کی صورت انہیں کیسے نظر آئی؟

3 (الف): قرآن حکیم کی جن آیات میں اتیانِ عرش (ملکہ بلقیس کا تخت لانے) کا ذکر ہے ان کے تین کلمات ''یَأْتِیْ'' اتِیْ اور اٰتِیْ کا معنی جان لینے سے مشکل حل ہو جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اہل مجلس سے سوال کیا:

اَیُّکُمْ یَأْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا — تم میں سے کون ہے کہ وہ اسکا تخت میرے پاس لے آئے؟

جس پر ایک طاقتور جن نے کہا:

اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِکَ — میں وہ تخت حضور میں حاضر کردوں گا قبل اس کے حضور اجلاس برخاست کریں۔

جن کے اس دعویٰ کے بعد ایک صاحب علم ولی اللہ نے گذارش کی:

اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ میں اسے حضور میں حاضر کردوں گا ایک پلک مارنے سے پہلے

اس واقعہ میں تین افعال میں سے پہلے دو فعل فاعل کے مختار و قادر ہونے پر دال ہیں تو تیسرا فعل فاعل کے مجبورِ محض، غیر مختار ہونے پر کیوں دال ہے؟ کیا تینوں جملوں میں بقول محقیق خانصاحب، اسناد محض مجازی ہے یا پہلے دو میں حقیقی اور تیسرے جملہ میں اسناد مجازی؟ کون سے محقق نے یہ تحقیق فرمائی ہے؟ ان کا حوالہ پیش کیا جائے وگرنہ ....!

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حاضرین مجلس کو تخت لانے کے فعل پر قادر و مختار سمجھ کر ہی اتیانِ عرش کی دعوت دی۔ مجبورِ محض سے کسی کام کا سوال نہیں کیا جاتا۔ عفریت نے اپنے آپ کو قادر و مختار سمجھ کر ہی تخت لانے کا دعویٰ کیا اور حضرت آصف بن برخیا نے اس فعل پر اپنے آپ کو خداداد روحانی قوت کی بدولت چشم زدن میں لانے کی ہمت کر کے ہی حضرتِ سلیمان سے تخت لانے کی گذارش کی۔ خانصاحب اور ان جانشینوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ دلیل و تحقیق سے پیش کی ہوئی بات ہی میں وزن ہوتا ہے، محض طعن و تشنیع سے اپنے حواریوں کو تو خوش کیا جا سکتا ہے مگر کسی بھی عقل و خرد والے کے ہاں یہ کوئی وقعت نہیں۔

(ب) مؤلف راہِ ہدایت نے احادیث صحیحہ سے ثابت کئی معجزات اور آصف بن برخیا کی ثابت کرامت کے بارے دعا کا سہارا لے کر جو مؤقف اختیار کیا ہے اس کی روشنی میں ان آیات کا مفہوم یوں ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب ملکہ بلقیس کے آنے کی اطلاع ملی تو آپ نے چاہا کہ ان کو کوئی کمال شانِ نبوت دکھایا جائے تو اس کیلئے آپ نے اہل مجلس سے گویا یوں سوال کیا کہ:

"حاضرین میں جانتا ہوں کہ ملکہ کا تخت لانے سے تم عاجز ہو، تم میں سے کوئی بھی اس پر قدرت نہیں دیا گیا، مگر تم میں سے کون ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ سے

تخت لانے کی دعا کرے؟ جسے قبول فرما کر اللہ تعالیٰ اس تخت کو حاضر کر دے"

اس پر ایک طاقتور جن نے گذارش کی کہ اگر چہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ میں ایسے کر سکوں مگر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مجلس ختم ہونے سے پہلے آپ کے پاس تخت لے آئے۔ جس پر ایک مستجاب الدعاء ولی...... جسے اسم اعظم کا علم تھا ...... نے حضرت سلیمان سے عرض کی میں دعا مانگتا ہوں کہ چشم زدن سے پہلے اللہ تعالیٰ ملکہ بلقیس کا تخت آپ کے پاس پہنچا دے گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ تخت موجود تھا آپ نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ کیا کسی مفسر نے کہا ہے کہ: آصف بن برخیا نے ایسے عرض کیا؟ افسوس صد افسوس ایسی تحقیقات انیقہ پر۔ یہ خانصاحب کے علمی و روحانی جانشینوں کو ہی مبارک ہوں۔

ج: مؤلف راہِ ہدایت اور ان کے بعض گمراہ پیشروؤں کا عقیدہ ہے کہ ولی کی کرامت صرف اتنی ہے کہ وہ دعا مانگتا ہے، اس غلط نظریہ کو امام نووی اور دیگر محدثین کرام نے ان الفاظ کے ساتھ رد فرمایا:

وَ اِدَّعٰی اَنَّھَا تَخْتَصُّ بِمِثْلِ اِجَابَةِ دُعَاءٍ وَنَحْوِهٖ وَ ھٰذَا غَلَطٌ مِنْ قَائِلِهٖ وَاِنْکَارٌ لِلْحِسِّ	بعض کا دعویٰ (کہ ولی اللہ سے) کرامت کا ظہور دعا کی قبولیت تک خاص ہے (اس قائل کا ظہور کرامت کو اجابت دعا سے خاص کرنا) غلط قول ہے امر محسوس کا انکار کرنا ہے۔

د) کیا مؤلف مذکور کے مَبلغِ علم میں "یأتی" اور پہلا " اتی "فعل کے غیر قصدی ہونے پر دلالت کرتے ہیں؟ اور اگر وہ دونوں فاعل کے مختار ہونے پر دلیل ہیں تو تیسرا کلمہ اتی کیوں فاعل کے مجبور محض ہونے کی دلیل ہے؟

یونہی خانصاحب کے خیال میں آصف بن برخیا کے قول انا اتیک بہ میں اسناد مجازی ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام اور عفریت کے قول میں بھی فعل کی اسناد مجازی

ہوگی، اگر پہلے دو کی اسناد حقیقی ہے تو تیسرے فعل میں اسناد مجازی ہونے کا کونسا باعث عدول عن الحقیقت ہے یا کونسی نص اس پر دال ہے؟

ہ: مؤلف مذکور کے اعتراض کے تتبع میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ اس فرق پر کوئی معتبر حوالہ ہے تو پیش کریں۔ کوئی درست توجیہہ ہے تو وہ لائیں، وگرنہ مجتہد بن کر وادیٔ ضلالت میں ٹھوکریں کھاتے پھروگے۔

4: مؤلف راہِ ہدایت کس برہان سے سمجھا ہے کہ جس کام کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے یہ علامت ہے کہ دُعا مانگنے والا اس فعل پر قادر نہیں، اگر ثبوت ہے تو پیش کریں۔ مؤلف راہِ ہدایت نے یہ باطل استدلال کئی معجزات کے صدور میں بھی کیا ہے۔ ان شاء اللہ اس پر بحث ''الباب الثانی'' میں آئے گی۔

یہاں مختصراً اتنا کہنا ہے کہ مؤلف کا یہ اندازِ استدلال صریح البطلان ہے۔ اہل ایمان ہر جائز کام سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اس میں اسم جلالت سے، حصولِ برکت بھی ہے اور استعانت بھی۔ بایں معنی یہ دعا بھی ہے۔ کیا کوئی احمق یہ کہہ سکتا ہے کہ اہل اسلام ہر ذی بال فعل، اَمر سے پہلے تسمیہ شریف اس لئے پڑھتے ہیں کہ وہ اس فعل پر قادر نہیں ہیں، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ اگرچہ تو نے اس کام، پڑھنے، لکھنے، حرکت کرنے، اسکے بجالانے کی ہم میں قدرت قوت پیدا نہیں کی مگر تو قادر مطلق ہے جس کام کا اس عاجز نے ارادہ کیا ہے تو اسے پورا فرمادے۔

ہوسکتا ہے کہ خود مؤلف مذکور بھی کسی فعل کیلئے دُعا مانگتے ہوں گے تو یہی تصور کرتے ہونگے کہ میں اس فعل کے کرنے پر ''مجبور محض'' ہوں۔ ہاں! اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ میرے اختیار وکسب کے بغیر یہ فعل میرے ہاتھ پر صادر فرمادے۔

ہم اہل سنت و جماعت، رَبِّ يَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَ تَمِّمْ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِيْنُ ......یا...... لَا حَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وغیرہا دعوات ووظائف، افعال العباد اختيارية کو درست جانتے ہوئے پڑھتے، بجالاتے ہیں۔ خانصاحب کا کوئی اور مسلک ہے تو اسے وہی جانے۔

۵: خانصاحب کا کرامت ومعجزہ کے ''مافوق الاسباب'' ہونے کا انکار کرنا اور یہ کہنا کہ دیگر متکلمین نے عموماً اور احناف نے خصوصاً معجزات وکرامات کو مافوق الاسباب تسلیم نہیں کیا، غلط ہے۔ ان کی اس سوچ کا رد گزشتہ صفحات میں کئی مقامات پر ہو چکا ہے۔ خصوصاً مقصد دوم مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب اور مقصد چہارم ''المعجزة مقدورة للنبی'' کی بحث میں تفصیلاً گزر چکا ہے چونکہ مؤلف نے اس مقام پر اپنے اس مؤقف کا اعادہ کیا ہے اس لئے مختصراً تحریر کیا جاتا ہے کہ: عام متکلمین کی طرح خود خانصاحب کی تحقیق میں ''معجزہ اور کرامت میں خرقِ عادت ہونا شرط ہے۔'' خرقِ عادت اس بات کا بیان ہے کہ معجزہ اور کرامت میں اسبابِ عادیہ نہیں پائے جاتے اور ساتھ ہی خانصاحب کا کہنا ہے کہ ''جس اَمر میں ظاہری وعادی سبب نہ پایا جائے تو معاملہ مافوق الاسباب کا ہے خوب سمجھ لو'' ان دونوں حوالوں کے پیش نظر معجزہ وکرامت مافوق الاسباب اَمر ہیں اگر مافوق الاسباب نہیں تو ماتحت الاسباب ہوں گے پھر تو معجزہ وکرامت ہر انسان کا مقدور ہونا چاہیئے۔

خود خانصاحب کا دعویٰ ہے کہ معجزہ ماتحت الاسباب امر ہے راہِ ہدایت ص ۸۷۔ یہ بھی اتفاقی مسئلہ ہے کہ ماتحت الاسباب افعال انسان اپنے کسب وقصد واختیار سے بجالاتا ہے۔ افعال العباد اختيارية. کیونکہ ماتحت الاسباب کا مقدور العبد ہونا اہل سنت کا اتفاقی مذہب ہے۔ [یہ گفتگو مؤلف راہِ ہدایت کی اختراعی اصطلاح کے اعتبار سے ہے]۔

۶: نیز خانصاحب کا یہ کہنا کہ متکلمین کرامت کو ما فوق الاسباب تسلیم نہیں کرتے کسی ایک متکلم، فاضل کا حوالہ پیش کردیں جس میں لکھا ہو کہ کرامت مافوق الاسباب امر نہیں، بلکہ ماتحت الاسباب ہے۔ اگر کسی فاضل نے فلسفیانہ انداز میں گفتگو کرتے ہوئے کہا ہو کہ اگرچہ معجزہ وکرامت میں اسبابِ عادیہ نہیں پائے جاتے مگر ممکن ہے کہ کوئی اس میں مخفی سبب ہو تو اس کا موجودہ مافوق الاسباب، ماتحت الاسباب اصطلاح سے کیا واسطہ؟۔

خانصاحب معجزات کے مافوق الاسباب ہونے کا انکار کر کے نادانستہ طور پر اس بات کا اعتراف کر رہے ہیں کہ نبی اللہ علیہ السلام معجزہ کے اظہار پر قادر ہیں۔

۷: غیر اللہ تعالیٰ سے طلب حاجات کو علی الاطلاق شرک کہنا بداہۃً باطل ہے اس فتویٰ کی زَد سے تو کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔

ہاں مخلوق میں سے کسی کو بھی متصرف بالذات سمجھ کر اس سے حاجت طلب کرنا شرک ہے۔ متصرف بالذات صرف اللہ تعالیٰ ہے، باقی سب متصرف بالعطاء ہیں۔ اس واقعہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے جن وانس سے حاجت طلب کی اور فرمایا: "اَیُّکُمْ یَأْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّأْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ" وہ سب عبد تھے، کوئی بھی اِلٰہ نہیں تھا، تو آپ نے بندوں سے حاجت طلب کی اور حاجت بھی غائبانہ۔

"نورِ ہدایت" میں کئی دفعہ ذکر ہو چکا ہے کہ "خانصاحب فکر" کا مخصوص ٹولہ ایسے فتوے داغتا ہے جن کی زَد سے کوئی بھی محفوظ نہیں۔ ان کے اکابر بلکہ وہ خود بھی ان سے نہیں بچ سکتے۔

۸: مؤلف مذکور کا یہ سمجھنا کہ اس کرامت کے اظہار میں ولی کے قصد کا کوئی تعلق نہیں ایسا سمجھنا سراسر باطل ہے۔ تو کیا حضرت آصف بن برخیا کا فرمان " انا اٰتیک به " کلام بغیر قصد کے اضطراری جاری ہو گیا تھا۔ مؤلف مذکور اس کی وضاحت کریں۔

استدلال (۶) تصرفات عیسیٰ علیہ السلام در امور تکوینیہ :

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا ۢبِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ

(اے عیسیٰ) اور جب تو مٹی سے پرندکی سی مورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی اور تو مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا۔ (سورة المائدة آیت ۱۱۰)

" دفعِ تکالیف" اور " سلبِ امراض" امور تکوینیہ سے ہے، جیسا کہ مفصلاً مقدمہ کتاب میں مذکور ہوا۔ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو فرما رہا ہے کہ تم میرے حکم سے اندھے، مادر زاد کو اچھا کرتے اور کوڑھی کو صحت بخشتے اور مُردوں کو میرے اذن سے زندہ کرتے ہو۔

معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو امور تکوینیہ میں اتنا تصرف واختیار حاصل تھا کہ آپ کے درِ دولت سے اندھوں کو آنکھیں، بیماروں کو شفا نصیب ہوتی تھی اور وہ بھی مافوق الاسباب کے طور پر بغیر کسی دوا وعلاج ظاہری کے۔

حزبِ مخالف: یہ ٹھیک ہے کہ روح اللہ علیہ السلام کی جانب امور تکونیہ کی نسبت کی گئی ہے، مگر اس سے شرک کا جواز کیسے معلوم ہوا؟ شرک تو ہم جب کہتے کہ اُنکا اختیاری فعل مانا جائے، حالانکہ لفظ باذنی سے روشن ہوتا ہے کہ انکا اختیاری فعل نہ تھا۔

خادم اہل سنت:

(الف) کلمہ باذنی سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس تصرف فرمانے میں عیسیٰ علیہ السلام مشیت ایزدی، حکم خداوندی کے پابند تھے۔ اس سے فعل کے اختیاری ہونے کی نفی کیسے ثابت ہوئی؟ ہمارا کھانا، پینا، چلنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، غرضیکہ ہر حرکت

مشیت الٰہی اور حکمِ خداوندی کے تابع ہے۔ اس کے خلاف نہیں ہو سکتی۔

لیکن اس کے باوجود حزب مخالف بھی انسانوں کے افعال کو اختیاری فعل مانتا ہے، جو اس کے قصد و اختیار سے ہوتے ہیں۔ ہاں فرقہ جبریہ مخذولہ کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان مجبور محض، جمادات کی طرح ہے؛ کیونکہ یہ اپنے افعال میں مشیت ایزدی، اذن خداوندی کا محتاج ہے۔ اس قسم کا اعتراض تو جبریہ کو کرنا چاہئے نہ کہ سنیت کا دعویٰ کرنے والوں کو۔

(ب) معترض کے طرز استدلال سے تو لازم آئیگا، کہ عیسیٰ علیہ السلام میں مٹی سے صرف مورتی بنانے کی طاقت بھی نہ ہو [کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم مٹی کی مورتی میرے اذن سے بناتے ہو] حالانکہ مٹی سے مختلف شکلیں تو چھوٹے چھوٹے بچے بھی اپنے قصد و اختیار سے بنا لیتے ہیں۔ سوچ کر بات کرنی چاہیئے۔

(ج) اصطلاح معانی میں اس نسبت کو "حقیقیه عطائیه" کہہ سکتے ہیں نہ کہ مجازیه محضه اس کی وضاحت ان آیات مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جن میں عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: میں ایسا کرتا ہوں۔ جو فعل کے اختیاری ہونے کی دلیل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْراً بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاُبْرِیءُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ (پ۳ آل عمران ع۵ آیت ۴۹)	بیشک میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مار… ہوں تو وہ فوراً پرندہ ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے۔ اور میں شفاء دیتا ہوں مادر زاد اندھے… اور سفید داغ والے کو۔ اور میں مردے جلا… ہوں اللہ کے حکم سے۔ اور تمہیں بتاتا ہوں جو… کھاتے ہو اور جو تم گھروں میں جمع کر رکھ… ہو۔ بیشک ان باتوں میں تمہارے لئے بڑ… نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

سیدنا روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کے سامنے اپنی حقانیت وصداقت کے یہ دلائل پیش کیے کہ مٹی کی مورتی میں پھونک مارتا ہوں تو وہ پرندہ بن جاتی ہے اندھے اور کوڑھی (سفید داغ) کو باذن اللہ شفا دیتا ہوں اور مردہ کو زندہ کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ تمہیں غیب کی باتیں بتاتا ہوں واقعی ایک ایمان دار کیلئے اس میں کافی سامانِ اطمینان موجود ہے لیکن......

گر نہ بیند بروز شپرہِ چشم　　　چشمہ آفتاب را چہ گناہ ست

خانصاحب کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ:

کیا ''باذن اللہ'' فعل کے غیر مقدور ہونے کی دلیل ہے؟ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر خرقِ عادت افعال کے صدور سے ''نورِ ہدایت'' میں جو استدلال کیا گیا ہے اسے تین سوالات کی صورت میں خانصاحب نے رد کیا۔ ''راہِ ہدایت'' کی پوری عبارت نقل کر کے اس کا تنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے۔

خانصاحب: ''٦ اللہ رب العزت نے عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ایک ایک کر گنائے ہیں مگر ساتھ ہی بتا دیا ہے کہ یہ سارے کام انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے کئے تھے باختیار خود کچھ بھی نہیں کیا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔''

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْئَةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَیَكُوْنُ طَیْرًاۢ بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ (پ ٧، مائدۃ، آیۃ ١١٠)

اور جب تو بناتا تھا گارے سے پرندے کی صورت میرے حکم سے پھر تو پھونک مارتا تھا اس میں تو ہو جاتا تھا اڑنے والا میرے حکم سے اور اچھا کرتا تھا تو مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب تو نکال کھڑا کرتا تھا (زندہ کر کے) مُردوں کو میرے حکم سے

لفظِ بِاِذْنِیْ (اور دوسرے مقام پر بِاِذْنِ اللّٰہ) بار بار محض اس لئے دُہرایا گیا ہے کہ اگرچہ اِن معجزات کا صدور تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ہوا تھا مگر ان کا ان میں کسب اور اختیار کچھ نہ تھا بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کے افعال تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کے ہاتھ پر صادر ہوئے تھے۔ مؤلف نور ہدایت معجزات عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے اختیاری اور کسبی افعال اور مافوق الاسباب امور کہتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اُمورِ تکوینیہ میں اتنا تصرف واختیار حاصل تھا کہ آپ کے درِ دولت سے اندھوں کو آنکھیں اور بیماروں کو شفا نصیب ہوتی تھی اور وہ بھی مافوق الاسباب کے طور پر بغیر کسی دَوا وعلاج ظاہری کے (ص ۵۹ وص ۶۰)

اور آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات میں کسب واختیار کو بزعم خود ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر ایسا نہ ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہی کیا ہے؟ اِن کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ '' حالانکہ مٹی سے مختلف شکلیں تو چھوٹے چھوٹے بچے بھی اپنے قصد واختیار سے بنا لیتے ہیں کوئی بات سوچ کر کرنی چاہیے۔''
(ص ۶۰ وص ۶۱)

مگر افسوس ہے کہ مؤلف مذکور کو معجزہ کی حقیقت ہی معلوم نہیں اور خود انہوں نے سوچ کر بات ہی نہیں کی کہ وہ (معجزہ) ایک غیر اختیاری اور ماتحت الاسباب فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے جیسا کہ عرض کر چکے ہیں۔ مٹی کی شکلیں کمہار اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی بناتے مگر لاکھ مرتبہ بھی ان میں اگر یہ پھونکیں ماریں تو ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ جان نہیں ڈالتا کیونکہ ایسا کرنا باوجودیکہ یہ قدرت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے لیکن عام سنت اللہ کے خلاف ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فعل نے مٹی کی بے جان مورتیوں میں جان ڈالی تھی بس یہی فرق ہے نہ یہ کہ جان ڈالنا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اختیار سے تھا جیسا کہ مؤلف نے از روئے جہالت یہ سمجھا ہے۔ کیا ہی خوب کہا گیا ہے کہ: ع ہر پھونکنے والے کو مسیحا نہیں کہتے۔

انتھیٰ بلفظہٖ (راہِ ہدایت ص ۸۵، ۸۶، ۸۷)

خادم اہل سنت:

کیا ''باذن اللہ'' فعل کے غیر اختیاری ہونے پر نص ہے؟

الف: حزب مخالف معجزات کے غیر اختیاری ہونے پر کلمہ ''باذن اللہ'' سے عوام کو دھوکہ دیتا ہے اس لئے اس اصطلاح کی وضاحت ضروری ہے۔

قرآن مجید میں جن افعال کے صدور میں ''باذن اللہ'' یا ''باذنی'' کا ذکر آیا ہے، کیا ایسے سارے افعال مخلوق کی قدرت واختیار سے بالکل باہر ہیں۔ اضطراری طور پر انکے ہاتھوں پر اللہ نے ظاہر فرمائے، حزب مخالف کے عوامی مقررین سے کئی دفعہ کہتے ہوئے سنا ہے:

> ''چونکہ معجزات باذن اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں اس لئے ایسے خرقِ عادت افعال محض فعل اللہ ہیں۔ انبیاء کرام سے ان کا صدور غیر اختیاری، غیر ارادی طور پر ہوتا ہے۔ کیونکہ ''باذن اللہ'' یا اس طرح کے کلمات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ایسے افعال کا اختیار اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا''

ایسا جاہلانہ استدلال سن کر کوئی تعجب نہ ہوتا تھا؛ کیونکہ مجمع میں بعض مقرر ایسے بودے دلائل پیش کرتے رہتے ہیں، مگر آبروئے دیوبند سرفراز خانصاحب گکھڑوی کی تالیف ''راہِ ہدایت'' کے مطالعہ سے انکشاف ہوا کہ ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔

کسی بھی صاحب علم نے یہ ضابطہ بیان نہیں کیا کہ قرآن حکیم کی جن آیات مبارکہ یا احادیث صحیحہ میں جن کاموں کے ساتھ باذن اللّٰہ یا باذن ربھم یا باذنی یا اَذِنَ اللّٰہ جیسے کلمات آتے ہیں یہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہیہ افعال بندوں کے قصد و اختیار سے اُن کے ہاتھ صادر نہیں ہوتے، بلکہ اضطراری طور پر اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے اُن کے ہاتھ پر ظاہر فرماتا ہے۔

ویسے تو ''اذن'' اور اس سے ماخوذ کلمات کئی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں سرِدست عام طور پر استعمال ہونے والے معنوں کا ذکر کیا جاتا ہے کہ اذن اور اس سے مشتق کلمات حسب موقع بمعنی اجازت، بمعنی حکم، امر یا بمعنی قدرت اور تقدیر ہوسکتا ہے۔ (خود خانصاحب نے اذن کا ترجمہ حکم کیا ہے) موقع کی مناسبت سے مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ

تعالیٰ نے بندوں کواس کام کی اجازت دی ہے جسے بندے کرسکتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، امر ہے کہ اس کام کو کریں، یا...... اس کا حکم ہے کہ اس کام سے بچیں (جبکہ برا کام ہو) یا...... یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت، تقدیر سے۔

یہ تسلیم ہے کہ بہت سے ایسے افعال ہیں جو بندوں کی قدرت میں نہیں یا بعض کے ہیں اور بعض کے نہیں، مگر یہ ضابطہ وقاعدہ ہرگز نہیں کہ جن افعال کے ذِکر میں باذن اللّٰہ ...... یا ...... باذنی ...... یا ...... باذن ربھم کلمات وارد ہوتے ہیں ایسے سب افعال بندوں کے لحاظ سے اضطراری وغیر اختیاری ہیں۔ "بندوں کا ان میں کسب اختیار کچھ نہ تھا۔"

اس مسئلہ کی وضاحت کیلئے قرآن مجید کی چند آیات مبارکہ پیش کی جاتی ہیں:

۱: فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ (پ۱۸، سورۃ النور، آیۃ ۳۶) ان گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا انکو بلند کرنیکا اور وہاں اسکا نام پڑھنے کا (محمود الحسن)

اس آیت کریمہ کو پڑھ کر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اہل ایمان کا مساجد تعمیر کرنا انہیں بلند کرنا، مساجد میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا، پڑھنا، اہل ایمان کے غیر اختیاری افعال ہیں، اس لئے کہ ان افعال کا حکم اللہ نے فرمایا ہے کہ انہیں بلند کیا جائے اس کا نام پڑھا جائے۔ جیسا کہ مؤلف راہِ ہدایت کا خیال ہے کہ باذنی یا باذن اللہ اِس لئے دہرایا گیا ہے کہ ان کے صدور میں ان کا کسب واختیار کچھ نہ تھا۔

۲: یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاo وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًاo (پ ۲۲، سورۃ احزاب آیۃ ۴۶) اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا بتانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور بلانے والا اللہ کی طرف اسکے حکم سے اور حکمت وچراغ (محمود الحسن)

کیا رسول اللہ ﷺ کا دعوت الی اللہ تعالیٰ دینا، شب وروز سفر وحضر میں تبلیغ کا اعلیٰ انداز سے فریضہ انجام دینا، غیر اختیاری عمل تھا؟ نہیں، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت سے

رسول اللہ ﷺ کا اختیاری فعل تھا۔ جو آپ بہ نیت خیر، قصد و اختیار سے بجالاتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے۔

۳: وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ○ اور کوئی ان میں آگے بڑھ گیا ہے لے کر خوبیاں اللہ کے حکم سے یہی ہے بڑی بزرگی۔ (محمود الحسن)
(پ ۲۲، سورۃ فاطر آیۃ ۳۲)

کیا اہل ایمان کا اعمال صالحہ بجالانا نیک کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنا غیر قصدی و غیر اختیاری افعال ہیں؟ نہیں، بلکہ اہل ایمان اپنے قصد و اختیار سے بھلائیاں جمع کرنے کیلئے مسابقت کی کوشش کرتے تھے۔

۴: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے فرمانے سے۔ (محمود الحسن)
(پ ۵، سورۃ نساء آیت ۶۴)

اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی توفیق و عطا سے، اس کے فضل و کرم سے، اپنے قصد و اختیار سے، بحسن نیت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بجالاتے رہے ہیں۔ لا رہے ہیں۔ اور بجا لاتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے اِس اطاعت گزاری پر فضل عمیم کے حقدار ہونگے۔ اگرچہ تمام افعال باذن اللہ تعالیٰ بجالائے جاتے ہیں، مگر انہیں کوئی غیر قصدی، غیر اختیاری نہیں کہہ سکتا، بلکہ بداھۃً انہیں ''اختیاری فعل'' سمجھا جاتا ہے۔

۵: مَاقَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰٓی اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا درخت یا رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر سو اللہ کے حکم سے (محمود الحسن)
(پ ۲۸، سورۃ الحشر ۵)

غزوہ بنی قریظہ کے موقع پر کھجوروں کے درخت فتح یابی میں رکاوٹ بن رہے تھے۔ جنگی حکمت عملی کے تحت رکاوٹوں کا ہٹانا ضروری تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رکاوٹ بننے والے درختوں کو کاٹ دیا۔ یہود و منافقین نے اس جنگی

ت عملی کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ مسلمانوں نے فساد فی الارض کا ارتکاب
کیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی تسلی فرمائی کہ تمہارا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی اجازت
سے ہے۔ اہل ایمان مجاہدین نے جنگ کے موقع پر کھجوریں باذن اللہ تعالیٰ اپنی قوت بازو
سے کاٹیں اور کچھ قصداً چھوڑ دیں۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ صحابہ کرام کا یہ جہادی عمل غیر
اختیاری غیر قصدی تھا؟ کیونکہ صحابہ نے درخت کاٹنے کا فعل باذن اللہ [اللہ کے حکم سے کیا
ہے] کوئی بھی صاحب عقل مجاہدین کے کھجوریں کاٹنے کے فعل و عمل کو غیر اختیاری،
اضطراری نہیں کہہ سکتا۔

صحابہ کرام خداداد قوت سے اپنے قصد و اختیار سے یہ فعل بجالائے اور عظیم اجر و
ثواب کا انعام پایا۔

الحمد للہ العظیم اپنے دعویٰ پر قرآن عزیز کی کئی آیات تبرّکاً تیمّناً لکھ
دیں۔ حالانکہ اثبات مسئلہ کیلئے ایک نص بھی کافی ہے۔

قارئین کتاب کو یہ بات ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ حزب مخالف کسی اور کے فعل
پر باذن اللہ کا ذکر آئے تو اس کا اور معنی لیتے ہیں جبکہ نبی علیہ السلام کے معجزہ کی بات ہو تو ان کا
دوسرا معیار ہوتا ہے۔

ان آیات مبارکہ اور دیگر کئی آیاتِ مقدسہ میں حزب مخالف جو مفہوم مراد لیتا ہے،
وہی مفہوم نبی کی شان میں کیوں نہیں لیتا؟ ان میں فرق کرنے کیلئے صریح الدلالۃ نص قطعی
کی ضرورت ہے۔ حزب مخالف کے پاس اگر کوئی قطعی دلیل نہیں تو کمالاتِ نبوت کے
انکار سے باز رہے بلکہ توبہ کرے۔ آیات کا ترجمہ انہی کے بزرگ کا نقل کیا گیا ہے، تاکہ
کچھ تو احساس کریں اپنے بڑوں کی کہی ہوئی بات کا۔

ب) خانصاحب: ''کہ وہ (معجزہ) ایک غیر اختیاری اور ماتحت الاسباب فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عرض کر چکے ہیں''۔

(راہ ہدایت ص67)

خادم اہل سنت:

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مؤلف راہِ ہدایت نے اعتراف کر ہی لیا کہ معجزہ ماتحت الاسباب فعل ہوتا ہے جبکہ دیگر کئی مقامات پر اپنے اس نظریہ کو...... معجزہ غیر اسبابی فعل ہوتا ہے کے...... پردہ میں چھپا کر لکھتے رہے، تا کہ حسب ضرورت تاویل کی جا سکے۔ انہی عبارات کی روشنی میں خادم اہل سنت نے کئی مقامات پر لکھا کہ مؤلف راہِ ہدایت ''معجزہ مافوق الاسباب فعل نہیں'' ......یا......

''یہ کہ معجزہ کو غیر اسبابی ماننا درست نہیں''

وغیرہ عبارات لکھنے کی بجائے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ معجزہ ماتحت الاسباب فعل ہے۔ آخر اس مقام پر اس کا اعتراف کر ہی لیا۔ الحمد للہ.

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف راہِ ہدایت (خانصاحب) یہ عبارت لکھتے وقت انتہائی حالت غضب میں تھے......یا...... لاجواب ہو کر ایسے لکھا۔ وگرنہ معجزہ کو ماتحت الاسباب فعل کہنا، ماننا، اور پھر غیر اختیاری کہنے کی کیا تُک ہے۔ ماتحت الاسباب افعال یعنی عادی اسباب کے ذریعے صادر ہونیوالے افعال یقیناً اختیاری افعال کہلاتے ہیں۔ ایسے افعال کو نبی اللہ علیہ السلام کیلئے غیر اختیاری، اضطراری کہنا فاضل دیوبندی کی تحقیق ہو سکتی ہے۔

خانصاحب کی کئی عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''محل نزاع'' ...... مافوق الاسباب ہے...... ماتحت الاسباب افعال میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ بالاتفاق فریقین ماتحت الاسباب افعال انسان کے کسب واختیار سے صادر ہوتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ خانصاحب کے عقیدہ میں معجزات نبی کے کسب واختیار سے ظاہر ہوئے کیونکہ معجزہ ماتحت الاسباب فعل ہے۔

ج) خانصاحب: مٹی کی شکلیں کمہار اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی بناتے ہیں مگر لاکھ مرتبہ بھی ان میں یہ پھونک ماریں تو ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ جان نہیں ڈالتا۔ (راہ ہدایت ص 87)

خادمِ اہل سنت:

خانصاحب نے نُورِ ہدایت کی اِس عبارت:...... "کہ حالانکہ مٹی سے مختلف شکلیں تو چھوٹے چھوٹے بچے بھی اپنے ہاتھ سے اختیار سے بنالیتے ہیں کوئی بات سوچ سمجھ کر کرنی چاہیے"...... کے ردّ میں مذکورہ بالا عبارت لکھی ہے۔ کاش کہ خانصاحب خادم اہل سنت کے اس جملہ پر ذرا بھی غور کرتے کہ "کوئی بات سوچ سمجھ کر کرنی چاہیے" تو اتنی شدید ٹھوکر نہ کھاتے۔ گمان یہی گذرتا ہے کہ وہ اس تنبیہ کا منشاء سمجھ چکے تھے، مگر عمداً قاری کو برگشتہ راہ کرنے کی کوشش کی اور اگر اس تنبیہ کو نہیں سمجھ سکے تو اَب سمجھنے کی کوشش کریں۔ میرے کلام کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی:

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِىْ اور جب تو بناتا تھا گارے سے پرندے کی صورت میرے حکم سے

ان کلمات طیبات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گارے سے پرندے کی صورت، شکل بنانے والے فعل پر اللہ نے فرمایا: باذنی، تو کیا یہ کہا جائے گا؟ کہ مٹی سے پرندے کی شکلیں بنانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اختیاری فعل نہیں تھا۔ بلکہ غیر اختیاری، اضطراری فعل تھا؛ کیونکہ اس فعل پر بھی "باذنی" کا ذکر آیا ہے۔

لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ،

جناب خانصاحب کو اس پر بھی غور کرنا چاہیئے تھا کہ اس آیت کریمہ میں كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ اور فَتَكُوْنُ طَيْراً پر الگ الگ باذنی کا کلمہ آیا ہے۔ اگر اس پر توجہ فرمالیتے تو انہیں "لاکھ مرتبہ بھی ان میں پھونک ماریں تو ان پر جان نہیں ڈالتا" لکھنے کی تکلیف نہ فرماتے۔

خانصاحب میرے استدلال کا جواب تو نہ دے پائے، البتہ کلام کا رُخ اور طرف موڑنے کی کوشش کی۔ قارئین کرام کے پیش نظر یہ بات رہے کہ ان کلمات طیبات میں صرف مٹی سے مجسمے بنانے کا ذکر ہے جس پر "باذنی" فرمایا گیا ہے، ان کلمات میں روح پھونکنے کا ذکر نہیں ہے مورتیوں میں پھونک مارنے اور جان آنے کا ذکر اسکے بعد آتا ہے۔

استدلال (٦) قال اللہ تعالیٰ

فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ○

(پ ١٦ سورۃ کھف آیۃ نمبر ٧٧)

پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں کے پاس آئے ان دہقانوں سے کھانا مانگا انہوں نے انہیں دعوت دینی قبول نہ کی پھر دونوں نے ایک دیوار پائی کہ گرا چاہتی ہے اس بندے نے اسے سیدھا کر دیا موسیٰ نے کہا تم چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے۔

(کنزالایمان)

پس منظر: کمالات واعزازات خضر علیہ السلام

حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور حضرت خضر علیہما السلام کی ملاقات اور باہم سفر کرنے کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں تفصیل سے موجود ہے۔ اس سفر میں نہایت عجیب وغریب واقعات ظاہر ہوئے۔ انہیں میں سے یہ واقعہ بھی ہے کہ جب سفر کے آخری حصہ میں دونوں حضرات ایک گاؤں سے گذرے تو اس بستی والوں سے کھانا دینے کی خواہش کی، مگر انہوں نے بے مروتی کا مظاہرہ کیا اور ان کی مہمان نوازی کرنے سے گریز کیا۔ اس بستی میں ایک دیوار بوسیدہ ہونیکی وجہ سے گرنے کیلئے جھک چکی تھی، دیکھنے میں یہ خیال گذرتا تھا کہ ابھی گری۔ راہ گذر ڈرتے ڈرتے وہاں سے گذرتے تھے

ان حضرات کا جب اس دیوار کے پاس سے گذر ہوا تو اس بندۂ خاص حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ کا اشارہ کر کے بطور خرق عادت اس دیوار کو سیدھا کر دیا اور اپنی اصلی

حالت میں قائم فرما دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر کہا: آپ چاہتے تو اس دیوار کی درستگی پر ان لوگوں سے معاوضہ لیتے جو کہ ہمارے سفر میں کام آتا۔ آیت بالا میں اسی واقعہ کا بیان ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے یا ولی؟ اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک گروہ آپ کو نبی مانتا ہے۔ ان اہل علم کی تحقیق میں "والصحیح انه نبی محجوب عن الأبصار" صحیح قول یہی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، ابھی تک زندہ ہیں، عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔

اسی قول کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام کے اس خرق عادت کام کو "معجزہ" سے تعبیر کیا جائیگا۔ دوسرے گروہ کی رائے کے مطابق یہ کارنامہ "کرامت" سے موسوم ہوگا، تاہم اس سے اصل موضوع پر کوئی فرق نہیں پڑتا؛ کیونکہ معجزہ اور کرامت دونوں ہی "خرق عادت فعل" ہیں۔

اس آیت کریمہ کے ذکر سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کا گرنے والی دیوار کو ہاتھ کے اشارہ سے سیدھا کر دینا خرق عادت فعل ہے۔ آپ کے اس معجزہ میں اسباب عادیہ نہیں پائے جاتے۔ اس لئے اسے مافوق الأسباب العادیہ سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

دوسرے یہ ثابت کرنا ہے کہ جس طرح کشتی کا توڑنا اور لڑکے کا قتل کرنا حضرت خضر کا اختیاری فعل ہے، اسباب عادیہ کے تحت آپ نے اپنے قصد و اختیار سے کیا۔ دیوار کو بطور خرق عادت سیدھا کر دینا بھی آپ کا اختیاری فعل تھا۔ اسے بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خصوصی قوت سے انجام دیا۔

قرآن کریم کے کلمات: ''فَأَقَامَه'' تو آپ نے اسے سیدھا کر دیا، اس میں بطور خرق عادت دیوار کو سیدھا کر دینے کی نسبت آپ کی طرف ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ کہنا ''لوشئت لتخذت علیه اجراً'' آپ چاہتے تو اس پر اجر و معاوضہ لیتے'' اُجر و معاوضہ اختیاری کاموں پر لیا دیا جاتا ہے۔

اور پھر حضرت خضر علیہ السلام کا کہنا: ''وَمَا فَعَلْتُه عَنْ أَمْرِیْ'' یہ تینوں افعال میں نے اپنی رائے واجتہاد سے انجام نہیں دیئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کئے۔

آیت کریمہ کے ان حصوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے تین عجیب کام کئے ہیں اور یہ تینوں افعال آپ نے اپنے قصد وارادہ اور کسب سے انجام دیئے۔

یاد رہے ''مافعلته عن امری'' سے نفس فعل کی نفی مراد نہیں بلکہ یہ جملہ مبارکہ انما فعلته کے حکم میں ہے۔ مفسرین کرام نے بھی یہی معنیٰ سمجھا جسے اپنی اپنی تصنیفات میں تحریر فرمایا۔

اہل تفسیر کے حوالہ جات کا آغاز خود خانصاحب کے گھر سے کیا جاتا ہے۔ اپنے دعویٰ پر پہلی دلیل ان کے حکیم الامت تھانوی صاحب کی تفسیر بیان القرآن سے پیش کی جا رہی ہے۔

بیان القرآن میں ہے:

فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُرِیْدُ أَنْ یَّنْقَضَّ فَأَقَامَه' اتنے میں ان کو وہاں ایک دیوار ملی جو گرا ہی چاہتی تھی تو ان بزرگ نے اس کو سیدھا کر دیا۔

تفسیر: اتنے میں انکو وہاں ایک دیوار ملی جو گرا ہی چاہتی تھی تو ان بزرگ نے اسکو ہاتھ کے اشارہ سے (بطور خرق عادت کے) سیدھا کر دیا۔

مسائل السلوک:

قولہ تعالیٰ ''فأقامه'' بخاری کتاب التفسیر میں سعید سے روایت ہے کہ اس دیوار پر ہاتھ پھیر دیا اور وہ سیدھی ہوگئی پس اس تفسیر پر اس میں کرامات اولیاء کا اثبات ہے

''وَمَا فَعَلْتُہ، عَنْ اَمْرِیْ''

ترجمہ: اور کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔

تفسیر: اور یہ سارے کام میں نے بالہام الٰہی کئے ہیں ان میں سے کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔''

(بیان القرآن پ ۱۶ سورۃ کہف آیت ۷۷ تا ۸۲ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

تھانوی صاحب کی تحقیق کا مطلب بالکل واضح ہے کہ حضرت خضر کا اس دیوار کو سیدھا کرنا خرق عادت کام ہے۔ آپ نے ہاتھ کا اشارہ کر کے فوری طور پر دیوار درست کر دی۔ یہ آپ کی کرامت رمعجزہ ہے۔ آپ یہ خرق عادت فعل اللہ تعالیٰ کے حکم سے بجالائے

خان صاحب کو چاہئے کہ تھانوی صاحب کی عبارت:......

''ہاتھ کے اشارہ سے بطور خرق عادت کے سیدھا کیا۔

اور یہ سارے کام (افعال) میں نے بالہام الٰہی کئے''

......بار بار پڑھیں اور بتائیں کہ خرق عادت، معجزہ، کرامت کو حضرت خضر کا فعل کسی یہودی نے کہا...... یا...... ان کے حکیم الامت تھانوی صاحب نے؟ اور اسے ثابت بھی قرآن حکیم سے کیا۔

دیکھنا ! کہیں اپنا گھر ہی تو نہیں جل رہا

قاضی شوکانی تفسیر فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

ومعنى فأقامه فسوّاه لانه وجده مائلاً فرده كما كان **وقيل نقضه وبناه وقيل أقامه بعمود** . وقد تقدم فى الحديث الصحيح أنه مسحه بيده ...... قال الفراء	فاقامه کا معنی: تو آپ نے اس دیوار کو سیدھا، درست کر دیا کیونکہ آپ نے اسے ایک طرف جھکا ہوا پایا تو دیوار کو جیسے پہلے تھی ویسے ہی حالت پر لوٹا دیا۔ بعض نے کہا ہے کہ دیوار کو توڑ کر اسے بنایا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ستونوں سے اس کو کھڑا کیا (لیکن) تحقیق حدیث صحیح کے حوالہ

معناه لوشئت لم تقمه حتى يقرونا فهو الأجر.
تفسير فتح القدير ص ۳۰۳ ج ۳، پ ۱۶ سورة كهف آية نمبر ۷۷)

سے گذر چکا ہے کہ اس بندۂ خاص نے اس دیوار پر اپنے ہاتھ سے مسح فرمایا...... فراء نے کہا: حضرت موسیٰ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ چاہتے تو اس کو کھڑا نہ کرتے یہاں تک کہ وہ لوگ ہماری مہمان نوازی کرتے یہی اجر و معاوضہ ہے

اس عبارت کا مفہوم بھی واضح ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے اختیار سے اسے درست کیا، آپ نہ چاہتے تو نہ کرتے۔ یہ آپ کے اختیاری فعل ہونے کی روشن دلیل ہے۔

فائدہ: علامہ شوکانی کی تحریر سے معلوم ہوا کہ حدیث صحیح سے یہ ثابت ہے کہ اس بندہ خاص نے اپنے ہاتھ کے اشارہ سے خلاف عادت اس دیوار کو سیدھا کر دیا۔ باقی رہا بعض مفسرین کا یہ احتمال بیان کرنا کہ ''بعض نے کہا ہے کہ آپ نے اسے توڑ کر از سر نو تعمیر کیا'' قطع نظر اس کے کہ اس احتمال کی کیا حیثیت ہے؟ اس سے بھی اصل مسئلہ میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا؛ کیونکہ بعض مفسرین نے اس دیوار کی اونچائی اور لمبائی جتنی بتائی ہے اس کے مطابق دنوں میں نہیں بلکہ مہینوں میں کئی افراد کی محنت شاقہ سے اتنی بڑی دیوار تعمیر کی جاسکتی ہے، مگر حضرت خضر علیہ السلام کا اتنی بڑی دیوار کو تنِ تنہا توڑنا، اسی وقت بنا دینا، یہ بھی خرق عادت فعل ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کے مطابق کھانا بھی دیوار کے مکمل ہونے پر لیا جاسکتا ہے۔

امام نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فَأَقَامَهُ بِيَدِهِ أَوْ مَسَحَهُ بِيَدِهِ فَقَامَ وَاسْتَوٰى أَوْ نَقَضَهُ وَبَنَاهُ ......
''لَوْ شِئْتَ لَا تَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا''

اللہ تعالیٰ کے قول '' فَأَقَامَهُ '' کا معنی یہ ہے کہ پس حضرت خضر نے ہاتھ کا اشارہ کر کے اس دیوار کو سیدھا کر دیا یا اس پر اپنا ہاتھ پھیرا وہ کھڑی اور سیدھی ہوگئی یا آپ نے اسے توڑ کر بنا دیا۔

أَيْ لَطَلَبْتَ عَلٰى عَمَلِكَ جُعْلَهُ حَتّٰى تَسْتَدْفِعَ بِهِ الضَّرُوْرَةَ... اگر تو چاہتا ہے تو اس پر اجر لیتا یعنی اپنے اس فعل پر معاوضہ لیتا تا کہ اپنی ضرورت کو پورا کرتا۔

"وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِیْ" عَنْ اِجْتِهَادِیْ وَاِنَّمَا فَعَلْتُهُ بِاَمْرِ اللهِ.
مدارک التنزیل (ج ۲ ص ۹۶۹..... ۹۷۰)طبع قدیمی کتب خانہ کراچی

وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِیْ (اور نہیں کیا اپنے امر سے) اپنے اجتہاد سے۔ میں نے اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے۔

حضرت امام نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی دیوار کے خرق عادت کے طور پر درست کرنے کو خضر کا عمل اوران کا فعل بتایا ہے۔

امام الصاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان آیات کی تفسیر میں لکھا:

(لو شئت لتخذت عليه أجرا) أى كان ينبغى لك أخذ جعل منهم على فعلك. (وما فعلته) أى ما ذكر من خرق السفينة وقتل الغلام واقامة الجدار (عن أمرى) أى إختيارى بل بأمر الهام من الله.
جلالین مع الصاوی ص ۳۲، ۳۴ طبع دار احیاء التراث بیروت پ ۱۶ سورۃ کہف آیۃ نمبر ۷۷، ۸۲

(اگر تو چاہتا تو اس پر اجر لیتا) یعنی تجھے چاہئے تھا کہ اپنے اس فعل پر ان لوگوں سے معاوضہ لیتا (وما فعلته اور یہ نہیں کیا) یعنی جو کچھ ذکر کیا گیا ہے۔ کشتی کا توڑنا، لڑکے کا قتل کرنا، دیوار کو سیدھا کھڑا کرنا (اپنے امر سے) یعنی اپنے اختیار و اجتہاد سے نہیں کیا بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے الہام سے کیا۔

اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ اس دیوار کو بطور خرق عادت سیدھا کرنا حضرت خضر علیہ السلام کا اختیاری فعل تھا جیسے کہ کشتی کا توڑنا، غلام کا قتل کرنا اختیاری افعال تھے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مفسر کے قول فعلک میں اس پر دلیل ہے کہ معجزہ وکرامت کو نبی، ولی کا فعل کہا جاتا ہے۔

امام خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(فاقامه) أى سواه وفى حديث ابى (تو آپ نے اسے کھڑا کردیا) یعنی اس دیوار کو

بن كعب عن النبى ﷺ فقال الحضر بيده هكذا فأقامه . (لو شئت لتخذت عليه أجرًا) يعنى علىٰ اصلاح الجدار جعلا والمعنى انک قد علمت انا جياع وان اهل القرية لم يطعمونا فلو اتخذت على عملک اجراً (وما فعلته عن امرى)أى باختيارى و رأى بل فعلته بأمر الله والهامه.

معالم التنزیل(تفسیر خازن) ج۳ ص ۲۲۰
پ۱۶ سورۃ کھف آیۃ نمبر ۷۷، ۸۲
طبع نعمانی کتب خانہ لاہور

درست کر دیا ۔ابی بن کعب کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے تو حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کا ایسے اشارہ کر کے اس دیوار کو سیدھا کھڑا کر دیا۔ (اگر تو چاہتا البتہ اس پر اجر لیتا) یعنی دیوار کے درست کرنے پر معاوضہ لیتا اس کا مطلب یہ ہے کہ اے خضر تجھے علم ہے کہ ہم بھوکے ہیں اور بستی والوں نے ہمیں کچھ نہیں کھلایا تجھے چاہئیے تھا کہ اپنے اس عمل پر ان لوگوں سے اجرت لیتا۔ (اور یہ کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا) یعنی اپنے اختیار اپنی رائے سے۔ بلکہ (دیوار کا درست کرنا وغیرہ) یہ فعل میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم والہام سے کئے۔

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روح المعانی میں لکھتے ہیں:

(فأقامه) مسحه بيده فقام كما روى عن ابن عباس و ابن جبير وقال القرطبى انه هو الصحيح وهو أشبه باحوال انبياء عليهم السلام. وكان طول هذا الجدار إلى السماء على ما نقل النووى عن وهب بن منبه مائة ذراع ونقل السفيرى عن الثعلبى انه كان سمكه مائتى ذراع بذراع تلک القرية وكان طوله على وجه الارض خمس مائة ذراع وكان عرضه خمسين ذراعا وكان

(فاقامہ) اس دیوار پر اپنا ہاتھ پھیرا تو وہ کھڑی ہوگئی جیسا کہ ابن عباس اور ابن جبیر سے روایت کیا گیا ہے قرطبی نے کہا یہی صحیح ہے اور یہی معنی انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کے احوال کے زیادہ لائق ہے۔ اس دیوار کی بلندی آسمان کی طرف جیسا کہ امام نووی نے وہب بن منبہ سے نقل کیا (۱۰۰) گز تھی اور سفیری نے ثعلبی سے روایت کی کہ اس دیوار کی اونچائی وہاں کے رائج آلہ پیمائش کے اعتبار سے (۲۰۰) گز تھی زمین پر لمبائی (۵۰۰) گز اور چوڑائی ۵۰ گز تھی لوگ اس کے نیچے سے گذرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

الناس يمرون تحته على خوف یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول منه.(واللہ اعلم بالصواب) (لوشئت لاتخذت عليه اجرا) (لوشئت لَتَخذت عليه أجرا) حضرت خضر علیہ السلام کو راغب کرنے تحريضا للحضر عليه السلام اوراس خواہش کے اظہار کیلئے ہے کہ وحثا علىٰ اخذ الجعل والاجرة حضرت خضر اپنی اس فعل پر اجرت و علىٰ فعله . معاوضہ حاصل کرتے۔

(روح المعانی ج ۹ ص ۷ مکتبہ امدادیہ ملتان)

علامہ آلوسی نے (وما فعلته عن امری) کی تفسیر میں بھی یہی بتایا کہ حضرت خضر علیہ السلام کا یہ فعل اللہ کے حکم سے تھا خود انکی رائے یا اجتہاد سے نہیں تھا۔

علامہ آلوسی کی تفسیر بھی ہمارے دعوی کی روشن تنویر ہے انہوں نے بھی حضرت خضر علیہ السلام سے خرق عادت (معجزہ رکرامت) کے اظہار کواُن کا فعل کہا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

(فاقامه)أى فرده إلى حالة الإستقامة وقد تقدم فى الحديث انه لرده' بيده ودعمه' حتى رد مَيلَه' وهذا خارقٌ

تفسير ابن كثير صفحه ۱۶ ج ۳
طبع دار احياء التراث بيروت

قرآن پاک کے کلمات (فاقامه) کا مفہوم یہ ہے حضرت خضر نے اس دیوار کو ٹھیک ٹھاک حالت کی طرف لوٹا دیا اور حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے اس دیوار کو سیدھا کیا اور مضبوط کیا یہاں تک کہ اس کا ٹیڑھا پن ختم کر دیا آپکا یہ فعل خارق عادت (معجزہ رکرامت) ہے

حافظ ابن کثیر کی عبارت بھی واضح کر رہی ہے کہ دیوار کو درست کرنا خرق عادت کام تھا اور یہ کہ بطور خرقِ عادت دیوار کو سیدھا کر دینا اس بندہَ خاص کا فعل ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر ''مفاتیح الغیب'' میں لکھتے ہیں۔

(فاقامه) قيل نقضه ثم بناه وقيل أقامه بيده وقيل مسحه بيده فقام واستوى وكان ذلك من مُعجزاتِهِ...

(فاقامه) کہا گیا ہے آپنے اس دیوار کو توڑ کر بنایا اور کہا گیا ہے کہ ہاتھ سے سیدھا کھڑا کر دیا اور کہا گیا ہے کہ اپنا ہاتھ پھیرا تو دیور سیدھی کھڑی ہو گئی اور یہ (تصرف) آپکے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

(وما فعلته عن أمری) یعنی ما فعلت ما رایت من هذه الاحوال عن أمری واجتهادی ورأی وانما فعلته بامره ووحیه (تفسیر کبیر ج ۲۱ ص ۱۸۰، ۲۶۱ طبع ثالث)

(وما فعلته عن أمری) یعنی جو بھی احوال عجیبہ مجھ سے آپ نے ملاحظہ فرمائے ہیں یہ افعال میں نے اپنی رائے واجتہاد سے نہیں کئے اللہ تعالیٰ کے حکم اور وحی کی وجہ سے کئے۔

پ ۱۶ سورۃ کھف آیۃ نمبر ۷۷، ۸۲

حضرت امام فخرالدین رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ دیوار کا سیدھا کرنا، حضرت خضر علیہ السلام کا اختیاری فعل تھا، یہ فعل آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا، جسے آپ اپنے قصد وارادہ سے بحکم اللہ تعالیٰ بجالائے تھے۔

اتنے مفسرین کرام...... جن میں حزب اختلاف کے قابل اعتماد اپنے بزرگ بھی شامل ہیں...... نے حضرت خضر علیہ السلام کے اس خرقِ عادت، مافوق الاسباب العادیہ فعل کو معجزہ وکرامت کہا ہے۔ تمام مفسرین نے صاف طور پر لکھا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ یہ خرقِ عادت فعل بجالائیں۔

دل نہ آئے گل ولالہ کی رنگینی عبث آجائے تو کانٹوں سے بہل جاتا ہے دل

استدلال (۷)

امور تکوینیہ میں تصرف کرنے کی نسبت ملائکہ کی طرف متعدد آیاتِ کریمہ میں کی گئی ہے۔ رب قدیر عزّ برہانہ ارشاد فرماتا ہے۔

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ. (پ ۲۱ سجدہ، آیۃ ۱۱)

تم فرماؤ! تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف واپس جاؤ گے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِىٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ...... الآية (پ ۵ سورۃ النساء آیۃ ۹۷)

وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ ان سے فرشتے کہتے ہیں تم کاہے میں تھے؟

۱۲ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ (پ ۷ سورۃ انعام آیۃ ۶۱)

اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور تم پر نگہبان (فرشتے) بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ قصور نہیں کرتے۔

۱۳ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ...... الآیۃ (پ ۱۴ ع ۱۰ نحل ۲۸، ۲۷)

علم والے کہیں گے آج (قیامت) کے دن ساری رسوائی اور برائی کافروں پر ہے۔ وہ کہ فرشتے ان کی جان نکالتے ہیں اس حال پر کہ وہ اپنا برا کر رہے تھے۔

۱۴ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۝ (پ ۱۴ سور النحل آیۃ ۳۲، ۳۱)

اللہ ایسا ہی صلہ دیتا ہے پرہیز گاروں کو وہ جنکی جان نکالتے ہیں فرشتے ستھرے پن میں۔

۱۵ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (پ ۳۰ الانفطار آیۃ ۱۲، ۱۱، ۱۰)

اور بے شک تم پر کچھ نگہبان ہیں۔ معزز لکھنے والے، جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

۱۶ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝ (پ ۳۰ سورۃ الطارق آیۃ ۴)

کوئی جان نہیں جس پر نگہبان نہ ہو۔

سوال :- اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (پ ۲۴ سورۃ الزمر آیۃ ۴۲)

اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے انکی موت کے وقت

نیز قبض ارواح کی نسبت کہیں بہت سے فرشتوں اور کہیں ایک ملک الموت کی طرف کی گئی۔اس میں تطبیق کیسے ہوگی؟

جواب: مفسرین کرام نے اس سوال کو اس طرح حل فرمایا کہ قبض ارواح حقیقتاً بالذات اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، ملک الموت علیہ السلام کا فعل اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی عطا کردہ قوت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف قبض ارواح، توفی کی نسبت ذاتی حقیقی ہے اور ملک الموت علیہ السلام کی طرف عطائی ہے۔

چونکہ ملک الموت علیہ السلام روح کو جسم سے نکال کر اپنے ساتھیوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔آپ کے لشکری اس روح کو اس کے مناسب مقام پر پہنچاتے ہیں۔اس لئے ان کی طرف بھی اضافت کی گئی۔

غور فرمایئے ! ملک الموت عزرائیل علیہ السلام ایک ہیں۔لیکن قادر مطلق نے انہیں کتنا تصرف بخشا ہے کہ مشرق سے مغرب تک ایک ساعت میں کتنی جانوں کو بغیر کسی تکلیف، مشقت اور تاخیر کے قبض فرماتے ہیں۔

امام محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ معالم التنزیل سورۃ السجدہ رکوع اول میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے نقل فرماتے ہیں۔کہ:

"مشرق و مغرب کی مسافت ملک الموت علیہ السلام کے سامنے ایک قدم ہے"

حضرت امام مجاہد رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ:

"تمام روئے زمیں ملک الموت علیہ السلام کے سامنے ایک طشت (تھال) کی مثل ہے جہاں سے چاہیں قبض فرمالیں"

"مشرک گروں" کو اس پر غور فرمانا چاہئیے۔اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمادے۔آمین

استدلال (۸) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَا اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝

(پ ۵ ، سورۃ نساء آیت ۵۳،۵۴)

کیا ملک میں ان کا کچھ حصہ ہے؟ ایسا ہو تو لوگوں کو تل بھر نہ دیں۔ یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں۔ اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا۔ تو ہم نے تو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں بڑا ملک دیا۔

یہود نا بہبود آنحضرت ﷺ کی شانِ نبوت، علوِ مراتب، عظمتِ سلطنت دیکھ کر بخل وحسد کے انگاروں پر لوٹتے۔ جی میں کڑتے اور آتش غیظ میں جلتے اور کہتے کہ: ملک و نبوت کے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان جیسے اعتراضات کا جواب ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ حد درجہ بخیل ہونے کی وجہ سے سلطنت کے اہل ہی نہیں۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو سلطنت عظیم عطا فرمائی، خیر کثیر بخشی، تو یہ کیوں جلتے ہیں؟ آخر آپ بھی تو خاندان ابراہیمی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ نعمتیں خاندان ابراہیمی کو عطا ہوئیں۔

معلوم ہوا کہ خاندان ابراہیمی کو اللہ تعالیٰ نے بہت بھاری سلطنت عطا فرمائی اور تمام خاندان کے افراد سے جس کو سب سے بڑی سلطنت ملی۔ وہ ہمارے آقا و مولا سید الاولین والآخرین خاتم النبیین ﷺ ہیں۔ جن افراد قدسیہ کی حکومت کو اللہ تعالیٰ ملک عظیم، بھاری سلطنت فرمائے، ہم اس کی وسعت کا کیا اندازہ کر سکتے ہیں؟

اس آیت کریمہ سے یہ بھی روشن ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے کمالات سن کر ناک بھوں چڑھانا یہود کا طریقہ ہے۔ شانِ خاتم النبیین علیہ السلام کے کتمان میں یہود کو غیر معمولی شہرت حاصل ہے۔ لیکن افسوس کہ آجکل بھی اِن یار لوگوں کی کمی نہیں جو اسلام کو اپنے چند افراد میں منحصر سمجھتے ہیں، مگر شانِ رسالت سنتے ہی ان کے سینوں میں آگ لگ

جاتی ہے۔ نامعلوم ان لوگوں کو کیوں ان نفوس قدسیہ کے ساتھ حسد پیدا ہو چکا ہے۔ والمشتکی الیہ ھواللہ جل جلالہ ۔

وقت صبح شود همچو روز معلومت
که باکه باختی عشق درشب دیجور

استدلال (۹) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ O (پ ۳، آل عمران آیت ۲۶)

یوں عرض کر! اے اللہ! ملک کے مالک! تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے۔ بیشک تو سب کچھ کرسکتا ہے۔

پس منظر:

''غزوہءِ احزاب'' کے موقع پر خندق کی کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آ گئی جس کا توڑنا صحابہ کرام کیلئے دشوار تھا۔ صورت حال عرض کرنے پر آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔ کدال لے کر اس پر تین ضربیں لگائیں۔ پتھر ریزہ ریزہ ہوگیا۔ ہر ضرب سے چمک اٹھی، پہلی مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس چمک سے میرے لئے مقام حیرۃ (فارس کا ایک شہر) کے مکانات روشن ہوگئے۔ دوسری مرتبہ فرمایا: اس سے روم کے سرخ مکانات دکھائی دیئے اور تیسری بار ارشاد ہوا کہ صنعاء کے مکانات میں نے دیکھے اور عنقریب ان ملکوں پر میری امت کا قبضہ ہوگا۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ملک شام، فارس، یمن کی کنجیاں مجھے دی گئیں، اور میں انہیں دیکھ رہا ہوں۔ (مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۳۲)

غرضیکہ جب آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو ان ملکوں کی فتوحات کی بشارت سنائی تو منافقین استہزا اڑانے لگے۔ کہ دیکھئے! مدینہ سے انہیں شام وروم کے مکانات دکھائی دیتے ہیں۔ کفار کے ڈر سے خندق کھود رہے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں روم، شام کی فتح کے۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نظر کرتے تو نبی پاک کے کلام سے استہزاء نہ کرتے۔ وہ مالک الملک ہے جسے چاہے، جتنا چاہے، عطا کرے۔ اور اگر وہ نبی کو عطاء کرے تو کسے کیوں انکار ہے؟ جو لوگ کہا کرتے ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام کو تو کھانے کو نہیں ملتا تھا کسی کو کیا دیں گے؟ (نعوذ باللہ) انہیں غور کرنا چاہیے!

(واللہ یعطی و ھؤلاء یمنعون)

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دوجہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

ماہ نور میفشاند و سگ بانگ می زند
سگ راپرس خصم تو با ماھتاب چیست

استدلال (۱۰) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰھُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ اور انہیں کیا برا لگا یہی نہ کہ اللہ اور اسکے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔
(پ ۱۰ سورۃ التوبہ۔ آیت ۷۴)

بعض مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ غزوہ تبوک سے واپسی پر منافقین کی ایک جماعت نے شمعِ رسالت کو گل کرنے کی ناکام سعی کی۔ تو انہیں رسوا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اللہ کے رسول کو اسلئے اذیت پہنچاتے ہیں کہ اللہ اور اسکے رسول نے اپنے فضل سے انہیں دولتمند کر دیا۔

اس جملہ مقدسہ میں غنی (دولتمند) کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ اور رسول پاک علیہ

الصلوٰۃ والسلام کی طرف کی گئی ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ دینے والا اور آپ تقسیم فرمانے والے ہیں۔ وہ حقیقتاً غنی کرنے والا اور آنحضرت اس کی عطاء سے۔

استدلال (۱۱) ارشاد خداوندی ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۞

اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول نے ان کو دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول ہمیں اللہ ہی کی طرف رغبت ہے۔

(پ۱۰/سورۃ توبہ، آیت ۵۹)

اس آیت کریمہ میں ان گستاخوں کو تنبیہ کی گئی جنہوں نے نبی پاک ﷺ کی تقسیم پر اعتراض کیا کہ آپ ﷺ انصاف وعدل سے تقسیم نہیں فرماتے۔ اس پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ان لوگوں کو اسی پر شاکر رہنا چاہیے تھا، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے انہیں عطا فرمایا اور یہ امید رکھتے کہ آئندہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فضل سے انہیں ملتا رہے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ ورسول کے عطیہ پر شاکر رہنا چاہئے اور امیدوار رہنا چاہئے کہ آئندہ اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول عطا فرمائیگا اور اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں کافی ہے۔

حزب مخالف:

اس آیت کے شان نزول کے پیش نظر مطلب یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ مال غنیمت تقسیم فرمانیوالے ہیں اور یہ آیت انہی لوگوں کیساتھ خاص ہے۔

خادم اہل سنت:

مزید جواب سے پہلے ذیل کی سطور ملاحظہ فرمائیے۔

''قرآن کے نزول کے وقت بیشک یہ طریقہ اکثر رہا کہ واقعات پیش آتے تھے اور اس پر آیات نازل ہوتی تھیں لیکن ان آیات کا محل ان واقعات سے

مخصوص نہ ہوگا۔ "العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد" اگران آیات کوان واقعات سے مخصوص کر دیا جائے تو قرآن مجید کے سمجھنے میں بہت نقصان ہوگا۔ الخ (جواہر القرآن ص ۴۰)

اب فرمایئے! کیا تسلی ہوئی یا یہ اصول صرف مسلمانوں کو مشرک کہنے کیلئے لکھے گئے؟

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہِ کنعان کا

اس کے علاوہ جملہ ﴿ سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ ﴾ (یعنی اللہ دے گا) میں کیا یہ تعلیم دی گئی کہ صرف اتنا عقیدہ رکھو کہ اللہ تعالیٰ صدقات وغنیمت کا مال اور دے گا۔ اگر یہ تخصیص مقصود و مطلوب نہیں۔ بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہے تو جب کلمہ "رسول" ساتھ مل جائے تو کیوں تخصیص کی جاتی ہے؟

سچ یہ ہے کہ ہمیں اس آیت سے یہ سبق ملتا ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ "اللہ اور رسول عطا فرمائے گا"۔ تخصیص کی ضرورت نہیں مگر اللہ تعالیٰ کا عطاء کرنا اس کی شانِ الوہیت کے مناسب اور رسول پاک ﷺ کا تقسیم کرنا شانِ رسالت کے مطابق ہے۔

استدلال (۱۲) ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ — اے محبوب بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔
(پ ۳۰، سورۃ کوثر آیۃ ۱)

کوثر کا معنی ہے خیرِ کثیر (بہت بھلائی) جیسا کہ صحیح حدیث میں سیدنا ابن عباس سے مروی ہے، ابو بشر نے حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا۔

"ان اناساً یزعمون انه نهر فی الجنة فقال سعید النهر الذی فی الجنة من الخیر الذی اعطاه الله ایاه"

(بخاری جلد ۲ ص ۷۴۲ قدیمی کتب خانہ)

یعنی لوگ خیال کرتے ہیں کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے حضرت سعید نے فرمایا جنت میں جو نہر ہے وہ بھی اسی بھلائی سے ہے۔ جو آپ کو اللہ نے عطا فرمائی۔

تو آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ اے محبوب ہم نے تمہیں بہت بھلائی عطا فرمائی، جو بھی خوبی آپ کو ملی ظاہری، باطنی، دنیوی، اخروی، تمام نِعَم کو یہ آیت شامل ہے۔ نبوت، کتاب، حکمت، علم، تصرف، اختیارات، شفاعت، نہر کوثر، مقام محمود، کثرتِ متبعین، غلبہ اسلام، غرضیکہ جو کچھ آپ کیلئے ثابت ہو سکے اسے اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا جا سکتا ہے۔

جو یہ مشہور ہے کہ کوثر سے مراد "حوضِ کوثر" ہے، تو وہ اس کے منافی نہیں۔ کیوں کہ حوض کوثر بھی خیر کثیر کا ایک فرد ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، یہ آیت اس پر قطعی الدلالت ہے کہ آپ کو خیر کثیر عطا ہوئی۔ کیا کچھ عطاء ہوا؟ اس کا اندازہ ناممکن ہے۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

هر مرتبه که بود در امکان بروست ختم
هر نعمتے که داشت خدا شد برو تمام

یعنی کہ عالم امکان میں جو بھی مرتبہ کمال ہے وہ حضور ﷺ پر ختم ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری نعمتیں آپ ﷺ پر تمام فرما دیں، آپ کو عطا فرما دیں۔

استدلال (۱۳) الف ارشاد خداوندی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ O (پ ۴ آل عمران، آیت ۱۶۴)	بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے۔ اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے گمراہی میں تھے۔

استدلال (۱۳) ب سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت اللہ شریف کی بناء سے فارغ ہو کر دعاء مانگی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ ايٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ O (پ ۱ سورۃ بقرہ، آیت ۱۲۹)

اے رب ہمارے! اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا کرے بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

استدلال (۱۳) ج اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْاُمِّيِّينَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ ايٰتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ O

(پ ۲۸ سورۃ جمعہ، آیت ۲)

(اللہ) وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں۔ اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں۔ اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔

ان تینوں آیتوں میں ہمارے آقا و مولا فخر عالم ﷺ کی چار صفتوں کا ذکر ہے کہ:

۱۔ آپ تعلیم کتاب فرماتے ہیں۔ ۲۔ لوگوں پر اللہ کی آیات پڑھتے۔

۳۔ انہیں حکمت سکھاتے۔ ۴۔ اور ان کو پاک کرتے ہیں۔

آپ بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ آیات کا پڑھنا، ان کا سکھانا، حکمت کا سکھانا، اور تزکیہ وصفائی کرنا، علیحدہ علیحدہ امور ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ **باذن اللہ** مؤمنین کے قلوب کا تزکیہ فرماتے اور دلوں کے زنگ کو دفع فرماتے ہیں۔

اس مقام پر یہ کہنا کہ: آپ کی تبلیغ سے چونکہ مومنین کو صفائی قلب حاصل ہوتی تھی، اس لئے آپ کی طرف تزکیہ کی نسبت کی گئی۔ غیر مناسب ہے؛ کیونکہ باقی تین امور میں نسبت مجازیہ محضہ مراد نہ لینا اور اسی میں مراد لینا بلا دلیل امر ہے۔

نیز کلماتِ قرآن کا حمل اگر علیحدہ علیحدہ معانی پر ہو سکے تو تاکید بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اہل علم کا کہنا ہے۔

"التأسیس اولی من التاکید"
تاکید کی بجائے تاسیس (نیا معنی مراد لینا) اولیٰ ہے۔

الحاصل ان آیات سے معلوم ہوا کہ جس طرح آنحضور پرنور ﷺ تعلیم کتاب فرماتے ہیں اسی طرح آپ تزکیہ نفوس بھی کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے۔ وگرنہ حقیقتاً:

﴿ بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَاءُ ﴾ بلکہ اللہ جسے چاہے ستھرا کرے۔

استدلال (۱۴) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ ...... الآیۃ

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں۔ وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائیگا اور ستھری چیزیں ان کیلئے حلال فرمائیگا۔ اور گندی چیزیں ان پر حرام کریگا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا۔

(پ ۹ سورۃ الاعراف، آیت ۱۵۷)

اس آیت کریمہ سے بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ "مختار نبی" ہیں۔ آپ دافع البلاء اور مشکل کشا بھی ہیں۔ لوگوں کے بوجھوں کو اتارنے والے ہیں اور آپ حلال و حرام فرمانے والے ہیں۔

الحمد للہ العظیم بتوفیق اللہ وعونہٖ مسلک اہل سنت و جماعت کی حقانیت پر نصوص قاطعہ پیش کردی گئی ہیں جن میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، اولیاء الرحمن رحمہم اللہ تعالیٰ کے تصرفات اور اختیارات سلطنت و مملکت کا بیان ہے۔

واللہ یھدی من یشآء الی صراطٍ مستقیم

الباب الثانی:

- ☆ تصرف درامور تکوینیہ
- ☆ تصرفات مافوق الاسباب العادیۃ
- ☆ تاخیر اجل میں انبیاء اکرام علیہم السلام کا اختیار
- ☆ صاحبِ مقامِ محمود کی شفاعت کبریٰ
- ☆ تصرفات مصطفیٰ کریم ﷺ کی مزید جھلک
- ☆ دافع البلاء والوبا صلی اللہ علی حبیبہ وسلم
- ☆ دجال ملعون کے تصرفات واختیارات
- ☆ "الدعاء هو العبادة" سے استدلال کا جواب

قال اللہ تعالیٰ جل مجدہ

هُوَ الَّذِی یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَاءُ

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیزُ الْحَکِیمُ ○

دہد نطفہ را صورت چوں پری

کہ کردست برآب صورت گری

”وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ“

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں

دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کی خالی ہاتھ میں

☆☆☆☆☆

تصرّف در امور تکوینیه:

اس میں شک نہیں کہ مولائے کریم عزّ اِسمہ انسان کو جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے۔ وہ کسی غیر کا محتاج نہیں۔ مادہ مائیہ کو ایک مکان میں نگاہ فرما کر اس پانی پر ایسی گلکاری کرتا ہے کہ کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

دھد نطفه را صورت چون پری
که کر دست بر آب صورت گری

وہ جیسے چاہے اپنی مرضی سے شکل وصورت بخشے۔

(۱) کما قال اللہ تعالیٰ جل مجدہ :

هُوَ الَّذِی یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَاءُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیزُ الْحَکِیمُ ○
(پ ۳ آل عمران ع ۹)

وہی ہے کہ تمہاری تصویر بناتا ہے ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں۔ وہی عزت والا حکمت والا ہے۔

باوجودیکہ اللہ تعالیٰ غالب ومتصرف اور قادر مطلق ہے مگر اس نے اپنی حکمت سے ''رحمِ مادر'' پر فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے۔ جسے بعض قسم کے تصرفات حاصل ہیں۔

کما اخبر بها الصادق المصدوق ﷺ۔

ا: ''اِنَّ اللّٰهَ وَکَّلَ فِی الرَّحِمِ مَلَکًا فَیَقُولُ یَا رَبِّ نُطْفَةٌ یَا رَبِّ عَلَقَةٌ یَا رَبِّ مُضْغَةٌ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ یَخْلُقَهَا قَالَ یَا رَبِّ اَذَکَرٌ یَا رَبِّ اُنْثٰی یَا رَبِّ شَقِیٌّ اَمْ سَعِیدٌ فَمَا الرِّزْقُ فَمَا الْاَجَلُ فَیُکْتَبُ کَذٰلِکَ فِی بَطْنِ اُمِّهٖ'' (بخاری ج ۱ ص ۴۶، مسلم ج ۲ ص ۳۳۳)

بیشک اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے جو عرض کرتا ہے یارب نطفہ رحم میں داخل ہوگیا۔ یارب جما ہوا خون ہے۔ یارب گوشت ہے۔ (یعنی جوں جوں مادہ منویہ کی حالت بدلتی جاتی ہے فرشتہ عرض کرتا ہے) تو جب اللہ تعالیٰ اس کی خلقت پوری کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ تو فرشتہ کہتا ہے: کیا مذکر ہے یا مؤنث؟ شقی ہے یا سعید؟ رزق کیا ہے؟ اجل کیا ہے؟ پھر فرشتہ ماں کے پیٹ ہی میں لکھ دیتا ہے۔

فائدہ: مخبر صادق ﷺ نے غیب کی بات سے ہمیں مطلع فرمایا کہ عورت کے رحم پر فرشتہ مقرر ہے جو ''جِنِیْن'' کے تمام انقلابات سے باخبر ہوتا ہے اور اس کے ہر ایک تغیر سے

آگاہ۔ جب اس کی تکمیل کے ساتھ قدرت کاملہ کے ارادہ کا تعلق ہوتا ہے تو بحکم ایزدی وہ مؤکل فرشتہ اس کی پیشانی پر اس کی قسمت کا فیصلہ تحریر کر دیتا ہے کہ مذکر ہے یا مؤنث، بد بخت ہے یا نیک بخت، رزق کتنا ہے اور اس کی عمر کتنی۔

یہ روایت اس بات پر صریح الدلالت ہے کہ فرشتہ رحم پر مؤکل و مقرر ہے اور باذن اللہ متصرف ہے۔ عورت کے رحم میں تصرف کرنا امور تکوینی سے ہے۔ حدیث صحیح سے صراحتاً ثابت ہوا کہ فرشتوں کو امور تکوینی میں بعض قسم کے تصرفات کے اختیارات حاصل ہیں۔تصرف بھی ایسا جو کہ خرقِ عادت ما فوق الاسباب العادیہ ہے۔

۲: سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ: نطفہ رحمِ مادر میں کچھ انقلابات کے بعد مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) ہو جاتا ہے تو:

" ثُمَّ یُرْسِلُ اللّٰہُ اِلَیْہِ الْمَلَکَ فَیَنْفُخُ فِیْہِ الرُّوحَ " (مسلم ج ۲ ص ۳۳۲)

پھر اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتا ہے پس وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔

اس فرشتے کو رزق اَجل وغیرہ کے لکھنے کا حکم ہوتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ باذن اللہ تعالیٰ انسان میں فرشتہ روح پھونکتا ہے۔

۳: اسی کی وضاحت کیلئے صاحب لولاک فداہ ابی وامی ﷺ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے۔

" بَعَثَ اللّٰہُ اِلَیْھَا مَلَکًا فَصَوَّرَھَا وَخَلَقَ سَمْعَھَا وَبَصَرَھَا وَجِلْدَھَا وَلَحْمَھَا وَعِظَامَھَا...... الحدیث " (مسلم ج ۲ ص ۳۳۳)

یعنی اس مادہ مائیہ کی طرف اللہ تعالیٰ فرشتہ کو بھیجتا ہے تو وہ فرشتہ اس کی صورت کان، آنکھیں، چمڑا، گوشت اور اس کی ہڈیاں بناتا ہے۔

اگرچہ ان روایات کے الفاظ خصوصا وُکِّلَ بِالرَّحِمِ، فَیَنْفُخُ فِیْہِ الرُّوحَ، فَصَوَّرَھَا، وَخَلَقَ سَمْعَھَا کی شہادت ہمارے دعویٰ پر کافی ہے، تاہم بعض لوگوں کی عیاری سے محفوظ رہنے کیلئے محدثین کرام سے وضاحت بھی کرا دوں کہ یہ فرشتہ کے تصرفات ہیں۔

امام نووی شارحِ مسلم رحمہ القوی فرماتے ہیں:

"وَلِكَلَامِ الْمَلَكِ وَتَصَرُّفِهِ أَوْقَاتٌ" فرشتہ کی کلام اور تصرف کے کئی اوقات ہیں۔

(شرح مسلم ص ۳۳۲)

مزید فرمایا:

"ثُمَّ لِلْمَلَكِ فِيهِ تَصَرُّفٌ آخَرُ.... قَالَ پھر اس میں فرشتہ اور تصرف کرتا ہے۔......
الْقَاضِي وَغَيْرُهُ وَالْمُرَادُ بِإِرْسَالِ علامہ قاضی وغیرہ نے فرمایا: کہ ان اشیاء
الْمَلَكِ فِي هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ أَمْرُهُ بِهَا میں فرشتہ کو بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ فرشتہ کو ان
وَبِالتَّصَرُّفِ فِيهَا بِهٰذِهِ الْاَفْعَالِ" افعال میں تصرف کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

(نووی شرح مسلم ص ۳۳۳)

ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ رزق، اَجل، شقاوت، سعادت، عمل، ذکورت اور انوثت، یہ تمام امور جن کا حدیث میں ذکر ہوا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ فرشتے کیلئے یہ سب امور ظاہر ہوتے ہیں۔ انہیں اس کا علم عطا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اس کے نافذ کرنے اور لکھنے کا حکم دیتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی قضاء سب پر صادق ہے اس کا علم اور ارادہ ہر ایک فعل کیلئے اَزل سے موجود ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم وارادہ ازلی وقدیم ہے۔

غور فرمائیں! یہی وہ تصرفات ہیں جن کے معتقد کو کافر و مشرک کہتے ہوئے حزب مخالف کی قوت گویائی کا سارا زور صرف ہوتا ہے۔ افسوس کہ ان لوگوں کے فتووں سے محدثین کرام، راویانِ حدیث یہاں تک کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام بھی نہ بچ سکے، ...... العیاذ باللہ ...... ان شاء اللہ العزیز جلد ہی آنکھیں کھل جائیں گی۔

حزب مخالف: فرشتہ کے یہ تصرفات مافوق الاسباب نہیں، نزاع مافوق الاسباب العادیہ میں ہے، ماتحت الاسباب تصرفات پر ہر ذی روح قادر ہے۔

خادم اہل سنت: ۱: خانصاحب نے اپنی تالیفات "دل کا سرور" ص ۱۴۱ اور "راہِ ہدایت"

میں ماتحت و مافوق الاسباب کا جو معنی بیان کیا ہے اس کا خلاصہ خود انہوں نے ان الفاظ میں تحریر فرمایا۔ "خلاصہ یہ کہ جس میں ظاہری اسباب نہ ہوں تو وہ معاملہ مافوق الاسباب کا ہے"۔ خانصاحب کی اس تحقیق کے مطابق فرشتہ کے رحمِ مادر کے تصرفات یقیناً "تصرفاتِ مافوق الاسباب العادیہ" ہیں۔

۲: ماتحت الاسباب تصرفات ان افعال کو کہا جاتا ہے جن میں ظاہری وعادی اسباب پائے جاتے ہوں۔ رحمِ مادر میں فرشتہ کے تصرفات اگر ماتحت الاسباب ہیں تو حزب مخالف ثابت کرے کہ اس قسم کے افعال پر کتنے انسان قادر ہیں۔ کیونکہ ماتحت الاسباب افعال پر انسان قادر ہے۔ افعال العباد اختیارية

۳: فرشتہ کے یہ تصرفات اگر ماتحت الاسباب ہیں تو ظاہری آلات وادویات کے ذریعے علاج کرنیوالے کے متعلق کہہ سکتے ہیں؟

صورها، خلق سمعها وبصرها فلاں ڈاکٹر نے اسکی صورت بنائی اسکی سمع وجلدها وبصر اور گوشت پوست خلق (پیدا) کیا

ان احادیث مبارکہ میں خلق (پیدا کرنے) کی اسناد فرشتے کی طرف کی گئی ہے کہ وہ فرشتہ خلق (پیدا) کرتا ہے۔

خیال رہے کہ خلق بمعنی الایجاد من العدم المحض اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔

برادران اہل سنت: سید الکائنات امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُمور تکوینی میں مختار ہونے کے متعلق اپنے آقاء و مولا شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین ﷺ کا عقیدہ وارشاد ملاحظہ فرمایئے اور آپ کے نورانی بیان سے ایمان کو منور کیجئے!

قارئین کرام! یہ یقینی اور قطعی امر ہے کہ جب موت کا وقت آجاتا ہے ایک ساعت کیلئے بھی پس وپیش نہیں ہوتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ○ جب ان کا وعدہ آئے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹیں نہ آگے بڑھیں۔

(آیۃ ۴۹ سورۃ یونس، پ ۱۱)

کوئی ہنسے یا روئے، آہ وبکا کرے یا صبر، چیخے چلائے یا خاموش رہے، امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا گداگر، عیش پرست ہو یا فاقہ مست۔ جب فرشتہ اجل، ملک الموت علیہ السلام روح قبض کرنے کو تشریف لاتے ہیں، تو نہ کسی کی سیاست وسلطنت سے ڈرتے ہیں اور نہ ہی کسی کی بے بسی انہیں اپنے کام سے باز رکھ سکتی ہے۔ معصوم بچے زمین پر بلکتے، خویش واقارب رنج والم کے انگاروں پر لوٹتے رہتے ہیں، مگر ملک الموت علیہ السلام نہ تو میت کے والد کی مرضی پوچھتے ہیں اور نہ بیوی بچوں کی خواہش دریافت کرتے ہیں۔ ان کی اجازت کے بغیر ان کے گھر میں داخل ہوتے ہیں اور روح قبض کر کے لے جاتے ہیں۔

کسی نے کیا خوب کہا!

لائی حیات، آئے قضا، لے چلی، چلے نہ اپنی خوشی سے آئے، نہ اپنی خوشی چلے

مگر خیال رہے مقربانِ بارگاہِ ایزدی یعنی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا معاملہ عام انسانوں کے طریقہ، رخصتی سے مختلف ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی مرضی طلب کی جاتی ہے۔ ان سے پوچھا جاتا ہے۔ اجازت مانگی جاتی ہے۔ اور اس معاملہ میں انہیں اختیار دیا جاتا ہے۔

۱: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آفتاب رسالت نبی اکرم ﷺ نے منبر پر جلوہ گر ہو کر فرمایا:

"إِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا فَعَجِبْنَا لَهُ

بیشک ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ نے اس میں مختار کیا کہ جو وہ چاہے دنیا کی نعمتوں سے اسے اللہ تعالیٰ عطا کرے اور اس چیز میں جو اللہ کے پاس ہے (نعیم عقبیٰ) پس اس بندے نے اس چیز کو اختیار کیا ہے جو اللہ کے پاس ہے۔

وَقَالَ النَّاسُ انْظُرُوا إِلَى هَذَا الشَّيْخِ يُخْبِرُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَبْدٍ خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ وَهُوَ يَقُولُ فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الْمُخَيَّرَ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ هُوَ أَعْلَمَنَا ''

(مشکوۃ ص ۵۴۶ ، بخاری ص ۵۱۶،۶۷ . مسلم ج ۲ ص ۲۷۴)

پس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رو کر کہا ہمارے ماں باپ آپ پر قربان۔ راوی فرماتے ہیں ہمیں اس سے تعجب ہوا اور صحابہ نے کہا صدیق اکبر کو دیکھو کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام ایک ایسے بندے کے متعلق خبر دے رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت میں اختیار دیا ہے اور حضرت صدیق اکبر فرمارہے ہیں ہمارے ماں باپ قربان۔ صحابہ کرام کو بعد میں انکشاف ہوا کہ وہ بندۂ مختار خود نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام تھے اور صدیق اکبر ہم سے زیادہ علم والے تھے۔

۲: سیدنا ابو المعلیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یوں ہیں:

''إِنَّ رَجُلًا خَيَّرَهُ رَبُّهُ بَيْنَ أَنْ يَعِيشَ فِي الدُّنْيَا مَا شَاءَ أَنْ يَعِيشَ وَيَأْكُلَ فِي الدُّنْيَا مَا شَاءَ أَنْ يَأْكُلَ وَبَيْنَ لِقَاءِ رَبِّهِ فَاخْتَارَ لِقَاءَ رَبِّهِ قَالَ فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ ...... '' الحديث .

یعنی ایک مرد کو اس کے رب نے مختار کیا ہے کہ جب تک چاہے دنیا میں رہے اور جو چاہے کھائے یا اپنے رب کی لقاء کو پسند کرلے۔ پس اس مرد خدا نے لقائے الٰہی کو پسند کیا (یہ سن کر) صدیق اکبر رونے لگے۔

مختار کائنات ﷺ کا یہ خطبہ ہمارے دعویٰ پر صریح الدلالت ہے اور بعبارتہ اس پر دال ہے کہ مختار کونین ﷺ کو امورِ تکوینیہ میں اختیار حاصل ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے اختیار اور مرضی سے اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا، وگرنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو اذن مل ہی چکا تھا کہ جب تک چاہیں اس جہاں میں ظاہری طور پر رہیں۔ اور جو چاہیں کھائیں۔ یہ خداوندِ قدوس کی عنایت ہے وہ جو چاہے اپنے محبوب پاک کو اختیار بخشے۔ ویسے کوئی حاسد جلتا ہے تو جلتا رہے اور بغض وعداوت کے انگاروں پر لوٹتا رہے اور کہتا پھرے کہ......

''جس کا نام محمد [ﷺ] یا علی [رضی اللہ عنہ] ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ نہ اپنے

طور پر نہ خدا کے دیئے سے بلکہ نبی اللہ کو کسی ایک چیز میں کسی نوع کا اختیار ماننا بھی شرک ہے"

...... تو اس کی مرضی کسی کو زبردستی منوایا نہیں جا سکتا۔

﴿ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴾

به بزم خودم خواند یار در مجلس
کنوں رقیب حسد پیشه راگو بسوز از رشک

اعتراضات اور اُنکا رد:

اس روایت کے ذکر کے بعد جو فائدہ درج کیا گیا اس کے جواب میں مؤلف راہ ہدایت (خانصاحب) طنز سے اپنی روح پشاوری کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

خانصاحب: "اس روایت کو متنازع فیہ مسئلہ مافوق الاسباب تصرفات سے کوئی تعلق نہیں مگر مؤلف مذکور اس کو اپنے دعوی کیلئے عبارت النص اور صریح الدلالت کہتے ہیں شاید انہوں نے یہ کسی سے سن کر خطبہ میں بیان کر کے نعروں کی گونج میں اس کی داد حاصل کر لی ہے۔ پھر وہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ یہ ہمارے دعوی کی صریح الدلالت دلیل ہے۔" (راہ ہدایت صفحہ ۱۹۱، ۱۹۲)

خادم اہل سنت: مؤلف راہ ہدایت علمی وجاہت کا مظاہرہ دکھانے کے بجائے نور ہدایت کی عبارت کو بغور پڑھ کر اس پر کوئی تنقید فرماتے تو اس طرح کی دور از محل تحریر کی زحمت نہ اٹھاتے۔ قارئین جس عبارت پر مؤلف راہ ہدایت نے مؤاخذہ کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

"مختار کائنات ﷺ کا یہ خطبہ ہمارے مدعا پر صریح الدلالت اور بعبارتها اس پر دال ہے کہ مختار کونین ﷺ کو امور تکوینیہ میں اختیار حاصل ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے اختیار و مرضی سے اس دار فانی سے کوچ فرمایا، وگرنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو اذن مل ہی چکا تھا کہ جب تک چاہیں، اس جہاں میں ظاہری طور پر رہیں۔"

اس مقام پر جو دعویٰ کیا گیا ہے اس پر حدیث مبارک صریح الدلالت ہے۔ دعوی عبارت النص سے ثابت ہے۔ مگر خانصاحب کی عجیب عادت ہے کہ صریح کو چھوڑ کر ابہام کا سہارا لیتے ہیں۔ نورِ ہدایت کے اس مقام پر ما فوق الاسباب تصرف کا جملہ کہاں دکھائی دیتا ہے؟ صرف امور تکوینیہ کا ذکر ہے مؤلف ہی حل فرمائیں اجل میں تقدیم وتاخیر کا مسئلہ شرعی اَمر ہے یا تکوینی؟ روایت میں خَيَّرَه، اور هُوَ الْمُخَيَّرُ کے کلمات اس تکوینی اَمر میں آپ کے مختار ہونے پر نص صریح نہیں؟

خانصاحب: شاید انہوں نے یہ (حدیث) کسی سے سن کر خطبہ میں لوگوں میں بیان کر کے نعروں کی گونج میں داد حاصل کر لی۔ (راہِ ہدایت ص ۱۹۱،۱۹۲)

خادم اہل سنت: تکبر کا مرض اندھا کر دیتا ہے۔ خانصاحب کو کیسے علم ہوا؟ کہ خادم اہل سنت نے خود کتاب پڑھی، دیکھی نہیں، بلکہ سنی سنائی روایت لکھ دی۔ واقعی بزرگوں کا فرمایا حرف بہ حرف سچ ہے:

تکبُّر عزازیل را خوار کرد

خانصاحب (بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ ''پھر آپ نے فرمایا اے اللہ مجھے معاف کر دے اور مجھ پر رحمت نازل کر اور مجھے رفیق اعلیٰ میں پہنچا دے'' اگر وفات کا آپ کو اختیار وتصرف دیا جا چکا ہوتا تو اس صریح روایت کا کیا مطلب ہے؟)

(راہ ھدایت صفحہ ۱۹۳)

خادم اہل سنت

الف: خانصاحب نے رسول اللہ ﷺ سے جو دعاء مبارک نقل کی ہے وہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی رضا وخوشی سے دار آخرت کو اختیار فرمایا۔ اختیار کی دلیل کو بے اختیار و مجبور ہونیکی دلیل سمجھنا، انہی کا علمی کمال ہے۔

ب: خطبہ مبارکہ کے کلمات ''خَيَّرَه، '' ''هُوَ الْمُخَيَّرُ'' اختیار دیئے جانے پر صریح

الدلالت ہیں۔ خانصاحب نے جو روایت نقل کی ہے وہ مسئلہ مذکورہ میں عدم اختیار رسول اللہ ﷺ پر کیسے صریح ہے؟ بیشک اپنے مفہوم پر روایت صریح الدلالت ہے مگر ''عدم اختیار'' پر صریح تو کجا! اشارہ بھی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ خود خانصاحب نے نص صریح کا جو معنی بیان کیا ہے۔ اسے پیش نظر رکھیں۔

خانصاحب اگر خلق، وفات اور حیات کے معنی میں اختیار مراد لیتے ہیں تو وہ متنازع فیہ ہے ہی نہیں۔

خانصاحب کے زُعم میں ان کی پیش کردہ روایت رسول اللہ ﷺ کے غیر مختار ہونے پر صریح ہے تو فرمایئے! اِخَیَّرَہٗ ' هُوَ الْمُخَيَّرُ کلمات کا کیا مفہوم ہے؟ اور یہ کہ اس صورت میں دونوں روایتوں میں تطبیق کیا ہے؟ انکے طرزِ استدلال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسئلہ اختیارِ اَجل میں وارد روایات میں تعارض ہے۔

جس خطبہ شریف میں یہ کلمات مبارکہ ارشاد ہوئے اس خطبہ کو خطبۃ الوداع سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے وصال شریف سے پہلے ایام علالت میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مسجد نبوی شریف میں جمع فرما کر منبر پر جلوہ گر ہو کر آنحضور پُر نور ﷺ نے تحدیث نعمت اور اہل ایمان کی ایمانی قوت میں مزید تقویت کیلئے امتیازی فضائل کا تذکرۂ حسین فرمایا۔ عام مسلمان بھی جب اس خطبہ کو سنتا ہے تو اس کا دِل بھی عظمت رسول ﷺ سے سرشار ہوتا ہے۔ تو کیا امتی ہونے کے دعویدار ''شیخ الحدیث کے منصب پر فائز'' شارح حدیث کا یہ فرض نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور رفعت شان پر دلالت کرنیوالے کلمات طیبات کا ان کی روح کیساتھ اعتراف کرتے۔ مگر عقیدت ومحبت کا اظہار کرنے کی بجائے خانصاحب نے جو وطیرہ اپنایا ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ نقص جوئی کی خُو مسلک کا درجہ اختیار کر چکی ہے۔

۳: موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ملک الموت علیہ السلام نے حاضر

خدمت ہوکر عرض کی أَجِبْ رَبَّکَ (اپنے رب کی دعوت قبول کریں)۔ اس پر مالک الملک جل جلالہ کے پیارے کلیم علیہ السلام نے ملک الموت کو طمانچہ مار کران کی آنکھ نکال دی۔

"فَلَطَمَ مُوْسٰی عَیْنَ مَلَکُ الْمَوْتِ فَفَقَأَهَا" پس موسیٰ علیہ السلام نے طمانچہ مار کر ملک الموت کی آنکھ پھوڑ دی۔

(مشکوۃ ص ۵۰۷ بخاری ص ۱۷۸ و ۴۴۴ مسلم ج ۲ ص ۲۶۷)

حضرت ملک الموت علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے کسی قسم کی شکایت کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوکر عرض کی۔

"أَرْسَلْتَنِی إِلَی عَبْدٍ لَا یُرِیْدُ الْمَوْتَ" (مشکوۃ ص ۵۰۷) اے اللہ! تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو موت کو نہیں چاہتا۔

اللہ عزوجل نے ملک الموت علیہ السلام کی آنکھ ٹھیک کر دی اور فرمایا جا کر میرے کلیم سے کہہ دو کہ بیل کی پشت پر ہاتھ رکھے۔ جتنے بال ہتھیلی کے نیچے آئیں گے اتنے سال دنیا میں اور رہیں۔ پھر آکر فرشتہ موت نے یونہی عرض کیا۔ لیکن موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے حیات جاودانی (دار آخرت) اور لقاء محبوب کو اختیار فرمالیا۔

(مشکوۃ ص ۵۰۷ بخاری ص ۱۷۸ و ۴۴۴ مسلم ج ۲ ص ۲۶۷)

کیا روشن اور چمکتا ہوا بیان ہے، حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی عظمت شان اور تصرفات و اختیارات کا۔ اس میں واضح ثبوت ہے کہ آپ علیہ السلام کو مختار کیا گیا مگر آپ علیہ السلام نے لقائے معبود حقیقی کو پسند فرمایا۔ تاہم پہلے تو شان جلالی کا اس حد تک اظہار فرما دیا کہ ملک الموت علیہ السلام کی آنکھ نکال دی۔

وہ فرشتہء موت جو تمام انسانوں کی روح قبض کرنے پر مامور و مؤکل ہے۔ جس کے سامنے ہمارا کوئی بس نہیں چلتا، بلکہ نام سنتے ہی دل گھبرا جاتے ہیں۔ لیکن شان رسالت، شانِ ملکوتی سے بلند و بالا تر ہے۔

منکرینِ شانِ رسالت کے جگر پر تو یہ حدیث سل گراں ہے اور کئی ملحد تو اس حدیث پاک کا سرے سے انکار ہی کر بیٹھے۔ اس لئے کہ موسیٰ کلیم اللہ کو **متصرف فی الامور** و مختار اور ملائکہ سے **افضل** ماننا پڑتا ہے۔

قارئین، ساتھ ہی دیکھئے! ملک الموت نے کس ادب و تواضع کا مظاہرہ کیا، پوچھا تک نہیں کہ آپ نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟ اور مولائے کریم نے اپنے پیارے بندے کی ناز برداری کس حد تک فرمائی؟ کہ کلیم اللہ علیہ السلام سے باز پرس تک کا ذکر نہیں، بلکہ فرمایا کہ اے پیارے موسیٰ اس معاملہ میں جیسے چاہو کرو۔ تجھے اختیار ہے۔

پیارے کلیم اللہ علیہ السلام نے ایسے کیوں کیا؟ اس میں حکمتیں کیا تھیں؟ اس پر کون سی چیز باعث ہوئی؟ **واللہ تعالیٰ اعلم باسرارہ.**

کچھ ہی اسباب کیوں نہ ہوں؟ ہمیں تو اس واقعہ سے شان رسالت کی عظمت کا پتہ چلتا ہے اور اختیارات کلیم اللہ علیہ السلام کا علم نصیب ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی جس عظمت و اختیار کا ثبوت صحیح حدیث سے ہو رہا ہے اسے بلا چون و چراں تسلیم کرنے کی بجائے خانصاحب نے کچھ ایسا انداز اختیار کیا ہے جو اس کمال کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔

خانصاحب: مؤلف مذکور اس حدیث (واقعہ کلیم و ملک الموت) سے نتیجہ نکالتے ہوئے لکھتا ہے کہ: کہ روشن و چمکتا ہوا بیان کلیم اللہ علیہ السلام کی عظمت و شان اور تصرفات و اختیارات کا ہے آپ کو مختار کیا گیا مگر آپ نے لقائے محبوب حقیقی کو پسند فرمایا۔ الخ۔ (نور ہدایت صفحہ ۸۷)

یہ بھی مؤلف کے دعویٰ سے سرتاسر غیر متعلق ہے کیونکہ حسب تصریح امام قسطلانی جب ملک الموت بشری صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو **لَمْ يَعْلَمْ اَنَّهُ مَلَكُ الْمَوْت** حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ملک الموت ہیں۔ اور ملک الموت نے اطلاع دیئے بغیر ہی حضرت

موسیٰ علیہ السلام کی جان لینے میں اپنی کاروائی شروع کر دی اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو طمانچہ رسید کیا پھر جو ہوا سو ہوا جو گذرا سو گذرا (دیکھئے حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۱۷۸) اس روایت میں بھی اسی طرح کا اختیار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ثابت ہے جو پہلی روایت میں گذر چکا ہے اور مؤلف نور ہدایت کے دعویٰ سے بالکل غیر متعلق ہے اور اس روایت سے حضرت امام قسطلانی کی تشریح کے پیش نظریہ بھی ثابت ہو گیا کہ آخر تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم غیب حاصل نہ تھا دیکھئے مؤلف مذکور اور ان کی جماعت اس کو بھی تسلیم کرتی ہے یا نہیں؟ دیکھئے محبت کا کیا فتویٰ ہے؟

طریق عشق میں ہم یوں سنبھل سنبھل کر چلے
کہ جیسے ہاتھ میں لبریز جام ہوتا ہے

(راہ ہدایت صفحہ ۱۹۴)

خادم اہل سنت:

اولاً: کاش خانصاحب سنبھل سنبھل کر چلتے اور حدیث مبارک سے جو مفہوم ظاہر ہو رہا ہے اسے اسکی روح کے مطابق قاری کتاب کو پیش کر دیتے ......یا...... اس حدیث کی شرح میں اُن کے بزرگوار جناب انور شاہ صاحب کاشمیری دیوبندی نے علمی تحقیق کرتے ہوئے جو دیانتدارانہ رائے قائم کی، [سیأتی بیانہ] جسے فیض الباری میں رقم فرمایا ہے، اسی کو ذکر کر دیتے اور فیصلہ ناظرین کتاب پر چھوڑ دیتے۔

کیا مفہوم حدیث کی روح کو مسخ کر کے اپنی مرضی کا نتیجہ کشید کرنا اسی کو طریق عشق میں سنبھل سنبھل کر چلنا کہتے ہیں؟

ثانیاً: بخاری شریف کے حوالہ سے نورِ ہدایت میں پیش کردہ یہ روایت صراحتاً اس دعویٰ سے متعلق ہے " کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو تاخیر اجل میں مختار کیا گیا مگر آپ نے لقائے محبوب حقیقی کو پسند فرمایا"

کیا خانصاحب کی نظر حدیث کے کلمات " ضع یدک علی متن ثور " پر نہیں پڑی۔ اگر یہ حدیث حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کے مختار بنائے جانے پر صریح نہیں تو کیا

حدیث کے ان کلمات سے حضرت کلیم کا غیر مختار اور مجبور ہونا ثابت ہوتا ہے؟

اس حدیث پاک کی روشنی میں حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو رب قدیر جل شانہ، نے ان کی ہتھیلی کے نیچے آنیوالے بیل کے بالوں کے برابر سالہا سال بلکہ صدیوں اس دار دنیا میں رہنے کی اجازت عطا فرمادی تھی، مگر آپ نے شان نبوت کا اظہار فرمانے کے بعد دار برزخ کو اپنی رضا وخوشی سے اختیار فرمایا۔ جب تک آپ راضی نہ تھے حضرت ملک الموت باں قوت وطاقت کچھ عمل نہ کر سکا۔ کیا اس طرح کا اختیار انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کو بھی دیا گیا ہے؟ اتنے صاف وشفاف کلام کے بعد بھی خانصاحب کو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کے اختیار سے انکار ہے تو روز روشن کا اعتراف کرانے کیلئے کوئی ذریعہ نہیں۔

ثالثاً: ناقابل تردید وناقابل تاویل ثبوت:

زیر بحث حدیث سے سیدنا کلیم اللہ علیہ السلام کیلئے کس طرح کا اور کتنا اختیار وتصرف کتنی قوت سے ثابت ہوتا ہے؟ خانصاحب کے اکابر کی تحقیق اُن کیلئے برھان قاطع ہوگی۔ جس کا درست تسلیم کرنا ضروری ہے، وگرنہ کئی مفاسد پیدا ہونگے۔ دار العلوم دیو بند کے مایہء ناز شیخ الحدیث جناب انور شاہ صاحب کاشمیری شرح بخاری فیض الباری میں لکھتے ہیں:

وَاِنَّمَا فُقِئَتْ عَيْنُهُ فَقَطْ لِاَنَّهُ كَانَ مَلَكُ الْمَوْتِ وَاِلَّا لَانْدَقَتِ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ مِنْ لَطْمَةِ غَضَبِهٖ وَاِنَّمَا غَضَبُهٗ عَلَيْهِ لِاَنَّ مِنْ سُنَّةِ مَلَكِ الْمَوْتِ بِالْاَنْبِيَاءِ اَنْ يُكَلِّمَهُمْ بِالتَّخْيِيْرِ فَلَمَّا تَرَكَهَا وَاَخْبَرَهٗ بِالْوَفَاةِ اَخَذَتْهُ الْغَضْبَةُ فَلَطَمَهٗ.

(فیض الباری جلد ۲ ص ۴۷۶ مطبوعہ مکتبہ دار الفکر اسلامی لاہور

کلیم اللہ علیہ السلام کے تھپڑ مارنے سے حضرت عزرائیل علیہ السلام کی صرف آنکھ نکلی کیونکہ وہ ملک الموت تھے (انکے ذمہ کا کام باقی تھا) ورنہ موسیٰ علیہ السلام کے جلالی اور طاقتور تھپڑ کا تقاضا تو یہ تھا کہ ساتوں آسمان ریزہ ریزہ ہوجاتے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملک الموت پر جلال وغضب کی وجہ یہ تھی کہ دربار نبوت کے آداب سے یہ تھا کہ اُنکے اختیارات کے بارے میں ان سے گفتگو کی جاتی جب اسکا لحاظ نہ رکھا اور وفات کی خبر دے دی تو موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آ گیا تھپڑ مار دیا۔

دیوبندیوں کے عظیم محدث اور خود خانصاحب گکھڑوی کے قابل صد احترام مایہء

نازِ عالم انور شاہ صاحب کشمیری کے عقیدہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو اتنی قوت و طاقت عطا فرمائی تھی ، اگر وہ شانِ نبوت کا مُکّا آسمانوں پر ماریں تو وہ ریزہ ریزہ ہوجائیں ۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام پر غصہ آنے کے باوجود صرف آنکھ نکالی کیونکہ ارواح کا قبض کرنا اُنکے سپرد کیا گیا ہے اور ابھی اُنہوں نے ڈیوٹی کا فریضہ انجام دینا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسکا خیال نہ فرماتے تو حضرت ملک الموت علیہ السلام پر کیا گذرتی ؟ اُوپر کے جملوں کو پڑھ کر اندازہ لگالیں۔

کیا سب کچھ اضطراری اور بے اختیار عمل تھا ؟ موسیٰ علیہ السلام کے قصد و ارادہ اور مظاہرۂ قوت و طاقت کا کوئی حصہ نہیں تھا؟ اگر کوئی انسان جلال میں آکر کسی کو تھپڑ رسید کر دے جس سے چہرہ زخمی ہوجائے، دانت نکل جائے ،تو کیا وہ شخص تھپڑ مارنے والے کے خلاف نالش اور قصاص کا اسلئے مطالبہ نہیں کرے گا کہ چونکہ اثر کا پیدا کرنیوالا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔اس لئے تھپڑ مارنے والا شخص مجرم و خطا کار ہی نہیں ہوگا؛ کیونکہ وہ اِس فعل میں غیر مختار ہے؟ **یاللعجب !**

یہ ہے عقیدہ اہل دیو بند کے مایہء ناز محدث انور شاہ صاحب کشمیری کا۔ جب کہ خانصاحب کا عقیدہ اُس کے متضاد ہے، آپ لکھتے ہیں:

(۱) ''اور معجزہ نبی کا فعل نہیں ہوتا اور نہ اُن کے قصد و اختیار کا اُس میں کچھ دخل ہوتا ہے۔''

(۲) ''یہاں تک عام افعال اختیار یہ میں جتنا کسب و اختیار بندوں کو حاصل ہوتا ہے معجزات میں وہ بھی بالکل مفقود ہوتا ہے''۔

(۲) ''اور تمام علمائے کلام اور متکلمین کے نزدیک حتی کہ معتزلہ کے نزدیک بھی معجزات اُن افعال میں ہرگز داخل نہیں جن میں بندوں کی قدرت کا کچھ دخل ہو۔'' (راہِ ہدایت ص ۳۶)

رابعاً: خانصاحب کا قول: ''اور ملک الموت نے اطلاع دیئے بغیر ہی حضرت موسیٰ علیہ

السلام کی جان لینے میں اپنی کاروائی شروع کردی'' مسلم شریف کی روایت ''جاءَ ملک الموت الی موسیٰ فقال أجب فلطم موسیٰ عین ملک الموت'' کے خلاف ہے۔

خامساً: فرض کرلیں کہ جب ملک الموت علیہ السلام صورت بشری میں حاضر ہوئے تو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام انہیں نہ پہچان سکے اس مفروضہ کے بعد بھی اصل استدلال پر کیا فرق پڑتا ہے؟ پہچانا یا نہ پہچانا، تصرف تو ملک الموت کے جسم میں کیا اور قصداً کیا اور بقول انور شاہ کشمیری غضباً کیا۔ اس تصرف کا اثر بھی ملک الموت کے جسم میں ظاہر ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تصرف امر عادی نہیں غیر عادی ہے۔ کوئی ایک بھی صحیح دلیل نہیں ملتی کہ کسی نے بھی تھپڑ مار کر ملک الموت کی آنکھ نکالی ہو۔ خانصاحب! علم یعلم کی گردان چھیڑ کر اتنی روشن حقیقت سے آنکھیں بند کرنا، استدلال کا کونسا انداز ہے؟

سادساً: خانصاحب کا'' لم یعلم انہ ملک الموت'' کو امام قسطلانی رحمہ اللہ کی تصریح قرار دینا محل نظر ہے۔

سابعاً: خانصاحب کا کلام ''پھر جو ہوا سو ہوا جو گذرا سو گذرا'' پیش کردہ حاشیہ بخاری کے کونسے جملے یا تاویل کلام کا مفاد ہے؟ جسے امام قسطلانی کی طرف منسوب کیا گیا۔

ثامناً: خانصاحب کا ''جو ہوا سو ہوا جو گذرا سو گذرا'' کے ابہام و اجمال کے پردہ میں کتمانِ حق کا شاندار کارنامہ ہے۔ حضرت کلیم اور ملک الموت علیہما السلام کا جو ماجرا گذرا، اس سے شانِ کلیمی کا جو جلوہ دکھائی دیا اور ان کے بزرگوار محدث عظیم کاشمیری شاہ صاحب نے اس کی جو تشریح فرمائی اس کا ذکر اگر ناگوار تھا تو کم از کم بخاری شریف کی حدیث کا لفظی ترجمہ ہی لکھ کر فیصلہ منصف مزاج قاری پر چھوڑ دیتے۔

خانصاحب اپنی دانست میں بہت دور کی کوڑی لائے کہ آپ علیہ السلام کو علم غیب

نہیں تھا۔ مگر جو نص صحیح سے صراحتاً ثابت ہے اس پر ''گذرا سو گذرا'' کی دھول ڈالنا، انہی کے مقام تحقیق کا کمال ہے۔

تاسعاً : مؤلف راہِ ہدایت بزعم خویش نتیجہ کشید کرتے ہوئے لکھتے ہیں اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آخر دم تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم غیب نہ تھا''

محل بحث مسئلہ علم غیب نہیں وگرنہ خانصاحب سے گذارش کی جاسکتی تھی کہ بتائیں! حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو کسی ایک غائب کا بھی علم اللہ تعالیٰ نے عطا نہیں فرمایا تھا...... یا ...... کل افراد غائب غیر متناہی کا...... یا...... بعض کا علم عطا نہیں ہوا تھا۔ تو وہ بعض کیا تھا اور کتنا؟ بعض غائب کا جو علم عطا ہوا تھا اسے علم کہیں گے یا عدم علم؟ نیز اس علم کو علم غیب کہا جائیگا یا علم الشہادۃ؟ **عالم الغیب والشھادۃ** جل شانہ کے علم غیب وشہادت کو کس اعتبار سے تقسیم کیا جاتا ہے؟...... یا...... مؤلف مذکور کی مراد یہ ہے کہ علم غیب ذاتی نہیں تھا، عطائی تھا۔ وغیرہ ذلک

ایسے امور کے طے ہونے کے بعد ہی علم غیب کے ثبوت ونفی پر بحث کی جاسکتی ہے۔ آپ علیہ السلام کو علم غیب تھا یا نہیں، اس پر گفتگو کے بجائے حل طلب سوال یہ ہے کہ مسئلہ علم غیب عقیدہ ہے، عمل نہیں۔ خانصاحب کے نزدیک عقیدہ کوئی بھی ظنی نہیں بلکہ ہر عقیدہ قطعی ویقینی ہے، جو قطعی الثبوت صریح الدلالت نص سے ہی ثابت کیا جاسکتا ہے۔ مؤلف کے اس دعوی پر کہ ''حضرت کلیم کو علم نہ تھا''، نص قطعی یقینی تو کجا خبر واحد بھی نہیں۔ مذکورہ جملہ ایک فاضل محدث کا قول تو ہوسکتا ہے وہ بھی تصریح نہیں بلکہ ایک احتمال کی بنا پر ہے۔ خانصاحب کو ان کے عقیدت مند ماہر علوم حدیث سمجھتے ہیں، کیا ان کی نظر سے شارح مسلم ابوزکریا نووی رحمۃ اللہ کی شرح نظر سے نہیں گذری غالباً پڑھی ہوگی، مگر خاص سوچ کی وجہ سے اسے نظر انداز کر دیا۔ حضرت امام نووی حدیث کلیم وملک الموت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

فی الروایة الاخری قال رسول الله ﷺ جاء ملک الموت الی موسیٰ فقال أجب ربک فلطم موسیٰ عین ملک الموت ففقأها

مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ملک الموت نے حضرت موسیٰ سے آکر کہا اپنے رب کی دعوت قبول فرمائیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کی آنکھ پر تھپڑ مار کر اسے پھوڑ دیا۔

اس کی شرح کرتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں:

ومعنی اَجِبْ رَبَّکَ اے لِلْموتِ و معناہ جِئْتُ لِقَبْضِ رُوْحِکَ (مسلم ج ۲ ص ۲۶۷)

اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے رب کی دعوت قبول فرمائیں موت کی، جس کا مطلب یہ ہے کہ میں آپکے پاس آپکی روح قبض کرنے کیلئے آیا ہوں۔

خادمانِ حدیث کے سوچنے کی بات ہے، کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پیغام رساں کو ایک انسان سمجھا؟ کیا کوئی عام انسان اس قسم کی پیغام رسانی کر سکتا ہے؟ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسا وہم ہو سکتا ہے کہ رب کا پیغام پہنچانے والا عام انسان ہے؟ اور اگر آپ علیہ السلام نے فرشتہ تصور فرمایا تو غصہ میں آکر تھپڑ کیوں مارا؟ حالانکہ ''اجب ربک'' کے کلام میں کسی سوءادبی یا زبردستی کا کوئی پہلو نہیں۔ بلکہ کلمہ تکریم و تخییر ہے، تو کیا وجہ ہے کہ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے شان جلالی کا اظہار فرماتے ہوئے ملک الموت کو زخمی کر دیا؟

اہل علم کی تحقیقات کا احترام کرتے ہوئے میرا ذوق کہتا ہے کہ مقام نبوت کے آداب سے ہے کہ انہیں جنت دکھائی جائے اور رب کی طرف سے اختیار کا اعزاز سنایا جائے اور ان کی اجازت سے فریضہ بجا لایا جائے۔ مگر ملک الموت نے ایسے نہ کیا۔ میرے ذوق میں حکمت خداوندی نے خاص جلوے دکھانے کیلئے ملک الموت کو ایسے نہ کرنے دیا۔ ثُمَّ یُخَیَّرُ کے مقررہ آداب سے ہٹ کر طریقہ اختیار کرنے پر آپ نے تھپڑ مارا۔

اس واقعہ میں لطیف حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے تعلیم

دی ہو کہ یہ تو کلیم کی بارگاہ ہے، آگے چل کر حبیب اعظم کی نازک تر بارگاہِ قدس میں حاضر ہونا ہے۔ شانِ کلیمی اور شانِ محبوبیت کی ناز برداری ضروری ہے۔ لہٰذا اس شانِ نبوت کا اظہار مقصود تھا جو اپنے عمل سے کر دیا۔

پوری حدیث کو بنظر غور پھر ایک دفعہ پڑھیں۔ دوسری بار بھی جب ملک الموت نیا پیغام لے کر حاضر ہوئے تو پھر بھی حضرت کلیم نے ان کی طرف توجہ نہیں فرمائی بلکہ شان بے نیازی کا اظہار فرماتے ہوئے ملک الموت کو کوئی جواب دینے کے بجائے رب کے حضور نیازمندی کرتے ہوئے عرض کیا:

"ثم مہ قال ثم تموت قال فالآن من قریب ربّ ادننی من الارض المقدسة"

مزید برآں اللہ تعالیٰ کا حکم، اس کا قانون قصاص موجود ہے کہ "العین بالعین" مگر اس روایت میں کسی پہلو سے بھی اس کا تذکرہ نہیں۔ اس کا کوئی حل ہونا چاہیئے تھا خاص طور پر جبکہ کسی جرم کے بغیر آنکھ پھوڑی گئی ہو۔

مقام نبوت کی عظمتوں سے دل کو نورانی اور ادب و محبت کے باغ و بہار بنا کر جو لوگ حدیث کی خدمت کرتے ہیں وہ تمام انبیاء کی عظمت نبوت کا خیال کرتے ہیں خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و تکریم، عقیدت و ادب کے روشن مینار دیکھتے ہیں۔

اگر صاحب حدیث کی ذات بابرکات، باعث تعظیم و ادب نہیں تو حدیث کا ادب واحترام، چہ معنی دارد؟

عاشراً: "اور ملک الموت نے اطلاع دیئے بغیر ہی حضرت موسیٰ کی جان لینے میں اپنی کاروائی شروع کر دی اس پر حضرت موسیٰ نے اسکو طمانچہ رسید کیا" (راہ ہدایت ص ۱۹۴)

یہ ایسی بات نہیں جس کا علم عقل و قیاس سے حاصل ہو سکے اس کیلئے مشاہدہ و خبر صادق کی حاجت ہوتی ہے۔ صاحب تالیف کو چاہیئے تھا کہ از خود مخبر بننے کی بجائے خبر صادق صحیح پیش

کرتے اور یہ کہ حضرت ملک الموت جب لباس بشری میں حاضر ہوئے تو جان لینے کی کاروائی انسانوں کے انداز پر ہوگی۔ کیا انہوں نے آپ کی گردن دبوچی تھی...... یا...... کوئی اور عادی طریقہ اختیار کیا؟...... یا...... غیر عادی تصرف فرمایا؟ جو بھی صورت ہو۔ خانصاحب کی تحقیق پر اشکالات ہیں جن کا حل ہونا چاہئے اور اس عمل پر دلیل بھی لانی چاہیے۔

وقت مقرر سے قبل تو ملک الموت جان نہیں لیتے تو جان لینے کا عمل قبل از وقت شروع کیوں کیا؟ اور پھر ادھورا چھوڑ کیوں دیا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رکاوٹ ڈالنے سے فریضہ کی بجا آوری میں حضرت ملک الموت کے تاخیر کرنے کی کیا حکمت ہے؟ اگر ملک الموت نے کسی قسم کی کوئی اطلاع نہیں دی تو اَجِبْ رَبَّکَ کا کیا مفہوم ہے؟

تاخیر اجل میں انبیاء اکرام علیہم السلام کا اختیار:

صرف حبیب اللہ و کلیم اللہ علیہما الصلوۃ والسلام کو ہی مختار نہیں بنایا گیا بلکہ تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی یہی شان ہے۔

4: سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ میں سنا کرتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

لَنْ یُّقْبَضَ نَبِیٌّ قَطُّ حَتّٰی یُرٰی مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ یُخَیَّرُ یعنی کسی نبی کا وصال نہیں ہوتا جب تک جنت میں اپنی آرام گاہ نہ دیکھ لیں اور پھر اختیار دیا جاتا ہے۔

(بخاری ص ۶۳۸، مسلم ج ۲ ص ۲۸۶، مشکوۃ ص ۵۴۷)

آپؓ سے ہی ایک اور روایت میں ہے:

"مَا مِنْ نَبِیٍّ یَمْرَضُ اِلَّا خُیِّرَ بَیْنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ" (مشکوۃ ۵۴۷) یعنی جو نبی بھی بیمار ہوتا ہے اسے دنیا و آخرت میں اختیار دیا جاتا ہے۔

جب ان روایات میں واضح طور پر انبیاء علیہم السلام کے اختیار کا ذکر ہے تو اس لحاظ

سے ان کو مختار ماننے میں کونسی خلاف شرع بات ہے؟ بلکہ مختار تسلیم نہ کرنا گمراہی وحماقت ہے۔ ان احادیث صحیحہ کو دیکھنے کے بعد قارئین خود ہی انصاف فرمائیں کہ مقصد ہفتم میں حزب مخالف کی نقل کردہ عبارات اپنے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے ٹھیک ہیں...... یا...... غلط و باطل ہونے کی وجہ سے اس قابل کہ:

ع اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

۵: غزوۂ خیبر کو جاتے ہوئے راستے میں حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ کچھ اشعار پڑھ رہے تھے۔ مختار کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: یرحمہ اللہ یعنی عامر پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے۔ آنحضرت ﷺ کی زبان فیض ترجمان مظہر وحی رحمان سے یہ فیصلہ سن کر آپ کے وزیر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بول اٹھے۔ یارسول اللہ حضرت عامر کیلئے شہادت و جنت واجب ہوگئی۔ یعنی اس غزوہ میں شہید ہوجائیں گے۔ آپ انہیں زندہ چھوڑتے۔ عامر کی اس غزوہ میں شہادت نہ ہوتی اور ہم ان کے کلام سے متمتع ہوتے۔ کیوں کہ حضرت عامر کا کلام دفعِ تکانِ سفر (سفری تھکاوٹ دور کرنے) کا بہترین علاج اور قطع مسافت میں ممد ومعاون تھا۔ روایت کے بعض الفاظ یہ ہیں:

"قَالَ یَرْحَمُہُ اللّٰہُ قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ وَجَبَتْ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ لَوْلَا اَمْتَعْتَنَا بِہٖ"
مسلم ج ۲ ص ۱۱۲، ۱۱۵ بخاری ص ۶۰۳

نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: خدا عامر پر رحمت کرے ایک مرد (فاروق اعظم) نے کہا اے اللہ کے نبی! عامر کیلئے شہادت ضروری ہوگئی کیوں نہ آپ نے ہمیں ان سے مزید نفع پہنچایا۔

حضرت امام قسطلانی نے آخری جملہ کا معنی یوں کیا ہے:

"ھَلَّا اَبْقَیْتَہٗ لَنَا لِنَتَمَتَّعَ بِہٖ"

آپ نے ہمارے لئے عامر کو کیوں نہ باقی (زندہ) رکھا تاکہ ہم ان سے متمتع ہوتے۔

لَوْلَا اَمْتَعْتَنَا بِہٖ ...... کا جملہ اور...... ھَلَّا اَبْقَیْتَہٗ لَنَا کی توضیح مختار کونین ﷺ کے امور تکوینی میں متصرف ومختار ہونے کی کیسی روشن وصاف دلیل ہے۔ اس روایت نے تو وہابیہ کے مزعومہ شرک کا تسمہ بھی نہ لگا چھوڑا۔ قاطع شرک وکفر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ

عنہ نے بھرے مجمع میں محبوبِ خدا، شہِ ہر دوسرا ﷺ کے متصرف و مختار ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور اختیار بھی زندگی و موت میں ۔ اور ہدایت کے ستاروں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین میں سے بھی کسی نے یوں نہ کہا کہ: ''اے فاروق اعظم ایسی نسبت حبیب اللہ علیہ السلام کی طرف کیوں کرتے ہو؟ مشرک ہو جاؤ گے۔ ...... نعوذ باللہ ......

اور جان ظالم پر غضب تو یوں ٹوٹا کہ شب اسریٰ کے دولہا، رازدارِ ما اوحیٰ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی اعتراض نہ فرما کر فاروق اعظم کے عقیدہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی ۔اگر سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام اس معاملہ میں مختار نہ ہوتے تو سیدنا فاروق اعظم کے کلام ''لولا امتعتنا بعامر'' کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا۔ بلکہ بے جان ہو کر رہ جاتا ہے۔اور خواہ مخواہ بغیر کسی معقول وجہ کے تاویلات وتحریفات سے کام لینا دیانت کے سراسر خلاف ہے۔امام قسطلانی کی تشریح ''هَلَّا أَبْقَيْتَهُ لَنَا لِنَتَمَتَّعَ بِهِ'' مزید رہنما ہے۔

تعجب تو ان لوگوں پر ہے کہ خود کسرِ شان اہل اللہ ثابت کرنے کیلئے ظاہری معنیٰ کو معتبر سمجھتے ہیں عبارت کی صحیح بلکہ ضروری تاویل کو بھی تحریف سے تعبیر کرتے ہیں۔مگر اعلاء شان انبیاء اللہ، رفع ذکر اہل اللہ کے باب میں وارد شدہ روایات میں ضرور کچھ نہ کچھ تحریف کریں گے۔اگر چہ عبارت کی روح ہی کیوں نہ ختم ہو جائے اور حلیہ ہی بگڑ جائے۔

آج ان مدعیانِ اسلام بزعم ایشان ٹھیکیدارانِ توحید ، کمال سمع و بصر و دیگر صفات کمالیہ کی نفی کیلئے بتوں تک کے باب میں وارد شدہ آیات و روایات کو انبیاء اولیاء پر چسپاں کرتے ہیں اور پھر ان کے ظاہری مفاہیم کا اعتبار کر کے انبیاء و اولیاء کو بے جان، بہرا، گونگا، بے دست و پا، مکھی سے کمزور...... نعوذ باللہ من ذالک استغفر اللہ...... ثابت کرنے میں کوئی کمی نہیں ہونے دیتے۔

ان لوگوں کی گھٹی میں یہ شامل ہے کہ کوئی بھی آیت پڑھیں، کسی قسم کی تقریر کریں،

اس سے فائدہ یہی نکالیں گے کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبی اللہ کو نفع پہنچانے کی طاقت نہیں بخشی گئی۔ مغیبات کا علم نہیں دیا گیا۔ وہ کسی چیز کے مختار نہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کا مالک نہیں بنایا۔ وغیرہ وغیرہ۔

مگر افسوس صد افسوس! کہ اگر انہی لوگوں کے سامنے انبیاء اللہ علیہم الصلوۃ والسلام کی وسعت علمی، اختیارات، ملک وسلطنت، سمع وبصر کی رفعت یا دیگر صفات میں کوئی معتمد قول، صحیح حدیث بلکہ قرآنی آیت ہی کیوں نہ پیش کی جائے ضرور اس میں تحریف سے کام لیں گے۔ کبھی بھول کر کوئی ایسی مظہر فضیلت حدیث یا قول قوم کے سامنے پیش کر بھی دیں تو آخر میں اپنی طرف سے ''مگر'' ضرور لگائیں گے۔

امام اہل سنت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا:

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

میں ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ نبی اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی اتنی بھی تعریف پسند نہیں کرتے جتنی اپنی مولویوں کی کرتے ہیں۔ عند المطالبہ ان شاء اللہ اس کا ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے۔ جن لوگوں کی نگاہ میں ان کے اعمال سیئہ کو شیطان نے مزین و خوشنما کر کے دکھایا ہو اور توہینِ رسالت، تنقیص شانِ ولایت، کسر رفعتِ نبوت کے ایمان کش، اسلام سوز اور کفر افروز جام، ''توحید'' کے نام سے پیش کرے اور وہ اسے شیر مادر سمجھ کر شادان و فرحاں نوشِ جان کر جائیں اور اسی پر مطمئن ہو جائیں۔ تخریب دین کو ''تعمیر'' اور توہین رسالت کو ''توحید'' سمجھ لیں تو ان کیلئے یوں کہنا بے جا نہ ہوگا۔

اک پردہ وفاداری صد سازش غداری
تعمیر کی آوازیں تخریب کی تدبیریں

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حقًا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَه وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اِجْتِنَابَه

۶: ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں سورج گرہن کا واقعہ پیش آیا جس پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو طویل قیام ورکوع کے ساتھ نماز پڑھائی۔ حالت نماز ہی میں آپ ﷺ کچھ آگے بڑھے اور پیچھے ہٹے۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مقدس فضا میں ایسے بلند فرمایا جیسے کچھ پکڑنے کا ارادہ ہے۔ نماز کے دوران ایسی کیفیت کا اظہار صحابہ کرام کیلئے عادت مبارکہ کے خلاف تھی۔ لہٰذا اصل صورت حال کی جستجو کا پیدا ہونا فطری بات تھی۔

نماز سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں کئی باتوں کا ذکر تھا اسی میں صحابہ کرام کے سوال کا جواب بھی ارشاد فرما دیا۔ یہ روایت کئی اصحابِ کرام مرد وخواتین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔

”قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ رَأَیْتُ فِی مَقَامِی ھٰذَا کُلَّ شَیْءٍ وُعِدْتُمْ حَتّٰی لَقَدْ رَأَیْتُنِی أُرِیْدُ أَنْ آخُذَ قِطْفًا مِنْ الْجَنَّۃِ حِیْنَ رَأَیْتُمُونِی جَعَلْتُ أُقَدِّمُ ...... الحدیث“

جنت کے دولہا ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس مقام پر ہر اس شئ کو دیکھ لیا جس کا بھی تم وعدہ کیے گئے ہو۔ یہاں تک کہ میں دیکھتا ہوں میرا ارادہ ہوا کہ جنت سے پھل کا خوشہ توڑ لوں جس وقت تم نے مجھے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا۔

(مسلم ج ۱ ص ۲۹۶، نسائی ص ۱۷۳، بخاری ص ۱۶۱)

مختارِ جنت نبی مکرم ﷺ نے جنت کا مشاہدہ فرماتے ہوئے بہشت سے انگور کا خوشہ توڑ لانے کا ارادہ فرمایا مگر کسی مصلحت سے آپ نے خوشہ نہ توڑا۔

سبحان اللہ! جنت آسمانوں کے اوپر ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اتنی قدرت عطا فرمائی ہے کہ مدینہ طیبہ سے ہاتھ بڑھائیں تو وہ جنت کے پھلوں تک پہنچ جائے۔ یہ ہے تصرف مافوق الاسباب۔

ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ○ واللہ ذوالفضل العظیم

باب دوم (تصرف در امور تکوینیہ)

۷: سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مالک جنت ﷺ نے فرمایا:

"فَعُرِضَتْ عَلَیَّ الْجَنَّۃُ حَتّٰی لَوْ تَنَاوَلْتُ مِنْھَا قِطْفًا اَخَذْتُہٗ اَوْ قَالَ تَنَاوَلْتُ مِنْھَا قِطْفًا فَقَصُرَتْ یَدِیْ عَنْہُ" (مسلم ص ۲۹۷)

پس مجھ پر جنت پیش کی گئی حتی کہ اس سے خوشہ انگور لینا چاہتا تو حاصل کر لیتا یا فرمایا میں نے جنت کا خوشہ پکڑ لیا پھر اس سے ہاتھ کو روک لیا۔

۸: امام المفسرین سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما شاہِ ہر دو سرا محبوب خدا ﷺ سے روایت فرماتے ہیں:

"قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ رَأَیْنَاکَ تَنَاوَلْتَ شَیْئًا فِیْ مَقَامِکَ ھٰذَا ثُمَّ رَأَیْنَاکَ کَفَفْتَ فَقَالَ اِنِّیْ رَأَیْتُ الْجَنَّۃَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْھَا عُنْقُوْدًا وَلَوْ اَخَذْتُہٗ لَاَکَلْتُمْ مِنْہُ مَا بَقِیَتِ الدُّنْیَا"

(مسلم ج ۱ ص ۲۹۸، نسائی ج ۱ ص ۱۷۷
مشکوٰۃ ص ۱۲۹ بخاری ص ۱۴۴)

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ کو دیکھا کہ اس جگہ آپ نے کوئی چیز پکڑی اور پھر ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے ہاتھ روک لیا۔ (یعنی کیا دیکھا اور کیا پکڑا؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے جنت کو دیکھا اور خوشہ پکڑا اگر توڑ لاتا تو جب تک دنیا رہتی تم اس سے کھاتے رہتے۔

سبحان اللہ! کیا روشن اور واضح بیان ہے آنحضرت ﷺ کے مختار جنت ہونے کا۔ جن کے اختیارات و تصرفات کا یہ عالم ہو، مدینہ طیبہ سے جنت بریں کے میوے توڑیں۔ اُن کے سامنے عالمِ دنیا کی کیا حقیقت؟ جنت آسمانوں پر ہے، زمین سے ہزار در ہزار ہا سال کی مسافت پر ہے۔ مگر شانِ محبوبی دیکھئے! کہ فرشِ زمین سے ہاتھ بڑھائیں تو جنت بریں تک پہنچ جائے۔ کروڑ ہا میلوں کا بُعد دستِ رسالت کے سامنے ہیچ ہے۔ جس ذات مقدس کی ایسی بلند شان اس کے متعلق یوں کہنا کہ:...... "محمد رسول اللہ ایک ذرہ کے بھی مالک و مختار نہیں بنائے گئے"...... خبثِ باطنی اور عداوتِ رسول کی کھلی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ روایات آپ ﷺ کے مالک و مختار جنت ہونے پر صریح الدلالت ہیں اور پھر

آپ کا یہ ارشاد کہ ''اگر میں چاہتا تو پھل توڑ لیتا'' آپ کے فاعل مختار ہونے کی کھلی دلیل ہے۔ ان روایات سے حزب مخالف کی مافوق وتحت الاسباب کی حیلہ گری بھی ختم ہوگئی؛ کیوں کہ حزب مخالف کی تشریح کے مطابق آنحضرت ﷺ کا یہ ''تصرف ما فوق الاسباب'' ہے جو کہ حزب مخالف کے خانہ ساز عقیدہ میں شرک قطعی ہے۔

نیز واضح ہوا کہ آنحضور پرنور ﷺ اس پر قادر تھے کہ اپنی امت کو اسی دنیا میں جنت کا پھل کھلائیں، مگر کسی حکمت و مصلحت سے آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا۔

سیدنا عبداللہؓ کی روایت میں تو اسکی بھی تصریح ہے اگر میں توڑ لاتا تو تم قیامت تک کھاتے رہتے اور وہ ختم نہ ہوتا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ جنت کے دولہا ﷺ کا فقر اختیاری تھا نہ کہ اضطراری۔ بلکہ آپ ﷺ حقیقتاً تمام مخلوق سے زیادہ غنی ہیں۔ ایک اور روایت میں اسے اور واضح تر کر دیا گیا ہے کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فعل اختیاری تھا۔ روایت کے الفاظ یوں ہیں:

''فَمَدَدْتُ يَدِي وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَتَنَاوَلَ مِنْ ثَمَرِهَا لِتَنْظُرُوا إِلَيْهِ ثُمَّ بَدَا لِي أَنْ لَا أَفْعَلَ'' (مسلم ج ۱ ص ۲۹۸) میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور میرا ارادہ تھا کہ جنت کا پھل حاصل کرلوں تا کہ تم اسے دیکھو، مگر پھر میرا خیال ہوا ایسے نہ کروں

مؤلف راہِ ہدایت کو سمجھنا چاہیے کہ قصداً ترکِ فعل فاعل کے مختار ہونے کی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا دستِ مبارک بڑھا کر جنت سے انگور کے خوشے کو پکڑنا توڑنے کا ارادہ فرمانا اور پھر کسی مصلحت سے ایسا نہ کرنا روشن بیان ہے کہ یہ معجزانہ کمال آپ ﷺ کا اختیاری فعل ہے۔ ان اقوالِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سننے اور حزب مخالف کے عقائد دیکھنے کے بعد اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے۔

ترسم کہ بکعبہ نرسی اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بترکستان ست

باب دوم (تصرف در امور تکوینیہ)

٩: سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوئِهِ وَحَاجَتِهِ فَقَالَ لِي سَلْ فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَوْغَيْرَ ذٰلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ

(مسلم ج ۱ ص ۱۹۳، مشکوۃ ص ۸۴ نسائی ج ۱ ص ۱۳۴)

میں آنحضرت سراپا رحمت ﷺ کے پاس رات کو حاضر رہتا ایک مرتبہ وضو کا پانی وغیرہ ضروریات حضور پر نور کی خدمت میں حاضر لایا۔ اس پر رحمت عالم نے ارشاد فرمایا: "مانگ" (میں نے عرض کی) آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا اسکے علاوہ کچھ اور عرض کی بس مختار کونین ﷺ نے فرمایا: تو میری اعانت کر اپنے نفس پر کثرت سجود سے۔

اس حدیث جلیل کا ایک ایک جملہ ایمان افروز، نجدیت سوز، روح پرور، وہابیت کش ہے۔ جواں سال خادم کے جذبۂ خدمت سے خوش ہو کر مختار جنت ﷺ کا دریائے رحمت جوش میں آیا اپنے خادم سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کو فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے غلام جو چاہے مانگ (کسی چیز کی تخصیص ہی نہیں) عرض کی جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں۔

سائل ہوں تیرا مانگتا ہوں تجھ سے تجھی کو
اقرار کی عادت تیری معلوم ہے مجھ کو

سبحان اللہ! کیسا سوال؟ آقا کی معیت کا جنت میں۔ پھر نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: علاوہ ازیں اور کچھ؟ یعنی میری رفاقت کے بغیر کچھ اور مانگ۔ عاشق صادق نے عرض کی بس یہی کافی ہے۔ آپ کے بغیر اور کس چیز کی تمنا کروں؟

ع پروانہ کو شمع، بلبل کو پھول بس

اس روایت سے صاف طور پر صحابہ کرام کا عقیدہ معلوم ہوا کہ ان کے عقیدہ میں نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام جنت عطا فرما سکتے ہیں اور نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام سے جنت

کا سوال کرنا شرک و کفر نہیں بلکہ عین ایمان ۔

ناظرین: انصاف فرمائیں جس کے قبضہ میں خدا کے دیئے سے بھی ایک ذرہ تک نہ ہو اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہ بنایا گیا ہو (نعوذ باللہ) کیا انکی یہی شان ہوتی ہے کہ جنت دینے کے وعدے کرتے پھریں؟ ''حزب مخالف'' کے مسلک کے مطابق تو اس قسم کے صحابہ کرام سے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلط وعدے ہوئے ...... نعوذ باللہ۔

بعض مخالفین نے اس روایت کی اس طرح تاویل کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ حضرت ربیعہ بن کعب کی خدمت سے متاثر ہو کر نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو سوال تم نے کرنا ہے کرو! کیوں کہ جو سوال تم کرو گے اس کیلئے جو دعا میں کرونگا وہ ایک خاص کیفیت کے ساتھ ہوگی۔ نیز نماز پڑھا کرتا کہ میں تیری سفارش کرسکوں۔ سبحان اللہ! اتنا تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یونہی رد کر دیتے تو کوئی جبر کرسکتا تھا؟ اور نہ یہی، ''خبر واحد'' کہنے کا حربہ ہی استعمال کر لیتے۔

یاد رہے! حدیث پاک کے الفاظ اس تکلف کو ہرگز قبول نہیں کرتے گہری نظر سے دیکھا جائے تو حزب مخالف کو یہ معنی بھی مفید نہیں؛ کیوں کہ آنحضور ﷺ کے اس قسم کے مواعید حتمی ہیں یا غیر حتمی۔ اگر حتمی و یقینی اور قطعی الوفاء تھے تو حزب مخالف کو مخالف۔ اگر غیر یقینی تھے تو ربیعہ بن کعب کو خصوصیت سے کیا چیز عطا ہوئی؟ شفاعت سے بہرہ ور ہونا تو ہر مسلمان کیلئے ہے۔ خواہ کتنا ہی گنہگار ہو۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہمارے مدعا پر یہ روایت قطعی الدلالت ہے جس کی حجیت حزبِ مخالف کو مُسلَّم ہے۔

جیسے سرحدی خانصاحب لکھتے ہیں:

''یہاں قطعی الدلالت دلیل ہی حجت ہو سکتی ہے ضعیف اور مجمل حدیثیں یا کسی

بزرگ کا غلبہ سکر کا کوئی فرمودہ حکم یہاں قبول نہیں ہو سکتا۔"

(دل کا سرور ص ۲۹)

اب نہ تو یہ حدیث ضعیف ہے نہ مجمل، بلکہ جملہ "اسئلک"...... میں آپ سے مانگتا ہوں...... صریح الدلالت ہے۔ اب تو ایمان لے آنا چاہیئے۔

خان صاحب کی لن ترانی:

خانصاحب لکھتے ہیں:

"بلکہ اس حدیث سے تو آنحضرت ﷺ کے مختار کل ہونے کی نفی ثابت ہوتی ہے؛ کیوں کہ آپ نے اس صحابی کو فرمایا کثرت سجود سے میری مدد کرو۔ اصل یہ ہے کہ حقیقت میں مدد صرف اسی کی ہو سکتی ہے جو مختار کل نہ ہو قرآن مجید میں جو آیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو تو اس سے مراد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو۔" (دل کا سرور ص ۱۲۳)

خادم اہل سنت:

ذرا تو غور فرماتے کہ اس صحابی کو اسی کے فائدے کیلئے نماز پڑھنے کا حکم ہوا یا نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے فائدہ کیلئے؟ یقیناً اسی کے فائدہ کیلئے۔ تو خانصاحب کا سوال اٹھ گیا۔ باقی رہا یہ سوال کہ اسے کثرت سجود کا کیوں حکم دیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تاکہ کہیں اپنے جنتی ہونے کی بشارت سن کر اعمال صالحہ کو ترک ہی نہ کر دے۔ اس لئے تاکید فرمائی۔

جیسے صحابہ بدر یین کو مژدۂ جنت و مغفرت اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ

یا حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین کو...... مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ ......

اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ کی

بشارت ہونے کے باوجود اعمال صالحہ کی پابندی اور مساوی (برائیوں) سے اجتناب ضروری تھا اور یہ ان کے جنتی ہونے کے منافی نہیں۔ ایسے ہی حضرت ربیعہ کو نماز کی پابندی کا حکم ہونا انہیں جنت عطاء ہونے کے خلاف نہیں۔

اس جلیل الشان حدیث سے منکرینِ شانِ رسالت کا دماغ ایسا چکرایا کہ عقل و دیانت کہیں رفو چکر ہو گئے اور عالم وارفتگی میں عجیب عجیب نکتہ سنجیاں ہوتی رہیں جن کی ترجمانی یہ شعر کرتا ہے۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ — کچھ نہ سمجھے خدا کرے ! کوئی

خان صاحب کی محدثانہ اپچ:

حزب مخالف کے مشہور مصنف و مدقق خانصاحب گکھڑوی اس حدیث پاک کے جواب میں ایسے پریشان ہوئے کہ اپنی حدیث دانی کا ثبوت انوکھے ڈھنگ سے فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس حدیث کے جواب پر رقمطراز ہیں:

"علاوہ بریں صحابہ کرام کی شان سے یہ بعید تھا کہ وہ دنیا دنی کا اتنا خیال رکھتے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پر وہ اسی کا مطالبہ کرتے۔" (دل کا سرور ص ۱۳۳)

اس عبارت کا کیا مطلب و مناسبت؟

ع — کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

یہی خانصاحب لکھتے ہیں:

"اس حدیث کی دوسری سند میں موجود ہے کہ ایک صحابی نے سوال کیا کہ حضرت مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیں جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو سکوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ کثرت سے سجدہ و نماز ادا کیا کرو۔ (مسلم ص ۱۹۳) اس روایت سے معلوم ہوا کہ سوال مطلق نہ تھا بلکہ ایسے اعمال کے ساتھ مقید تھا جن پر عمل پیرا ہو کر جنت حاصل ہو سکتی ہے اور یہی آنحضرت ﷺ کا منصب بھی تھا۔ (دل کا سرور ص ۱۳۳)

خادم اہل سنت:

"اس حدیث کی دوسری سند میں مذکور ہے الخ" اس دوسری سند میں سے خانصاحب کی کیا مراد ہے؟ اگر راویوں کے نام مراد ...... جیسا کہ لفظ سند سے عیاں ہے.....تو مؤدبانہ گذارش ہے کہ ہمارا استدلال متن حدیث سے ہے نہ کہ راویوں کے نام سے، نیز ہوش میں آکر آنکھ کھولیں کہ "سندِ حدیث" اور "متن حدیث" علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔؟

اور اگر خانصاحب کی...... دوسری سند سے...... مراد یہ ہے کہ ربیعہ بن کعب کی زیرِ بحث حدیث مختلف سندوں کے ساتھ آئی ہے۔ ایک سند سے مروی متن کے الفاظ تو وہی ہیں جو اس کتاب میں مذکور ہوئے جن سے ہمارا (اہل سنت کا) استدلال ہے۔ لیکن دوسری سند سے ربیعہ بن کعب کا یہی واقعہ اس طرح ہے کہ ایک صحابی (ربیعہ بن کعب) نے عمل صالح کے متعلق سوال کیا نہ کہ جنت کے متعلق۔

تو راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ سراسر بہتان اور جھوٹ ہے۔ تصحیح نقل ہرگز نہیں کر سکتے ایک خانصاحب تو کیا! حزب مخالف کے تمام چھوٹے بڑوں کو چیلنج کیا جاتا ہے کہ مسلم ج ا ص ۱۹۳ سے حضرت ربیعہ بن کعب کی دوسری روایت نکال کر دو، جس میں وہ الفاظ ہوں جن کی طرف خانصاحب نے اشارہ کیا ہے۔ ہے کسی میں تاب؟

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے   یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

اور اگر کوئی حضرت، عذر گناہ بدتر از گناہ کے طور پر کہیں کہ مسلم ج ا ص ۱۹۳ پر ...... ایک صحابی نے سوال کیا الخ ...... یہ روایت موجود ہے تو انہیں عقل کے ناخن اتروانے چاہئیں! کیوں کہ ہماری بحث حضرت ربیعہ بن کعب کے واقعہ سے ہے کہ انہوں نے کیا سوال کیا؟ نہ مطلق کسی صحابی کے سوال سے۔ مسلم شریف کے اسی صفحہ حضرت ابوالدرداء، ثوبان رضی اللہ عنہما کا سوال اجمالا وتفصیلا موجود ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ ایسا عمل بتائیے

جس کے ذریعہ جنت میں داخل ہوسکیں۔ لیکن ربیعہ بن کعب کا ایسا سوال موجود نہیں بلکہ وہی جنت کا سوال۔ نیز اس تاویل کے متعلق خانصاحب کے یہ الفاظ اس حدیث کی دوسری سند میں کہہ رہے ہیں۔

ع اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

عوام الناس سے کتنا بڑا دھوکا اور نقل کلام میں کتنی بڑی خیانت ہے! یہ لوگ تحریف میں یہود سے بھی دو قدم آگے نکل گئے ہیں۔ کتنی جرأت سے کہہ دیا کہ:

''اس حدیث کی دوسری سند میں الخ''

ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

حضرات! جب انسان صحیح راستہ سے بھٹک جاتا ہے تو قدم قدم پر اس کو ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔ اگر حزبِ مخالف کے محدث صاحب پہلے ہی سے سوچ لیتے کہ میری خیانت اگر آشکارۂ عالم ہوگئی تو کیا حشر ہوگا؟ تو اتنی بڑی مغالطہ دہی سے کام نہ لیتے۔

خانصاحب کی بدحواسی!

اسے خانصاحب کی بدحواسی سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیوں کہ انہیں یہ مغالطہ ایسا پسند آیا کہ اپنی کتاب کے ص ۱۲۶ پر لکھتے ہیں:

''الغرض میں نے مسلم کے ہی حوالہ سے روایت نقل کردی کہ اس روایت کی دوسری سند میں ''سوال مقید'' ہے ایسے اعمال کے ساتھ جن کے کرنے سے جنت حاصل ہوسکے، تو اس روایت سے معلوم ہوا کہ پہلی روایت میں بھی سوال مطلق نہ تھا بلکہ ''تحصیل جنت کے ساتھ مقید تھا'' انتہی

خادم اہل سنت: ؎ بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

ناظرین خود فیصلہ فرمائیں کہ: **"سوال مطلق نہ تھا بلکہ تحصیلِ جنت کے ساتھ مقید تھا"** کیسا معنی خیز جملہ ہے! اب تک جس کا انکار ہوتا رہا جس کیلئے خواہ مخواہ اوراق سیاہ کئے آخر ناچار اقرار ہی کرلیا اور ہمارا بھی یہی دعوی ہے کہ اس صحابی کا آپ سے تحصیلِ جنت کا سوال تھا۔

ع مدعی لاکھ پر بھاری ہے گواہی تیری

باقی رہا خانصاحب کا یہ ارشاد کہ "میں نے مسلم ہی کے حوالہ سے الخ" تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک خانصاحب تو کیا دنیائے دیوبندیت قیامت تک اس دعویٰ کی صحت کا ثبوت نہیں پیش کرسکتی۔ "ان شاء اللہ العزیز"

سلسلہ کلام طویل ہوتا جارہا ہے آپ اکتا نہ جائیں وگرنہ......

جی چاہتا ہے چھیڑ کے ہوں ان سے ہم کلام
کچھ تو لگے گی دیر، سوال و جواب میں

اب ملاحظہ فرمائیے کہ شراح حدیث اس روایت کا کیا مطلب بیان فرماتے ہیں؟ چنانچہ الفقیہ المحدث شیخ عبدالحق دہلوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"از اطلاق سوال کہ فرمود "سل" بخواہ وتخصیص نہ کرد بمطلوبے خاص. معلوم شدکہ کار همه بدست همت و کرامت اوست ﷺ هرچه خواهد هر کرا خواهد باذن پروردگار خود دهد"

"یعنی آنحضرت ﷺ کے ارشاد "سل" کے مطلق ہونے اور کسی خاص مطلوب کے ساتھ مخصوص نہ ہونے سے معلوم ہوا کہ تمام کام آنحضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دستِ ہمت وکرامت میں ہیں۔ جو چاہیں جسے چاہیں اللہ کے اذان سے عطا کریں۔"

(اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ جلد ۱ ص ۳۹۶)

بیت

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَ ضَرَّتَهَا — یارسول اللہ دنیا وآخرت آپ کی بخشش سے ہے

وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ — اورلوح قلم کا علم آپ کے علوم میں سے ایک علم ہے

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری — دنیااور آخرت کی اگر خیریت کا تو آرزو رکھتا ہے

بدر گاهش بیاؤ هرچه خواهی آن تمنا کن — تو حضور ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر جو چاہے تمنا کر

(اشعة اللمعات ج ۱ ص ۳۹۶)

اللہ اکبر! حضرت شیخ قدس سرہ نے تو دنیا وآخرت کو مختار کونین ﷺ کا عطیہ قرار دے دیا اور فرمایا کہ تمام امور باذنہ تعالیٰ آپکے قبضہ میں ہیں۔ کما یلیق بشانہ ﷺ اور فرمایا: کہ لوح وقلم کا علم آپ کے سمندر علمی کے مقابلہ میں ایک قطرہ ہے۔ یہ ہے اہل سنت کا مبارک عقیدہ!

علامہ قاری حنفی قدس سرہ العزیز اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

" وَيُؤْخَذُ مِنْ اِطْلَاقِهِ ﷺ الْأَمْرَ بِالسُّؤَالِ أَنَّ اللهَ مَكَّنَهُ مِنْ اِعْطَاءِ كُلِّ مَا أَرَادَ مِنْ خَزَائِنِ الْحَقِّ وَمِنْ ثَمَّ عَدَّ أَئِمَّتُنَا مِنْ خَصَائِصِهِ أَنَّهُ ﷺ يَخُصُّ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءِ .... (اِلٰى اَنْ قَالَ) اِنَّ اللهَ تَعَالٰى أَقْطَعَهُ أَرْضَ الْجَنَّةِ يُعْطِي مِنْهَا مَاشَاءَ لِمَنْ شَاءَ"

(مرقات ج ۱ ص ۵۵۰)

یعنی نبی اکرم ﷺ نے ربیعہ بن کعب کو مانگنے کا حکم مطلق دیا (کسی چیز کی تخصیص نہیں فرمائی) جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اللہ ﷺ کو قدرت واختیار بخشا ہے کہ اللہ کے خزانوں سے جو چاہیں عطاء فرمادیں۔ اسی لئے ہمارے آئمہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کے خصائص سے شمار کیا ہے کہ آپ ﷺ اس بات میں مختار ہیں کہ (حکم وغیرہ میں) جو چاہیں جس کیلئے چاہیں خاص فرمادیں۔ (یہاں تک کہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے فرمایا) بیشک اللہ تعالیٰ نے ارض جنت رسول اللہ ﷺ کو بطور جاگیر عطا فرمادی۔ جنت میں سے جتنی چاہیں جسے چاہیں عطا فرمادیں۔

سبحان اللہ ! علامہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری کا کیسا ایمان افروز بیان ہے۔ یہ وہی علامہ قاری ہیں جنہیں حزب مخالف بوقت ضرورت مجدد بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اب خانصاحب اوران کے ہمنواؤں کو چاہئیے کہ ان علماء اہل سنت پر بھی برس پڑیں کہ انہوں نے خانصاحب وغیرہ کی مرضی کے خلاف حدیث کا مطلب کیوں بیان کیا ؟...... جو بزعم ایشاں سراسر شرک ہے...... سوچا جائے تو حقیقت میں یہ لوگ فریق مخالف یا بریلوی کی آڑ لے کر متقدمین اہل سنت کو سب وشتم کررہے ہیں۔ اور پس پردہ انہیں کی تکفیر کررہے ہیں (نعوذ باللہ) اور پھر انہیں مسلمان صالح، متقی، مجدد کہہ کر اپنے فتوی سے اپنے آپ کو کافر ثابت کررہے ہیں۔

امام اہل سنت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ نے اسلاف وکابرین کے اسی عقیدہ کے پیش نظر کیا خوب فرمایا!

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں انکے خالی ہاتھ میں

اس مقام پر مؤلف راہِ ہدایت کی عبارات پر جو مسکت سوال کئے گئے اور اہل حق کی حقانیت پر علامہ ملا علی قاری اور شیخ محقق کی جو صریح الدلالت عبارات درج کی گئیں ان کے جوابات دینے کی زحمت گوارا نہ کی بلکہ خاموشی سے ہڑپ کر گئے۔

یہاں پر امام اہل سنت رحمۃ اللہ کی کتاب مستطاب ''الامن والعلیٰ '' سے کچھ حصہ بطور اقتباس نقل کیا جاتا ہے اگرچہ فقیر ویسے بھی انہی بزرگ ہستیوں کے خرمن علمی سے خوشہ چین ہے مگر یہاں آپ کی عبارت نقل کرکے اپنی کتاب کی افادیت کو بڑھانا چاہتا ہوں، فرماتے ہیں:

''طبرانی معجم اوسط اور خرائطی مکارمِ الاخلاق میں امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم

اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے جب کوئی شخص کچھ سوال کرتا۔ اگر حضور کو منظور ہوتا تو نعم فرماتے۔ یعنی اچھا۔ اور نہ منظور ہوتا تو خاموش رہتے۔ کسی چیز کو ''لا'' یعنی ''نہ'' نہ فرماتے۔ ایک روز ایک اعرابی نے حاضر ہوکر سوال کیا۔ حضور خاموش رہے پھر سوال کیا سکوت فرمایا۔ پھر سوال کیا اس پر حضور اقدس ﷺ نے جھڑکنے کے انداز سے فرمایا ''سَلُ مَا شِئْتَ یَا اَعْرَابِی'' اے اعرابی جو تیرا جی چاہے ہم سے مانگ۔ مولا علی وجہہ الکریم فرماتے ہیں ''فَغَبَطْنَاهُ فَقُلْنَاهُ الآنَ یَسْأَلُ الْجَنَّةَ'' یہ حال دیکھ کر کہ (حضور خلیفۃ اللہ الاعظم ﷺ نے فرمایا جو دل میں آئے مانگ لے) ہمیں اس اعرابی پر رشک آیا۔ ہم نے اپنے جی میں کہا کہ اب یہ حضور سے جنت مانگے گا۔ اعرابی نے کہا، تو کیا کہا؟ کہ میں حضور سے سواری کا ایک اونٹ مانگتا ہوں۔ فرمایا عطا ہوا۔ عرض کی حضور سے زادِ راہ مانگتا ہوں۔ فرمایا عطا ہوا۔ ہمیں ان کے سوالوں پر تعجب آیا۔ سید عالم ﷺ نے فرمایا: کتنا فرق ہے اس اعرابی کی مانگ اور بنی اسرائیل کی ایک پیرزن کے سوال میں؟۔

پھر حضور نے اس کا ذکر ارشاد فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں اترنے کا حکم ہوا۔ کنارۂ دریا تک پہنچے، سواری کے جانوروں کے منہ اللہ عزوجل نے پھیر دیئے کہ خود بخود واپس پلٹ آئے۔ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کی: الٰہی! یہ کیا حال ہے؟ ارشاد ہوا تم قبر یوسف علیہ السلام کے پاس ہو ان کا جسم اپنے ساتھ لے لو۔ موسیٰ علیہ السلام کو قبر کا پتہ معلوم نہ تھا۔ فرمایا اگر تم میں کوئی جانتا ہو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ شاید کہ بنی اسرائیل کی پیرزن کو معلوم ہو، اس کے پاس آدمی بھیجا کہ تجھے یوسف علیہ السلام کی قبر معلوم ہے۔ کہا ہاں۔ فرمایا مجھے بتادے عرض کی ''لا وَاللهِ حَتّٰی تُعْطِیَنِی مَا اَسْئَلُکَ'' خدا کی قسم نہ بتاؤں گی یہاں تک کہ میں جو

کچھ آپ سے مانگوں آپ مجھے عطا فرمادیں فرمایا۔ "ذَالِکَ لَکِ" تیری عرض قبول ہے۔

بوڑھی عورت کیا کمال سوال کیا، کہنے لگی: "قَالَتْ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اَنْ اَکُوْنَ مَعَکَ فِیْ الدَّرَجَةِ الَّتِیْ تَکُوْنُ فِیْهَا فِیْ الْجَنَّةِ" پیرزن نے عرض کی تو میں حضور سے یہ مانگتی ہوں کہ جنت میں مَیں آپ کے ساتھ رہوں، اس درجے میں جس درجے میں آپ ہوں گے۔ قال سلی الجنة . موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا جنت مانگ لے، تجھے یہی کافی ہے۔ اتنا بڑا سوال نہ کر۔ کہنے لگی: لا واللہ الا ان اکون معک خدا کی قسم میں نہ مانگوں گی مگر یہی کہ آپ کے ساتھ ہوں۔

فجعل موسی یرددھا فاوحی اللہ ان اعطھا ذلک فانہ لم ینقصک شیئا فاعطاھا ۔موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اپنی گفتگو میں یہی ردو بدل کرتے رہے تو اللہ عزوجل نے وحی بھیجی۔ اے موسیٰ! وہ جو مانگ رہی ہے تم اسے وہی عطا کردو کہ اس میں تمہارا کچھ نقصان نہیں۔ موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے جنت میں اپنی رفاقت اسے عطا فرمادی۔ اس نے یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کی قبر بتادی، تو موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نعش مبارک کو ساتھ لیکر دریا سے عبور فرما گئے۔

اقول وباللہ التوفیق : بحمد اللہ تعالیٰ اس حدیث نفیس کا ایک ایک حرف جانِ وہابی پر کوکبِ شہابی ہے۔

اولاً حضور اقدس ﷺ کا اعرابی سے ارشاد کہ جو جی میں آئے مانگ ! حدیث ربیعہ رضی اللہ عنہ میں تو اطلاق ہی تھا جس سے علمائے کرام نے عموم مستفاد کیا یہاں صراحۃً خود ارشاد اقدس میں عموم موجود کہ "جو دل میں آئے مانگ لے"۔ ہم

سب کچھ عطا فرمانے کا اختیار رکھتے ہیں۔

" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وَبَارَکَ عَلَیْهِ
وعلی آلہ قَدْرِ جُوْدِهٖ وَنَوَالِهٖ ونعمه وافضاله "

ثانیاً یہ ارشاد سن کر مولی علی وغیرہ صحابہ حاضرین رضی اللہ عنہم کا غِبطہ (رشک) کہ کاش یہ عام انعام کا ارشاد اکرام ہمیں نصیب ہوتا، حضور تو اسے اختیار عطا فرما ہی چکے اب یہ حضور سے جنت مانگے گا۔

معلوم ہوا **بحمد اللہ تعالیٰ** صحابہ کرام کا یہی اعتقاد تھا کہ حضور اقدس ﷺ کا ہاتھ اللہ عزوجل کے تمام خزائنِ رحمت، دنیا و آخرت کی ہر نعمت پر پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ سب سے اعلیٰ نعمت یعنی جنت، جسے چاہیں بخش دیں۔ ﷺ

ثالثاً خود حضور اقدس ﷺ کا اس وقت اس اعرابی کے قصورِ ہمت پر تعجب! کہ ہم نے اختیار عام دیا اور ہم سے عطاء دنیا مانگنے بیٹھا ہے۔ پیرزن اسرائیلیہ کی طرح جنت، نہ صرف جنت بلکہ جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ مانگتا، تو ہم تو زبان دے ہی چکے تھے اور سب کچھ ہمارے ہاتھ میں ہے، وہی اسے عطا فرما دیتے۔ ﷺ

رابعاً ان بڑی بی پر اللہ عزوجل کی بے شمار رحمتیں۔ بھلا انہوں نے موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو خدائی کارخانہ کا مختار جان کر جنت اور جنت میں بھی ایسے اعلیٰ درجے عطا کر دینے پر قادر مان کر شرک کیا۔ تو اُس موسی کلیم اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کو کیا ہوا کہ یہ بآن شانِ غضب وجلال اس شرک پر انکار نہیں فرماتے۔ اس کے سوال پر کیوں نہیں کہتے کہ میں نے جو اقرار کیا تھا تو ان چیزوں کا جو میرے اختیار کی ہوں۔ بھلا جنت اور جنت کا بھی ایسا درجہ! یہ خدا کے گھر کے معاملے ہیں۔ ان میں میرا کیا اختیار؟ تو نے نہیں سنا کہ وہابیہ کے "امامِ شہید" اپنے "

قرآنِ جدید'' نام کے ''تقویۃ الایمان'' اور حقیقت میں ''تفویۃ الایمان'' اور مجموعہ کلمات کفر و کفران میں فرمائیں گے کہ:

''انبیاء میں اس بات کی کچھ بڑائی نہیں کہ اللہ نے ان کو عالم میں تصرف کی کچھ قدرت دی ہو'' بڑی بی، میں تو میں، مجھ سے اور تمام جہان سے افضل محمد رسول اللہ خاتم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت ''ان کی وحی باطنی'' میں اترے گا کہ:

''جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں''

اس پر مستزاد خود انہیں کے نام سے بیان کیا جائیگا کہ:

''میری قدرت کا حال تو یہ ہے کہ اپنی جان تک کے بھی نفع نقصان کا مالک نہیں، تو دوسرے کا کیا کر سکوں؟''

نیز کہا جائیگا کہ:

''پیغمبر نے سب کو، اپنی بیٹی تک کو کھول کر سنا دیا کہ قرابت کا حق ادا کرنا اسی چیز میں ہو سکتا ہے کہ اپنے اختیار کی ہو۔ سو یہ میرا مال موجود ہے اس میں مجھ کو کچھ بخل نہیں اور اللہ کے ہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے۔ وہاں میں کسی کی حمایت نہیں کر سکتا اور کسی کا وکیل نہیں بن سکتا۔ سو وہاں کا معاملہ ہر کوئی اپنا اپنا درست اور دوزخ سے بچنے کی ہر کوئی تدبیر کر لے''

بڑی بی! کیا تم سٹھ گئی ہو؟ دیکھو تو تقویۃ الایمان کیا کہہ رہی ہے؟ کہ رسول بھی کون؟ محمد سید الانبیاء ﷺ۔ اور معاملہ بھی کس کا خود ان کے جگر پارے کا! اور وہ بھی کتنا؟ کہ دوزخ سے بچا لینا۔ اس کا نہیں خود اپنی صاحبزادی کیلئے کچھ اختیار نہیں وہ اللہ کے ہاں کچھ کام نہیں آسکتے تو کہاں وہ اور کہاں میں؟

کہاں ان کی صاحبزادی اور کہاں تم؟ کہاں صرف دوزخ سے نجات اور کہاں جنت اور جنت کا بھی ایسا اعلیٰ درجہ بخش دیں۔

بھلا بڑی بی ! تم مجھے خدا بنا رہی ہو؟ پہلے تو تمہارے لئے کچھ امید ہو بھی سکتی تھی، اب تو شرک کر کے تم نے جنت اپنے اوپر حرام کر لی۔ افسوس! کہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوۃ والتسلیم نے یہ کچھ نہ فرمایا: اس بھاری شرک پر اصلاً انکار نہ کیا۔

خامساً انکار تو درکنار اور رجسٹری کہ سلی الجنۃ اپنی لیاقت سے بڑھ کر تمنا نہ کرو۔ ہم سے جنت مانگ لو! ہم وعدہ فرما چکے ہیں عطا کر دیں گے۔ تمہیں یہی بہت ہے۔ افسوس! موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام سے کیا شکایت! کہ امام الوہابیہ اگر چہ یہودی خیالات کا آدمی ہے جیسا کہ ابھی آخر وصل اول میں ثابت ہو چکا مگر اپنے آپ کو کہتا تو محمدی ہے۔ خود محمد ﷺ نے اس کے جدید قرآن تقویۃ الایمان کو جہنم پہنچایا۔

ربیعہ رضی اللہ عنہ نے حضور سے جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ مانگا اس عظیم سوال کے صریح شرک پر انکار نہ فرمایا، بلکہ صراحۃً عطا فرما دینے کا متوقع کر دیا اب اگر وہ جل جل کر ان کی توہین نہ کرے۔ ان کا نام سو سو گستاخیوں سے نہ لے تو اور کیا کرے؟ بے چارہ کلیم کا مردود، حبیب کا مارا، اپنے جلے دل کے پھپھولے بھی نہ پھوڑے۔ مثل مشہور ہے کسی کا ہاتھ چلے کسی کی زبان۔

﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

سادساً سب فیصلوں کی انتہاء خدا تعالیٰ پر ہوتی ہے۔ حضرت کلیم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے امام الوہابیہ سے یہ رکھائی برتی تو اسے جائے عذر تھی۔ کہ موسیٰ بدینِ خود ما بدینِ خود ۔ حبیب ﷺ نے تقویۃ الایمان کی یہ صریح تذلیل فرمائی تو اسے آنسو پونچھنے کو جگہ تھی کہ وہ بھی نبی امی ہیں۔ پڑھے لکھے نہیں کہ تقویۃ الایمان پڑھ لیتے تو ان احکام جدیدہ سے آگاہ ہوتے۔ مگر پورا قہر تو

خدا نے توڑا کہ بڑی بی کے شرک اور موسیٰ کے اقرار کو خوب مستجل و مکمل فرمادیا۔ وحی آئی تو کیا آئی کہ ''اعطہا کذالک'' موسیٰ جو یہ مانگ رہی ہے تم اسے عطاء کر بھی دو۔ اس بخشش فرمانے میں تمہارا کیا نقصان ہے ؟

واہ رے قسمت! یہ اوپر کا حکم تو سب سے تیز رہا۔ یہ نہیں فرمایا جاتا کہ موسیٰ! تم ہو کون؟ بڑھ بڑھ کر باتیں مارنے والے۔ ہمارے یہاں کے معاملے کا ہمارے حبیب کو ذرہ بھر اختیار ہے ہی نہیں۔ یہاں تک کہ خود اپنی صاحبزادی کو دوزخ سے نہیں بچا سکتے، تم ایک بوڑھیا کو جنت پہنچائے دیتے ہو۔ اپنی گرم جوشی اٹھا رکھو۔ تقویۃ الایمان میں آچکا ہے کہ ہمارے یہاں کا معاملہ ہر شخص اپنا اپنا درست کرے۔ بلکہ علی الرغم الوھابیہ الثایہ حکم آتا ہے کہ: موسیٰ! تم اسے جنت کا یہ عالی درجہ عطا کردو۔

اب کہئے یہ بے چارہ (وہابی شیطانی توحید کا پرچارک) کس کا ہو کر رہے ؟ جس کیلئے توحید بڑھانے کو تمام انبیا سے بگاڑی، دین و ایمان پر دولتی جھاڑی، صاف کہہ دیا کہ ''خدا کے سوا کسی کو نہ مان'' اوروں کو ماننا محض خبط ہے۔ اسی خدا نے یہ سلوک کیا۔ اب وہ بیچارہ " ازیں سو ماندہ وز آنسو راندہ " سوا اس کے کیا کرے کہ اپنی اکلوتی چمر توحید کا ہاتھ پکڑ کر جنگل کو نکل جائے اور سر پر ہاتھ رکھ کر چلائے۔

ما زیاراں چشم یاری داشتیم
خود غلط بود آنچہ ماپنداشتیم

قارئین کرام! مجھے امام الوہابیہ کی اس حالت زار پر ایک حکایت یاد آئی اگرچہ میری گفتگو کا تعلق ذکر احادیث میں ہے، مگر بمناسبت محل ایک آدھ لطیف بات کا ذکر خالی از لطف نہیں ہوتا، اور یہ بھی سنت سے ثابت ہے۔ کما فی حدیث حرافۃ وام زرع۔ اسے تمحیض کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

میں نے ایک عالم سنت رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا کہ رافضیوں کے کسی محلے میں چند غریب سنی رہتے تھے، روافض کا زور تھا، ان کا مجتہد پچھلے پہر اذان دیتا اور اس میں کلمات ملعونہ بکتا۔ ان غریبوں کے قلب پر آرے چلتے آخر "مرتا کیا نہ کرتا" چار شخص مستعد ہوکر پہلے سے مسجد میں جا چھپے۔ وہ اپنے وقت پر آیا۔ جبھی تبرا شروع کیا ان میں ایک صاحب برآمد ہوئے اور اس بڈھے کو گرا کر دست ولکد و نعل سے خوب خدمت کی اور کہا کہ: میں ابو بکر ہوں۔ تو مجھے برا کہتا ہے۔

آخر اس نے گھبرا کر کہا حضرت! میں آپ کو نہیں کہتا تھا، میں نے تو عمر کو کہا تھا۔ تو دوسرے صاحب تشریف لائے اور مارتے مارتے بے دم کر دیا۔ اور کہا کہ میں عمر ہوں تو مجھے برا کہتا تھا۔ کہنے لگا: یا حضرت میں تو عثمان کو کہتا تھا۔ تیسرے صاحب آئے اور ایسی تواضع فرمائی کہ میں عثمان ہوں تو مجھے برا کہے گا؟ اب سخت گھبرایا بے تاب ہوکر چلایا کہ یا مولی دوڑیئے! دشمن مجھے مارے ڈالتے ہیں۔ اس پر چوتھے حضرت ہاتھ میں استرہ لئے نمودار ہوئے اور ناک جڑ سے اڑا لی کہ: مردک تو خدا کے محبوبوں اور ہمارے دین کے پیشواؤں کو برا کہے گا اور ہم سے مدد چاہے گا۔

اب مؤذن صاحب درد کے مارے، شرم و ذلت سے گور کنارے کسی کونے میں سرک رہے۔ مؤمنین آئے اور نمازیں پڑھتے اور کہتے جاتے ہیں آج قبلہ وکعبہ تشریف نہ لائے۔ جناب قبلہ بولیں تو کیا بولیں۔ جب اجالا ہوا تو دیکھا، کہنے لگے۔ ارے حضرت قبلہ تو یہ پڑے ہیں۔ قبلہ خیر ہے...... رو کر کہا...... خیر کیا ہے؟ آج وہ تینوں دشمن آپڑے تھے۔ مارتے مارتے کچومر نکال گئے۔ تمہارا دیکھنا مقدر میں تھا کہ سانس باقی ہے۔ قبلہ! پھر آپ نے حضرت مولی کو کیوں نہ یاد فرمایا؟ جب کئی بار یہی کہے گئے، تو آخر جھنجھلا کر ناک پر سے رومال پھینک دیا کہ یہ کوتک تو انہیں کے ہیں دشمن تو مار ہی کے چھوڑ گئے تھے، انہوں نے تو جڑ سے پوچھ لی۔

ما زِ یاراں چشم یاری داشتیم
خود غلط بود آنچہ ماپنداشتیم

واستغفر اللہ العظیم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم

سابعاً: پچھلا فقرہ تو قیامت کا پہلا صور ہے کہ: فاعطاھا موسیٰ علیہ السلام نے پیرزن کو وہ جنت عالیہ عطا فرمادی۔

الحمد للہ رب العالمین مسلمانو! دیکھا تم نے! اللہ اور اس کے مرسلین کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وہابیت کے شرک کا کیا برا دن لگاتے ہیں کہ بیچارے کو اسفل السافلین میں بھی پناہ نہیں ملتی۔

﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ (انتھی)

(الامن والعلی ص۲۲۸ تا ۲۳۵ نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاھ

اس طویل (اقتباس) مگر علمی جواہر پارے سے آپ نے سیرابی پائی ہوگی۔ الحمد للہ العظیم اکابرین اہل سنت جب کسی مسئلہ کو شروع فرماتے تو اس کے مالھا و ماعلیھا کا پورا ادا فرماتے۔ نعود مرة أخرى إلى ما نحن فيه.

۱۰) "عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ"	حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو ضامن میرے لئے دونوں جبڑوں اور پاؤں درمیان کا میں اس کیلئے جنت کا ضامن ہوں۔

(بخاری ص ۹۵۸، مشکوۃ ص ۴۱۱

یعنی نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی زبان و شرمگا ناجائز استعمال نہ کرے اور ان کی نگہداشت کی میرے لئے ضمان اٹھائے تو میں اس لئے جنت کا ضامن ہوں۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ آنحضور پر نور ﷺ کو جنت میں تصرف کا اختیار بخشا ہے کیونکہ یہ صورت تو ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بطور غلبہ و سلطنت کے لے دیں یا

نہ عطا کرنے پر جنت کی مثل بنا دیں۔ ضمان کی صحت کی یہی موزوں وجہ بن سکتی ہے کہ آپ ﷺ کو اسکے متعلق اختیار مل چکا ہو جسکے بھروسہ پر وعدہ فرما رہے ہیں۔ اور یہی صورت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اگر اسے بھی ٹھیک نہ مانا جائے تو تاویلات رکیکہ حزبِ مخالف کی طرح گھڑنی پڑیں گی یا پیکرِ صدق وصفا نبی اللہ ﷺ کی کلام میں جھوٹ لازم آیگا جو شرعاً آپ کیلئے محال اور بدترین عیب ہے۔

"وھو ﷺ خُلق مبرأ من کل عیب ونقص"

حزب مخالف: اس روایت سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ مختارِ جنت ہیں بلکہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی یہ بتایا کہ جو شخص اپنی زبان اور شرمگاہ کو معصیت سے محفوظ کرلے گا وہ جنت کا مستحق ہوگا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کرم پر کمال بھروسہ کرتے اور جنت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں ضامن ہوں آپ ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بولتے جو بھی فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔

خادم اہل سنت:

یہ استدلال بھی کئی وجوہ سے ٹھیک نہیں۔

اولاً: واقعی نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام حکم خداوندی سے کلام فرماتے ہیں اور ہم بھی آپ کو متصرف و مختار باذن اللہ تعالیٰ ہی تسلیم کرتے ہیں۔

ثانیاً: اگر اس کا یہی مطلب ہے کہ چونکہ بُرے اعمال سے بچنے والا جنت کا مستحق ہوتا ہے تو اسلئے آپ نے فرمادیا "میں ضامن ہوں" نہ کہ آپ کو کسی قسم کا اختیار ہے، تو قطع نظر اس سے کہ انا ضامن کا کوئی مفہوم رہتا ہے یا نہیں؟ اس طرح ہر شخص کو حق پہنچتا ہے کہ لوگوں سے کہتا پھرے کہ تم نماز پڑھو میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ تم برے کاموں سے بچو میں جنت کا ذمہ دار ہوں۔ معترض اس پر عمل تو کر کے دکھائیں اور اپنے کسی

حواری سے کہیں تو ایسے کر میں جنت کا ضامن ہوں۔

ثالثاً: اس روایت میں من یضمن لی کے الفاظ اپنے حقیقی معنی پر محمول ہیں۔یعنی وہ شخص جس چیز کا ضامن بنے گا وہ اس کے اختیار وتصرف میں ہے۔ جب اس شخص کی شئ مضمون...... جس کی ضمان اٹھائی گئی...... اختیاری ہے تو آپ کی شئ مضمون...... جو جنت ہے...... بھی اختیاری ہے۔اس معنی کی تائید سابقہ روایات سے بھی ہوتی ہے وگرنہ یوں کہہ دیں کہ برے اعمال سے بچنا بھی اختیاری کسب نہیں۔

حزب مخالف:

حدیث پاک میں آتا ہے الامام ضامن (امام ضامن ہے) تو ہر امام مختار ہوا۔

خادم اہل سنت:

بہت خوب یہ تو ہمارے دعوی کی دلیل ہے۔ غور تو فرمائیں۔ امام کس کیلئے ضامن ہے؟ امام مقتدیوں کی نماز کا ذمہ دار ہے اور واقعی امام کو اس معاملہ میں ایک گونہ اختیار حاصل ہے۔کہ وہ تمام مقتدیوں کی نماز فاسد کر سکتا ہے اور مقتدیوں کی نماز کی صحت امام کی نماز کی صحت پر موقوف ہے۔لہٰذا اس دلیل سے تو نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے ضامن جنت ہونے کی اور وضاحت ہوگئی۔

بعض روایات میں ہے جو میرے لئے ان چیزوں کا وکیل بنے میں اس کے لئے جنت کا کفیل بنتا ہوں، حدیث پاک کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"من توکل لی ما بین رجلیہ و لحییہ توکلت لہ الجنۃ" یعنی جو میرے لئے اپنے دونوں پاؤں اور جبڑوں کے درمیان کا وکیل (کفیل) بنے میں اس کیلئے جنت کا وکیل (کفیل) بنتا ہوں۔ (بخاری ص ۱۰۰۵)

۱۱) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر مختار کائنات ﷺ کے قریب جب کافروں کی ایک جماعت پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

" من يردهم عنا فله الجنة جو انہیں ہم سے ہٹائے پس اس کیلئے جنت ہے۔ یا او هو رفيقي في الجنة " فرمایا وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔
(مسلم ج ۲ ص ۱۰۷)

تو اس آواز پر سات انصاریوں نے لبیک کی اور یکے بعد دیگرے شمع رسالت کے قدموں میں شہید ہوتے گئے اور جنت میں رفاقت کا صلہ پاتے گئے۔

سبحان اللہ! صحابہ کرام کا کیسا مبارک عقیدہ تھا کہ جنت کے دولہا علیہ الصلوۃ والسلام کا جنت کا وعدہ بالکل سچا ہے وگرنہ کہہ دیتے یارسول اللہ ﷺ آپ تو ہمارے لئے خدا کی طرف سے ایک ذرہ کے بھی مختار نہیں۔ آپ ﷺ نے تو فرمایا میں تمہارے لئے خدا کی طرف سے کسی شئ کا مالک نہیں تو آپ کیسے جنت کا وعدہ فرماتے ہیں؟...... نعوذ باللہ من ذلک الهفوات......

آنحضور پرنور ﷺ کا ایک معین کام پر شخصی اور حتمی طور پر جنت کا وعدہ فرمانا ظاہر کررہا ہے کہ آپ مختارِ جنت ہیں۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

۱۲) حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے میں تو تقسیم ہی کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا۔
(بخاری ص ۱۶، ۴۳۹، مسلم ج ۱ ص ۳۳۳ مشکوۃ ص ۳۲)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ تقسیم فرمانے والے ہیں۔ کسی ایک چیز کی تخصیص نہیں اور رب تبارک وتعالیٰ کی عطا محدود نہیں۔

حزب مخالف:

اس روایت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ علم تقسیم فرمانے والے ہیں کیونکہ یہ روایت محدثین نے کتاب العلم میں نقل کی ہے۔ اور نیز سیاق کلام

یفقهه فی الدین سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف علم کے تقسیم فرمانے والے ہیں پس حدیث کا عمومی معنیٰ لینا ٹھیک نہیں۔

خادم اہل سنت:

مخالفین کا بھی عجیب وطیرہ ہے کہ ''سلب جزئی'' سے ''سلب کلی'' تو ثابت کر لیتے ہیں یعنی کسی ایک چیز کی نفی وارد ہو تو اس سے باقی معاملات کی نفی کی کوشش بھی کرتے ہیں، لیکن شان رسالت کے ثبوت میں وارد شدہ الفاظ کو اپنے عموم پر کبھی گوارا نہیں کر سکتے، سوال مذکورہ کا جواب یہ ہے۔

الف: یہ غلط ہے کہ حدیث مذکورہ صرف کتاب العلم میں نقل کی گئی ہے بلکہ محدثین نے '' انما انا قاسم '' کے الفاظ کو مختلف ابواب میں نقل کیا ہے اس قسم کا اعتراض ایک عالم ومولوی کہلوانے والے کو زیب نہیں دیتا۔

ب: کسی روایت کا ایک باب میں منقول ہونا اسی موضوع کے ساتھ مخصوص نہیں کر دیتا ،جب تک کہ خود الفاظ میں کوئی تخصیص نہ ہو۔ مثلاً اگر انما الاعمال بالنیات(اعمال کا دارومدار نیت پر ہے) کی حدیث کو کتاب الصوم میں نقل کیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ صرف روزہ میں نیت ضروری، باقی کسی عمل میں نہیں ......غلط ہے...... نہایت اتنا کہہ سکتے ہیں کہ مبحوثہ روایت سے آپ ﷺ کا قاسم علم ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ غیر کی نفی نہیں کر سکتے۔

ج باقی رہا یہ سوال کہ ابتدائی کلمات یفقهه فی الدین ، مخصص ہیں۔ قطع نظر اور جوابات کے یہ تو خود حزب مخالف کے عقیدہ کے خلاف ہے؛ کیوں کہ روایت میں لفظ علم نہیں فقاهة فی الدین ہے تو خود انکی منطق کے لحاظ سے معنی یہ ہوا کہ آپ فقاهة فی الدین یعنی دین کی سمجھ...... جو امور تکوینہ سے ہے...... کی تقسیم فرماتے ہیں۔

الحمد لله علی ذلک .

سیدنا ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"ما اعطیکم ولا امنعکم انما انا قاسم اَضَعُ حَیثُ امرت"

(بخاری ص ۴۳۹)

یعنی میں نہ تمہیں دیتا ہوں اور نہ تم سے روکتا ہوں بس میں تو تقسیم کرنے والا ہوں جیسے حکم ہوتا ہے صرف کرتا ہوں۔

یعنی میرے نہ دینے پر کوئی ناراض نہ ہو کیونکہ میرا کسی کو کچھ دینا نہ دینا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ جیسے امر ہوتا ہے تقسیم کرتا جاتا ہوں۔

۱۲) صحابہ کرام میں سے ایک صحابی نے اپنے بیٹے کا نام "محمد" رکھا تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے بعض نے اسے ناپسند فرمایا، اس صحابی نے واقعہ دربار رسالت میں عرض کردیا تو آپ نے فرمایا:

"تسموا باسمی ولا تکتنوا بکنیتی فانما انا قاسم اقسم بینکم"

(مسلم ج۲ ص ۲۰۹)

میرے نام سے نام رکھو اور کنیت سے کنیت نہ رکھنا، میں تو صرف قاسم ہوں کہ تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔

یونہی روایات میں آیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے لڑکے کا نام "قاسم" رکھنا چاہا تو صحابہ کرام نے اسے ناپسند فرمایا کہ اس شخص کی کنیت "ابوالقاسم" ہو۔ کیوں کہ "ابوالقاسم" کنیت تو آنحضرت ﷺ کی ہے تو اس جگہ بھی نبی پاک ﷺ کا یہی جواب موجود ہے۔

"تسموا باسمی ولا تکتنوا بکنیتی وانما انا قاسم" (بخاری ص ۴۳۹)

اس باب میں وارد شدہ بعض روایات کے الفاظ اس طرح ہیں:

"فانی انما جعلت قاسما اقسم بینکم"

(بخاری ج ۱ ص ۴۳۹ مشکوۃ ص ۲۰۷)

"بعثت قاسما اقسم بینکم" (یعنی بعثت ہی تقسیم کرنے کیلئے ہوئی ہے)

(بخاری ج ۱ ص ۴۳۹ مسلم ج۲ ص ۲۰۶)

اس مسئلہ سے قطع نظر کہ ابو القاسم کنیت اب رکھنا ٹھیک ہے یا نہیں۔ فقیر پر تقصیر عفرلہ القدیر عرض گذار ہے کہ ان روایات سے معلوم ہوا کہ مخلوق میں سے علی الاطلاق آپ ہی قاسم ہیں۔ اور قاسمیت کا مرتبہ جو آپ کو حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں۔ اس طرح انما انا قاسم کا ترجمہ اگر بطور قصرِ قلب یوں کیا جائے کہ "قاسم میں ہی ہوں" تو بجا اور مناسب ہے اور یہ قاعدہ قرآن وحدیث میں مستعمل ہے۔

بعض محققین نے فرمایا: " **فلا یطلق ھذا لاسم بالحقیقۃ الاعلیہ** " یعنی حقیقتاً قاسم آپ کو ہی کہنا چاہیئے!

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کو ان الفاظ سے بھی روایت فرمایا:

من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین واللہ المعطی وانا القاسم — اللہ تعالیٰ جسکے ساتھ بھلائی کا ارادہ ظاہر فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے اور میں ہی تقسیم کرنے والا ہوں۔ (بخاری ص ۴۳۹ جلد ۱)

ایسی ترکیب حصر پر دال ہوتی ہے جس کی وجہ سے معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے اور میں ہی بانٹنے والا ہوں۔

رب معطی ہے یہ ہیں قاسم — رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں

ایسا اسلوب کلام حصر کا معنی دیتا ہے کسی کتاب کا حوالہ دینے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے کلام مقدس سے دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ : هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

قال اللہ عزاسمہ : اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ

صحیح روایت کے مفہوم سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے رسول اللہ ﷺ تقسیم فرمانے والے ہیں۔ باقی تقسیم کرنے والے آپ کے واسطہ سے ہیں۔

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر روح المعانی میں آیہ مبارکہ......

" وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ "

......کے تفسیری فوائد میں لکھتے ہیں:

"کونه ﷺ رحمة للجميع بانه واسطة للفيض الالٰهِیَ علَی المُمکِنَاتِ علی حسب القوابل"

یعنی سب کیلئے رسول اللہ ﷺ کے رحمت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ممکنات میں سے کسی پر بھی جو فیض الٰہی ہوتا ہے آپ کے واسطہ سے ہے۔ ممکنات کے قابلیت واستعداد کے مطابق۔

ولنعم ماقیل ! جس کو جو ملا اُن سے ملا بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی ﷺ

واجب الوجود صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کا ماسوا جو کچھ بھی تھا، ہے یا ہوگا، وہ موجود سماوی ہو یا ارضی سب ممکن ہے۔

واضح رہے کہ جیسے آنحضرت کے اسمائے گرامی سے ایک نام "قاسم" ہے ایسے ہی آپ کی کنیت ابوالقاسم ﷺ ہے مگر اس کنیت کی صرف یہ وجہ نہ تھی کہ آپ کے ایک صاحبزادے کا نام سیدنا "قاسم" ہے بلکہ یہ وجہ بھی ہے کہ دراصل کائنات میں آپ قاسم نِعَمُ الٰـہی ہیں۔

رب معطی ہے یہ ہیں قاسم رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں

اس پر خود حدیث شاہد ہے۔ ارشاد ہوا:

"فانی انا ابو القاسم اقسم بینکم" (مسلم ج ۲ ص ۲۰۶)

بیشک میں ابوالقاسم ہوں ...... بایں معنی ...... کہ تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔

تو اس لحاظ سے ابوالقاسم کا معنی ہوگا۔ مالکِ قسمت، صاحبِ قسمت، تقسیم فرمانے والے۔

حاشیہ ترمذی پر بحوالہ علامہ طیبی منقول ہے جس کا خلاصہ عرض کرتا ہوں:

"آنحضرت ﷺ کی کنیت ابوالقاسم ہے کیونکہ آپ لوگوں میں تقسیم فرمانے

والے ہیں، جو آپکو وحی کیا جاتا ہے اور آپکی طرف نازل ہوتا ہے اور جیسے فضل وشرافت کا کوئی اہل ہو، اسکو اس مقام تک پہنچاتے ہیں اور غنیمت تقسیم فرماتے ہیں اور کوئی ایک بھی اس معنی میں آپ کا شریک نہیں''۔

(ترمذی ج ۲ ص ۱۰۷)

مرقات شرح مشکوۃ میں جملہ'' قاسما اقسم بینکم '' کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ پیش کرتا ہوں کہ:

'' گویا آپ ﷺ نے فرمایا میں صرف اس لئے ابو القاسم نہیں کہ میرے صاحبزادے کا نام قاسم رکھا گیا ہے بلکہ مجھ میں قاسمیت کے معنیٰ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ باعتبار قسمتِ الٰہیہ کے امور دینیہ اور دنیویہ میں ۔اور میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔ نہ ذات میں اور نہ اسماء وصفات میں۔ پس معنی ابوالقاسم کا اس وصف (قسمت) کے صاحب ہے یعنی صاحب قسمت۔ جیسے کہا جاتا ہے ابوالفضل (فضیلت والا) اگرچہ اس کا کوئی لڑکا فضل نامی نہ ہو۔ (مرقات برحاشیہ مشکوۃ ص ۴۰۷)

قارئین باتمکین!

یہ روایات صریح الدلالت ہیں کہ نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام تقسیم فرمانے والے ہیں۔کیا تقسیم فرماتے؟ جو کچھ ان کا پروردگار عطا فرماتا ہے۔ لہٰذا نہ اُس کی عطا کی کوئی حد اور نہ اِن کے تقسیم فرمانے کی حد۔

احادیث کے الفاظ عام ہیں اور اسی عمومی معنی کے لحاظ سے آپ کی زیادہ فضیلت وکمال ظاہر ہوتا ہے۔ محدثین ومفسرین کا ہمیشہ یہ طریقہ رہا ہے کہ جہاں تک ہوسکے کسی روایت کے اس احتمال کو ترجیح دیتے ہیں جس سے زیادہ کمال ظاہر ہوسکے اور فضائل میں تو خصوصیت سے اس طریقہ کو علماء نے اختیار فرمایا ہے۔ نیز دیگر احادیث اور اقوال العلماء سے بھی اسی عمومی معنی کی تائید ہوتی ہے۔ متعدد دلائل گذر چکے ہیں۔ان شاء اللہ تعالیٰ مزید آپ ملاحظہ فرماویں گے۔

۱۴) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میدانِ قیامت میں جب میں لَبِ شفاعت کشا کروں گا اور میری دعاء کو اجابت سے نوازا جائیگا تو:

" فیحد لی حداً فاخرُجُ فَاُخرِجُهم من النار وادخلهم الجنة" یعنی ایک اندازہ میرے لئے مقرر کیا جائیگا کہ نکال لو! پس میں انہیں دوزخ سے نکال کر جنت میں لے جاؤں گا۔ (مشکوۃ ص ۸۸، بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۳، مسلم ج ۱ ص ۱۰۹)

یہاں تک کہ آپ بار ہا اجازت طلب فرماویں گے اور نارِ جہنم سے لوگوں کو نجات دلاتے جائیں گے اور پھر دربارِ الوہیت میں عرض کریں گے۔

یارب ما بقی فی النار الامن حبسه القرآن ای من وجب علیه الخلود اے میرے رب اب آگ میں وہی رہے ہیں جنہیں قرآن نے محبوس کر لیا یعنی (کافر) جن کیلئے دوزخ میں دوام ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ دوزخ سے نجات دینے والے اور جنت الفردوس میں لے جانے والے نافع، دافع الضر آقا ہیں۔ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم۔

صاحبِ مقامِ محمود کی شفاعت کبریٰ:

روایاتِ شفاعت میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی رحمتِ کاملہ واسعہ اور حبیب اللہ صاحب مقامِ محمود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے فیضانِ عام کا بیان ہے۔

۱۵) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی کہ مختار کائنات ﷺ نے فرمایا:

انا سید الناس یوم القیمة هل تدرون بم ذاک؟ میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا جانتے ہو یہ کیسے؟

پھر آپ نے خود ہی تحدیثِ نعمت کے طور پر زبان وحی ترجمان سے اپنی سیادت کا بیان فرمایا۔ اور اس منظر کا ذرا تفصیل سے ذکر کیا۔ جب میدان محشر میں نفسی نفسی کا غلغلہ

ہوگا۔ سورج قریب ہوگا اور لوگ بڑی مصیبت و تکلیف میں ہوں گے۔ کتنے ہی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے آستانوں پر شفاعت کی دریوزہ گری کرنے جائیں گے مگر ”اذھبو الی غیری“ کا جواب ملے گا۔ آخر جائے پناہ، ہر کس و بیکس کے حامی، ہر بے چارہ کے چارہ، حبیب خدا ﷺ کے دربارِ دُربار میں سب حاضر ہوں گے اور آپ ”انا لھا“ کے شربت سے تسکین فرما کر سجدہ میں گر جائیں گے۔ اپنے رب حقیقی کی تحمید و تسبیح بجالائیں گے اور سیادت کا اظہار اس مجمع اولین و آخرین میں اس طرح ہوگا، کہ ارشاد خداوندی ہوگا:۔

” یا محمد ارفع رأسک سل تعط واشفع تشفع “ یعنی اے بڑی خوبیوں والے محبوب اپنے سر نازنین کو اٹھا جو مانگنا ہے مانگ عطا کیا جائیگا۔ شفاعت کر، قبول ہوگی۔

اس وقت آنحضرت ﷺ فداہ ابی وامی یا رب امتی امتی کی صدا بلند فرمائیں گے انداز محبوبی سے کی ہوئی دعا کو......

اجابت کا سہرا عنایت کا جوڑا دلہن بن کے نکلی دعائے محمد

......ارشاد ہوگا:

” یا محمد ادخل الجنة من امتک من لاحساب علیه من باب الایمن من ابواب الجنة وهم شرکاء الناس فیم سوا ذالک “ اے بہت تعریف کئے ہوئے محبوب! جنت کے دروازوں میں سے داہنے دروازہ سے اپنے امتیوں کو جنت میں لے جا۔ جن سے حساب نہیں اور باقی دروازوں میں بھی لوگوں کیساتھ شریک ہیں۔
(مشکوۃ ص ۹۸۹ مسلم ج ۱ ص ۱۱۱)

احادیث طیبہ میں آتا ہے کہ ایک دروازہ جنت کا اتنا کھلا ہوگا جتنا کہ مکہ مکرمہ اور بصریٰ کے درمیان فاصلہ ہے......یا......فرمایا مکہ معظمہ اور مقام ہجر میں مسافت۔

اگر دوزخ سے بچانے اور جنت میں لیجانے والے دافع بلاء اور نافع نہیں تو دافع البلاء اور نافع کسے کہتے ہیں؟

فائدہ: محدثین کرام نے لکھا کہ آپ ﷺ نے ...... سید الناس یوم القیمة ......
تحدیث نعمت باری عز اسمہ اور ہماری نصیحت کیلئے فرمایا تا کہ ہم آپ ﷺ کے مرتبہ کو پہچانیں اور آپ ﷺ کے حقوق کا خیال رکھیں۔

آپ ﷺ نے یہ کیوں فرمایا کہ میں قیامت کے دن لوگوں کا سردار ہوں جبکہ آپ ہمیشہ سے سب کے سید ہیں۔ سید الاوّلین والآخرین آپ ہی کی شان ہے۔ تو روز قیامت کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اہل علم نے فرمایا اس تخصیص کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس دن آپ کی سیادت کا اس طریقہ سے اظہار ہوگا کہ کوئی انکار نہ کر سکے گا۔ بلکہ اپنے بیگانے اس دن آپ کے محتاج ہوں گے اور آپ کی سیادت کو تسلیم کر لیں گے۔

جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مالک یوم الدین بدلے کے دن کا وہ مالک ہے۔ حالانکہ ہر یوم کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یا جیسے اللہ نے فرمایا لمن الملک الیوم للہ الواحد القھار۔ یعنی قیامت کے روز اعلان ہوگا کہ آج کے روز اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی بھی بادشاہت نہیں۔ اگر چہ آج بھی اسی کی حقیقتاً سلطنت وحکومت ہے اور وہی ہر چیز کا مالک ہے مگر اس دن تمام مدعیوں کے دعوے ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے اس دن کی تخصیص فرمائی۔ تو اسی طرح اگر چہ آنحضرت ﷺ کی سیادت دارین میں ہے اور آپ دونوں جہانوں کے سردار ہیں مگر اس دن اپنے بیگانے سب مان جائیں گے اس لئے تخصیص فرمائی۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

''سید'' کا مطلب کیا ہے؟

''سید'' اسے کہتے ہیں جو قوم پر فوقیت رکھتا ہو اور تکالیف ومصائب میں اُسکی طرف

رغبت کی جائے مشکل کے وقت اس سے فریاد کی جائے اور اسکی پناہ لی جائے۔

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

قال الهروی السید هو الذی یفوق قومه فی الخیر وقال غیره هو الذی یفزع الیه فی النوائب والشدائد فیقوم بامرهم ویتحمل عنهم مکارههم ویدفعها عنهم قال القاضی عیاض قیل السید الذی یفوق قومه والذی یفزع الیه فی الشدائد والنبی ﷺ سیدهم فی الدنیا والاخرة الخ.

(مسلم ج ۲ ص ۲۳۵، ج ۱ ص ۱۱۱، مشکوۃ ص ۵۱۱)

امام ہروی نے کہا کہ سید وہ ہے جو اپنی قوم سے بالاتر ہو خیر میں۔ دوسروں نے کہا کہ سید وہ ہے کہ اس کے حضور فریاد کیجائے حادثات و شدائد کے موقع پر، تو وہ ان کے امور کا انتظام کرے اور ان کی مشکلات کو برداشت کرے اور ان کی مصیبتوں کو ان سے دور کرے۔ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: کہا گیا ہے کہ سید وہ ہے جو اپنی قوم سے بالاتر ہو اور مشکل ترین معاملات میں اس کے حضور فریاد کیجائے اور رسول اللہ ﷺ سب کے سید ہیں دنیا اور آخرت میں۔

ائمہ محدثین اور ماہرین لغات الحدیث کے تحقیقی کلام سے یہ بات آشکارا ہے کہ ان کے عقیدہ میں رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات سب کیلئے مرجع ہے۔ مشکلات اور مصائب کے وقت آپ ﷺ کے حضور حل مشکلات کیلئے فریاد کی جاسکتی ہے۔ وہی مصائب و مکارہ کو مخلوق سے دفع فرماتے ہیں اور آسانی کیلئے انتظامات فرماتے ہیں۔ یہ شان آپ کی اس عالم میں بھی ہے اور خاص طور پر میدانِ محشر میں آپ کی اس عظمت کا زیادہ ظہور ہوگا۔

۱۶) سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک ﷺ سے راوی ہیں آپ نے فرمایا:

اَتَانِی آتٍ من عند رَبِّی فَخَيَّرَنِیْ بَيْنَ اَنْ يَّدْخُلَ نصف امتی الجنة وبين الشفاعة فَاخْتَرْتُ الشفاعة وهی لمن مات لایشرک بالله شیئا" (مشکوۃ ص ۴۹۴)

میرے پاس آنے والا آیا میرے رب کی طرف سے۔ پس مجھے اختیار دیا اس میں کہ میری آدھی امت جنت میں داخل ہو جائے اور شفاعت میں۔ پس میں نے شفاعت کو اختیار کیا اور یہ شفاعت ہر ایسے شخص کیلئے ہوگی جو اس حالت پر مرا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرایا ہو۔

یعنی ہر ایمان دار کو جہنم کے عذاب سے بچائیں گے خواہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو۔

بتاؤ منکرو! اب بھی اس آقائے دو جہاں کو مختار نہ مانو گے۔ اگر نہیں مانتے ہو تو
اور کون ہے جو ان کی ناراضگی کے وقت تمہاری شفاعت کرے؟

منکر اپنا اور حامی ڈھونڈ لیں آپ ہی ہم پر تو رحمت کیجئے

۱۷) نبی اکرم شفیع محتشم ﷺ کو ایک بار اللہ تعالیٰ وعز اسمہ کیطرف سے حکم ہوا کہ تین مرتبہ جو چاہو مانگ لو، دو مرتبہ آپ نے دعا مانگی اور تیسری کے متعلق آپ نے فرمایا:

" اخرت الثالثة يوم يرغب الى الخلق حتى ابراهيم عليه السلام "
(مسلم ج ۱ ص ۲۷۳)

تیسری دعا کو مؤخر کیا اس دن کیلئے جس دن رغبت کرے گی میری طرف مخلوقِ خدا۔ یہاں تک کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام بھی

صحیح مسلم کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے روز تمام مخلوق خدا...... خواہ جن ہوں یا انس...... خواہ ملائکہ ہوں۔ سب اس دن آپ کے دست نگر ہوں گے، یہاں تک کہ جَدِّ انبیاء خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام بھی آپ کی طرف رغبت فرمائیں گے۔

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہو ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

اگر آپ مختار نبی نہیں تو تمام مخلوق کے محتاج الیہ کیسے ہوئے؟ سچ یہ ہے کہ اس دن ہر ایک تسلیم کرلے گا کہ:

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم ☆ رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں

۱۸) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ محبوب خدا ﷺ نے فرمایا:

"انا اول الناس خروجا اذا بعثوا وانا قائدهم اذا وفدوا وانا خطيبهم اذا انصتوا وانا مستشفعهم اذا

یعنی میں سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا جب لوگ مبعوث ہوں گے اور میں ان کا قائد ہوں گا جب وہ پیش ہوں گے۔ میں ان کی طرف سے بولنے والا ہوں گا جب وہ خاموش

حبسوا وانا مبشرهم اذا اَيِسُوا والكرامة والمفاتيح يومئذ بیدی ولواء الحمد یومئذ بیدی ...... الحدیث " (مشکوۃ ص ۵۱۴)

ہوں گے۔ اور میں ان کا شفیع ہونگا جب وہ محبوس ہوں گے۔ اور میں انہیں بشارت دینے والا ہوں گا جب وہ مایوس ہوں گے۔ عزت اور کنجیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہونگی اور لواء الحمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔

حدیث پاک کو دیکھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور جان میں جان آجاتی ہے۔ اس کا ایک ایک جملہ جانفزا اور ایمان افروز ہے اور یہ الفاظ ...... الکرامة و المفاتیح یومئذ بیدی ...... خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ آنحضرت ﷺ جسے چاہیں گے، جتنا چاہیں گے، اللہ کے اذن سے عطا فرمائیں گے۔ جیسا کہ گذشتہ روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ تمام مخلوق اس دن آپ کی محتاج ہوگی۔

اشعة اللمعات شرح مشکوۃ میں اس جملہ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

بزرگی دادن وکلید هائے بهشت وابواب رحمت آنروز بدست من است

عزت دینا اور جنت و رحمت کے دروازوں کی کنجیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی۔

(اشعة اللمعات ج ۴ ص ۴۷۷)

حاشیہ مشکوۃ پر بحوالہ لمعات نقل کیا گیا:

والمفاتیح ای مفاتیح باب کل خیر

یعنی ہر بھلائی کے دروازہ کی کنجیاں آپ کے قبضہ میں ہونگی۔

جو بھی کسی کو نعمت و عظمت و عزت نصیب ہوگی آپ کے وسیلہ سے ملے گی۔

شیخ محقق ہی کا قول ہے:

دراں روز ظاهر گردد که وے ﷺ نائب مالک یوم الدین است . روز روز اوست و حکم حکم اوست بحکم رب العالمین

اس دن ظاہر ہو جائیگا کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں دن، دن آپ ہی کا اور حکم، حکم آپ ہی کا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

اس روایت سے حدیث انما انا قاسم کا مطلب بھی روشن ہو گیا۔

کیا جس اولوالعزم ہستی کی سیادت اور شان محبوبیت کا یہ عالم ہو کہ تمام مخلوق کو بزرگی اور عزت دینے کے اختیارات دیئے گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی نعمتوں کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں ہوں۔ وہ کسی چیز کا مختار نہیں ہوتا؟ نہیں نہیں ضرور ہوتا ہے اور آپ ﷺ مالک و مختار ہیں۔ واللہ

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب ﷺ
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

حزب مخالف کے امام الطائفہ سے پوچھ لیں کہ حضرت جس کے پاس خزانہ کی کنجیاں ہوں وہ کچھ تصرف و اختیار بھی رکھتا ہے؟ تو آپ فرماتے ہیں:

"جس کے ہاتھ میں کنجی ہوتی ہے اسی کے اختیار میں ہوتا ہے، جب چاہے کھولے جب چاہے نہ کھولے"۔

(تقویۃ الایمان ص ۲۹)

تصرفات مصطفیٰ ﷺ کی مزید جھلک:

اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی ﷺ کی رفعت و عظمت، اظہار شان محبوبیت، تصرف و اختیارات پر مزید روایات نقل کی جاسکتی ہیں مگر اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ تصرفات و اختیارات جن کا ظہور دار دنیا میں ہوا ان میں سے کچھ اور عرض کرتا ہوں تاکہ مزید واضح ہو جائے کہ آپ کسطرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بانٹنے والے اور مختار محبوب ہیں۔

۱۹) سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد میں شہادت کا اعزاز پایا۔ حضرت جابر کے علاوہ بہت سی بیٹیاں پسماندگان میں چھوڑ گئے۔ آپ کا ذریعہ معاش چھوٹا سا باغ تھا۔ جس کی پیداوار سے بمشکل وقت گذرتا تھا کثیر العیال ہونے کی

وجہ سے آپ کافی مقروض ہو چکے تھے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر اگر چہ بہنوں کی کفالت کی ذمہ داری کا بھی بڑا بوجھ تھا، مگر آپ کی شدید خواہش تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے میرے شہید والد کے ذمہ جو قرض ہے اس کی ادائیگی ہو جائے۔ ذریعہ آمدن صرف کھجوروں کا ایک باغ تھا اور قرض خواہوں کو بھی قرضہ وصول کرنے کی یہی صورت نظر آتی تھی کہ جب کھجوریں تیار ہوں، تو ہم اپنا حق وصول کرلیں کھجوروں کی پیداوار اور قرضہ کی مقدار میں بڑا فرق تھا۔ سب کھجوریں دے کر بھی مکمل طور پر قرض کی ادائیگی ممکن نہ تھی۔ آپ نے چاہا کہ قرض خواہ سب کی سب کھجوریں لے جائیں، بہنوں کی کفالت کا کوئی اور انتظام ہو جائیگا۔ اور جتنا قرض باقی رہتا ہے، اس کیلئے کچھ مہلت و سہولت دیں، مگر قرض خواہ اس پر راضی نہ ہوئے۔

جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو خلاصی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو مختار کونین ابوالقاسم ﷺ سے واقعہ عرض کر دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خرمے اتار کر ہر ایک قسم کا الگ الگ ڈھیر لگا کر مجھے اطلاع کرنا، انہوں نے ایسا کر کے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی، جس پر حضور پر نور ﷺ خود موقع پر تشریف لے گئے۔ قرض خواہوں نے جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو حضرت جابر کو تیز نگاہوں سے دیکھ کر اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ سے ایسے واقعات کب پوشیدہ رہ سکتے تھے۔ آپ نے اس موقع پر کمالات نبوت کی ایک جھلک دکھانے کیلئے کھجوروں پر دعائے برکت فرمائی اور کھجوروں میں برکت دکھانے کیلئے ایک ڈھیری کے گرد تین چکر لگائے۔ ایصالِ برکت کیلئے طواف فرمایا اور رحمت دو عالم ﷺ کھجوروں کے اس ڈھیر کے اوپر رونق افروز ہو کر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ قرض خواہوں کو ناپ ناپ کر دیتے جاؤ۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسب ارشاد ہر قرض خواہ کو اس کے قرضہ کے مطابق کھجوریں ناپ ناپ کر دینی شروع کر دیں، تمام قرض خواہ جو سب کی سب کھجوریں

لے کر بھی کچھ وقت کیلئے مزید مہلت دینے کو تیار نہ تھے، تمام قرض خواہوں کو قرض ادا کر دیا گیا، مگر اس کے باوجود کھجوریں ویسی کی ویسی رہیں۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ گویا اس سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی، اس معجزانہ منظر کو حضرت جابر ﷺ اس طرح ذکر فرماتے ہیں:

فَسَلَّمَ اللّٰهُ الْبَيَادِرَ كُلَّهَا وَحَتّٰى اَنِّىْ اَنْظُرُ اِلَى الْبَيْدَرِ الَّذِىْ كَانَ عَلَيْهِ النَّبِىُّ ﷺ كَاَنَّهَا لَمْ تَنْقُصْ تَمْرَةً وَاحِدَةً (مشکوٰۃ ص ۵۳۷۔ بخاری ص ۳۹۰)

پس اللہ تعالیٰ نے تمام ڈھیریوں کو بچالیا اور یہاں تک کہ میں اس ڈھیری کی طرف دیکھ رہا تھا جس پر نبی پاک ﷺ بیٹھے ہوئے تھے گویا ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی۔

یہ ہے قاسمِ نعمِ الٰہی ﷺ کا فیض!

رب معطی ہے، یہ ہیں قاسم رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں

اس معجزہ کے بیان میں جو روایات کتب احادیث میں ہیں ان کے بعض مقامات خصوصی توجہ چاہتے ہیں۔

☆ مثلاً حضرت جابر کا قرض خواہوں کو ساری کھجوریں دے کر ان سے رعایت کا مطالبہ کرنا اور ان لوگوں کا سہولت دینے سے انکار کرنا۔

☆ حضرت جابر کا رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرنا کہ آپ مہربانی فرما کر موقع پر تشریف لے آئیں تاکہ قرض خواہ آپ کی وجہ سے کچھ سہولت دے دیں۔

☆ آپ ﷺ کا تشریف لے جانا مگر ساری پیداوار بھی لے کر قرض خواہوں کا رعایت دینے کیلئے تیار نہ ہونا۔

☆ آنحضور ﷺ کا فرمانا کہ میں کل آؤں گا۔

☆ آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق درختوں سے کھجوریں اتار کر ہر قسم کی الگ الگ ڈھیری لگانا۔

☆ آپ ﷺ کا دعا فرمانا، باغ میں تشریف لا کر ایک ڈھیر کے گرد تین پھیرے لگانا۔

☆ کھجوروں کے اس ڈھیر پر جلوہ فرما ہو کر حضرت جابر کو ہدایت فرمانا ناپ ناپ کر دیتے جاؤ۔

☆ سب قرض کی ادائیگی کے باوصف اصل مقدار سے ایک کھجور کا بھی کم نہ ہونا، رسول اللہ ﷺ کا اس موقع پر خوشی سے ضحک فرمانا (ہنسنا)

☆ حضرت جابر کو حکم دینا، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو جا کر اس کی خبر دو۔

☆ اِن حضرت کا سن کر کہنا: ہمیں پہلے ہی سے اس کا یقین تھا۔......یا......حضرت عمرؓ کا عرض کرنا یا رسول اللہ ﷺ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

ان تفصیلات پر نظر رکھنے والا کوئی ذی شعور کیسے کہہ سکتا ہے کہ اس معجزہ کے اظہار میں رسول اللہ ﷺ کے قصد واختیار کا کوئی تعلق نہیں؟ یقیناً شانِ رسالت کے شایانِ شان آپ ﷺ کے قصد واختیار کا تعلق ہے اور شانِ الوہیت کے شایانِ شان اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ تامہ کا دخل ہے۔

۲۰) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے جَو کی روٹی حضرت انس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ دربار رسالت میں پیش کی۔ نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت انس سے فرمایا اسے واپس لے جاؤ ہم تمہارے گھر کو رشک جنت بنانے تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت ابوطلحہ نے جب سنا تو اپنی زوجہ ام سلیم سے کہا کہ آفتاب رسالت صحابہ کرام سمیت طلوع فرما رہے ہیں۔

وَلَیْسَ عِنْدَنَا مَا نُطْعِمُھُمْ اور ہمارے پاس وہ چیز نہیں ہے جو انہیں کھانے کیلئے پیش کریں۔

اس نیک بی بی نے جواب دیا اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ یعنی ہمارے ہاں جو تھا ہم نے حاضر خدمت کر دیا۔ اگر وہ تشریف لا رہے ہیں، تو انتظام کر کے آتے ہوں گے۔ کیونکہ وہ کسی کو رسوا نہیں ہونے دیتے۔ ہمیں فکر کرنے کی کیا ضرورت؟

آخر مختار کونین ﷺ نے اسی ایک روٹی سے ستر یا اسی صحابہ کرام کو رجایا (پیٹ بھر

کر، سیر ہو کر کھانا کھلایا) خود بھی تناول فرمایا اور گھر والوں کے لئے بھی چھوڑ گئے۔

(مشکوۃ ص ۵۳۷ بخاری ص ۵۰۵ مسلم ج ۲ ص ۲۹ ترمذی ج ۲ ص ۲۰۳)

۲۱) غزوۂ تبوک کے موقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سامان خورد و نوش ختم ہوگیا۔ سواری کے اونٹ ذبح کر کے زندہ رہنے کی صورت تجویز کی جسے دیکھ کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ ابوالقاسم ﷺ فیض بار نعم میں حاضر ہو کر عرض کی: سواریوں کو ذبح کرنے سے سفری دشواریوں میں اِضافہ ہوگا۔ انہیں بچا کچھا مال اکٹھا کرنے کا حکم دیں اور اس پر دعائے برکت فرمائیں۔

رسول پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا جو کچھ بھی کسی کے پاس ہے، اکٹھا کرو اکثر صحابہ کرام کے پاس تو کچھ بچا ہی نہیں تھا، جن کے پاس کچھ تھا وہ کوئی مٹھی بھر غلہ کوئی ایک کھجور، بلکہ کھجور کا ایک ٹکڑا لاکر چمڑے کے دستر خوان پر رکھتے رہے۔

حتی اجتمع علی النِطعِ شیءٌ یسیرٌ یہاں تک کہ اس دستر خوان پر تھوڑی شی جمع ہوئی

آپ ﷺ نے اس پر دعائے برکت فرما کر حکم دیا:

خذوا فی اوعیتکم سب اپنے اپنے برتن بھر لو۔

"فاخذوا فی اوعیتھم حتی ما ترکوا فی العسکر وعاءً الا ملاؤہ قال فاکَلُوْا حتی شبعوا وفضلت فُضلة" پس صحابہ کرام نے اپنے اپنے برتنوں میں ڈال لیا یہاں تک کہ لشکر میں جو بھی برتن تھا اسے بھر لیا گیا۔ راوی فرماتے ہیں پس انہوں نے سیر ہو کر کھایا بھی اور کچھ بچ بھی گیا۔

(مشکوۃ ص ۵۳۸ مسلم ج ۱ ص ۴۳)

اس موقع پر مجاہدین کی تعداد ہزاروں تھی۔ مگر قاسمِ نعیم الٰہی ﷺ نے سب کے دامنوں کو بھر دیا اور سپاہیوں کے پاس جتنے توشہ دان وغیرہ تھے سب بھر کر لے گئے۔

جب اس معجزہ کا اظہار ہوا تو آپ نے تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا: اشھد ان

لاالہ الا اللہ و اشھد انی رسول اللہ گویا اشارہ فرما دیا: رب دینے والا اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔

۲۲) غزوۂ احزاب میں خندق کھودنے کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خوردنی سامان ختم ہوگیا۔ خوراک کی اتنی قلت ہوئی کہ مجاہدین نے بھوک کی شدت کم کرنے کیلئے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے، اللہ تعالیٰ کے حبیب، صاحب کوثر ﷺ کی ادائے دلنوازی پر نثار جائیں۔ آپ نے بھی پتھر باندھ کر غلاموں کی دلجوئی فرما دی۔ ان حالات کو دیکھ کر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر تشریف لائے، تقریباً چار سیر جو اور بکری کا بچہ ذبح کر کے رسول اللہ ﷺ اور چند صحابہ کرام کی دعوت کا انتظام کیا۔ گھر میں یہ انتظام فرما کر بارگاہ رسالت میں دعوت پیش کرنے کیلئے حاضر ہوئے، تو سرگوشی کے انداز میں حضرت ابوالقاسم ﷺ سے درخواست کی کہ میں نے اس قدر کھانے کا بندوبست کیا ہے۔ آپ چند صحابہ کرام کے ہمراہ میرے غریب خانے پر تشریف لاکر کھانا تناول فرمائیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کر سکتے تھے انہوں نے کمال ایثار کا مظاہرہ فرمایا مگر رحمۃ للعالمین ﷺ کی شفیق طبیعت کو کیسے گوارہ ہوسکتا تھا کہ آپ مخصوص مجاہدوں کے ہمراہ کھانا تناول فرمائیں اور شب و روز مجاہدانہ کاروائیوں میں مصروف عمل دیگر بھوکے غلام بھوکے رہیں؟ آپ ﷺ نے اونچے مقام سے صحابہ کرام میں اعلان فرمایا:

"یااھل الخندق ان جابر اصنع سورا فحی ھلا بکم" اے خندق والو بیشک جابر نے تمہاری دعوت کا انتظام کیا ہے آؤ کھانا کھانے کیلئے

یہ سن کر بشری تقاضا کے مطابق حضرت جابر کو تشویش ہوئی ہوگی کہ ہمارے ہاں تو چند حضرات کیلئے کھانے کا انتظام ہے، کئی ہزار بھر محنت کش مجاہدین کو کیسے کھانا پورا کروں گا اس پر حضور پُرنور ﷺ نے حضرت جابر کو حکم دیا:

لاتنزلن بُرْمَتكم ولا تخبزن عجينكم حتی اَجِیء — جب تک میں نہ آجاؤں نہ تو ہنڈیا کو چولہے سے اتارنا اور نہ ہی روٹیاں پکانی شروع کرنا۔

رحمتِ دوعالم ﷺ نے اُن کے گھر پہنچ کر آٹے اور ہنڈیا میں لعاب دھن ڈالا اور برکت دی۔ کھانا پکانے والی عورت چار سیر آٹا کی روٹیاں بآسانی پکالیتی ہے۔ لیکن یہ دعوت چند حضرات کی نہ تھی ہزار بھر افراد کو کھانا کھلانا تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے خاتونِ خانہ کو حکم دیا کہ اپنی مدد کیلئے کسی اور پکانے والی کو بھی بلا لے اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا ہنڈیا کو چولہے سے نہیں اتارنا، وہیں سے نکال نکال کر کھلاتے رہنا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کھانا کھانے والے کئی ہزار تھے۔ سب نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

"فَاُقْسِمُ بِاللّٰهِ لَاَكَلُوْا حَتّٰى تَرَكُوْهُ وَانْحَرَفُوْا وَاِنَّ بُرْمَتَنَا لَتَغِطُّ كَمَا هِيَ وَاِنَّ عَجِيْنَنَا لَيُخْبَزُ كَمَا هُوَ"
(مشکوۃ ص ۵۲۲ بخاری ص ۵۸۸ مسلم ص ۲ ۱۷۸)

اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سب نے کھانا کھایا یہاں تک کہ انہوں نے کھانا بچا دیا۔ صحابہ کرام کھانا کھا کر واپس گئے اور بیشک ہماری ہنڈیا ویسے ہی جوش مار رہی تھی اور آٹا ویسے ہی پکایا جا رہا تھا۔

ع واہ کیا فیض ہے اے شہِ تسنیم نرالا تیرا — صلی اللہ علیک وبارک وسلم

۲۳) زمانہ قیام حدیبیہ میں پانی ختم ہوگیا، صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ پینے اور وضوء کے لئے پانی نہیں رہا۔ صرف یہی تھوڑا سا پانی ہے جو آپ کے پیالہ میں ہے۔ نبی اکرم قاسم کوثر ﷺ نے دست مبارک اس برتن میں رکھ دیا......

فجعل الماء یفور من بین اصابعه کامثال العیون — تو پانی آپ کی انگلیوں سے چشموں کی طرح جوش مار کر نکلنے لگا۔

تمام صحابہ کرام نے خوب سیر ہو کر پیا اور طہارت بھی حاصل کی حضرت جابر سے

پوچھا گیا تمہاری تعداد کتنی تھی؟ تو آپ نے بڑا ایمان افروز جواب دیا۔

لو كان مائة الف لكفانا كنا خمس عشرة مائة. اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی کافی ہوتا۔ ہم پندرہ سو تھے۔

(مشکوۃ ص ۵۳۲ بخاری ۵۹۸ مسلم ص)

یعنی یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے کہ ہم کتنے تھے؟ بحر ذخار فیض صاحب کوثر میں قلت و کثرت تعداد سے کیا فرق پڑے؟ کیوں کہ وہاں تو ؎

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

۲۴) مقام زوراء میں پانی کی ضرورت پڑی تو آنحضرت ﷺ نے ایک برتن میں اپنے دست مبارک کو رکھ دیا۔

فجعل الماء ينبع من بين اصابعه تو آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹنے لگے۔

(مشکوۃ ص ۵۳۷ بخاری ۵۰۴ مسلم ج ۲ ص ۲۴۶)

تین سو کے قریب جماعت نے اس سے وضو کیا مگر پانی ختم نہ ہوا اس سے ظاہر ہو کہ آنحضور ﷺ ......

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
ہیں دو جہاں کی نعمتیں ان کے خالی ہاتھ میں

۲۵) ایک خاص موقع پر حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کھجور گھی اور پنیر سے حیس (ایک خاص قسم کا حلوہ) تیار کیا اسے برتن میں ڈال کر اپنے بیٹے، رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ھدیہ پیش کیا اور حضرت انس سے کہا عرض کرنا کہ یہ ھدیہ میری والدہ نے نذر کیا ہے۔

وهي تقرئك السلام وہ آپ کو سلام پڑھواتی ہیں۔

یعنی سلام پیش کر کے آپ سے سلام کے تحفے کی خواہش مند ہیں۔ اور عرض کرتی ہیں۔

ان هذا لک منا قلیل یا رسول اللہ — یارسول اللہ ﷺ یہ ہماری طرف سے چھوٹا سا ہدیہ ہے قبول فرمائیے۔

انکے پیغام میں اس درجہ کا اخلاص تھا کہ دریائے رحمت جوش میں آیا اور سیدنا ابوالقاسم ﷺ نے انس سے فرمایا: یہ برتن ادھر رکھ دو اور جاؤ فلاں فلاں کو بلا لاؤ۔ پھر فرمایا: بلکہ جو بھی تمہیں ملے اکو کاشانہ ءنبوت میں حاضر ہوکر کھانا کھانے کی دعوت دو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی کوئی تردد نہ ہوا اتنے لوگوں کو یہ کھانا کیسے کفایت کرے گا یا یہ کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خاطر بنا کر لائے ہیں۔ آپ کیلئے تو کچھ بچے گا ہی نہیں۔ حضرت انس کا دل سخی تھا اور کمال نبوت پر اعتماد بھی تھا اس لئے مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں پھر کر ہر ایک کو دعوت دینے لگے۔ جب آپ واپس تشریف لائے، تو تقریباً تین سو افراد جمع ہو چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ملیدہ پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا اور پھر کہا: دس دس کو بٹھا کر کھلانا شروع کرو، اللہ کا نام لے کر کھاتے جائیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا قَالَ فَخَرَجَتْ طَائِفَةٌ وَدَخَلَتْ طَائِفَةٌ حَتَّى أَكَلُوا كُلُّهُمْ فَقَالَ لِي يَا أَنَسُ ارْفَعْ قَالَ فَرَفَعْتُ فَمَا أَدْرِي حِينَ وَضَعْتُ كَانَ أَكْثَرَ أَمْ حِينَ رَفَعْتُ (مشکوۃ ص ۵۳۹، بخاری ص ۷۵۲، مسلم ج ۱ ص ۴۶۱، ترمذی ج ۲ ص ۱۵۳)	سب نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا ایک گروہ جاتا دوسرا آتا، یہاں تک کہ سب کے سب کھا چکے، رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کھانے والا برتن اٹھالو، تو میں نے اٹھالیا۔ میں فیصلہ نہ کر سکا کہ جب میں نے برتن رکھا تھا تو کھانا زیادہ تھا یا جب میں نے اسے اٹھایا۔

اس واقع پر نظر رکھنے والا انسان اسی نتیجے پر پہنچتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قصد واختیار سے اس معجزہ کا اظہار فرمایا۔

۲۶) ایک دفعہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اتنے زور کی بھوک لگی ہوئی تھی کہ شدت بھوک کی وجہ سے چہرہ کے بل لیٹے ہوئے تھے۔ آپؓ بھوک کی وجہ سے مسجد کے باہر چہرہ

کے بل لیٹے ہوئے اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ شاید کوئی غنی صحابی میری حالت کو دیکھ کر مجھے کھانا کھلانے کیلئے لے جائے۔ اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر سے گذر ہوا انہیں دیکھ کر حضرت ابو ہریرہ دل میں خوش ہوئے۔ حضرت ابو بکر کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے ایک آیت کریمہ کا مفہوم پوچھا، مقصد یہ تھا کہ میری بھوک کا احساس کر کے میرے کھانے کا انتظام کریں گے، لیکن یہ مقصد پورا نہ ہوا۔ اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادھر سے گذرے ان سے بھی ایک آیت کا مفہوم پوچھا اور مقصد وہی تھا، لیکن کھانے کا انتظام انہوں نے بھی نہ فرمایا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایسے موقع پر انسان کے احساسات کیا ہوتے ہیں۔

آپؓ کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے چونکہ اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کے معجزانہ انداز میں عطا، تقسیم کا ذِکر ہے اسلئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ کی تشریف آوری کا ذکر جاء رسول اللہ یا جاء نبی اللہ ﷺ سے نہیں فرمایا بلکہ آپ نے اسے ان حسین الفاظ میں بیان کیا:

ثُمَّ مَرَّبِیْ اَبُوالْقَاسِمِ ﷺ	پھر میری طرف سے تقسیم کرنیوالے آقا ﷺ کا
فَتَبَسَّمَ حِیْنَ رَاٰنِیْ.	گذر ہوا جو مجھے دیکھ کر مسکرا دیئے۔

اس مسکراہٹ میں جو لطیف اشارے تھے انہیں اہل دل ہی سمجھ سکتے ہیں اور یقیناً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سمجھ گئے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: چلو میرے ساتھ۔ اِشارہ تھا کہ آج تم نے ابو بکر صدیق، عمر فاروق رضی اللہ عنہما یا کسی اور کا مہمان نہیں ہونا بلکہ آج خود ابو القاسم ﷺ میزبان ہوں گے اور تم مہمان۔

نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں اپنے ساتھ گھر لے آئے گھر پر ایک پیالہ دودھ موجود پا کر آپ نے فرمایا۔ اے ابو ہریرہ جاؤ اور اصحاب صفہ کو بھی بلا لاؤ۔ حضرت ابو ہریرہ کے جی میں وسوسہ پیدا ہوا کہ اتنا تھوڑا سا دودھ اصحاب صفہ کی اتنی بڑی تعداد کو کیسے کفایت

کرے گا؟ مجھے پلانے کا حکم ہوگا، اس طرح تو شاید ہی میرے لئے کچھ بچے۔ لیکن ضمیر نے
آواز دی!

لم یکن من طاعة الله و طاعة رسوله بُدّ — اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں تھا۔

اس لئے اُن صحابہ کرام کو بلا لائے۔ بعدازں معاملہ ویسے ہی ہوا جیسا ان کو خیال پیدا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ: تم انہیں پلاؤ! ایک صاحب پی کر دوسرے ساتھی کو پیالہ دینے لگے، تو حضرت ابوہریرہ کی مزید تربیت تہذیب کیلئے آنحضور ﷺ نے انہیں فرمایا: ان سے پیالہ لے کر تم خود اپنے ہاتھ سے دوسرے کو پیش کرو، تا کہ اصلاح کے ساتھ کئی حضرات کو دودھ پلانے کا ثواب بھی ملے باری باری سب حاضرین دودھ پیتے رہے، سب اس دودھ سے خوب سیراب ہوئے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تک وہ پیالہ پہنچا:

فَاَخَذَ الْقَدَحَ فَوَضَعَه' عَلٰی یَدِهٖ فَنَظَرَ اِلَیَّ فَتَبَسَّمَ فَقَالَ یَا اَبَاهِرٍّ قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ بَقِیْتُ اَنَا وَاَنْتَ قُلْتُ صَدَقْتَ یَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ اُقْعُدْ فَاشْرَبْ.

تو وہ پیالہ رسول اللہ ﷺ نے لے کر اپنے دست مبارک پر رکھا اور معنی خیز نظروں سے ابوہریرہ کو دیکھ کر آپ نے تبسم سے نوازا تو فرمایا اے ابوہریرہ! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اور تو ہی باقی رہ گئے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے سچ فرمایا ہے اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیٹھو اور دودھ پیو۔

قارئین! ملاحظہ فرمایا! حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ایک کو پلاتے اور پھر پیالہ کو پکڑ کر دوسرے کو پیش کرتے، یہاں تک کہ سب نے نوش کرلیا اور پیالہ دودھ سے بھرے کا بھرا رہا۔ آنخضرت ﷺ نے پیالہ اپنے ہاتھ میں لے کر حضرت ابوہریرہ کی طرف نگاہ لطف اٹھا کر تبسم فرمایا: جس میں اشارہ تھا کہ پیارے ابوہریرہ! تیرا خیال تھا دودھ ختم ہو جائے گا۔ اب صاحب کوثر کے فیض کو دیکھا تو نے، لے! اب تو پی، میں پلاتا ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے

خوب جی بھر کر پیا۔ جب پیالہ منہ سے ہٹایا تو آپ ﷺ نے پھر فرمایا اور پیؤ! کئی بار ایسے ہی ہوا، آخر حضرت ابوہریرہ نے عرض کی۔

"والذی بعثک بالحق ماأجد مسلکاً" آپکے رب کی قسم اب کوئی راستہ نہیں رہا

(بخاری ص ۹۵۶ ترمذی ج ۲ ص ۷۱)

ساقی کوثر کی اسی ادائے دلنوزی کا تذکرہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں:

کیوں جناب بوہریرہ کیسا تھا وہ جامِ شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

۲۷) حضرت ام مالک رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں، جو ایک مشکیزہ میں گھی ڈال کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا کرتی تھیں۔ آپ ﷺ کی نگاہ کرم سے اس مشکیزہ میں یہ برکت پیدا ہوگئی کہ گویا گھی کا ایک چشمہ بن گیا۔ جب بھی گھی کی ضرورت ہوتی اس میں موجود پاتیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے اس مشکیزہ کو نچوڑ دیا تو گھی کا چشمہ خشک ہوگیا۔ نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا: تو نے نچوڑا ہوگا؟ اور فرمایا:

"لو ترکتیھا ما زال قائما" اگر نہ نچوڑتی تو ہمیشہ (گھی) ملتا رہتا۔

(مسلم ص ۲۴۶ مشکوۃ ص ۵۳۷)

دیکھو آپ کی برکت سے کس طرح غیب کے خزانوں سے انہیں گھی ملتا رہا۔

۲۸) ایک سائل نے آ کر کھانا مانگا۔ قاسم نعیم الٰہی ﷺ نے اسے کچھ جو عطا فرمائے۔ کتنا ہی عرصہ وہ صاحب خود اور ان کی بیوی اور ان کے مہمان کھاتے رہے مگر وہ جو ختم نہ ہونے پائے۔ ایک دن انہیں ناپا تو وہ جو ختم ہوگئے۔ دربار رسالت میں حاضری دی واقعہ عرض کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"لو لم تکله لا کلتم منه ولقام لک" (مسلم ج ۲ ص ۲۴۶)

اگر انہیں پیمانہ نہ کرتا تو تم اس سے کھاتے رہتے اور تمہارے پاس موجود رہتے۔

یہ ہے فیض ساقی کوثر ﷺ کا! کہ مدتوں تھوڑی سی چیز کھاتے رہیں اور وہ ختم نہ ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ برکت ورحمت کا اندازہ کرنے ماپنے، ناپنے اور تولنے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے۔

۲۹) ایک صحابی نے آنحضور پرنور ﷺ اکیلے کی دعوت کا انتظام کیا، مگر آپ ﷺ صحابہ کرام کو بھی ساتھ لے آئے۔ میزبان نے عرض کی حضور کھانا بہت تھوڑا ہے ان کیلئے تو کفایت نہیں کریگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ برکت فرمائیگا کھانا اس طرح پورا ہوا کہ:

اخرج لهم شيئا من بين اصابعه فاكلوا حتى شبعوا (مسلم ج ۲ ص ۱۷۹)

آنحضرت ﷺ نے اپنی انگلیوں میں سے کچھ نکالا پس انہوں نے سیر ہو کر کھایا۔

"اَخرَجَ" کا کلمہ بطورِ خاص پیش نظر رہنا چاہیئے۔

۳۰) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (تقریبا بیس اکیس) کھجوریں لے کر حاضر خدمت ہوئے اور ان میں برکت کیلئے دعاء کی التجاء کی۔ نبی مختار ﷺ نے ان کھجوروں کو اپنے دست کرم میں لے کر واپس کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ کو فرمایا:

فجعلهن فی مزودک كلما اردت ان تأخذ منه شيئاً فادخل فيه يدک ولا تنثره نثراً (مشکوۃ شریف ص ۵۵۱)

توانہیں اپنے توشہ دان میں ڈال لے۔ جب بھی جتنی کھجوروں کی خواہش ہو اس میں اپنا ہاتھ ڈال کر کھجوریں نکال لو اور اسے جھاڑ نا مت!

آنحضور پُرنور ﷺ کی ہدایت پر توشہ دان اپنی کمر سے باندھ لیا، دن رات، سفر حضر، جب بھی چاہتے حسب خواہش اس سے کھجوریں نکال کر استعمال میں لاتے۔ ایک دو دِن نہیں، بلکہ تقریباً پچیس سال تک سخاوت سے فیض لُٹاتے رہے۔ کھاتے کھلاتے اور دریا دِلی سے کئی مَن کھجوریں لوگوں میں بانٹیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیاتِ طیبہ اور حضرت

ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے دورِ خلافت میں بھی باڑا بٹتا رہا، جس دِن حضرت امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اس روز یہ غیبی خزانہ آپ سے کھوگیا۔ آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کو ایک صدمہ پہنچا ہے، مگر مجھے دو صدمے اٹھانے پڑے، ایک حضرت امیر المؤمنین کی شہادت کا اور دوسرا توشہ دان کے گم ہوجانے کا۔ اس کا ذِکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

فقد حملت من ذلک التمر کذا و کذا من وسق فی سبیل اللہ فکنا ناکل منہ ونطعم و کان لایفارق حقوی حتی کان یوم قتل عثمان فانہ انقطع

پس میں نے ان کھجوروں سے اتنے اور اتنے وسق (جو تقریبا چھ من کا ہوتا ہے) خدا کے راستے میں لٹائے۔ ہم خود بھی اس سے کھاتے رہے اور کھلاتے بھی رہے اور ہمیشہ وہ توشہ دان میری کمر کے ساتھ رہتا یہاں تک کہ حضرت عثمان کی شہادت کے روز وہ گم ہوگیا۔

(ترمذی ج ۲ ص ۲۴۱، مشکوۃ ص ۵۵۱)

دافع البلاء ﷺ

طعام اور پانی کی تکثیر کی روایات بکثرت موجود ہیں، نہ میرے لئے سب کا استیعاب ممکن اور نہ احصاء شرط۔ مجموعی طور پر ایسے واقعات حدِ تواتر کو پہنچتے ہیں۔ ان روایات سے ایک مومن کو نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے خزائن غیبیہ میں تصرف واختیار کا پتہ چلتا ہے۔ آیۃ مبارکہ **انا اعطیناک الکوثر** کی تفسیر میں مدد ملتی ہے اور حدیث **انما انا قاسم واللہ یعطی** کے مطلب کی وضاحت ہوتی ہے۔

ایمان ومحبت اور عقیدت لے کر آگے بڑھیے اور سلطنت مصطفیٰ ﷺ اور شان و شوکت کے مزید مظاہر دیکھئے!

۳۱) "ابورافع" ایک بے ادب وگستاخ شخص تھا نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کو اس کی بیہودہ گوئی سے تکلیف ہوا کرتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ حکم رسالت پاکر

اپنے چند ساتھیوں سمیت اسے جہنم رسید کرنے کو گئے، رات کو اس کے قلعہ میں داخل ہو گئے اور موقع پا کر ابورافع کو اس کے اپنے محل میں ٹھکانے لگا دیا۔

قلعہ سے اترنے لگے تو چاندنی رات تھی، سیڑھیوں پر سے پاؤں پھسلا اور حضرت عبداللہ کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ پنڈلی کو عمامہ سے مضبوط باندھ کر آپ کے ساتھی آپ کو دربار شفا بار میں لے آئے۔ حضرت عبداللہ نے اپنی شاندار کارکردگی اور تکلیف پہنچنے کا اظہار کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اُبْسُطْ رِجْلَک — اپنے پاؤں (ٹانگ) پھیلاؤ

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں میں نے ٹانگ کو دراز کیا اور نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنا دست مسیحا پھیرا جس کا یہ اثر ہوا۔

کانما لم اشتکھا قط — گویا کہ مجھے کبھی اس کی تکلیف نہیں ہوئی تھی

(مشکوۃ ص ۵۳۲ بخاری ص ۵۷۷)

۳۲) ایک جنگ میں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو تلوار لگی، شدید زخمی ہو گئے، جس سے زندگی کی امید نہ رہی آنحضرت ﷺ نے اس زخم پر تین مرتبہ پھونکا۔ درد ایسا کافور ہوا کہ سیدنا حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

فما اشتکیتھا حتی الساعۃ — پھر مجھے آج تک اس کی تکلیف نہیں ہوئی۔

(مشکوۃ ص ۵۳۳ بخاری ص ۶۰۵)

۳۳) غزوۂ خیبر کے دوران ایک دِن رسول اللہ ﷺ نے مولیٰ کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو عَلَمِ فتح عطا کرنے کیلئے یاد فرمایا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گذارش کی گئی کہ حضرت علی کو آشوب چشم کی اتنی تکلیف ہے کہ آپ کیلئے چلنا بھی مشکل ہے۔ نبی مختار ﷺ نے فرمایا: جا کر انہیں لے آؤ! جب آپ حاضر خدمت ہوئے تو ورم کی وجہ سے آنکھیں بند تھیں۔

فبصق رسول اللہ ﷺ فی عینیہ — تو (ازالہ مرض کیلئے) رسول اللہ ﷺ نے لعابِ شفا

فبرء حتی کأن لم یکن به وجع — ان کی آنکھوں میں ڈالا تو اسی وقت آپکی آنکھ ایسی ٹھیک ہوئی کہ گویا کبھی تکلیف تھی ہی نہیں۔

(مشکوۃ ص ۵۶۳ بخاری ص مسلم ص)

ان روایات میں دفع مرض، ازالہ تکلیف کیلئے رسول اللہ ﷺ نے جو طریقہ علاج اختیار فرمایا، یہ اسباب عادیہ سے نہیں، غیر عادیہ سے ہے اور خود خانصاحب اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ خلاف عادت نفع پہنچانا، مافوق الاسباب امر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ افعال و اسباب قصداً اختیار فرمائے جو اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ آپ ﷺ مافوق الاسباب امور میں تصرفات کا اختیار دیئے گئے ہیں۔

(۳۴) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوا کہ یا رسول اللہ! مجھے نسیان کی شکایت ہے، آپ سے بکثرت احادیث سنتا ہوں، مگر بھول جاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی چادر پھیلا۔ فرماتے ہیں: میں نے چادر پھیلا دی۔

فغرف بیدیه — تو آنحضرت ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے اس میں کچھ ڈالا۔

اور فرمایا اس چادر کو سینہ سے لگالے میں نے لگالیا اور اس کا اثر یہ ہوا؟

فما نسیت شیئا بعد — آج تک میں کوئی چیز نہیں بھولا۔

(بخاری ج ۱ ص ۲۲)

سبحان اللہ بظاہر نبی پاک ﷺ کے ہاتھ خالی تھے، لپوں (چلوؤں) میں کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی۔ مگر حقیقت میں وہ ہاتھ حافظے سے بھرے ہوئے تھے۔ جو سیدنا ابو ہریرہ کو عطا فرمایا اور نسیان کی مرض سے نجات دلائی۔ امام اہلسنت قدس سرہ العزیز نے کیا سچ فرمایا ؎

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کی خالی ہاتھ میں

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد الساری شرح بخاری میں اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

وهذا من المعجزات الظاهرات — یہ واقعہ نبی پاک ﷺ کے روشن معجزات سے ہے
حیث رفع ﷺ من ابی هریرة النسیان — کہ نبی پاک ﷺ نے ابو ہریرہ سے نسیان کو اٹھا

الذی هو من لوازم الانسان حتی قیل انه مشتق منه وحصول هذا فی بسط الرداء الذی لیس للعقل فیه مجال (ج ۱ ص ۲۳)	دیا۔ جو انسان کے فطری لوازمات سے ہے۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ لفظ انسان ''نسیان'' سے مشتق ہے اور اس (حافظہ اور رفع نسیان) کا حصول چادر کے پھیلاؤ میں ایک ایسا امر ہے جس میں عقل کیلئے یارائے دم زدن نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرضِ نسیان کی فریاد کرنا نبی مختار ﷺ کا عادی طریقوں سے علاج کرنے کی بجائے غیر عادی اسباب سے علاج فرمانا نیز آپ کا ارشاد فرمانا چادر پھیلا، ابو ہریرہ کا چادر بچھانا، آپ ﷺ کا لپ بھر کر اس میں کچھ ڈالنا، ابو ہریرہ کو چادر سینے سے لگانے کا حکم دینا۔ آپؓ کا اس پر عمل کرنا جس پر مرضِ نسیان کا ختم ہو جانا اور قوتِ حافظہ اتنا قوی ہو جانا کہ کچھ نہ بھولے، یہ سب اختیاری افعال تھے اور قصد و اختیار سے صادر ہوئے تھے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ ﷺ باذن اللہ تعالیٰ ''نسیان'' دفع فرماتے ہیں اور ''قوتِ حافظ'' عطا فرماتے ہیں۔ هذا هو التصرف ما فوق الاسباب

(۳۵) ایک دفعہ نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک مسئلہ بیان فرمایا مگر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی تسلی ہونے کی بجائے کچھ شکوک پیدا ہو گئے۔ جب نبی مختار علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ حالت دیکھی تو شکوک و شبہات سے نفس کو شفا دینے اور فوراً تزکیہ قلب فرمانے کیلئے حضرت ابی بن کعب کے سینہ پر دست مبارک مارا اس کا یہ اثر ہوا کہ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں۔

ففضت عرقا کانما انظر الی اللہ عزوجل فرقا مسلم ج ۱ ص ۲۷۳	پس میں پسینے سے شرابور ہو گیا گویا میں اللہ تعالیٰ کو سامنے دیکھ رہا ہوں۔

یہ ہے فیضانِ مصطفوی، تصرف محمدی، کہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے صحابی پسینہ پسینہ

ہو گئے ۔ تمام شبہات زائل ہو گئے ۔ آنحضور ﷺ کے دست مبارک کی برکت سے جس درجہ کا انکشاف حاصل ہوا اس کا بھی صحابی نے خود بیان کر دیا ۔

(۳۶) سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے کہ آپ کا اونٹ ایک سفر میں بہت کمزور ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہے جاتے تھے ۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے اونٹ کو ڈانٹا اس کے لئے دعا فرمائی ، چھڑی سے چوکا دیا تو ان کا اونٹ اتنا تیز ہو گیا کہ مشکل سے روکتے تھے ۔ پھر آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ جابر ! اب تیرے اونٹ کی کیسی حالت ہے ؟ عرض کی :

اصابته بر کتک (بخاری ۲۱۶، ۲۸۲) اسے تمہاری برکت پہنچی ۔

غور فرمایئے ! کہ آپ کے اشارہ سے جانور میں قوت پیدا ہو گئی اور اس کی کمزوری جاتی رہی ۔

(۳۷) حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضور ﷺ ذو الخلیصہ کی مہم پر مجھے روانہ کرنے لگے تو میں نے عرض کیا حضور میں گھوڑے پر نہیں بیٹھ سکتا تو آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر رکھا جس کا اثر میں نے محسوس کیا ۔ اور آپ نے دعا مانگی اے اللہ اسے ثابت رکھنا اور اسے ہادی مہدی بنا دے ۔ حضرت جریر بعد میں فرماتے تھے کہ

فما وقعت عن فرسی بعد پھر آج تک میں اپنے گھوڑے سے نہیں گرا ۔

مشکوۃ ص ۵۳۵ بخاری ص ۴۲۳ ، ۴۲۴

اس روایت میں حضرت جریر کی ایک تو وہ حالت تھی کہ گھوڑے پر بیٹھ نہیں سکتے تھے ۔ ایک آپ کے اشارۂ تصرف سے ایسی قوت و تجربہ کاری پیدا ہو گئی کہ پھر کبھی گھوڑے سے گرے ہی نہیں ۔

دجال ملعون کے تصرفات واختیارات :

مقربانِ بارگاہ ایزدی تو مستحق کرامت و اعزاز ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑے

بڑے تصرفات وکمالات سے تو نوازا ہی ہے۔ لیکن مخلوق کے ابتلاء وامتحان کیلئے اس نے اپنے نافرمانوں، منکروں کو بھی بڑے بڑے تصرفات عطا فرمائے۔

شیطان مردود کو اتنی قوت ملی جسکے ذریعہ کتنے ہی دور سے القائے وساوس کر لیتا ہے۔ اور دجال لعین کو ایسے تصرفات دیئے جائینگے جو مخلوق کیلئے باعث فتنہ ہونگے۔

تصرفات واختیاراتِ دجال کا ذکر صرف اس لئے کر رہا ہوں کہ ان تصرفات کو دوسرے لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ دجال کے ان تصرفات پر اتنا پختہ ایمان ہے یہاں تک کہ انہوں نے کبھی نہیں پوچھا کہ اخبار آحاد سے ثابت ہیں یا متواترہ سے۔ تو اس لحاظ سے فتنہ دجال فریقین کا اجماعی مسئلہ ہے، مگر یہ اختلاف ضرور ہے کہ ہمارے نزدیک جتنے تصرفات واختیارات اس مردود کو حاصل ہوں گے اس سے کہیں زیادہ امام الاوّلین و الآخرین ﷺ کو حاصل ہیں۔

اور بعض دوسرے یارلوگوں کے نزدیک دجال تو متصرف و مختار ہوگا۔ مگر محبوب خدا ﷺ متصرف ومختار نہیں بلکہ آپ کیلئے ایسا تسلیم کرنا ان کے دھرم میں ''شرک صریح'' ہے۔ تو ایسے دھرم پر یہ لازم آتا ہے کہ دجال تو اللہ جل جلالہ کا شریک وساجھی ہوسکتا ہے۔...... نعوذ باللہ...... تو ایسے عقائد کے حامل حضرات فتنہ دجال کے وقت دجال کو ''رب'' ماننے سے کیوں کر گریز کریں گے؟ کیونکہ ان کے عقیدہ میں ایسے اختیار تو کسی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتے، بلکہ الوہیت کا خاصہ ہیں۔

اللھم انی اعوذ بک من فتنة الدجال واعوذ بک من دجل ھؤلاء الجھال

مخبر صادق ﷺ نے تحذیر (ڈرانے) کے لئے فتنہ دجال کا کئی بار ذکر فرمایا اور متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے یہ روایات مروی ہیں مگر مناسب مقام مختصراً ہی تحریر کرتا ہوں۔

۳۸) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فیأمر السماء فتمطر والارض فتنبت پس دجال آسمان کو حکم کریگا تو مینہ برسائیگا زمین کو حکم کرے گا وہ گھاس اُگائے گی۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

ویمر بالخربة فیقول لھا اخرجی کنوزک فتتبعه کنوزھا کیعا سیب النحل اور دجال ویرانے پر گزرے گا تو اسے حکم کریگا کہ اپنے خزانے نکال تو اس کے خزانے اس کی ایسی اتباع کریں گے، جیسے شہد کی مکھیاں سردار کا اتباع کرتی ہیں۔

مشکوۃ ص ۴۷۳ بخاری مسلم ج ۲ ص ۴۸۱ ترمذی ج ۲ ص ۴۷

اس طرح کے اور بھی اس کے استدراجات ہیں۔ مگر نمونۂ یہی کافی ہے۔

ناظرین دیکھئے، غور کیجئے! اس کذاب کا تصرف کہ آسمان کو حکم کرے تو بارش برسائے، زمین کو حکم دے تو نباتات اگائے، ویرانوں کو حکم کرے تو خزانے باہر اگل دیں، اور خزانے اس کے پیچھے اس کے حکم سے ایسے چلیں جیسے شہد کی مکھیوں کا لشکر اپنے سردار کے پیچھے جاتا ہے۔

ایک سنی مسلمان کو تو اس سے کوئی مشکل پیش نہیں آتی؛ کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ جس کو چاہے، جتنا چاہے عطا فرمائے۔ اس کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر بعض یار لوگوں کے نزدیک تو اسے خدائی اختیارات الاٹ ہو گئے اور دجال دعویٰ اُلوہیت کا کرے گا پھر انہیں اس پر ایمان لانے سے کوئی گریز نہ ہوگا۔

وا اسفا : شیطان لعین کی وسعت علمی کے قائل ہوں، دجال کو متصرف مختار مانیں، مگر فخر بنی آدم محبوب رب العالمین ﷺ کا معاملہ آئے تو کہہ دیں گے کہ:

> ’’شیطان و دجال کی وسعت علمی و تصرفات نص سے ثابت ہے فخر عالم ﷺ کے علم و تصرف کی کون سی نص ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے شرک ثابت کیا جائے‘‘

بلکہ ’’جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں‘‘

ہر کوئی اپنے بڑے کی بڑائی بیان کرتا ہے۔ ظالم کو ظلمت میں سب کچھ نظر آئے

اور نور میں کچھ دکھائی نہ دے۔ بلکہ چشم شپرہ چندھیا جائے اور کہتا پھرے کہ:

''نبی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا''

خدارا! ''نورِ ہدایت'' کا مطالعہ، تعصب کی عینک اتار کر کریں۔ سلف و خلف نے رسول اللہ ﷺ کے کمالات، علم اور تصرف پر جو کتابیں لکھیں ان کو پڑھئے! تا کہ پتہ چلے کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چاہنے سے کیا کچھ ہوتا ہے؟ کیسے کائنات میں انکا حکم نافذ ہے؟ کس طرح خزانوں کے مالک ہیں؟ قسمت یاوری کرے تو ایمان لایئے وگرنہ ....!

حدیثِ دجال اس بات پر صریح الدلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے امتحان کے لئے دجال لعین کو عجیب وغریب افعال پر قدرت دے گا۔ دجال، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے خرقِ عادت امور کا قصداً اظہار کرے گا۔ قارئین کرام! اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے واضح کر دیا گیا تھا کہ اس کے ذکر سے کیا مقصد ہے؟۔

اس استدلال سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے کسی بھی مخلوق کیلئے اس طرح تصرفات تسلیم کرنا شرک نہیں۔ واقعہ دجال سے جس انداز سے استدلال کیا گیا تھا، مؤلف ''راہِ ہدایت'' کی اخلاقی ذمہ داری تھی کہ اس کا لحاظ کرتے ہوئے جواب رقم کرتے، لیکن صحیح جواب دینے میں ناکام رہے۔ اس مقام پر خانصاحب نے جو تحریر کیا اسے ملاحظہ فرمائیں اور خادم اہل سنت کا تبصرہ پڑھیں۔

خانصاحب گکھڑوی:

مؤلف نورِ ہدایت کا دجل: مؤلف مذکور نے اپنے پیش رو انوار ساطعہ وغیرہ کیطرح ...... آنحضرت ﷺ کے مافوق الاسباب طریق پر متصرف اور مختارِ کل ہونے کو ان احادیث پر قیاس کر کے اپنے دجل اور تلبیس کا پورا ثبوت دیا ہے۔

(راہِ ہدایت ص ۱۸۷)

خادم اہل سنت: خانصاحب کے طرزِ استدلال میں کمزوری ہے ان کو چاہئے تھا کہ اپنے پیش روصاحب براہین قاطعہ سے استفادہ کرتے ہوئے یوں لکھتے:

"الحاصل مؤلف راہِ ہدایت کوغور کرنا چاہیے کہ دجال لعین کے تصرفات کا حال دیکھ کر جو کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں فخر عالم کیلئے خلاف نصوص قطعیہ کے بلادلیل محض قیاسِ فاسد سے تصرف ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے؟ دجال کے یہ اختیارات وتصرفات نص سے ثابت ہیں۔ فخر عالم ﷺ کے تصرفات واختیارات پر کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رکھ کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔"

خانصاحب کے مذہب کا یہی تو المیہ ہے کہ جو تصرف رسول اللہ ﷺ کیلئے ماننا، تسلیم کرنا، ان کے عقیدہ فاسدہ میں شرک خالص ہے دجال کیلئے خرقِ عادت تصرف انکے مسلک میں عین ایمان ہے۔ ؎ **ہر کسے را بہر کارے ساختند**

دجال لعین کے تصرفات کا ذکر کرتے ہوئے یہ بیان کیا گیا کہ اس لعین کے تصرفات محدود، وقتی ہیں۔ کچھ افعال پر کچھ وقت کیلئے اللہ تعالیٰ نے اسے قدرت عطا کی اور پھر اس کو عاجز کر دیا۔ یہاں رسول اللہ ﷺ کے تصرفات کو دجال کے تصرفات سے "بطورِ قیاس" ثابت کرنے کا شائبہ تک بھی نہیں، بلکہ اپنے مؤقف کا بیان ہے کہ اس کے تصرفات عجیبہ وقتی ہیں۔

ہمارے مسلک میں رسول اللہ ﷺ کے تصرفات واختیارات انتہائی وسیع اور دونوں جہانوں میں آپ کو حاصل ہیں۔ کما قال الشیخ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ہر مرتبہ کہ بود درامکان بروست ختم ؎
ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بروتمام

خانصاحب کا ایک اور دجل ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں۔

"مؤلف نورِ ہدایت نے دجال کے تصرفات پر قیاس کر کے رسول اللہ ﷺ کو

مختارِ کل ثابت کیا ہے''

خادم اہل سنت: قارئین کرام پھر ایک دفعہ پوری بحث کو پڑھیں کیا اس میں کہیں ''مختارِ کل'' کا لفظ ہے؟ کیا بطور قیاس مختارِ کل ہونا ثابت کیا گیا ہے؟ ہر گز نہیں۔

میں کئی دفعہ لکھ چکا ہوں کہ مؤلف راہِ ہدایت (خانصاحب) کا یہی طریقہ واردات ہے، خود اختراع کر کے کوئی قول کسی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور پھر اس کا رد لکھ کر یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ فلاں صاحب کا رد بلیغ کر دیا ہے۔

خانصاحب: یہ (دجال کے تصرفات) سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہی ہوا جب وہ نہیں چاہے گا تو کچھ بھی نہیں ہوگا چنانچہ امام نووی (حدیث) دجال کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَيَقَعُ ذَالِکَ بِقُدْرَةِ اللّٰهِ وَمَشِيَّتِهٖ ثُمَّ يُعْجِزُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بَعْدَ ذَالِکَ فَلَا يَقْدِرُ عَلٰى قَتْلِ ذَالِکَ الرَّجُلِ وَلَا غَيْرِهٖ وَيُبْطِلُ اَمْرَهٗ

یہ سب کچھ محض اللہ کی قدرت اور مشیت سے واقع ہوگا پھر اللہ تعالیٰ دجال کو اس کے بعد عاجز کر دے گا نہ تو وہ شخص کو قتل کر سکے گا اور نہ کسی اور کو اور اللہ تعالیٰ اس کی کاروائی کو باطل کر دے گا۔ (شرح مسلم جلد۲ ص ۳۹۹)

بلکہ مسلم وغیرہ کی صحیح روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ پہلی مرتبہ وہ منشار (آری) سے اس مردِ مومن کو دو ٹکڑے کرے گا۔

(راہِ ہدایت ص ۱۸۹، ۱۹۰)

خادم اہل سنت: ''مؤلف راہِ ہدایت'' دجال کے تصرف، **احیاء الموتی**، ظہور زہرة الدنیا، **اتباع خزائن الارض**، **امرہ السماء بالامطار**، **امرہ الارض بالانبات** کا ذکر شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر گئے۔ اور واقعہ قتل کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور واقعہ قتل کو ذکر کر کے یوں نعرہ زن ہوئے، یہ قتل کرنا بھی کسی مافوق الاسباب طریق پر نہ ہوگا۔

کیا خانصاحب میں اتنی بھی سمجھ نہیں، قتل کے واقعہ میں آلہ منشار کے استعمال کا ذکر

آتا ہے جو کہ سبب قتل ہے اور یہ سبب عادی ہے اسلئے دجال کا اسے قتل کرنا ماتحت الاسباب ہوگا۔ استدلال تو باقی تصرفات سے ہے، جو خانصاحب کے اپنے بیان کردہ مفہوم کے لحاظ سے مافوق الاسباب تصرفات ہیں۔ ان میں کوئی ظاہری و عادی سبب نہیں پایا جاتا۔ خود مؤلف کا کہنا ہے کہ:

"جس فعل میں ظاہری اسباب نہ پائے جائیں وہ مافوق الاسباب کا معاملہ ہے خوب سمجھ لو"

علمی دیانت کا تقاضا تھا کہ ان سوالات کا جواب دیتے، ادھر ادھر کی باتیں لکھ کر دھوکا میں ڈالنا ٹھیک نہیں۔ خانصاحب نے شرح مسلم کی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے "محض" کا لفظ کسی غلط فائدے کیلئے لکھا ہوگا مگر اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس میں آتا ہے۔ "ثم یعجزہ اللہ تعالیٰ" یہ اس بات پر شاہد ہے کہ اللہ نے اس لعین کو ان افعالِ غریبہ پر قدرت عطا فرمائی اور پھر عاجز کر دیا۔ شاید مؤلف کے ذہن میں "مشیئۃ اللہ تعالیٰ وقدرتہ" سے کوئی فائدہ حاصل کرنے کا خیال ہو تو اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

"نورِ ہدایت" کے ابتدائی تمہیدات ہی میں اور اس کے بعد کئی دفعہ لکھا جا چکا ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہوا، ہو رہا ہے، یا ہوگا، سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی قدرت سے ہے۔ وہ نہ چاہے تو کوئی بھی معمولی حرکت پر بھی قادر نہیں۔

خانصاحب ایک اور خیانت کا انکشاف:

خانصاحب نے امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کلام نقل کر کے اپنے موقف کو درست ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، اس حوالہ کے نقل کرنے میں بھی علمی خیانت کا ارتکاب کئے بغیر نہ رہ سکے۔ امام نووی کے مذکورہ کلام سے پہلے حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو تحقیق فرمائی، چونکہ اس میں خانصاحب کے مذہب کا ردِّ بلیغ تھا، اسلئے اس کو قارئین کے سامنے پیش کرنے سے عمداً گریز کیا۔

دیانت کا تقاضا تو یہ تھا اس کلام کو پیش کرتے اور انکے پاس اس کا کچھ جواب تھ
تو اسے ذکر فرماتے، مگر اسے چھپانے کی کوشش کی۔ حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکور
کلام اس طرح شروع ہوتا ہے:

" قال القاضی هذه الاحادیث التی ذکرها مسلم وغیره فی قصة الدجال حجة لمذهب اهل الحق فی صحة وجوده وانه شخص بعینه ابتلی الله به عباده واقدره علی اشیاء من مقدورات الله تعالیٰ من احیاء الموتیٰ الذی یقتله ومن ظهور زهرة الدنیا والخصب معه وجنته و ناره ونهریه واتباع کنوز الارض له وامره السماء ان تمطر فتمطر والارض ان تنبت فتنبت فیقع کل ذلک بقدرة الله تعالیٰ ومشیة ثم یعجزه الله تعالیٰ بعد ذلک فلا یقدر علی قتل ذلک الرجل ولا غیره ویبطل امره "

(شرح مسلم شریف ص ۳۹۹)

علامہ قاضی نے کہا کہ یہ احادیث جنہیں اما
مسلم وغیرہ نے دجال کے قصہ میں ذکر کیا۔
اہل حق کے مذہب کی دلیل ہیں اس بات پر ک
دجال موجود ہے اور وہ ایک معین شخص
اللہ تعالیٰ اسکے ذریعے سے اپنے بندوں
امتحان لے گا اسے اللہ تعالیٰ اپنے مقدورا
میں سے کئی امور پر قدرت عطا فرمائے گا جی
ان مُردوں کا زندہ کرنا جسے وہ قتل کرے گا اور د
کی تروتازگی اور خوشحالی کا اس کے ساتھ ہو
باغات، آگ اور نار کا اس کے ہمراہ ہونا، ز
کے خزانوں کا اس کی اتباع کرنا، آسمان کو
برسانے کا اَمر کرنا اور اس کا مینہ برسانا، زمیں
حکم دینا اور اس کا اگانا۔ پس یہ سب
اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اسکی مشیت سے ہوگا
اللہ تعالیٰ اسکو عاجز کر دے گا اسکے بعد تو وہ ا
آدمی اور دیگر کے قتل پر قادر نہیں ہوگا اللہ تع
اس کے دعویٰ کو باطل کر کے دکھائے گا۔

صاحب کتاب (خانصاحب) نے خط کشیدہ عبارت سے پہلے کی سب عبارت
چھپایا کیونکہ اس میں صراحۃ موجود ہے۔

واقدره علی اشیاء من مقدوراة الله تعالی "یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اپنے مقدورات پر قادر کریگا۔"

جس میں بطورِ خاص احیاء الموتی اور باقی چند خرق عادت امور کو بطور مثال پیش کیا۔

اور جیسے پہلے گذر چکا ہے جناب مؤلف مذکور (خانصاحب) نے جو عبارت نقل کی وہ بھی ان کیلئے مفید نہیں، بلکہ نقصان دہ ہے کیونکہ اس میں ہے "ثم یعجزہ" جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ایسے افعال پر قادر ہوگا پھر اللہ تعالیٰ اس کو ایسے افعال بجالانے سے عاجز کردے گا۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی باب میں لکھتے ہیں۔

"قال العلماء هذا من جملة فتنته امتحن الله تعالى به عباده ليحق الحق ويبطل الباطل ثم يفضحه ويظهر للناس عجزه"

(شرح مسلم شریف ص ۴۰۰)

علماء کرام نے کہا یہ دجال کے فتنوں میں سے ہے دجال کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لے گا تاکہ حق کو ثابت کردے اور باطل کو مٹادے (ان تصرفات کے بعد) پھر اللہ تعالیٰ دجال کو رسوا کرے گا اور اس کا عاجز ہونا لوگوں پر آشکارا فرمادے گا۔

نیز امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دجال کے ان تصرفات پر بحث کرتے ہوئے رقم فرمایا۔

"هذه الامور الخارقة للعادة"

یہ سب امور خرقِ عادت ہیں۔

(شرح مسلم ص ۴۰۰)

احادیث صحیحہ سے بلا غبار یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ دجال لعین کو بندوں کے امتحان کیلئے خرقِ عادت تصرفات پر کچھ وقت کیلئے قدرت عطا فرمائے گا اور وہ اِن امور میں متصرف مافوق الاسباب ہوگا۔

اعاذنا الله من فتنة الدجال واعوانه وانصاره

۳۹) ایک مرتبہ کفار ناہنجار کی طرز ناشناسی اور بدسلوکی کی وجہ سے آپ ﷺ کی طبیعت پریشان ہوئی اور جنگل کی طرف تشریف لے گئے۔ آخر محبّ ہی محبوب کی قدر جانتا ہے۔ معبود حقیقی عزاسمہ نے جبرئیل امین علیہ السلام کو آپ کی مزاج پرسی اور تسلی کیلئے روانہ فرمایا:

آپ علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کی۔

" قد بعث اللہ الیک ملک الجبال لتامرہ بما شئت فیھم فنادانی ملک الجبال فسلم علی ثم قال یا محمد فقال ذالک فماشئت ؟ ان شئت ان اطبق علیھم الاخشبین ...... الحدیث"

یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرش
کو آپ کی طرف بھیجا ہے تا کہ ان کے بارے
میں جو بھی آپ چاہیں اسے حکم کریں۔ پہاڑو
کے فرشتہ نے مجھے آواز دی اور سلام کیا اور پھر
اے محبوب دو جہاں یہی بات ہے جو بھی آ
چاہیں تابع حکم ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو اخشبی
(دو پہاڑوں کے نام) کو انکے اوپر رکھ دوں۔

(بخاری ج ۱ ص ۴۵۸۔ مسلم ج ۲ ص ۱۰۹)

مگر آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، نہیں۔ میں انہیں ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے ام
ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے کوئی سچا ایماندار پیدا فرمائے گا۔

قارئین وناظرین باتمکین! دیکھا آپ نے! نبی علیہ السلام کے چاہنے سے کیا ک
ہوتا ہے؟ اور آپ کا حکم فرشتوں پر کس طرح نافذ ہے؟ کیوں نہ ہو، ان کی شانِ محبوبی کا
عالم ہے کہ ام المومنین صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما دربار رسالت میں عرض گزار ہیں

واللہ ما اری ربک الا یسارع لک فی ھواک

یعنی خدا کی قسم میں نہیں گمان کرتی آپ کے رب کو مگ
یہ کہ آپ کی خواہش جلدی پورا کرتا ہے۔

(مسلم ص ۴۷۳۔ بخاری ج ۲ ص ۷۰۲)

آنحضرت ﷺ علی الاطلاق حبیب خدا ہیں اور محققین ومحدثین نے حبیب خدا کا
معنی کیا ہے کہ "حبیب" وہ ہے جس کی رضا اللہ تعالیٰ چاہے۔

" الحبیب الذی یکون فعل اللہ لرضاہ"

خدا کی رِضاء چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رِضائے محمد ﷺ

اس کے بعد ایک امتی کہلوانے والے کو، کب زیب دیتا ہے؟ کہ وہ کہے کہ: "

کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا"۔ حالانکہ آپ ﷺ کے ادنیٰ درجہ کے امتیوں پر بھی جب آپ کا پرتوِ محبوبیت پڑے گا، تو انہیں جنت میں یہ شرف حاصل ہوگا کہ جو بھی چاہیں گے وہ ہی ہو جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لهم ما يشاء ون عند ربهم ...... اور...... ولكم فيها ماتشتهي انفسكم وغيرهما. اسی پر آیات شاہد ہیں۔

۴۰) تاجدارِ ختمِ نبوت ﷺ نے فرمایا:

يا عائشه لو شئت لسارت معي اے عائشہ رضی اللہ عنہا اگر میں چاہوں تو جبال الذهب (مشكوة ص ۵۴) سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلیں۔

معلوم ہوا آپ ﷺ اپنی شان وشوکت، جاہ وحشمت کو ظاہر نہیں فرمانا چاہتے۔ آپ کو فقر وتواضع اور انکساری پسند ومرغوب ہے، وگرنہ اپنی سلطنت باطنی کا اظہار فرمانا چاہتے تو سونے چاندی کے پہاڑ آپ کے پیچھے پیچھے چلتے

وراودته الجبال الشم من ذهب عن نفسه فاراها ايما شمم

باذن اللہ تعالیٰ کائنات میں آپ کا حکم ساری وجاری، نباتات وجمادات تک اتباع کریں۔ آسمان والے آپ کا حکم مانیں۔ کیوں نہ اطاعت کریں؟ آپ تمام مخلوق کے رسول جو ہوئے۔ جیسا کہ مسلم میں ہے:

ارسلت الى الخلق كافة میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا۔

جتنی آپ ﷺ کی رسالت عام ہے اتنے ہی آپ کے اختیارات بھی وسیع ہیں۔ اور بایں معنی آپ "مختارِ کل" ہیں۔ درج ذیل میں ملاحظہ ہو کہ کس طرح آپ کا حکم کائنات میں نافذ ہے:۔

۴۱) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے آکر عرض کی میں کیسے پہچانوں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: یہ سامنے جو کھجور کا درخت

ہے اس کے خوشہ کو بلاؤں تو وہ گواہی دے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ آخر نبی پاک علیہ
الصلوۃ والسلام نے اس خوشہ خرما کو بلایا جب اس نے فرمان شاہی کو سنا۔

فجعل ينزل من النخلة حتى سقط تو اس خوشہ نے درخت سے اترنا شروع کیا
الى النبى ﷺ ثم قال ارجع فعاد یہاں تک کہ آپکی طرف آگرا۔ پھر آپ ﷺ
فاسلم الاعرابى نے حکم دیا کہ واپس چلا جا تو واپس چلا گیا۔ اس
(ترمذی ص ۲۰۳ مشکوۃ ص ۵۴۱) پر اعرابی ایمان لے آیا۔

ملاحظہ فرمایئے! کس طرح آپ نے اپنے کمال کا اظہار فرمایا؟ حکم دیا تو خوشہ خرما
بغیر کسی کے توڑنے کے **تصرف ما فوق الاسباب** کے طور پر نیچے آگرا۔ مگر آپ
ﷺ نے اپنے معجزہ اور کمال کا مزید اظہار کرنا چاہا کہ مبادا، کل کوئی بدباطن یوں نہ کہہ دے کہ:

''شاخ کمزور ہونے کی وجہ سے وہ وزنی خوشہ ٹوٹ کر نیچے آ گیا ہوگا''۔

اسے دوبارہ حکم دیا کہ: ''واپس اپنی جگہ، درخت کے اوپر چلا جا''! تو بغیر کسی سبب
ظاہری کے خوشہ خود بخود واپس چلا گیا۔ **اللہ اکبر!**

(۴۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آفتاب رسالت ﷺ کی معیت
میں باہر وادی میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں کوئی ایسی جگہ نہ تھی جو باعث پردہ ہو۔ وادی کے
کنارے پر درخت تھے ایک کے پاس جا کر آنحضرت ﷺ نے اس کی شاخیں پکڑ کر فرمایا:

انقادى على باذن الله اللہ تعالیٰ کے حکم سے میری اطاعت کر۔

تو وہ درخت آپکے پیچھے ایسے چلنے لگا جیسے اونٹ کی نکیل پکڑی ہوتی ہے اور وہ
کھینچنے والے کے پیچھے چلتا ہے۔ اس درخت کو ایک جگہ کھڑا کر کے ویسے ہی دوسرے کو بھی
وہیں لے آئے اور انہیں حکم دیا کہ شاخیں جھکا دو۔ انہوں نے شاخیں جھکا کر پردہ بنا دیا۔
راوی فرماتے ہیں میں اس تصرف کو دیکھ کر سوچ میں پڑ گیا، جب نظر اٹھا کر دیکھا

آنحضرت ﷺ واپس تشریف لا رہے تھے اور وہ درخت اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے۔

(مشکوٰۃ ص ۵۳۳ مسلم ص)

جَاءَ تْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً
تَمْشِیْ اِلَيْهِ عَلٰی سَاقٍ بِلَا قَدَمٖ

۴۳) ایک مرتبہ آپ ﷺ خطبہ جمعہ ارشاد فرمار ہے تھے کہ ایک اعرابی نے اٹھ کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مویشی ہلاک ہو رہے ہیں۔ بچے بھوکے مر رہے ہیں بارش کے لئے دعا فرمائیے! آپ نے دست مبارک اٹھا کر دعا مانگی تو۔

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا — بڑھی ناز سے جب دعائے محمد

اسی وقت موسلا دھار بارش شروع ہوگئی، حالانکہ آسمان پر بادل کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ ایک ہفتہ بارش ہوتی رہی، دوسرے جمعہ کو آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے تو ایک صحابی نے اٹھ کر عرض کی۔ آقا! راستے بند ہو گئے ہیں۔ مکان گر رہے ہیں، اور مویشی ہلاک ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے دعا مانگی:

''مولائے کریم اسے ''حوالی مدینہ'' (مدینے کے ارد گرد) پر برسا'' اور ہاتھ کے اشارہ سے بادلوں کو مدینہ طیبہ سے ہٹ جانے کا حکم دیا۔ جس طرف بھی اشارہ فرماتے تھے، بادل حکمِ رسالت پا کر اشاروں پر چلتے تھے، اور فوراً مدینہ طیبہ میں دھوپ نکل آئی۔ راوی فرماتے ہیں:

فَمَا یُشِیْرُ بِیَدِهٖ اِلٰی ناحیة من السحاب الا انفرجت — یعنی جس طرف کے بادلوں کو ہاتھ سے اشارہ فرماتے وہ پھٹ جاتے۔

(بخاری ج ۱ ص ۱۲۷)

کہ یہ انگلی اس کے ہاتھ کی ہے جو ''ید اللہ فوق ایدیھم'' کا مظہر و مصداق ہے۔

۴۴) آپ ﷺ کا شق القمر کا معجزہ تو مشہور ہی ہے، حدیث پاک میں ہے:

" ان اھل مکۃ سألوا رسول اللہ ﷺ ان یریھم آیۃ فاراھم انشقاق القمر" یعنی مکہ والوں نے نبی پاک علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ کوئی معجزہ دکھائیں تو آپ نے انہیں شق قمر کا معجزہ دکھایا۔

بخاری ج ۱ ص ۵۱۲ مسلم ج ۲ ص ۳۷۳ ترمذی ج ۲ ص ۳۱

اس روایت سے صاف طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ اس معجزہ کا اظہار آپ کے قصد و اختیار سے ہوا۔ چاند کا دو ٹکڑے کر دینا **تصرف ما فوق الاسباب** نہیں تو اور کیا ہے؟ ہمارے اشارے سے تو تنکا بھی نہ ہلے، مگر آپ ﷺ کی انگلی کے اشارے سے بادل چلیں چاند کے ٹکڑے ہو جائیں۔

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ ﷺ کی

اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے مولوی محمد قاسم صاحب دیوبندی لکھتے ہیں ۔

ہوا اشارہ میں دو ٹکڑے جوں قمر کا جگر
کوئی اشارہ ہمارے بھی دل کے ہو جائے پار

(قصائد قاسمی ص ۸

رسول اللہ ﷺ کے کمالات و معجزات کا تذکرہ کرتے ہوئے بدر عالم میرٹھی دیوبندی لکھتے ہیں:

"اور کیا پھر اسی رسول کی انگلی کے اشارہ پر بادلوں نے مدینہ طیبہ کی بستی چھوڑ کر ٹیلوں اور پہاڑوں کا رخ نہیں کر لیا؟ جی ہاں! جس اشارہ پر چاند دو ٹکڑے ہو سکتا ہے اس کے اشارہ پر بادلوں کی اتنی حرکت کرنا کیا بعید ہونی چاہیے۔؟

(ترجمان السنہ جلد سوئم ص ۱۹۱)

حدیث شریف میں وارد کلمات "سَأَلُوْا" "اَنْ یُّرِیَھُمْ اٰیَۃً" ......اور .... "فَاَرَاھُمْ اِنْشِقَاقَ الْقَمَرِ" کے کلمات سے صرف نظر کرنا کیسے زیب دیتا ہے؟

۴۵) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ منبر پر جلوہ گر ہوئے اور فرمایا:

" انی فرط لکم وانا شهید علیکم وانی واللہ لانظر الی حوضی الآن وانی اعطیت مفاتیح خزائن الارض اومفاتیح الارض "

یعنی بیشک میں تمہارے آگے جا کر انتظام کرنے والا ہوں اور میں تم پر شہید ہوں اور بیشک خدا کی قسم میں اپنے حوض کی طرف اب بھی دیکھ رہا ہوں اور تحقیق مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطاء کی گئیں، یا فرمایا : زمین کی کنجیاں۔

(بخاری ص ۱۷۹ ا مسلم ص ۲۵۰ مشکوۃ ص ۵۴۷)

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اپنی امت کی برزخی سہولت کا انتظام فرمارہے ہیں اوراس دارفانی سے پردہ فرمانے کے بعد بھی ہمارے آرام کا سامان مہیا فرمارہے ہیں۔

اورآپ ﷺ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں۔کیا جس آقا کو خزانوں کی کنجیاں دی گئیں ہوں وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں۔ ضرور آپ ﷺ مالک ومختار ہیں۔ مگر ضد انسان کو سمجھنے نہیں دیتی۔

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

حزب مخالف:

محدثین کرام نے لکھا ہے کہ: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو خبر دی گئی کہ آپ کی امت زمین کے خزانوں کی مالک ہوگی، اور ہوا بھی ایسے ہی بعد میں مسلمانوں نے بڑی فتوحات کیں۔اسلئے اس سے یہ سمجھنا کہ "آپ کو کنجیاں دی گئیں اورآپ مالک ہیں" غلطی ہے۔

خادم اہل سنت:

حزب مخالف کا بھی عجیب طریقہ ہے اپنے استدلال کیلئے تو ظاہری معنی پر الفاظ کو محمول کرتے ہیں مگر روایاتِ رفعتِ شان رسالت کی ضرور تاویل وتحریف کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ تو فرماتے ہیں کہ کنجیاں مجھے دی گئیں، مگر حزبِ مخالف کہتا ہے کہ بعد کی

فتوحات مراد ہیں۔

مزید واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ کے ملک کی دو حیثیتیں قرار دی جاسکتی ہیں۔ظاہری اور باطنی (وسیع تر اختیارات) ۔محدثین نے حدیث کے ایک پہلو...... ملک ظاہری کے احتمال...... کی وضاحت کرتے ہوئے یہ مطلب بیان فرمایا ہے۔دوسرے کی نفی نہیں کی، بلکہ شیخ محقق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوۃ میں مطلب سابق کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اما در خزائن معنوی مفاتیح آسمان و زمین و ملک و ملکوت است تخصیص زمین ندارد۔ اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۵۸۵	البتہ خزائن معنوی میں زمین وآسمان ملک وملکوت کی کنجیاں آپ ﷺ کو حاصل ہیں زمین کی تخصیص نہیں۔

یعنی خزائن ظاہری کے طور پر آپ کے ہاتھ خالی نظر آتے ہیں مگر حقیقتاً ؎

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دوجہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

مطلب یہ ہے کہ ظاہری ملک کے لحاظ سے تو اس حدیث کی تاویل کی جاسکتی ہے کہ آپ کی امت کی ملکیت مراد ہو۔رہا ملک باطنی کا معاملہ تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ہی دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ہر مرتبہ کہ بود در امکان بروست ختم
ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بروتمام

اور اگر کوئی محدث حدیث پاک کے ظاہری مفہوم کی نفی بھی کر دیں تو ہمیں مضر نہیں؛ کیونکہ ایک دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اعطائے مفاتیح ارض آنحضرت ﷺ کے خصائص سے ہے۔ تو ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اگر صرف ظاہری خزانوں کی کنجیاں

مراد لی جائیں، یعنی یہ عام دنیوی بادشاہت مقصود ہو اور فقط مطلب یہ بیان کیا جائے کہ آپ کی امت فتوحات کر کے زمین کی مالک بنے گی تو اس سے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت کیسے ثابت ہوئی؟

اس ظاہری ملک میں تو ایک مسلمان کی بھی تخصیص نہیں، بلکہ کفار و مشرکین کو بڑے بڑے خزانے ملے۔ قارون کے خزانوں کی چابیاں اتنی وزنی تھیں کہ ایک زبردست قوت والی جماعت انہیں مشکل سے اٹھاتی تھی۔

وہ روایت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مسند امام احمد رضی اللہ عنہ میں مروی ہے کہ:

" قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اُعْطِیْتُ مَالَمْ یُعْطَ اَحَدٌ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ فَقُلْنَا مَا ھُوَ قَالَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْاَرْضِ وَسُمِّیْتُ اَحْمَدُ وَجُعِلَ التُّرَابُ لِیْ طَھُوْرًا وَ جُعِلَتْ اُمَّتِیْ خَیْرُ الْاُمَمْ "

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۹۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جتنا مجھے عطا کیا اور کسی نبی کو عطا نہیں ہوا۔ ہم نے عرض کیا وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں رعب کے ساتھ مدد کیا گیا ہوں (یعنی دشمنوں کے دلوں میں آپ کا رعب ڈال دیا گیا) زمین کے خزانوں کی چابیاں مجھے دیں گئیں "احمد" میرا نام رکھا گیا اور میری خاطر مٹی کو پاک کرنیوالا کیا گیا اور میری اُمت کو خیر امم کہا گیا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں ملنا خصائص مصطفوی سے ہے۔ جیسے آپ ﷺ کو ملیں ایسے اور کسی کو نہیں ملیں۔ تو جب تک اس کو معنوی خزانوں (وسیع اختیارات) پر محمول نہ کیا جائے اور عمومیت کا معنی نہ لیا جائے تو اس حدیث کا کوئی مفہوم ہی نہیں بنتا؛ کیوں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بہت بڑی سلطنت عطا کی گئی۔ حضرت یوسف الصدیق علیہ السلام کو خزانوں کا مالک بنایا گیا، اور زمین میں تمکین ملی۔ اسلئے ان سب کی سلطنتوں سے زیادہ ملکیت آپ کی ہوگی، جب ہی یہ مطلب صحیح ہوسکتا ہے کہ زمین کی کنجیاں صرف مجھے ہی دی گئیں۔ تو معلوم ہوا کہ اعطائے مفاتیح ارض اپنی عمومیت پ

رہے گی اور اس میں تاویل کرنے کی ضرورت نہیں اور یہی منصب نبوت کے زیادہ مناسب بھی ہے والحمد للہ علی ذالک.

نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا میں مبعوث کیا گیا جوامع الکلم کے ساتھ اور رعب کے ساتھ مدد کیا گیا۔

فبینما انا نائم اتیت بمفاتیح خزائن الارض فوضعت فی ید پس میں سو رہا تھا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھی گئی۔

بخاری ج ا ص ۴۸۸ مسلم ج ۲ ص ۱۹۹ ی

سیدنا ابو ہریرہ اسے روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لے گئے ہیں اور تم نکال رہے ہو۔ واقعۃً ہم آپ کے خزانوں سے ہی کھا رہے ہیں، بلکہ سب کائنات آپ کے طفیل ہے اور آپ کا صدقہ کھا رہی ہے۔

آسمان خوان زمین خوان زمانہ مہمان
صاحبِ خانہ لقب کس کا ہے؟ تیرا تیرا

اس روایت سے واضح ہوا کہ صرف وعدہ ملک امت کا نہ تھا بلکہ کنجیاں آپ کے ہاتھ میں دے دی گئیں۔ منکرین اور کیسی صراحت چاہتے ہیں؟

خیال رہے کہ اس حدیث میں تین چیزوں کا بیان ہے ۔ **جوامع الکلم نصرت بالرعب، اعطاء مفاتیح** . پہلی دو چیزیں تو حزب مخالف کے نزدیک بھی نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے خصوصیات سے ہیں۔ باقی تیسری چیز رہی، تو سیاق کلام کے اعتبار سے اس حدیث سے اشارۃً اور گذشتہ روایت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے خصائص سے ہے اور تائید کے لئے دیکھئے۔

نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے:

فاعلموا انما الارض للہ ورسولہ پس جان لو کہ زمین اللہ اور اسکے رسول کی ملک ہے

بخاری ۲/۲۲۷ مسلم ۲/۹۲ مشکوۃ ص ۳۵۵

ان تصریحات کے بعد ایک منصف مزاج اور عدالت پسند مسلمان کیلئے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ امور تکوینیہ اور تصرفات مافوق الاسباب کے اثبات میں متعدد احادیث صحیحہ پیش کی جا چکی ہیں۔ انشراح صدر کیلئے مزید دلائل ملاحظہ ہوں:

(۴۶) سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر ایک شخص نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ میں جل گیا۔ میں ہلاک ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کیا ہے؟ عرض کی رمضان کا روزہ رکھے ہوئے اپنی بیوی کی نزدیکی (ہم بستری) کی اور روزہ توڑ بیٹھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: غلام آزاد کر سکتا ہے؟ عرض کی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دو مہینے متواتر روزے رکھ سکتا ہے؟ عرض کی نہیں۔ ارشاد ہوا، ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ عرض کی نہیں۔ اتنے میں کوئی صاحب زنبیل کھجوروں کی لے آئے آپ ﷺ نے فرمایا یہ کھجوریں لے جا کر مساکین پر تقسیم کردے وہ سائل عرض کرنے لگا اپنے سے زیادہ محتاج مدینہ بھر میں ہمارے گھر کی طرح کوئی محتاج نہیں۔

فضحک النبی ﷺ حتی بدت نواجذہ وقال اذھب فاطعمه اھلک نبی اکرم ﷺ مسکرائے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔ آپ نے فرمایا: جا! اپنے گھر والوں کو کھلادے۔

مشکوۃ ص ۱۷۶ مسلم ج ۱ ص ۳۵۴ بخاری ص ۲۶۰

اور وہ سائل گناہ کی معافی کے علاوہ بارگاہ بے کس پناہ سے خرمے لے کر لوٹا۔

آتا ہے فقیروں پہ انہیں رحم کچھ ایسا
خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتے کا بھلا ہو

محدثین کرام کا اسمیں اختلاف ہے کہ کیا اس شخص سے کفارہ ساقط (معاف) ہوگیا تھا یا مؤخر ہوا، کہ ابھی غریب ہے جب طاقت ہوئی دے دے گا۔ ایک جماعت تاخیر کفارہ کی قائل ہے اور دوسری سقوط و معافی کفارہ کی۔ اور یہی دوسرا مذہب ظاہری طور پر حدیث

سے مترشح بھی ہوتا ہے۔ اور طرز کلام سے دیکھنے والا سمجھتا بھی یہی ہے، کہ اس شخص سے کفارہ معاف ہوگیا۔

امام ابن شہاب زہری تابعی رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کے متعلق فرمایا:

"انما كان هذهٖ رُخْصَةً له خاصة ولو ان رجلا فَعَلَ ذلک اليوم لَمْ يَكُنْ لَه، بُدٌّ مِنَ التَّكْفِيْرِ" (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۲۵)

یہ رخصت صرف اُسی شخص کیلئے تھی اور اگر آج کوئی ایسا فعل کرے تو کفارہ دینا ضروری ہے۔

حزب مخالف:

خانصاحب گکھڑوی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔ زہری سے یہ منقول ہے جا تیرا کفارہ ادا ہوگیا اور تیرے سوا کسی کو بھی جائز نہیں۔ لیکن علامہ زیلعی نصب الرایہ ج ۲ ص ۴۵۳ میں لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ حدیث کی کسی کتاب میں منقول نہیں اور مرسل زہری سے متعلق کتب رجال میں یہ جملہ کافی ہے "مرسل الزهري ريح" انتہی بلفظہ۔ (دل کا سرور ۱۱)

خادم اہل سنت:

مجھے یہ علم نہیں ہوسکا کہ امام زہری کی مرسل روایت خانصاحب حدیث کی کس کتاب سے نقل فرمارہے ہیں؟ یا قول زہری کو مرسل زہری سے تعبیر کررہے ہیں۔ خیر کوئی بھی صورت ہو، اتنا تو خانصاحب کو اقرار ہے کہ امام زہری سے مرسلا منقول ہے۔

"جا تیرا کفارہ ادا ہوگیا اور تیرے بغیر کسی کو جائز نہیں"۔

صرف آپ کو اعتراض اس بات پر ہے کہ یہ جملہ امام زہری کے مراسیل سے ہے اور مرسل زہری ریح تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ مرسل الزہری ریح مرسل کو حجت نہ ماننے والے نے لکھا ہوگا اور اس میں مرسل زہری کی کیا تخصیص؟ وہ تو

مطلقا مرسل کی حجیت کے قائل نہیں۔ باقی رہا محققین احناف کا مسلک اور بقول امام نووی جمہور کا مسلک یہ ہے کہ: ''مرسل الثقة مقبول'' چنانچہ امام ابن ہمام حنفی رحمہ القوی فرماتے ہیں۔

عندنا هو حجة مطلقا	اور ہمارے احناف کے نزدیک مرسل مطلقا حجت ہے۔ (فتح القدیر ص ۳۹۳)

امام ابوزکریا نووی فرماتے ہیں:

مذهب مالك وابى حنيفة و احمد واكثر الفقهاء انه احتج به	امام مالک، امام اعظم ابوحنیفہ، امام احمد اور اکثر فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مرسل کے ساتھ احتجاج کیا جائے۔

مقدمہ نووی ص ۱۵ ونحوہ شرح مسلم ص ۱۲۲ ارشاد الساری ص ۸ پر ہے:

" واحتج به ابوحنيفة و مالك واحمد فى المشهور عنه"	حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک نے اسی سے دلیل پکڑی۔ امام احمد بن حنبل سے بھی یہی روایت مشہور ہے۔

حزب مخالف:

خان صاحب گکھڑوی فتح الباری عمدۃ القاری، شرح مسلم للنووی، فتح القدیر اور مبسوط وغیرہا کتب کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں۔

(ان کتب راقم) میں اس کی تصریح کرتے ہیں کہ اس شخص سے جمہور کے نزدیک کفارہ ساقط نہیں ہوا چونکہ وہ بھوکا اور محتاج تھا اس لئے اس وقت اس کو مہلت مل گئی کہ جب ہوا دے دے گا۔ (دل کا سرور ص ۱۱۲)

خادم اہل سنت:

قارئین کی خدمت میں عرض رسا ہے کہ خانصاحب کی پیش کردہ حوالہ جات کی تفتیش کرتے ہوئے خانصاحب کی خیانتوں کا سراغ ملا۔ دیکھئے! کہ یہ لوگ کس جرأت اور دلیری کے ساتھ غلط حوالے پیش کرتے ہیں؟

فتح القدیر کے حوالہ میں خیانت:

خانصاحب نے ایک حوالہ فتح القدیر ص ۲۰۷ کا دیا، حالانکہ حافظ ابن ہمام نے ان کے خلاف تصریح فرمائی ہے۔ صاحب فتح القدیر نے اس واقعہ کی تفصیل میں فریقین کے قدرے دلائل پیش فرمائے مگر فیصلہ ان الفاظ کے ساتھ صادر فرمایا۔

وجمهور العلماء على قول الزهرى اور جمہور علماء امام زہری کے قول پر ہیں۔
(فتح القدیر ص ۳۹۴)

امام زہری کا قول بحوالہ ابوداؤد قریب ہی گذر چکا ہے کہ اس شخص سے کفارہ معاف ہو گیا تھا اور خود حافظ ابن ہمام نے بھی امام زہری رضی اللہ عنہ کا یہی قول بحوالہ ابوداؤد بلفظہ نقل فرمایا۔

اب آپ انصاف فرمائیں کہ امام ابن ہمام تو لکھیں کہ:

''جمہور کے نزدیک اس سے کفارہ ساقط ہو گیا''

اور خانصاحب فرمائیں کہ:

''جمہور کے نزدیک اس سے کفارہ ساقط نہیں ہوا''

کتنی بڑی خیانت سے کام لیا۔ اس سے بڑھ کر عوام کے ساتھ اور کیا دھوکا ہو گا کہ الٹ ہی حوالہ لکھ دیا۔ نامعلوم کس حالت مدہوشی میں لکھتے رہے اور انہیں یہ بھی نظر نہ آیا کہ حافظ ابن ہمام اسی واقعہ کے متعلق فرماتے ہیں:

والظاهر انه خصوصية لانه وقع عند الدار قطنى فى هذا الحديث فقد كفر الله عنك فتح القدیر ص ۳۹۴) یعنی ظاہر یہ ہے کہ کفارہ معاف ہونا اس شخص کی خصوصیت تھی کیونکہ دار قطنی میں اس حدیث میں فقد کفر الله عنک کے الفاظ موجود ہیں۔

قارئین! فتح القدیر کی اصل عبارت بغور پڑھیے اور خانصاحب کو داد دیجئے۔

چہ دلاور است دزدے؟ کہ بکف چراغ دارد

شرح مسلم سے استدلال اور اس کا جواب:

یونہی خانصاحب نے نووی شرح مسلم ص ۳۵۴ کا حوالہ دیا حالانکہ نووی ص ۳۵۴ پر کہیں جمہور کا ایسا قول موجود نہیں، بلکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مسلک اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

بان حدیث هذا المجامع ظاهر بانه لم یستقر فی ذمته شئ ...... الخ (ص ۳۵۴)

رمضان میں جماع کرنیوالے اس شخص کی حدیث ظاہر وروشن ہے کہ اس کے ذمہ میں کچھ نہیں رہا۔

ہاں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا میلان "تاخیر کفارہ" کی طرف ہے مگر آپ فرد واحد ہیں۔ جمہور علماء نہیں۔ شائد خانصاحب کو امام نووی کے اس مسئلہ سے دھوکا ہوا ہو جس میں آپ نے لکھا کہ ہمارا اور تمام علماء کا مذہب یہ ہے کہ رمضان کا روزہ جب کوئی عمداً جماع سے توڑلے تو اس پر کفارہ لازم ہے۔ مگر یہ حکم عام ہے اس خاص واقعہ کے متعلق قول نہیں اور خانصاحب اس واقعہ معہودہ کے متعلق سمجھ بیٹھے ہوں۔

یہ کس نے شاخ گل لاکر قریب آشیاں رکھ دی؟
کہ میں نے شوق گل بوسی میں کانٹوں پہ زبان رکھ دی

مبسوط سے استدلال اور اس کی تنقیح:

ایسے ہی خانصاحب نے شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط ۳ / ۱۷ کا حوالہ دیا لیکن اس جگہ خانصاحب کے خیال کے مطابق جمہور کا ویسے کوئی قول موجود نہیں اور ان شاء اللہ العزیز تصحیح نقل کر بھی نہیں سکتے اور نہ شمس الائمہ نے کوئی قطعی فیصلہ ارشاد فرمایا ہے۔

وجہ غلطی:

اگر خانصاحب نے بقائمی ہوش وحواس مغالطہ دہی کیلئے حوالہ جات غلط پیش نہیں

کیے تو آپ کے مغالطہ کی ایک وجہ سمجھ آ سکتی ہے۔ وہ یہ کہ علماء نے اس شخص کے قول کو رد کیا جس نے اس حدیث مذکورہ سے استدلال کیا کہ روزہ توڑنے والے پر کفارہ کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ تو اس کے مقابلہ میں جمہور علماء کا یہ ارشاد پیش کیا گیا کہ نسخ کفارہ کا قول غلط ہے۔ بلکہ آج بھی جو عمداً ایسے روزہ توڑے، اس پر کفارہ واجب ہے۔

اور خانصاحب سمجھ بیٹھے ہوں کہ جمہور علماء کرام اس خاص شخص ...... جس کا حدیث مبحوثہ میں ذکر آیا ہے ...... سے اسقاط کفارہ کے قول کو رد کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں کسی نے کیا خوب کہا!

شوق گل بوسی میں میں نے رکھ دیئے کانٹوں پہ لب
کس قدر رنگین غنچوں نے مجھے دھوکا دیا

فتح الباری اور عمدۃ القاری کے حوالوں کے متعلق جواب یہ ہے کہ باوجود تلاش کرنے کے ان کے زعم کے موافق کوئی جمہور کا قول نہ مل سکا اور پھر دونوں کتابیں مطبع بھی اور کئی ہی دستیاب ہوئیں اگر ان کی بلفظہ عبارتیں نقل کی گئی ہوتیں اور باب کا ذکر ہوتا تو صحت و سقم کا صحیح پتہ چلتا۔ ان شاء اللہ معاملہ وہاں بھی شوق گل بوسی والا ہوگا۔

اس مشتے نمونہ از خروارے کے بعد میں نے باقی کتب محولہ کی دستیابی اور تفتیش حوالہ کی کوشش ہی نہیں کی۔ اور اگر بالفرض خانصاحب کے ادعا کے مطابق باقی کتب سے ثابت بھی ہو جائے، تو بھی ہمیں مضر نہیں۔ جسکی ایک وجہ یہ ہے کہ ہمارا اختیارات پر استدلال صرف اسی حدیث سے نہیں بلکہ اور متعدد صریح الدلالت روایات موجود ہیں۔ اور میں نے تو اس روایت کو دلائل میں شمار بھی نہیں کیا۔

اس روایت کے حوالہ سے خانصاحب پر جتنے سوالات، نقل عبارات میں خیانت، فہم مطالب میں غلطی اور قول زہری کو مرسل زہری قرار دینا وغیرہ ایرادات کے جوابات

سے ''راہ ہدایت'' لکھتے وقت خاموشی میں ہی عافیت سمجھی۔

خانصاحب کو غلط حوالے پیش کرنے، بے جا تاویل فرمانے، اور حصول شہرت کیلئے علمائے ربانیین، اولیاء کاملین کی عبارات سراسر ہدایات پر اعتراضات کرنے میں بڑا لطف آتا ہے۔ اس کی کئی مثالیں گذر چکی ہیں۔ لیکن ایک اور عجیبہ مثال ہدیہ قارئین کرتا ہوں۔ چونکہ ان اعتراضات پر خانصاحب کے حواریوں کو بڑا ناز ہے اس لئے ان کی قلعی کھولنا ضروری سمجھتا ہوں۔

''اعلاء کلمۃ اللہ'' پر سوالات اور اُنکا جواب:

عمدۃ الکاملین، زبدۃ العارفین، مہر سپہر ولایت، قمر مطلع ہدایت، منبع فیوضات، ماہر معقولات و منقولات، خواجہ خواجگان سیدنا و مولانا اعلیٰ حضرت سید مہر علی شاہ صاحب قدس اللہ اسرارہ وا فاض اللہ علینا من شآبیب فیضانہ نے اپنی کتاب مستطاب ''اعلاء کلمۃ اللہ'' میں اُس فرقہ کے دلائل ذکر کئے جو اولیاء کاملین کے ارواح مقدسہ سے استمداد کرنے اور نداء کرنے کو شرک و کفر سمجھتے ہیں۔ آپؒ نے اُس گروہ کے عقیدہ و دلائل کو ایک سوال کی صورت میں پیش فرما کر اس کا مدلل و مسکت جواب رقم فرمایا۔ سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ:

> ''اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق اور بے نیاز ہے پس کسی نبی، ولی، فرشتہ، جن وغیرہ سے مدد طلب کرنے یا پکارنے کی کیا حقیقت ہے بلکہ نصوصِ قطعیہ کی روشنی میں کسی کو مدد کیلئے پکارنا شرک صریح اور ظلم قبیح ہے۔''

حضرت قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان آیات اور احادیث کا ذکر کیا جن سے یہ لوگ بزعم خویش استدلال کرتے ہیں۔ اس گروہ کی دوسری دلیل کے طور پر مندرجہ ذیل آیہ مبارکہ کا ذکر فرمایا۔

ع۲ '' وقال اللہ تعالیٰ:

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا○ وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ

كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا۝ قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا۝

جسکے جواب میں آپؒ نے تحریر فرمایا کہ:

در آیت دوئم که مراد از لاتدعوا ویدعوه و ادعوا معنی خواندن وندا نمودن نیست بلکه معنی عبادت است، بیضاوی ، معالم مدارک وغیره همه تفاسیر متفق اند برین ، پس عبادت غیر حق سبحانه وتعالیٰ حرام و شرک خواهد بود نه نداء و خواندن.

یعنی آیت مبارکہ دوئم میں مذکورہ کلمات مبارکہ لاتدعوا، یدعوہ اور ادعوا کا معنی پکارنا، نداء کرنا نہیں ہے، بلکہ عبادت مراد ہے تفسیر بیضاوی، تفسیر معالم اور مدارک وغیرہ تمام تفاسیر متفق ہیں اس پر، پس خلاصہ یہ ہوا کہ سبحانہ، وتعالیٰ کے غیر کی عبادت کرنا شرک ہے ،نہ کہ انہیں پکارنا۔

(اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اھل بہ لغیر اللہ مطبوعہ نور عالم پریس راولپنڈی ص۱۴۹،۱۴۸)

فاتح قادیانیت حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات میں ''دعاء'' بمعنی پکارنا، نداء کرنا نہیں ہے بلکہ یہاں ''دعا'' سے مراد عبادت کرنا ہے۔ جیسا کہ امام قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سورۂ جن کی ان آیات کے تحت رقم فرمایا:

قوله تعالیٰ: فلا تدعوا مع الله احداً ای فلا تعبدوا فیها ......

تفسیر مدارک التنزیل میں امام نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں قوله :یدعوه ، یَعْبُدوه'

اہل دیوبند کے حکیم الامت جناب اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی اس مقام پر دعا بمعنی پکارنا نہیں لیا بلکہ ان کے نزدیک ''دعا'' سے مراد ''عبادت'' ہے۔

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ

اور جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کا حق ہیں سو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو اور جب خدا کا خاص بندہ خدا کی عبادت کرنے

يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًاo قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًاo

کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ لوگ اس بندہ پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں ۔ آپ یہ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اسے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

سورة جن آية ۱۸ تا ۲۰ (بيان القرآن اشرف على تهانوى) (از خادم اهل سنت)

حضرت قبلہ عالم گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس صاف، شفاف، مبرہن کلام پر بلاوجہ تنقید کرتے ہوئے خانصاحب گکھڑوی لکھتے ہیں:

''پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی [قدس سرہ از خادم اہل سنت] لکھتے ہیں:

" مراد از لاتدعوا ويدعوه ، معنى خواندن وندانمودن نيست بلكه معنى عبادت است بيضاوى ، معالم ، مدارك وغيره همه تفاسير متفق اند بريں . پس عبادت غير حق سبحانه و تعالىٰ حرام وشرك خواهد بود نه ندا و نمودن و خواندن " بلفظهٖ اعلاء كلمة الله ص ۱۱۵ انتهى "

انکا یہ لکھنا انتہائی غفلت اور سینہ زوری پر مبنی ہے اور یہ مفسرین کرام کے مطلب کو نہ سمجھتے ہوئے سوچی سمجھی ہوئی تحریف ہے۔ (گلدستہ توحید ص ۹۷)

ایک اور خیانت کا انکشاف:

قبل از بحث ضروری سمجھتا ہوں کہ اس بات کا اظہار کردوں کہ خانصاحب کی علمی خیانتوں کے انبار کو دیکھ کر واقعی مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ: ''خیانت میں شاید ہی کوئی خانصاحب کا ہم پلہ ہو''۔ اصلی عبارت کتاب کی یوں شروع ہوتی ہے۔

" در آيت دوئم مراد از لا تدعوا ويدعوه الخ

مگر خانصاحب کی کتاب میں ''در آیت دوئم'' جملہ ندارد۔ اور بے چارے اس جملہ کو لکھتے بھی کیسے؟ کیونکہ اس سے تو ان کے تمام اعتراضات کا خانہ خراب ہو جاتا

ہے۔ اصل عبارت کا مطلب یہ تھا۔ کہ اس مقام میں لا تدعو ویدعوہ سے مراد عبادت کرنا ہے۔

مگر ان یار لوگوں نے قطع برید کر کے عوام الناس کو دھوکا دیا کہ قرآنِ حکیم میں دعا اور اس سے مشتق صیغہ جہاں بھی آیا ہے پیر صاحب گولڑوی اس کا معنی عبادت مراد لیتے ہیں۔ کہاں ایک خاص مقام کا ذکر اور کہاں سارے قرآن کا ذکر!

کیا خبر تھی انقلاب آسماں ہو جائیگا ۔۔۔ قول خائن پائمال سنیاں ہو جائیگا

اگر خانصاحب اس مقام کے متعلق ہی بحث کرتے یا تصحیح نقل کے طالب ہوتے اور عمومیت کے طور پر دلائل نہ پیش کرتے تو حذف جملہ معہودہ کی کوئی وجہ جواز ہو سکتی۔ مگر یہاں تو صرف اس خیانت کے تودے پر اعتراضات کے محلات اُسارے (کھڑے کئے) گئے۔

پہلا قدم: اس انکشاف کے بعد ہم خانصاحب کے دلائل کا جائز لیتے ہیں خانصاحب خامہ فرسائی فرماتے ہیں۔

''ان کا یہ لکھنا انتہائی غفلت اور سینہ زوری پر مبنی ہے اور یہ مفسرین کے مطلب کو نہ سمجھتے ہوئے سوچی سمجھی ہوئی تحریف ہے'' بلفظہٖ۔ (گلدستہ توحید ص ۹۷)

خادم اہل سنت:

جی ہاں بیشک آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہو چکا ہے کہ انتہائی غفلت۔ سینہ زوری اور خیانت سے کون کام لے رہا ہے؟ اور واقعی آپ کا یہ جملہ کہ مفسرین کے مطلب کو نہ سمجھتے ہوئے سوچی سمجھی تحریف ہے۔ ''مؤلف گلدستہ توحید'' کی انتہائی غفلت، سینہ زوری اور سوچی سمجھی تحریف کرنے کا مظہر ہے۔

اس قدر جاہلانہ انداز تحریر کرنے سے پہلے بیضاوی و مدارک کا مطالعہ فرما لیتے، جبکہ حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کتابوں کا ذکر بھی کیا تو جنابِ مؤلف کو ندامت نہ

اٹھانی پڑتی۔ خاص طور پر اپنے بزرگ تھانوی صاحب کا ترجمۃ القرآن پڑھ لیتے اور احتیاط فرماتے کہ انکے کلوخ اندازی کے نشانہ پر انکا اپنا شیش محل تو نہیں؟

حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کو نہ سمجھتے ہوئے، سوچی سمجھی، نیم بیہوشی اور انتہائی غفلت میں لکھے ہوئے کلمات مؤلف کی بدحواسی کو آشکارا کر رہے ہیں اور یہ شعر اس کی حالت کا ترجمان ہے۔

پرواز اوّلین میں اسیری ہوئی نصیب
گویا قفس میں تھے جو اڑے آشیاں سے ہم

یہ تو خانصاحب کے اعتراضات کی تمہید تھی آگے مستقل سلسلہ سوالات شروع ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو، خانصاحب کی منطقیانہ اپچ!

پہلا سوال اور اس کا حشر:

قولہ "اولاً اس لئے کہ اگر دعا اور عبادت دو الگ الگ حقیقتیں ہیں۔ تو خالق کائنات سے بڑھ کر دعا کے موقع اور محل کو کون سمجھ سکتا ہے؟ پھر عبادت پر دعا کا جو جدا جدا چیزیں ہیں۔ اطلاق کیسے صحیح ہوا؟ اور اگر دونوں ایک ہیں تو حضرت شاہ صاحب گولڑوی کی منطق دانی باطل ہوئی" (گلدستہ توحید ص ۹۸)

خادم اہل سنت:

نالہ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی

واقعی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی دعا کے موقع اور محل کو اچھا نہیں سمجھتا۔ مگر اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی منطق دانی باطل اور خانصاحب کی منطق دانی ثابت؟

محبت کی راہ میں قدم ڈگمگائے زمانہ یہ سمجھا کہ مے پی کے آئے

اگر مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عبادت اور دعا کے دوکلمات علیحدہ علیحدہ قرآن میں ذکر کئے ہیں اور جہاں جومناسب تھا اس کا ذکر فرمایا۔تو پھر دعا کا معنی عبادت لینا ٹھیک نہیں ۔ یہ تقریر تو خود خانصاحب کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک دونوں کے درمیان اتحاد و عینیت ہے، جیسے تیسرے سوال میں آئیگا۔

نیز تھانوی صاحب نے ترجمۃ القرآن میں بعض مقامات پر ''دعا'' کا معنی ''پکارنا ''لیا ہے اور بعض مقامات پر ''دعا'' کا معنی ''عبادت کرنا'' کیا ہے ۔ یہ اعتراض ان پر ہوگا۔

''کہ عبادت پر دعا کا جوجدا جدا چیزیں ہیں اطلاق کیسے صحیح ہوا، اگر دونوں ایک ہیں،تو جناب تھانوی صاحب کی تفسیر دانی باطل ہوئی۔''

قولہ: ''پھر عبادت کا جوجدا جدا چیزیں ہیں اطلاق کیسے صحیح ہوا۔''

اقول: کہیں دونوں کے درمیان عینیت واتحاد لکھیں اور کہیں جدا جدا حقیقتیں فرمائیں۔اب ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

قارئین کرام! عبادت اور دعا کے مفہوم کے درمیان تبائن نہیں بلکہ نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہے۔کئی ایسے افعال ہیں جہاں دعا (پکارنا) کا مفہوم تو پایا جاتا ہے،مگر عبادت کا مفہوم موجود نہیں اور بعض ایسے افعال ہیں جو ہیں تو عبادت مگر ان میں دعا، پکارنے والا معنی نہیں پایا جاتا جبکہ بعض ایسے مقامات ہیں جہاں پر دونوں کا اطلاق درست ہے۔

خانصاحب کوکسی ''ایساغوجی'' پڑھنے والے طالب علم سے سمجھ لینا چاہیے کہ مفہومین متغائرین کا بالخصوص جب ان میں نسبت عام خاص من وجہ کی ہو۔ایک دوسرے پر اطلاق جائز ہوسکتا ہے۔ جیسے بعض دفعہ وہاں ھذا ذاک کہنا ٹھیک ہوتا ہے، ویسے ہی بعض اوقات ھذا لیس بذاک بھی صادق ہوتا ہے۔

قولہ: اگر دونوں ایک ہیں تو حضرت شاہ صاحب کی منطق دانی باطل۔

اقول:۔ دونوں کے مفہوموں میں من وجہ تغائر ہے لہٰذا اعلیٰ حضرت گولڑوی قدس سرہٗ کی منطق دانی باطل نہ ہوئی بلکہ خانصاحب کی منطق دانی کا پول کھل گیا۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را

چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

بعض ناظرین سوچتے ہوں گے کہ اعلیٰ حضرت گولڑوی نے کونسا منطقی مسئلہ بیان فرمایا کہ خانصاحب منطق دانی کو باطل کر رہے ہیں، تو عرض ہے کہ یہ ایک منتقمانہ (انتقامی) کاروائی ہے جسے بعض خواص اچھی طرح جانتے ہیں۔

دوسرا سوال اوراس کا خاتمہ:

قولہ:۔ثانیاً قرآن کریم ایسی کتاب نہیں جو اپنی تشریح خود نہ کرتی ہو۔قرآن میں اکثر مقام پر جہاں دعا، یدعوا کے صیغے استعمال کئے گئے وہاں ساتھ ہی اجاب، استجاب، یجیب الخ۔

خادم اہل سنت:

اس دوسرے سوال کا جواب دینے کی اسی وقت ضرورت پڑتی جب ہم ان کی خیانت کو آشکارا نہ کرتے۔ اور خانصاحب کی خیانت تھی ہی اس سوال کے صحیح ثابت کرنے کیلئے۔ جناب خانصاحب کے سوال کا اگر یہ منشاء ہے کہ دعا، یدعوا، کا استعمال پکارنے کے معنی میں ہوتا ہے۔ تو اس سے کسے انکار ہے؟ ہماری بحث تو مخصوص مقام کے الفاظ میں ہے کہ اس مقام پر مطلقاً پکارنا مراد ہے یا عبادت؟ نہ کہ سارے قرآن پاک کے الفاظ سے؛ لہٰذا یہ سوال خود بخود راہی ملکِ عدم ہوا۔

دوسرے یہ کہ ان آیات میں اجاب، استجاب کے صیغے استعمال نہیں ہوئے۔
تیسرے یہ کہ جہاں دعا، یدعوا کے صیغوں کے بعد اجاب، استجاب آیا ہے وہاں

اسکا معنی پکارنا ہے، تو اس سے کیسے ثابت ہوا کہ دعا ، یدعوا کے کلمات کسی مقام پر بھی آئیں ان کا معنی پکارنا ہی ہوگا وہاں عبادت مراد نہیں لی جائے گی۔

اگر خانصاحب کے نزدیک دعا کا معنی عبادت کرنا ، مطلقاً کور مغزی ہے تو مفسرین کیلئے کون سا فتویٰ ہوگا؟ اور اس طرح تو ان کے اپنے فتویٰ سے اُن کے حکیم امت دیوبندیہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی بھی کور مغز ثابت ہوں گے۔ کیوں کہ وہ بھی کئی مقام پر ترجمہ قرآن پاک میں ''دعا'' کا معنی عبادت کرتے ہیں۔

غم صیاد فکرِ باغبان ہے دو عملی میں ہمارا آشیاں ہے

تیسرا سوال اور اس کی خبر:

قولہ: مفسرین کرام قرآن کریم اور احادیث صحیح کے پیش نظر تو یہ بتلا رہے ہیں کہ ''الدعا ھو العبادۃ'' پکارنا عبادت ہے۔ مفسرین کرام تو پکارنے اور عبادت میں اتحاد اور عینیت ثابت کرتے ہیں ، نہ کہ تعارض اور تضاد (اس کی پوری تفصیل اپنے موقع پر آئیگی) اور گولڑوی شاہ صاحب [قدس سرہٗ العزیز از خادم اہل سنت] پکارنے اور عبادت کو ایک دوسرے کی ضد سمجھتے ہیں۔ اور دونوں معنوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ (گلدستہ توحید ص ۹۹)

خادم اہل سنت:

اوّلاً : مؤلف ِ گلدستہ توحید (خانصاحب) کا یہ کہنا کہ مفسرین پکارنے (دعا) اور عبادت میں اتحاد و عینیت ثابت کرتے ہیں۔ مفسرین کرام پر بہتان اور افتراء ہے کہ وہ ''پکارنے'' اور ''عبادت'' میں اتحاد اور عینیت ثابت کرتے ہیں۔ ''اگر صداقت ہے تو چند متقدمین مفسرین کرام کے قول پیش کر دکھائیں'' ۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ لیکن یاد رہے! اثبات کلیت ہو۔ اثبات جزئیت نہ ہو۔ ان شاء اللہ العزیز بوقت ضرورت اہل سنت اپنے دعویٰ پر مفسرین کرام کے اقوال پیش کر سکتے ہیں۔

ثانیاً: جناب خانصاحب کا یہ لکھنا کہ: گولڑوی شاہ صاحب پکارنے اور عبادت کو ایک دوسرے کی ضد سمجھتے ہیں۔ ھذا بلاء آخر. نہ معلوم خانصاحب حالت نیم خوابی میں تالیفات فرماتے رہتے ہیں۔ کہ اس طرح کی دور از فہم تحریر فرما دیتے ہیں، حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کونسی عبارت ہے؟ جس میں لکھا ہے کہ: ''دعا پکارنا اور عبادت ایک دوسرے کی ضد ہیں'' ۔ خود خانصاحب نے حضرت پیر صاحب کے جس کلام پر بے جا مؤاخذہ کیا ہے، وہی خانصاحب کے اس دعویٰ کے بطلان پر شاہدِ عدل ہے۔

ثالثاً: خود مؤلف کی تحقیق کا ہی مفاد ہے کہ دعا اور عبادت کے مصداق میں تضاد ہے۔ جیسا کہ خود انہوں نے جو چیزیں سوال کی صورت میں لکھیں ہیں ان سے عیاں ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے انہی کی تحقیق پر صادق آئے گا کہ مفسرین کرام اور مؤلف گلدستہ کے معنوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

رابعاً: یہ کہنا کہ الدعاء ھو العبادۃ پکارنا عبادت ہے۔ لہٰذا پکارنے اور عبادت میں اتحاد و عینیت ثابت ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ الدعا میں، الف لام تعریف، کونسا ہے؟ جنسی، استغراقی یا عہد خارجی، اگر استغراقی ہے تو دلیل پیش کریں، اگر جنسی یا عہد خارجی کہیں تو تقریب تام نہیں...... یا...... یوں کہیئے! '' الدعاء ھو العبادۃ'' موجبہ کلیہ ہے یا جزئیہ، اگر کلیہ ہے، (یعنی ہر پکارنا عبادت ہے) تو دلیل درکار ہے ۔ جسے قیامت تک نہیں پیش کر سکتے، نیز حضرت نوح علیہ السلام کا فرمانا: ﴿رب انی دعوتُ قومی﴾ الایۃ وغیرہ آیات کا جواب کیا ہوگا؟ کیونکہ عینیت کے قول پر اس کا ترجمہ یہ کیا جا سکتا ہے...... اے میرے رب! بیشک میں نے اپنی قوم کی عبادت کی...... جو یقیناً غلط و باطل ہے۔

خامساً: خانصاحب کی تحقیق انیق میں بحوالہ مفسرین کرام جب پکارنے اور عبادت میں اتحاد و عینیت ہے۔ تو حل طلب یہ مسئلہ ہے کہ خانصاحب اور اُنکے ہم مشرب لوگوں کا یہ مؤقف ہے کہ کسی ولی نبی کو مافوق الاسباب طور پر پکارنا، بلانا شرک ہے، نہ کہ ماتحت الاسباب۔ خانصاحب کی اس تحقیق کے مطابق مافوق و ماتحت پکارنے کا فرق نہیں کیا جا سکے گا۔ ورنہ کلیت کہاں؟ کیونکہ غیر اللہ کی عبادت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مافوق الاسباب عبادت ناجائز ہے، ماتحت الاسباب عبادت جائز، تو ہر پکار چاہے اسباب عادی کے تحت ہو یا غیر عادی کے تحت، غیر اللہ کے حق میں شرک و کفر ہوگی۔ ایسا کہنا صریح البطلان ہے۔

سادساً: مؤلف راہِ ہدایت ''الدعا ھو العبادۃ'' کو اگر موجبہ جزئیہ بتائیں (جس کا یہ مطلب ہوگا کہ بعض پکارنا عبادت ہے) تو خانصاحب کو کیا فائدہ؟ بلکہ نقصان۔

سابعاً: شاید خانصاحب کو ''الدعاء ھو العبادۃ'' کے حمل سے عینیت کا شبہ ہو گیا ہو تو اپنے مدرسہ کے کسی منطق پڑھنے والے مبتدی طالب علم سے حملِ منطقی کا معنی پوچھ لیں وہ بتا دے گا کہ:

> '' الحمل فی اصطلاحھم اتحاد المتغائرین فی المفھوم بحسب الوجودِ''

ستم بالائے ستم کہ جن شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ القوی کے سہارے پر قدم اٹھاتے ہیں۔ اس نازک مرحلہ میں انہوں نے بھی ساتھ نہ دیا۔ اور دعا اور عبادت کے معنی کے درمیان تغائر ثابت کر دیا۔ جیسا کہ خود خانصاحب حضرت شاہ صاحب سے نقل فرماتے ہیں۔ **ولیس المراد من الدعاء العبادہ**، اب میں پوچھتا ہوں کہ دعا اور عبادت کے درمیان تغائر ہے یا عینیت؟ اگر تغائر ہے...... جیسے کہ شاہ صاحب دہلوی کی عبارت سے مفہوم...... تو خانصاحب کی تمام محنتیں رائیگاں ہوئیں۔ اور اگر عینیت ہے تو شاہ صاحب کی کلام میں اجتماع تنقیضین لازم آئے گا...... جو محال

ہے......تو عینیت کا قول ہی باطل وغلط ہوا۔

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

لطیفہ:

جب خانصاحب کے نزدیک دعاء اور عبادت میں عینیت ہے تو انہیں چاہیئے کہ کبھی اس پر عمل بھی کر دکھائیں۔ ہمیں تو جب اعتبار آئیگا کہ کبھی کبھی اپنے اشتہاروں میں یوں لکھا کریں۔ (نمونہ دعوتی اشتہار)

اسمائے گرامی، معبودین (جن کی عبادت کی جاتی ہے)

☆ حضرت مولانا مولوی صاحب شیخ القرآن

☆ حضرت مولانا فلاں صاحب

☆ شیخ التفسیر حضرت مولانا فلاں صاحب

اور نیچے لکھیں العابد (ان کی عبادت کرنے والا)

ابوالزاہد سرفراز خاں صفدر گکھڑ منڈی

ایسے کر دکھائیں جب لوگوں کو اعتبار آئے گا کہ واقعی آپ دعا اور عبادت میں عینیت واتحاد کے سچے دل سے قائل ہیں۔ اگر آپ فرمائیں کہ ایسے تو لکھنا غلط ہے تو عینیت کا قول غلط ہوا۔ لہذا خانصاحب کی منطق دانی باطل و زاھق۔

ع جہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں۔

خانصاحب نے کتاب مستطاب ''اعلاء کلمۃ اللہ'' پر اپنی تالیف ''گلدستہ توحید'' میں جو اعتراضات رقم کیے تھے ''نورِ ہدایت'' میں انکا جواب دیتے ہوئے خانصاحب کے کچھ دلائل پر گرفت کی گئی تھی، خانصاحب کیلئے ضروری تھا کہ ان اعتراضات کا مدلل جواب

دیتے، جوان کی عبارت پر کئے تھے۔ مگر صحیح جواب سے عاجز ہو کر خاموشی سے ہضم کر گئے لیکن ...... چُپ نشود کا مصداق منطق دانی کا اظہار فرمانے لگے۔

حمل منطقی کی تعریف کے حوالے سے خانصاحب نے جو اعتراض لکھا ہے اس کا جواب قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ سوال و جواب کو انصاف کے پلڑوں میں رکھ کر موازنہ فرمائیں۔

حمل منطقی کی تعریف پر اعتراض اور اس کا جواب:

خانصاحب:

''مثل مشہور ہے کہ کسی کو سونٹھ کی گرہ راستے میں جو پڑی مل گئی تو پنساری بن بیٹھا حالانکہ جب کسی حوالہ اور عبارت پر کسی مسئلہ کی بنیاد رکھنا ہو تو اس کے تمام پہلو اور اطراف وحدود اور متابعات وشواہد دیکھ کر اس پر بنیاد رکھنی چاہئیے مثلاً ایک مقام پر مؤلف نورِ ہدایت نے لوگوں کو یہ باور کرانے کیلئے کہ وہ منطقی ہیں یہ اصطلاح لکھی ہے اور ہم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ ہم کسی مبتدی طالب علم سے پوچھیں کہ: ''الحمل فی اصطلاحهم اتحاد المتغائرین فی المفهوم بحسب الوجود'' (نورِ ہدایت ص ۱۷۷) اتنی بات تو انہوں نے مرقات وغیرہ سے نقل کر دی ہے مگر افسوس ہے کہ اس کی محققین مناطقہ کے نزدیک ایک بنیادی شرط اور بھی ہے اور وہ مصنوعی منطقی کو بالکل معلوم نہیں چنانچہ العلامه المحقق ، المدقق ، الاحمد بن موسیٰ شمس الدین الشهیر بالخیالی المتوفی بعد ۸۶۰ ھ اپنی دقیق کتاب میں لکھتے ہیں کہ

اِنَّ مُجَرَّدَ التَّغَايُرِ بِحَسْبِ الْمَفْهُوْمِ غَيْرُ كَافٍ فِي الْاِفَادَةِ بَلْ لَا بُدَّ فِي عَدَمِ اِشْتِمَالِ الْمَوْضُوْعِ عَلَى الْمَحْمُوْلِ لِلْقَطْعِ بِعَدَمِ فَائِدَةِ قَوْلِنَا اَلْحَيَوَانُ النَّاطِقُ نَاطِقٌ. بلفظه (الخیالی ص ۸۷)	محض تغایر بحسب المفہوم ہی افادہ میں کافی نہیں ہے بلکہ یہ شرط بھی ضروری ہے کہ موضوع محمول پر مشتمل نہ ہو جیسا کہ الحیوان الناطق ناطق میں ہے کیونکہ یقینی بات ہے کہ یہ غیر مفید ہے۔ انتہی (راہِ ہدایت ص ۱۹۵)

خادم اہل سنت:

اوّلاً: میں فنی، علمی، اصطلاحات کا ''واضع'' نہیں بلکہ ''ناقل'' ہوں تصحیح نقل کی ذمہ داری پوری کرسکتا ہوں۔

ثانیاً: حمل منطقی کی یہ تعریف میں نے اپنی طرف سے نہیں کی بلکہ اپنے وقت کے امام المناطقہ، مجاہد تحریک آزادی، المحقق، المدقق علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کی۔ علامہ خیر آبادی اپنے وقت کے رئیس المناطقہ سمجھے جاتے ہیں آپکی علمی عظمت اور وجاہت کے اپنے اور بیگانے معترف ہیں۔

ثالثاً: مؤلف راہِ ہدایت کو کیسے علم ہوا کہ خادم اہل سنت نے خیالی یا کسی اور کتاب میں یہ شرط نہیں پڑھی اگر...... ''اور وہ مصنوعی منطقی کو بالکل معلوم نہیں ہے'' کا ......فتویٰ رجماً بالغیب کے طور پر دیا ہے تو خود سوچ لیں کہ شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔ اگر ان کے اس دعویٰ کی دلیل ان کے پاس موجود ہے تو اسے پیش کریں۔

رابعاً: علامہ خیالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حمل غیر مفید کی جو مثال پیش کی ہے اس میں محمول موضوع کا جز ہے، کیا خادم اہل سنت نے جس پر گفتگو کی، اس کی یہی صورت ہے؟ اگر نہیں تو بے بنیاد سوال لکھنے کا کیا فائدہ؟

خامساً: خانصاحب کے مرکز تدریس ''مدرسہ نصرۃ العلوم گجرانوالہ'' کے بانی صوفی عبدالحمید سواتی نے ایساغوجی کی شرح ''تشریحاتِ سواتی'' کے نام سے طلباء کے فائدہ کیلئے اردو زبان میں لکھی۔ اغلباً اس ادارہ کے طلباء اس سے استفادہ کرتے ہوں گے۔ کاش خانصاحب اس کا مطالعہ کرلیتے تو میرے اس جملہ...... ''اپنے مدرسہ کے کسی منطق پڑھنے والے مبتدی طالب علم سے حمل منطقی کا معنی پوچھ لیں تو وہ بتادے گا۔'' ......کو بے ادبی پر محمول نہ فرماتے۔ اُمید ہے خانصاحب غصہ تھوک کر ندامت محسوس کریں گے۔

ہمارے ہاں ایساغوجی پہلے پڑھائی جاتی ہے اور مرقات بعد میں، اسلئے مرقات پڑھنے والے کی بنسبت ،صغریٰ، کبریٰ اور ایساغوجی پڑھنے والا مبتدی طالب علم کہلائے گا۔

سادساً: خانصاحب کے محسن جناب سواتی صاحب حمل منطقی اور اس کے اقسام کے آغاز میں لکھتے ہیں۔

حمل کی بحث خانصاحب کی نذر:

حمل کا معنی :

"اتحاد المتغائرین ذهنا فی الخارج" یعنی ذہنی تغائر کے باوجود خارج میں دو چیزوں کا آپس میں اتحاد ہو اس کو حمل کہتے ہیں۔ (تشریحاتِ سواتی)

انصاف کا دامن تھام کر خانصاحب سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ اپنے محسن سواتی صاحب کے بارے میں یہ کہنا پسند کریں گے ؟ کہ:

"تشریحاتِ سواتی کے مصنف نے کوئی کتاب دیکھ کر حمل منطقی کا معنی تو لکھ لیا۔ مگر افسوس ہے کہ اس کی محققین مناطقہ کے نزدیک ایک بنیادی شرط اور بھی ہے اور وہ سواتی صاحب جیسے مصنوعی منطقی کو بالکل معلوم نہیں ہے۔"

عطائے تو بلقائے تو

خانصاحب کو چاہیئے کہ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ جن حضرات نے بھی حمل منطقی کی اس طرح کی تعریف کی ہے ان سب کی اصلاح کریں۔

سابعاً: مناظرانہ بحث اور علمی تحقیق کا تقاضا تھا کہ آپ علامہ خیالی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد وضاحت کرتے کہ مرقات کی تعریف میں واقعی کوئی نقص موجود ہے۔ کسی دوسری کتاب کی صرف عبارت لکھ دینا تو دلیل نہیں۔

ثامناً: خانصاحب کی کتاب راہِ ہدایت پڑھنے کے بعد اگر یہ خیال پیدا ہوتا کہ وہ علم منطق کے ماہر اساتذہ میں سے ہیں تو ان سے پوچھتا کہ:

الحمل " اتحاد المتغائرين فی المفهوم بحسب الوجود" ......یا......

"اتحاد المتغائرین ذهنا فی الخارج" ......یا......

" الاتحاد فی الوجود وثبوت الشیء للشیء وهو لایتصور بدون التقرر الموضوع وثبوته" ......یا......

"اتحاد المتغائرین فی نحو من التعقل بحسب نحو آخر فی الوجود اتحادًا بالذات او بالعرض" ......

ان تعریفات پر ماہرانہ بحث فرمائیں۔ مگر اُن کی تحقیقات انیقہ پڑھنے کے بعد ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اُن سے ایسا تقاضا " **کخرط القتاد** " ہے۔

تاسعاً: قارئین ہی فیصلہ فرمائیں کہ: سونٹھ کی گٹھلی پا کر پنسار کی دوکان سجانے کا محاورہ کس پر صادق آتا ہے؟

کلام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے استدلال کا جواب:

حزب مخالف کے راہنما جناب خانصاحب گکھڑوی لکھتے ہیں۔

"خامساً: عبادت کی جو تشریح حضرت شاہ صاحب نے کی وہ سو فیصدی پکارنے کے معنی پر صادق آتی ہے پھر دعا بمعنی خواندن اور ندا نمودن انکار کرنا صریح غلط اور باطل ہے۔"

شاہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں عبادت کا معنی ہے اپنے آپ کو انتہائی ذلیل اور کمزور سمجھنا، یہ تذلل اس کو چاہتا ہے کہ کمزور میں ضعف ہو اور دوسری جانب قوت ہو، کمزور میں احساس کمتری ہو اور دوسری طرف شرف و فضل ہو، کمزور میں انقیاد و کمتری ہو اور دوسری طرف تسخیر اور نفاذ حکم ہو۔

(حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل ص ۶۰)

اور بے کسی اور بے بسی کے عالم میں ندا نمودن اور خواندن میں یہ سب کچھ پایا جاتا ہے۔ (بلفظہٖ گلدستہ توحید ص ۱۰۱، ۱۰۲)

خادم اہل سنت:

اوّلاً تعریف جامع و مانع ہونی چاہیے، خانصاحب نے "عبادت" کی تعریف لکھی ہے وہ

اس حسن سے عاری ہے۔

ثانیا: مؤلف گلدستہ توحید (خانصاحب) نے حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام سے جو مفہوم کشید کیا ہے وہ صحیح نہیں، جناب کے کہنے کے مطابق، جو انسان بھی بے کسی اور بے بسی کے عالم میں کسی دوسرے کو آواز دے، مدد کیلئے پکارے، گویا یہ اس کی عبادت کرنا ہے اس لئے ایسی پکار شرک اور کفر ہوگا۔

کیا ڈوبنے والا انسان بے بسی کے عالم میں کسی کو بچاؤ کیلئے پکارے یا آگ اور گڑھے میں گرا ہوا انسان بچاؤ کیلئے کسی کے سامنے فریاد کرے یا ظالم طاقتور کی منت سماجت کرے، گڑگڑا کر معافی مانگے، تو کوئی بھی معمولی عقل رکھنے والا اسے شرک کہہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

یہ بات عام مشاہدہ سے ثابت ہے کہ ظلم وستم کے شکنجہ میں پھنسا ہوا انسان ایسی ایسی فریادیں کرتا ہے کہ انسانیت آشنا دل برداشت نہیں کرسکتا، یہ بھی دیکھا گیا کہ باپ یا استاد تادیب وتربیت کے نام پر ایسی ایسی سخت سزائیں دیتا ہے کہ مار کھانے والوں کی چیخیں دور دور تک سنائی دیتی ہیں۔ وہ اس وقت اپنے آپ کو کس قدر بے بس، کمزور اور ذلیل سمجھتے ہیں اور کتنے خوف زدہ ہوتے ہیں؟ اس کا مشاہدہ سب کو ہے۔ بڑے سے بڑا گناہگار بھی اس انداز کی فریاد کو رب رحیم وکریم کے دربار میں کرے تو قرب ولایت حاصل کرلے، لیکن اس کے باوجود مظلوم مسلم کو کوئی بھی غیر اللہ کی عبادت کرنیوالا نہیں کہتا۔ نہ اس کو شرک کہتا ہے، بلکہ اس پر ترس کھاتا اور اس کے بچاؤ کی تدبیر یا دعا کرتا ہے۔

لیکن خانصاحب کی تحقیق کے مطابق ایسی ندا، آواز اور سوال شرکِ خالص کے زمرے میں آتا ہے۔

خانصاحب کے استدلال سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے مقابلے میں اپنے آپکو ذلیل وکمزور سمجھنا اور دوسرے کو طاقتور شرف وفضل والا سمجھنا یا اسے حاکم تصور کرنا اسکی

عبادت کرنا ہے۔اور ماسوی اللہ کی عبادت شرک ہے، اسلئے ایسا شخص شرک کا مرتکب ہے۔

قارئین ہی انصاف فرمائیں کہ خانصاحب کے اس فتویٰ کے بعد عام انسانوں میں سے کوئی بھی مومن و مسلم نظر آئے گا، خصوصاً ظالم، جابر، بدمعاش اور ناانصاف حکمران کے سامنے مظلوم، مجبور اور محکوم جس درجے کے تذلل، فریاد، سوالِ ترحم اور بیکسی، بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے فریاد کرتا ہے، کیا مؤلف گلدستہ کی یہ عبارات اس پر دلالت نہیں کرتیں کہ وہ ظالم، جابر، غیر منصف افسر کی عبادت کر کے مشرک ہوگیا ہے۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

جامع مانع تعریف ہی مفید تام ہوسکتی ہے۔

سمجھ سے عاری لوگ ہی ایسی بات کہہ سکتے ہیں، انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ ''عبادت'' کے مفہوم میں جس ''نہایت تذلل'' کا ذِکر ہے وہ اس وقت پایا جاسکتا ہے جب کسی کو ''اِلٰہ'' سمجھ کر اس کے سامنے عجز وانکساری کا اظہار کیا جائے۔ ہر تذلل وانکساری، عبادت نہیں۔

کیا فرمانبردار بیٹا ماں باپ کے سامنے اور باادب شاگرد اپنے استاد کے سامنے تذلل وانکساری کا اظہار نہیں کرتا، کیا ایسا کرنے سے وہ مشرک ہوجاتا ہے؟

خانصاحب! جان بچانے کیلئے مافوق الاسباب کا بہانہ بنانا بھی مفید نہیں ہوگا کیونکہ حضرت شاہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام میں مافوق الاسباب کی قید ہرگز نہیں، اگر ہے تو اسے پیش کریں۔ اور دوسرے اظہار تذلل اور عاجزی میں فرق کرنے کیلئے مافوق الاسباب، ماتحت الاسباب کی اصطلاح کیسے چسپاں کی جائے گی۔ ......یا ......کیسے فرق کیا جائے گا؟ کہ یہ **تذلل و عجز مافوق الاسباب** ہے اور ایسا **تذلل ما تحت الاسباب**؟

اَصل بات وہی ہے کہ کسی کو اِلٰہ سمجھ کر اسکے سامنے جس طرح کی بھی بے بسی کا

اظہار کیا جائے یا جو بھی اسکی تعظیم و تکریم کی جائے یا اس کا حکم بجالایا جائے وہ عبادت ہے۔

الحمدللہ العظیم تمام اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو ہی اِلٰہ مان کر اس کے حضور فریاد کرتے ہیں، اسی سے مانگتے ہیں، عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہیں، قول و فعل میں اس کی تعظیم بجالاتے ہیں اور اسکے حکم کو بلا چون و چراں حق جانتے اور مانتے ہیں۔ جبکہ مشرکین معبودانِ باطلہ کو اِلٰہ سمجھ کر ان کو مدد کیلئے پکارتے اور انکی تعظیم کرتے تھے۔

"الدعاء هو العبادة" سے استدلال کا جواب:

خانصاحب: رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا:

"الدعاء هو العبادة" پکارنا عبادت ہے۔ (گلدستہ توحید ص ۱۰۷)

خادم اہل سنت: حدیث مبارک برحق ہے، اس کی صداقت پر ہمارا ایمان ہے، لیکن اس سے حزب مخالف کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا، طلب کرنا عبادت ہے اور اسی کو عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے۔ اَب اس سے یہ مفہوم کشید کرنا کہ: "کسی کو بھی پکارنا، اس کی عبادت کرنا ہے، جو کہ شرک ہے"۔ بالکل غلط ہے۔ جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا کہ جناب مؤلف صاحب کو یہ وضاحت کرنی چاہیئے کہ "الدعاء" پر لامِ تعریف کونسی قسم ہے؟ جب ہی اس پر تبصرہ ہو سکے گا۔

جناب گکھڑوی صاحب کے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ لام العہد ہے جس کی رُو سے اس کے نزدیک پکارنے کی مافوق الاسباب قسم اس حدیث سے مراد ہے۔ جیسا کہ خانصاحب نے لکھا:

"ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ: مافوق الاسباب طریق پر کسی کو پکارنا اس کی عبادت کرنا ہے۔" (گلدستہ توحید ص ۱۰۹)

تو تشریح طلب سوال یہ ہے کہ احادیث مبارکہ کی ایسی تشریح کرنے کا انہیں کس نے حق سونپا ہے؟ کیا جناب ہی احادیث کے مترجم اور شارح ہیں...... یا...... ان سے پہلے

اَن گنت اہل علم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین سے لے کر آج دِن تک جو خدمت حدیث میں مصروف رہے ہیں۔ان میں سے کس نے لکھا ہے کہ:" الدعاء ھو العبادۃ " سے مراد الدعا علی طریق مافوق الاسباب "ھو العبادۃ " ہے اور ساتھ ہی انہوں نے مافوق الاسباب کا مفہوم بھی بیان کیا ہو؟۔

کوئی بت پرست، بت کو قریب سے پکارے، اس کا احترام کرے یا پاس رکھی چیز سے متعلق بت سے مدد مانگے، تو ایسا کرنا جائز ہوگا؟ کیونکہ اس پر مافوق الاسباب کی تعریف صادق نہیں آتی ۔ خانصاحب کی اس انوکھی تحقیق کے مطابق بتوں کو قریب سے پکارنے والے مشرکانہ فعل کا ارتکاب نہیں کررہے۔

حرفِ آخر: ماسوی اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا مسئلہ اس کتاب کا اگرچہ موضوع نہیں چونکہ خانصاحب گکھڑوی نے فاتح قادیانیت حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر بے جا تنقید کی ہے، اس لئے اس مسئلے پر یہ سطور تحریر کی گئیں۔ خلاصہ اس کا یہی ہے کہ: کسی کو اِلٰہ سمجھ کر اس کو پکارنا، اس سے سوال کرنا، کسی بھی قسم کی تعظیم کرنا، "عبادت" ہے۔

الحمدللہ العظیم کوئی بھی ایماندار اللہ تعالیٰ کے سواء کسی کو "اِلٰہ" نہیں سمجھتا۔

" اِنَّمَا اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۝ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمِ "

پر پختہ عقیدہ ہے۔

تصورِ اِلٰہ:

حضرت علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اِلٰہ کا مفہوم اِن الفاظ میں رقم فرمایا:

" ان شرح اسم الا لہ ھو الواجب الوجود لذاتہ الحی العالم المرید القادر الخالق المدبر فمتٰی اطلقوہ علٰی شئ لزمھم وصفہ بذلک شآء وا أو أبوا "۔

(تفسیر روح المعانی جلد ۹ ،ص ۲۸ الجز السابع عشر آیۃ ۲۲ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان)

''اعلاء کلمۃ اللہ'' پر تنقیدی بحث کو بڑھاتے ہوئے خانصاحب گکھڑوی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے استدلال کرتے ہیں۔

خانصاحب:

''حضرت شاہ ولی اللہ صاحب باب اقسام الشرک کو ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں۔ ''شرک کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان انسانوں کی کسی بڑی ہستی میں عجیب وغریب کرامات دیکھے، اور یہ اعتقاد کرلے کہ یہ اثار جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں، اور کسی دوسرے میں ہرگز نہیں پائے جاسکتے۔ یہ بزرگ ہستی چونکہ صفات کمال سے موصوف ہے، اور اس میں یہ آثار اس لئے پائے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو الوہیت کی خلعت سے نوازا ہے۔ یا اس بزرگ نے فناء فی اللہ کا درجہ حاصل کرلیا ہے اور اپنی ذات بالکل مٹادی ہے اس سے جو کچھ صادر ہوتا ہے۔ گویا خدا کررہا ہے۔ اور اس قسم کے اور کئی خرافات اس معتقد کے ذہن میں آتے ہیں۔

(حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل ص ۶۱) گلدستہ توحید ص ۹۹،۱۰۰)

خادم اہل سنت: خانصاحب گکھڑوی نے جس تناظر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے اس حوالہ سے یہ سوال حل طلب ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کے ذریعے سے ''اعلاء کلمۃ اللہ'' کے کونسے مسئلے کا ردّ ثابت ہورہا ہے، جناب خانصاحب کو اس کی وضاحت کرنی چاہیے تھی کہ حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فلاں قول حضرت شاہ ولی اللہ کی اس تحقیق کے خلاف ہے۔ صرف حوالہ نقل کردینا، مناظرانہ استدلال کا انداز ہرگز نہیں۔ البتہ کسی بڑی شخصیت کا نام استعمال کرکے قارئین کو مرعوب ومتاثر کرنا مقصود ہوسکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عربی عبارت جس کا ترجمہ خانصاحب کی قلم سے نقل کیا گیا ہے اس میں شرک کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں:

پہلی صورت: یہ کہ کسی وصف کمال (جیسے حیات، ارادہ، علم، سمع، بصر، قدرت وغیرہ) کو

''اللہ تعالیٰ کا خاصہ'' جان کر پھر اس خاصہ الوہیت کو کسی معزم ومکرم شخصیت کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔

خادم اہل سنت: یہ درست ہے، کوئی بھی وصف کمال (علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر وغیرہ) جس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ جس لحاظ سے خاصہ اُلوہیت ہے اس اعتبار سے کسی مخلوق کیلئے اس صفت کو ثابت کرنا شرک ہے مگر اس سے حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ''اعلاء کلمۃ اللہ'' کا رد کیسے ثابت ہوا؟ حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کونسی عبارت سے انہوں نے یہ غلط نتیجہ کشیدہ کیا کہ ''حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فلاں وصف کو خاصہ الوہیت کو مانتے ہوئے اولیاء اللہ کیلئے ثابت کرتے ہیں۔ خانصاحب اس کا ثبوت ہرگز نہیں پہنچا سکتے۔

خیال رہے کہ بہت سے اوصاف کمال جو اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں، لفظی طور پر وہ اوصاف بندوں کے حق میں بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ قرآن وحدیث میں اس کا ذکر موجود ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کیلئے وصف ہونے اور بندوں میں اس صفت کے پائے جانے میں بہت فرق ہے، ان کے معنی اور حقیقت میں بو نٌ بعید ہے مثلاً سمع بصر (دیکھنا، سننا) اللہ تعالیٰ کے اوصاف سے ہے، بلکہ ان کو بطور خاصہ الوہیت ذکر کیا گیا ہے جیسے:

انہ ھو السمیع البصیر بیشک وہی سمیع بصیر ہے۔ (وہی دیکھتا سنتا ہے)

جب کہ اسی خالق و مالک کا انسان کے متعلق یہ ارشاد ہے۔

فجعلناہ سمیعا بصیرا اور ہم نے اس انسان کو سمیع اور بصیر (سنتا دیکھتا) بنایا ہے

اللہ تعالیٰ کو بھی سمیع اور بصیر ماننا، جاننا ضروری ہے اور دوسری آیت کی روشنی میں انسان کو بھی سمیع وبصیر (سنتا دیکھتا) ماننا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت سمع و بصر، اس کا سمیع بصیر ہونا ازلی، ابدی، دائمی، ذاتی واجب وضروری ہے جبکہ بندوں میں یہ صفت عطائی، مخلوق، حادث اور ممکن ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ مخلوق میں سے کسی

کیلئے صفت کمال کا اس انداز سے تسلیم کرنا جیسا کہ خاصہ الوہیت ہے شرک وممنوع ہے۔

مؤلف راہ ہدایت کوئی ایسا حوالہ دکھا سکتے ہیں کہ فلاں آدمی یا فلاں جماعت، فلاں صفت کمال کو ''خاصہ اُلوہیت'' تسلیم کرنے کے باوصف اُسی طرح اُس وصف کو بزرگوں کیلئے عقیدہ رکھتے ہیں۔ جو لوگ اس لازمی فرق کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے فتویٰ شرک صادر کرتے ہیں، اصل میں وہ قرآنی تعلیمات مقدسہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں یہاں پر خانصاحب کے مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب کا حیلہ بھی نہیں چلے گا اور اگر مافوق الاسباب کا وہ مفہوم مراد لیا جائے جسے خانصاحب نے کئی عشروں کے بعد اختیار کیا وہ تو محل نزاع ہی نہیں۔

دوسری صورت: شرک کی دوسری صورت یہ بتائی گئی ہے کہ کسی بزرگ شخصیت کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اُلوہیت کی خلعت سے نوازا ہے اسے ایسا سمجھ کر اس سے مدد مانگنا، پکارنا شرک ہے۔

خادم اہل سنت: ''اعلاء کلمۃ اللہ'' میں کہاں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام کو خلعت الوہیت سے نواز رکھا ہے، اس لیے ان سے مدد مانگنا اور ان کو پکارنا درست ہے اگر اس کا ثبوت نہیں تو حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحریر کا کیسے رد ہوا ''خلعت الوہیت'' اور ''خلعت عبودیت'' میں واضح فرق ہے۔

تیسری صورت: شرک کی تیسری صورت یہ بتائی گئی ہے کہ کسی مکرم و معظم شخصیت کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ اس نے اپنی ہستی کو مٹا کر صوفیائے کرام کی اصطلاح کے مطابق فنا فی اللہ کا مقام حاصل کرلیا ہے، اس سے جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔

خادم اہل سنت: اگرچہ کلام کے اس حصے کا تعلق بھی حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ کی تحریر سے کسی صورت نہیں جڑتا، تاہم اس کلام کو سمجھنے کیلئے وضاحت ضروری ہے۔

خادم اہل سنت اس کلام سے جو کچھ سمجھا ہے شاید خانصاحب کو اس سے اتفاق نہ ہو، اس لئے وہی وضاحت کریں کہ تصوف کی اصطلاح میں فنا فی اللہ کا کیا مفہوم ہے؟ اور حضرت محدث دہلوی کی عبارت میں واقع ''گویا خدا کر رہا ہے'' کا کیا مطلب ہے؟

ان اشکال کا جواب لکھتے وقت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول: ''تصرف بالحق فی الحق'' کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ نیز حضرت شاہ صاحب کے فرزندِ گرامی خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کو بھی مدِ نظر رکھنا بہت ضروری ہے؛ کیونکہ حضرت شاہ عبدالعزیز سے بہتر حضرت شاہ ولی اللہ کے عقائد کو کون سمجھنے والا ہوگا؟۔ حضرت شاہ صاحب تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں:

" درینجا باید فهمید که استعانت از غیر بوجهی که اعتماد بران غیر باشد و او رامظهر عون الهی نداند حرام است و اگر التفات محض بجانب حق است و او را یکے از مظاهر عون دانسته و نظر بکارخانه اسباب و حکمت او تعالیٰ در آن نموده بغیر استعانت ظاهر نماید دور از عرفان نخواهد بود و در شرع نیز جائز و رواست وانبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت بغیر کرده اند و در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکه استعانت بحضرت حق است. (تفسیر عزیزی جلد اوّل صـ۸)

جناب اشرفعلی صاحب تھانوی نے "وما رمیت اذ رمیت " کی تفسیر میں مسائل سلوک کے عنوان سے جو تحقیق فرمائی اسے ضرور دیکھا جائے کہ جناب تھانوی صاحب فتویٰ شرک کی زد میں تو نہیں آتے۔

مسئلہ استعانت پر بحث کرتے ہوئے علماءِ اہل سنت، دیوبندی عالم جناب شبیر احمد عثمانی کے مندرجہ ذیل عبارت سے استدلال کرتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مستقل سمجھ کر اس سے استمداد کرنا منع ہے، مظہرِ عونِ الٰہی سمجھ کر انسان سے استعانت کرنا شرک نہیں"

اس کے جواب میں خانصاحب گکھڑوی نے جو کچھ لکھا اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارنے کے مترادف ہے۔

خانصاحب:

"نوٹ: بعض لوگوں کو حضرت شیخ الہند کے حاشیہ سے غیر مستقل استعانت کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ وہ لوگ مستقل کا معنی سن لیں اور مستقل بالتاثیر ہونے کے معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام اس کے سپرد ایسے طور پر کر دیئے ہیں کہ وہ ان کے نافذ کرنے میں حق تعالیٰ کی مشیت خاصہ کا محتاج نہیں ہے گو اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت ہے کہ اس کو اس تفویض (واختیارات) سے معزول کر دے۔ (البوادر النوادر جلد۲ ص ۷۰۸)

اور لوگ جہالت کے سبب جس کو غیر مستقل سمجھے وہی ان اکابر کی تصریحات کی رُو سے بالاستقلال کا معنی ہے انتہی بلفظہ (گلدستہ توحید ص ۱۰۲)

خادم اہل سنت:

جناب محمود الحسن دیوبندی کے تفسیری حاشیہ میں جناب شبیر احمد عثمانی صاحب نے جو لکھا اس کا مطلب صاف شفاف عام فہم ہے۔ ان کے کلام کا وہی معنی ہے جو علماء کرام ایسے موقع پر لیا کرتے ہیں۔ خانصاحب کے نزدیک اس کلام کا ظاہری معنی مقصود نہیں۔ تو اسکی وضاحت عثمانی صاحب کی کسی عبارت سے ثابت کرتے، جبکہ ایسا کرنے میں ناکام رہے

تھانوی صاحب کی جو عبارت نقل کی ان کیلئے ہرگز مفید نہیں کیونکہ اس عبارت میں مستقل بالتاثیر کا ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ شخص حق تعالیٰ کی مشیت خاصہ کا محتاج نہ ہو۔ اگر مستقل کا یہ معنی بھی مراد لیا جائے تو بھی خانصاحب کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اہلسنت و جماعت اس معنی میں کسی نبی یا ولی کو متصرف مانتے ہیں اور یہ کہ اہل سنت و جماعت کے

مسلک میں فلاں فلاں بزرگ اللہ تعالیٰ کی مشیت خاصہ کا محتاج نہیں۔ حالانکہ اہل سنت و جماعت کا متفقہ قطعی عقیدہ ہے کہ:

"ممکن کا ہر فعل، ہر حرکت، بلکہ ارادہ وقصد بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کا محتاج ہے۔ ہاں اس معنی میں معتزلہ انسان کو اپنے افعال میں مستقل بالتاثیر سمجھتے ہیں۔ ان کے عقیدہ میں انسان اپنے افعال کا خالق ہے۔

"نور ہدایت" کے مقدمہ میں دلائل سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ معتزلہ کے اس گمراہ عقیدہ کی توثیق وتصحیح خانصاحب کے مرشد جناب حسین علی صاحب واں بھچراں والوں نے کی، جس کی وجہ سے جناب تھانوی صاحب اور دیگر اکابر علماء دیوبند نے ان کی تفسیر کو انتہائی گمراہ کن قرار دیا ہے۔

مقدمہ میں اس پر تحقیقی وتنقیدی بحث کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اسکے ساتھ خانصاحب کو یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ معتزلہ کی اس کھلی گمراہی کے باوصف متکلمین اہل سنت اور نانوتوی صاحب نے ان کی تکفیر نہیں کی، معتزلہ اگرچہ انسان کو خالقِ افعال کہتے ہیں مگر ان کے تکفیر نہ کرنے کی یہ وجہ بیان کی گئی

"لانهم لايجعلون خالقية العبد كخالقية الله تعالى"

جبکہ مؤلف راہِ ہدایت کے نظریہ میں یہ کھلا شرک ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ عز اسمہ، اپنی بے بضاعتی، کم علمی، کے باوجود "مسئلہ تصرفات و اختیارات" کو مدلل طور پر تحریر کر دیا۔ جویانِ حقانیت، طالبان حقیقت اور انصاف پسند مسلمان کیلئے یہ دلائل کم رہنما نہیں، بلکہ منزلِ ہدایت تک پہنچنے کیلئے صحیح وروشن صراط مستقیم ہیں۔ باقی رہا متعصب اور ضدی انسان، تو وہ کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسکے انکار سے حقانیت میں کیا فرق پڑے گا؟۔

شب پرہ گر وصل آفتاب نخواہد — رونق بازار آفتاب نکاہد

اے خالق کائنات!

اس ناچیز سعی کو قبول فرما اور جو غلطیاں ہوگئی ہیں انہیں دامنِ عفو میں چھپا۔ حق پر زندہ رکھ، اور حق پر خاتمہ کر، اور قیامت کے روز ابرار وصالحین کے زمرہ میں اٹھانا، باعزت وباپردہ رکھنا۔

اے ہمارے رب!

ہم ہر حالت میں تیری رحمت کے محتاج ہیں۔ ہمیں کسی وقت بھی اپنی رحمت سے دور نہ کرنا اور ہم تمام مسلمانوں کا خاتمہ بالخیر فرمانا۔

خدایا بحق بنی فاطمہ　　که بر قول ایمان کنم خاتمه
اگر دعوتم رد کنی ور قبول　　من ودست دامانِ آلِ رسول ﷺ

استغاثہ ببارگاہِ حبیب خدا!

اے محبوب رب العالمین! اے امام الاوّلین والآخرین!

اے "ابوطالب" کو نہ بھولنے والے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیک وسلم!

آپ ہی ہم پر نظر رحمت کیجئے!

اور کسی بھی وقت ہمیں فراموش نہ فرمایئے! ہماری خطاؤں کو نہیں، بلکہ اپنی رحمت کے وسیع دامن کو دیکھئے! اور ابرِ شفقت کے سایہ میں رکھیئے! یارسول اللہ!

تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

اے اللہ! اے مالک ارض وسما!

پھر تجھ سے ہے التجا اور تیری طرف ہی سب کی انتہا

اس پیارے رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ کا سچا تابعدار و غلام بنا

ملّت بیضا کی خدمت کا جذبہ صادقہ اور توفیق خیر رفیق مرحمت فرما

اور ظاہری باطنی امراض سے بچا

اللهم اهدنا الصراط المستقيم ○ صراط الّذين انعمت عليهم ○
اللهم اغفرلنا ولوالدينا ولاستاذنا ولمن احسن الينا
ولجميع المؤمنين والمؤمنات .

وصلى الله تعالىٰ وسلم على سيد العالمين شفيع المذنبين
المتصرف فى السمٰوٰت والارضين سيدنا ومولانا محمد
المصطفىٰ رحمةللعالمين
وعلىٰ ازواجه امهات المومنين واله وصحبهٖ الطيبين
وعلىٰ اولياء امتهٖ وامته اجمعين .
صلاةً تدوم بدوام ذات الاحدية والواحدية
برحمتک یا ارحم الراحمين.

المعتصم بحبل الله المتين

ابو الخير حسين الدين

حنفی قادری چشتی سلطان پوری

غفر الله تعالىٰ له ولوالديه

❁❁❁❁❁

﴿تقریظ شریف ورائے منیف﴾

زبدة المحققین ، عمدة المدققین رأس المحد ثین ،
قدوة الکملاء . اسوة الفضلاء حضرت استاذی المحتشم
مولانا **محب النبی** دامت برکاتہم العالیہ،
شیخ الحدیث جامعہ غوثیہ آستانہ عالیہ گولڑہ شریف

الحمد للہ الواحد القادر المختار بالذات
ثم الصلوٰة علیٰ نبیہٖ و حبیبہ المختار بالاختیارات المعطات .

اما بعد رسالہ ھذا بفضلہٖ تعالیٰ افتادہ .
رسالہ ھذا برائے اھل سنت و جماعت موجب
رشد و ھدایت در موضوع خود کافی است .
اللہ تبارک و تعالیٰ برائے مصنف علّام ایں رسالہ
مع مقبولیت ذریعہ نجات گرداند .

آمین یارب الغلمین

محبّ النبی نزیل آستانہ عالیہ غوثیہ
گولڑہ شریف

❁❁❁❁❁

فہرس الموضوعات